



ڈاکٹر زاہر حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA
JAMIA NAGAR

NEW DELHI

Please examine the book before taking
it out. You will be responsible for
damages to the book discovered while
returning it.

DUE DATE

Cl. No. _____ Acc. No. _____

**Late Fine Ordinary books 25 p. per day, Text Books
Re. 1/- per day, Over night book Re. 1/- per day.**

[illegible]



2

9/-

اردو تھیٹر ٹرسٹ بنگلور۔ بہترین ڈراموں کے لئے انعامات

اردو تھیٹر ٹرسٹ بنگلور نے اردو ڈرامے کے فروغ کے لئے دو انعامات قائم کئے ہیں۔ پہلا انعام مبلغ دس ہزار روپیوں پر مشتمل ہوگا بہترین طبع زاد ڈرامے کو دیا جائے گا۔ دوسرا انعام جو مبلغ پانچ ہزار روپیوں پر مشتمل ہوگا کسی بھی ناول یا افسانے سے ماخوذ ڈرامے کو دیا جائے گا۔ مقابلے میں شامل ہونے والے ڈرامے مندرجہ ذیل شرائط پر پورے اترنے چاہئیں۔

شرائط

۱. منتخب ڈرامے کے جملہ حقوق تیس سال کے لئے اردو تھیٹر ٹرسٹ کے حق میں محفوظ رہیں گے۔
۲. ڈرامہ پہلے طبع اور ہو یا ماخوذ نوے منٹ کا ہونا چاہیئے۔
۲. ڈرامہ اردو میں کاغذ کے ایک طرف لکھا ہونا چاہیئے۔
۳. ڈرامہ کسی بھی موضوع پر ہو سکتا ہے۔
۵. ہر ڈرامے کے ساتھ تحریری یقین دہانی آنی چاہیئے کہ ڈرامہ طبع زاد ہے۔
۶. ماخوذ ڈرامے کے ساتھ اصل ناول نگار، افسانہ نگار کی تحریری اجازت بھی مامور ضروری ہے۔
۷. ڈراموں کے انتخاب کے سلسلے میں اردو تھیٹر ٹرسٹ کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اور اس سلسلے میں کوئی غلط و کتابت نہیں ہوگی۔
۹. ڈراموں کی وصولیابی کی آخری تاریخ ۱۵ فروری ۱۹۷۳ء ہوگی۔ اس تاریخ کے بعد وصول ہونے والے ڈرامے قبول نہیں کئے جائیں گے۔ غیر منتخبہ مسودات کی واپسی کے لئے پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ ضروری ہے۔
۱۰. ڈرامے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اسٹیج پر پیش ہونے کی تمام ضروریات کو پورا کر رہا ہو۔ کسی بھی طرح کے قانونی تنازعات کا فیصلہ بنگلور کی عدالت میں ہوگا۔

URDU THEATRE TRUST

وضعیات اور مابعد وضعیات کے مرکزی تصورات

وضعیات کی تمام شاخوں میں کئی باتیں مشترک تھیں۔ (اول یہ کہ) انسانیات کے تصورات کا استعمال سب کرتے تھے۔ اگرچہ سمندرل وضعیات نے انسانیات کو بطور اگر تحقیق و تفتیش ترقی دینے کی کوشش کی تھی لیکن انسانی وضعیات پرندوں کی جدید کاری کے پروگرام میں انسانیات کی تصورات کو اہمیت حاصل تھی۔۔۔ دوسرا تو جو پہلو جس کو وضعیات کے مکہ پوجیوں نے سختی سے ناپسند کیا وہ وضعیات اور مابعد وضعیات کی غیر بشر دوستی یا پھر ان کی تعریف و تحقید تھی بشر دوستی پر یہ تعریف و تحقید یورپی اسٹوڈنٹس کے وسیع وسیط طریقہ پر پروگرام میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اور فوکو کی کتاب ORDER OF THINGS (1944) میں بھی اور دیکھا کہ اس مطالبے میں بھی کلام ہیں بشر دوستی کی جگہ کوئی اور تصور اختیار کرنا چاہئے۔ یہ تحقیر فرانس کے باشر *ECOLE NORMALE SUPERIEURE* کے آرکی گروپ کے یہاں بھی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بشر دوستی کی یہ تحقیر فرانسیسی وضعیات اور مابعد وضعیات کا نمایاں ترین پہلو ہے۔ لیکن اتنا ہی تو جو دیگر ادعا تھا ہی نمایاں ایک پہلو وضعیات اور حقیقت (سچا) و تمیز (حق) ہے۔۔۔ فوکو اور دیگر اشخاص کی بات پر متفق ہوں گے لیکن اس معاملے میں دونوں کے یہاں اتفاق ملتا ہے کہ فاکل *SUBJECT* ترک کر دینا چاہئے۔ بات نے سچائی کو یہ کہہ کر دیکھا کہ وہ شخص بے کاروبہ فائدہ تعصب ہے۔ میدانے سے فقط مرکزیت کا نام دے کر محض دتر فید کا ہدف کے نظریات ہیں وہ *EPISTEME* کے بدلے ہوئے رنگوں کا اثر سے تابور ہو گئی صرف اکثر سے کو سچائی میں یقین نہ رکھتا تھا لیکن سچائی کے تصور حقیقت (سچا) اس قدر غیر ترقی یافتہ اور کٹ چھٹی پر مبنی تھا کہ اس سے سچائی کی پشت پناہی کے بدلے اس کی گورنری ہی ہوتی تھی یہ بات ملاحظہ کو بہن کرنا ضروری ہے اور سچائی سے انکار کرنا یہ صرف فرانسیسی وضعیات اور مابعد وضعیات کی مفکرین کا خاصہ نہیں یہ ان تمام فلسفیانہ رجحانات کا خاصہ اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد کہ وہ موضوعات پر علم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی ان کے میدان میں ان مسائل کے نئے علم و روشنے کی کوشش کر

ٹاس پاؤل (۱۹۸۹)

ماہنامہ دی خواہان شب خون کو سال نومبر ۲۰۰۸ء

شعریات

جنوری ۱۹۹۴ء

مدیر: عقیلہ شاہین	فیل فون: ۴۲۴۵۴۴، ۴۲۳۱۳۷	جلد: ۲۷	شمارہ: ۷۷
طبع: اسرار کریمی، الہ آباد	سرورق: زوار حسین	خطاط: سید احمد عباس	
بارہ شمارہ: سو روپے	فی شمارہ: نو روپے	دفترو: ۳۱۳ راتی منڈی الہ آباد	

قصیدات اور مہادن و ضعیات کے مرکزی تصویبات	مسعود اشعر میں بہت خوش قسمت ہوں، ۳۱
قاضی سلیم، وعید، ۳	صبا اکرام، غزل انظمیں، ۳۹
جیلانی بہارن، نظمیں، ۵	کرشن کمار پور، غزلیں، ۴۱
فضا ابن فیضی، غزلیں، ۶	وقار ناصر، غزلیں، ۴۲
مظہار امام، غزلیں، ۱۰	صابر شعلی، مختصر اردو لغت: ایک جہوی جائزہ، ۴۳ ✓
شمس الرحمن فاروقی، غزل، ۱۲	انیس رفیع، کرنیو سخت ہے، ۵۳
محمد سلیم الرحمن، ہر مجدوں کی صبح، ۱۳	علی الدین انصاری، نظمیں، ۵۴
سہیل احمد زیدی، غزلیں، ۱۴	شمس الرحمن فاروقی، شعروشراکتیز، ۵۹
ممتاز شیریں، خطوط، ۱۵ ✓	پروین کمار اشک، غزلیں، ۶۸
محمد صلاح الدین پرویز، نظمیں، ۲۰	مظہر الزماں خاں، ڈارک روم، ۶۹
باقیس ظفر الحسن، پوسٹو نظمیں، ۲۶	قاضی افعال حسین، چوہدری ابن النہیر، کتابیں، ۷۲
سرشار بلند شہری، نظمیں، ۳۰	قائین شب خون، کھتی ہے خلق خدا، ۷۶
	ادارہ اخبار وای کار، اس بزم میں، ۸۰

شمس الرحمن فاروقی

قاضی سلیم

وقت کی صدا ہے خوف

کس قدر گھنا ہے خوف

لوگ ہم کے

سو کھٹھ پیر بن گئے

جسم کی نسوں میں

راڈروں کے تار تن گئے

بے بسی کی بے نگاہ آنکھ سے

ایک دوسرے کو گھورتے ہیں

ایک دوسرے سے بولنے کا وقت اب کہاں

کیا کہیں

ہم ان سے آج کیا کہیں

جن کی سرزمین پہ دو خدا تھے

ایک آگے آگے چل رہا تھا

آسمانی راستوں کی سب نشانیاں

لے کے مغربی فضاؤں کی طرف نکل گیا

دوسرا

مہربان کارساز

گھر میں رحمتوں کی برکتوں کی روشنی

ہزاروں سال پہچھے

ست جگہوں میں جا بیا

دل و نظر کا نور چھن گیا

بچھے چراغ کی کلونج منہ پہ تھوپ کر

مہبتا ننگن میں ڈولنے کا وقت اب کہاں

کیا نظام وقت ہے
 دیکھتے ہی دیکھتے
 سب سوروں کا کھسوں کے غول میں بدل گئے
 کوئی سامری
 کوئی ابراہم
 کوئی بھسا سورد ہو گیا
 جس کا بس چلا
 زبر ہو گیا
 یہ خیر ہے
 نفروں کی کھل کاٹے میں لگ گئے
 ظلم شیطن کے جال
 کھولے کا وقت اب کہاں
 جن کے گھر اڑ گئے
 جن کے پیر اٹھ گئے

جن کے پاس خوف کے سوا
 اب کوئی خدا نہیں
 وہ بے پناہ
 پیچھے ہی زمین میں اتر گئے
 جنگلوں میں سر چھپائے زخم کھائے جانور کی طرح
 آہٹوں کو سونگھتے ہیں
 جانے کب چھپٹا پڑیں
 (ربِ ذوالجلال
 آخرت کی خیر)
 دہشت و ہراس کی درد منگی ہے وہ درد منگی
 کہ جس کی کوئی صفت نہیں
 کسی کے پاس سچ کو تولے کا وقت اب کہاں
 مہربوں کو رونے کا وقت اب کہاں

جیلانی کاہران

دیس پر دیس

وہ راہ ---

(۱)
کئی سال میں دیس پر دیس گھوما
بہت راستوں کی مصیبت اٹھائی
لوہکن میں نکلا بڑھاپے میں لوٹا
طلسمات میں عمر اپنی گنوائی

وہ راہ جس پر نہیں گئے ہم
وہ راہ ہونے سے رہ گئی ہے
وہ میری آنکھوں
تمہاری آنکھوں کی اٹکبازی میں بہہ گئی ہے!
وہ راہ جس پر نہیں گئے ہم
وہ راہ ہم سب سے کھو گئی ہے!

(۲)
جہاں حال و ماضی کا ناٹھ ہوا ہے
وہاں میں نے بیڑوں پہ انسان دیکھے
گھنے بچے میں سورج کی بات دیکھی
فلک سے نکلے یہاں دیکھے!

خواب کی رت میں
اگر سافر تو دیکھ پائے نشان نشان سے
زیں نے پانی ہے تازگی اب کہاں کہاں سے
خیال رکھنا

(۳)
بہاروں کے موسم میں دکھ کی کہانی
جو تم نے سنی ہے وہ میں نے کجی ہے
بہی عمر میرے رستے کی حرم
مے ساتھ دنیا میں اکثر رہی ہے

ہماری خاطر نشان کو بھال رکھنا!
وہ راہ جس پر نہیں گئے ہم
وہ طلیں کاٹنے سے ہو گئی ہے۔
وہ راہ جس پر نہیں گئے ہم
وہ راہ شاید ہماری خواہش میں ہو گئی ہے!

فضا بن فیضی

بدن دریدہ، نفس تار تار لے کے اٹھوں
میں روزگاندے پناہت کا بار لے کے اٹھوں
مرے وجود کا صہ، عجب بلا تیزی
کہ جب کہیں سے اٹھوں کچھ غبار لے کے اٹھوں
یہ مجھ سے بڑھ کر، کہ موسم کا عیش ہے کیا چیز
چرخ میں یہ اٹھوں تو غبار لے کے اٹھوں
یہ خاصیت تو غلاموں کے خاندان کی ہے
خودی کو ہاتھ سے دوں اختیار لے کے اٹھوں
وہ قہار ہوں میں جو میراں موج دریا ہے
جو تھم رہا ہے گرہں، آبشار لے کے اٹھوں

نور فوں خواب اثر، ٹوٹنا نہیں
کیا ہے، کہ ربط شام و سحر ٹوٹنا نہیں
جہاں کھڑی ہے دیر سے تیشہ بدست دھپ
سلنے ہوئے دو نکت، شبح ٹوٹنا نہیں
جنرل کی مجھ میں ہے، کس حد پر گرد گرد
پھر بھی، غرور راہ گزر ٹوٹنا نہیں
تکلیک کا ہدف ہوں، مگر، اعتبار ذات
سرشتہ، عقین نظر، ٹوٹنا نہیں
تیرے مرے بدن کی سلامت ہے بڑا گ
جب تک کہ ہوا میں شہر ٹوٹنا نہیں
سورج مرے انا کا خفا ہے ابھی بلند
نیزے کی خاک اڑ گئی، سر ٹوٹنا نہیں

فضا میں فضا

بہار کوئی بھی کوشش نہیں ہونے والی
 یہی بادل ہیں تو بارش نہیں ہونے والی
 یہ جو خوشبو ہے اسے فکروں میں کہیں کہوں
 مروج گل غلط انگارش نہیں ہونے والی
 مجھ کو دکھاو کہ ہوں میں زخموں کا سحر کا
 شہر میں پھر یہ نمائش نہیں ہونے والی
 چاک تا چاک یوں ہی گھومتے چلتے ہیں
 ختم حالت کی گردش نہیں ہونے والی
 تازہ موسم کی ہوائ ہے ہوا چھوڑے نہ اسے
 سوختہ شاع میں جنبش نہیں ہونے والی
 ان دنوں اس کا بھی کنگول عطا خانی ہے
 تجھ پہ اب کوئی نوازش نہیں ہونے والی
 دو دو ٹورہ ہی یہی شکل جہاں کا ہیں پورے
 مجھ سے صورت کی پریشانی نہیں ہونے والی
 کیوں دس دقت سے بڑا نمونہ لگا کر دس
 یوں ہی پوری کوئی خواہش نہیں ہونے والی
 غریب دل کا ہیں شوق پارہ سرے لفظ فضا
 تجھ سے یہ فکر یہ کاوش نہیں ہونے والی

گزرتی تھی کی یلغار میرے سامنے تھی
 وہی گرتی ہوئی دیوار میرے سامنے تھی
 تحفظ کے لئے اپنے کسے آواز دیتا
 کہ غنچہ چھت پر، تلوار میرے سامنے تھی
 کہیں نزدیک شاید شہر کوئی چل رہا تھا
 دھوئیں کی اس سیدہ دیوار میرے سامنے تھی
 میں خود کو ریزہ ریزہ جمع کرنے میں رہا گم
 ہوا انگیرے ایوار میرے سامنے تھی
 بہت سی کتابوں کی زندگی کرنا تھی، مجھ کو
 بسا ایشیہ کردار میرے سامنے تھی
 قدم اٹھاتے تو پھر پیچھے نہ مڑ کر میں نہ دیکھا
 کہ اپنے ہمد کی رفتار میرے سامنے تھی
 میں کس کس کو دکھاتا زخم اپنی آگہی کے
 بڑی شکل ہیں انہما میرے سامنے تھی
 بدلنے کو تو بدلا، اٹھنے کا زاویہ بھی
 مگر صورت وہی، ہر بار میرے سامنے تھی
 مجھے بھی پہل انگاری کے ڈھب گتے ہیں لوگو
 مگر ہمدی عیار میرے سامنے تھی

فضا این فیضی

ہوں نظر کر کے تو یہ راہوار نفس
کہیں تو غیمہ نگاؤں پس غبار نفس
بہال مرض تو دے ذوق راگانی عمر
حساب زندگی لکھوں کہوں شمار نفس
بہ قدر شعلہ آتش ہی سہی بھال کے رکھ
ملا ہے تھکے جو یہ ہدیہ شہوار نفس
ٹھکانے رکھ دے پہلے کے لاگو نہ جس
کون دوں ہے بہت سرد راہوار نفس
غلط ہے وہ کہ ساف میں غلط ہیں ہے
لکھ لکھ پاشہاں سے کون شمار نفس
میں دویاں میں ہوں بیل و چوہا و مگر
نہ ٹوٹ جائے یہ دیوار جاں حصار نفس
یہ بوج بوج بکھرتا ہوا سلب بدن
نفس نفس یہ اترا ہوا حصار نفس
بہاں بکھلتی، منظر ہوں میں چڑھاں کا
پلک پلک ہے، وہی آتش خیمہ نفس
کہوں یہ کس سے ذرا میرا جو چہ ہلکا کر
اٹھائے دوش پہ پھرتا ہوں رخت جاکر
ہوں کائنات کے بلے میں، تنگ کا ہوتے
مرا وجود ہے، میرا ان اعتبار نفس
فضا اتھاؤ کا یہ علم ہر کون کے کر
دراز کار ہاں، تنگ کار ہاں نفس

لکھتے دور کا ورثہ، جہنم کے نام لکھوں
میں ساری دھوپ، اسی کجی کے نام لکھوں
ہوئے تمام کیں، باقی توں کے رشت میں گم
اب ان مکانوں کو میں کس کھنڈر کے نام لکھوں
ابھی تو رات شرابور گہری نیند میں ہے
اب اور خواب میں خواب کجی کے نام لکھوں
ستون آپ پہ ہے تھر زخمی، قاسم
بکھرتی موتیں کو، دیوار دور کے نام لکھوں
وہ علقن ہے بہت، بادبان پھیلا کر
کوئی پیام، ہوا کے پھنور کے نام لکھوں
دھانگ بھگت سے، حساب بکھلتا چہرہ ابھی
میں کتنی بھتیس، آئینہ گر کے نام لکھوں
لگا لگائے کھیل کھیلے طناب ہے ہر شخص
اب اس پڑاؤ کو اگلے سفر کے نام لکھوں
خود اپنی ذات کے کھراؤ کی، ہوں یکہ دما
اتھاڑ اپنا، میں کیوں مجرور کے نام لکھوں
تو کس ہوا میں ہے، اسے تازہ میں پر نہ آ؟
اڑتیں اپنی، ترے ہاں وپر کے نام لکھوں
وہ جس کے چاک پر گر تیں ہیں، دھو دھرا
میں اپنی بھی، اسی کوزہ گر کے نام لکھوں
مرا قلم ہے، مجھی سے خنہ! کشیدہ سنا
ٹھکے یہ شاخ، تواناں پر سفر کے نام لکھوں

فضائلِ مہمان

مخدوں کو کہہ الگ یہ تعاون ابھی نہ دے
مجھ کو، فریب کا دل تا مہمان ابھی نہ دے
میرا ذات میں ہوں، نہ پاسک اس کا تو
ہستی کو اعتبار و توازن ابھی نہ دے
میں ہوں عدم کے ذہن میں غلو صحت کرہ
سرشتہ میں مرے، گرہ کن ابھی نہ دے
رہنے دے اس کو اپنی ہی سرگرمیوں میں گم
دیوار کو، درجے کی سن گئی ابھی نہ دے
چہرہ دیا ہے تو نے جو کلک لگا ہوا
اچھا ہے، میرے ہاتھ میں صابن ابھی نہ دے
تحتِ مشور میں ہے ابھی تو شعور گم
انگو کہہ کے، بچوں کو جاں ابھی نہ دے
ہیں آبلہ فروشی پیش کامی خیال
مجھ کو، سراغ گلشن و گلبن ابھی نہ دے

معافی کو، سبک احوال مت کرنا
کبھی لفظوں کا استحصال مت کرنا
بہی تم کو حقائق کا پتہ دیں گے
یہ سچے غلاب ہیں، پامال مت کرنا
میں اپنے موسم رفتہ کا نوحہ ہیں
پرندہ! میرا استقبال مت کرنا
ہوا اس کی، تہنیں بے چہرہ کر دے گی
طائف کو، خطا و غلط مت کرنا
جو زیرِ بحث آئے، قوتِ پھولوں کی
کبھی خوشبو سے استعمال مت کرنا
تھارا ہر نفس ہے، یکساں جو ہم
گوا، اس جرم کا اقبال مت کرنا
تم اپنے پاس اس کی اک ملاحظہ
یہ مال اس کا ہے، استعمال مت کرنا
صاحب کار دوبارہ زندگی، یار سب!
یہ نام شامی اعمال مت کرنا
تم ان لمحوں کو، یلغینِ شہر دکھو!
فضا! ترتیبِ ماہ و سال مت کرنا

مظہر امام

دلوں کے رنگ نہ ملے ہوں، جب بھی ہوتا ہے
یہ کارشوق کبھی بے سبب بھی ہوتا ہے
تہمیدی یاد میں پیستے ہیں لوگ آنسو بھی
تہمارے نام پہ جش طرب بھی ہوتا ہے
بدلتے رہتے ہیں معنی پرانے لفظوں کے
ہماری بے ادبی میں ادب بھی ہوتا ہے
بہت سے لوگ ہیں، ملے جھڑتے رہتے ہیں
یہ کام پہلے بھی ہوتا تھا، اب بھی ہوتا ہے

مجاہد گھر میں وہ رہتا ہوا سا
خیالی داستان کہتا ہوا سا
ندی ہفتاب کی ٹھہری ہوئی سی
سکوت نیم شب بہتا ہوا سا
ہواؤں کی نظر بدلی ہوئی سی
فضاؤں میں ہو بہتا ہوا سا
ستان شعلہ گوں پلٹے ہوئے سے
وہ زخم بے صی ہستا ہوا سا

منظر امام

وہ واسطہ تھا غلوں سے، نہ جہنموں سے تھا
بس ایک تعلق خاطر عداوتوں سے تھا
وہ اپنے دوست سہی، ہم سفر کہاں ہوتا
سفر میں ان کا جو رشتہ تھا، منزلوں سے تھا
بساط کیا تھی یہاں ہم سے زرد پتوں کی
تمام جوشِ نمونہ تازہ دم گلوں سے تھا
بندھے ہوئے تھے بھی یہی کے رشتوں میں
نہ قربتوں سے تعلق نہ فاصلوں سے تھا
انھیں حریف بھی کہنے تو شرم آتی ہے
مقابلہ جو ہمارا تھا بے دلوں سے تھا

جیسے کسی طوفان کا غدر نہ بھی نہیں تھا
کیا لوگ تھے، اندیشہ فردا بھی نہیں تھا
درویشِ صفت لوگ تھے، بے زاد سفر تھے
حالتوں پہ کوئی بار تمنا بھی نہیں تھا
گرتی، ہوئی دیوار کو سب دیکھ رہے تھے
اس شہر میں کچھ اور تماشا بھی نہیں تھا
کیوں لوگ مزاروں پہ دعا مانگ رہے تھے
مجھ پر کسی آسیب کا سایہ بھی نہیں تھا
کس باغِ طلسمات میں گم ہو گئیں آنکھیں
میں نے تری جانب ابھی دیکھا بھی نہیں تھا
کیوں تازہ ہوا کا کوئی جھونکا نہیں آیا
احساس کے در پر کوئی پردہ بھی نہیں تھا
نغمہ درگندم کا ہرن ہونے سے پہلے
جنت سے نکلا ہے یہ سوچا بھی نہیں تھا
ناکردہ گناہی کی سزا دے مجھے یا رب!
جو کام کیا میں نے وہ اچھا بھی نہیں تھا

غزل

شمس الرحمن فاروقی

دعا کرنا نہیں کہتا نہیں ہے
مگر یہ ظلم بھی سہنا نہیں ہے
پھری ہم مار بھی لیں گے بغل میں
ہمیشہ سوچتے رہنا نہیں ہے
میں حیا ہوں مگر گزریں ہوں بند
مری تقدیر میں بہنا نہیں ہے
یہ ساز دل ہے بے آواز بہت
کسی بات کی شہنا نہیں ہے
بنائیں گے نئی دنیا ہم اپنی
تری دنیا میں اب جانا نہیں ہے
چمک چہرے کی تیرے کم نہ ہو گی
کون غور شدہ کا کہتا نہیں ہے

محمد سلیم الرحمن

(۱)

کبھی کبھی سویر ٹھوڑی تالا ماتھے چاند نیکی ہانسی تیری کا یا کا جو کیا چھاپا
دوسروں کے رخ بڑھتا ہوا۔ گری دی بارکوں میں منہ اندھیرے کی دردی۔ کوف
میں بیوس فوجوں کی رگد بگد۔ آخری پہرے کی لائٹوں کی یوں، کسی غم
خال کی صورت، لہو لہان تلواروں کی مثال، طبعی بھلکی ہیں۔ سائروں، سنگینوں
اور چٹاؤں کا یہ نصاب، کسی سکندری سد پر رکھے نوشتے کی مانند ہماری آنکھوں
میں سلائٹوں کی طرح پھرے گا۔

چند ہی آنکھوں سے دیکھنے والے مشوروں کو دھویں اور آگ کی پانیوں
پر چڑھتے اترتے کوندوں پر خلتوں اور نمونوں کا گن ہوتا ہے۔ زمین اور آسمان کی
جکیوں میں پس کر غبار ہوتے کلک دن کی شام تو کیا دجہر ہر صبح بھی نظر نہیں آتی

(۲)

ایسی صبح جو گھر کا دروازہ کھلتے ہی زمین اور آسمان کے آخر تک چھا جاتی ہے نیلے
اور گلابی غبار سے ہمالیہ، دیرے دیرے کپکپاتی ہوئی جیسے ہوا کی پہلی ہی پھیر چھاڑ
میں پکھڑی پکھڑی ہو کر کھڑ جائے گی۔

آسمان کی زعفرانی شیرینی میں مٹی ہوا درختوں کو گد گداتی ہے۔ چوڑی
چھب تختی والا آسمان اتنا اونچا کہ آنکھیں راستے میں بھٹک جائیں، اس کی نیلا ہٹ
بختہ، اٹھ، جیسے کسی پر تپاک آگ میں پکائی گئی ہو۔

اچانک کہیں سے آئینوں کی طرح پکھیلے اور سوؤں کی طرح باریک
دو جڑا دھاری جیٹا گرجتے ہوئے آتے ہیں اور آنکھوں میں پکا چوہر جھوک کر قاب
ہو جاتے ہیں۔ ایک ہییب گرج آسمان سے اتر کر زمین پر ٹوٹی ہے، اور اس کے
بعد کوئی چیز ٹوٹ پھوٹ کر غمے آگرتی ہے، آہستہ آہستہ، نیم جان، ہمیں اور
بالکل خف، بال بال۔ ایسا لگتا ہے کہ ہرے ہرے پر ایک لوند آگری ہے یا
کوئی آنسو۔

مڑیاں درختوں میں چھپ گئی ہیں۔ پتے کرتے ہیں۔

سہیل احمد زیدی

وقت کو موسم گل کی بات مل
آخری نذر دچی شجرے گری
ایک بستی کرن سکرا لی کلی
رہ گئی سحریت شب دھڑکی گئی
ہجرتوں کے سفر ختم ہونے لگی ہیں
کھمسا لگو بستی ہے کلی درگلی
پھر وہی ہے ہمائی ہوا سیٹیاں
سمن ہو گیا شوق آوارگی
دور کو ہر کھیتوں میں پیچھے لگے
استیں نے سفر سے کی دل لگی
شہ پاروں کے بت یہ وہ یہ ہونے
آگ نرو پر کھکھلا کر ہنسی
فلک کے آسمانوں سے تریں ہر جلی
آسمان نے غموں کی کٹوری بھری

گئے موسموں کو بھلا دیں گے ہم
کھنڈر کا دیا بھی بھلا دیں گے ہم
ابھی حرف چہروں کو پڑھتے رہو
کہانی کسی دن سنا دیں گے ہم
دلی آگ سننے ہیں بھتی نہیں
تجھے خاک دل باب اڑا دیں گے ہم
نہلنے ہمارا سخی پاس رکھ
تجھے اور غربت میں کیا دیں گے ہم
نظر ہم پر رکھتا ہے محسا سہیل
یہ ڈر ہے کہیں گل کھلا دیں گے ہم

ممتاز شیریں

۱۹ جولائی ۱۹۱۹ء

محرمی

تسلیم

یہ سن کہ بہت رخ ہو کہ آپ ایک پیسے سے سخت بیمار ہیں۔ خدا کرے
اب آپ پورے طور سے صحیح ہو چکے ہوں۔ اور ہم انتہائی شکر گزار ہیں کہ آپ نے
ایسے بھی نیا دور کا خیال کر کے یہ باب بھی جاریہ باب آخر سے میں بھلائی مل
گیا۔

گرتی دیوار کے جتنے باب بھی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ سب سے
بہت پندوں اور یہ باب بھی بہت پند کیا۔ شاید شروع کے بابوں میں سے جو کچھ بالکل
مکمل نظر ہے۔ یہ ناول پڑھنے کا بہت اشتیاق ہے۔ کب شائع ہو گا؟

سب ترقی پند اور بچوں کے ساتھ ہمارے بہت اچھے مراسم ہیں۔ اور وہ
ہمارے ساتھ بار بار تعاون کر رہے ہیں۔ نیا دور کی کئی گفت کے بارے میں ہم نے
جو کچھ لکھا ہے وہ صرف نظام کے ذریعہ ملتا ہے۔ وہ ہیں کچھ پتہ نہ تھا۔ نظام
میں ترقی پند مفین کی رنگ کی جو دو دوا میں شائع ہو رہی ہیں انھیں دیکھ کر پتہ
لگا۔ ان رنگوں کے شرکت کرنے والوں میں آپ بھی تھے۔ جب پہلا پڑھا گیا تھا
شاید وہاں ترقی پند کی بھی میں آپ نے شرکت کی تھی۔ اور جب تقدس میرا
کی وہ عجیب و غریب تحریک کہ رجعت پند رسالوں کا پایہ لگانے کا ترقی پند
اور بچوں کا فرض ہے اس کے بعد کی رنگ میں پیش ہوئی تھی اور اس تحریک میں

نیا دور کا نام رجعت پند رسالوں کے سر فر سے دیکھ کر ہمیں بالکل تعجب نہ ہوا
کیوں کہ یہ تو ہمیں معلوم تھا قدوس مہسائی ہم پر اور نیا دور پر کس قدر بگڑے ہوئے ہیں
یلت یہ ہوئی کہ انھوں نے نیا دور کے لئے ایک افادہ سمجھا تھا۔ "وگھڑی ڈے پرویہ
افادہ اچھا نہ تھا اور کی طرح نیا دور کے معیاری نہ تھا۔ گوڑی ڈے" (نیا اب کے
ماتہ غریب شائع شدہ افلسے) یہ پتہ تھا۔ ہم نے نہایت نرمی سے حضرت کا کہنا
بھی لکھا کہ کسی موضوع پر احمد عباس اور ابن سعید وغیرہ کے افلسے شائع ہو چکے ہیں
پھر وگھڑی ڈے کو بہت دن بھی گزر چکے۔۔۔ وہ بہت برا مان گئے۔ ہم نے کئی دفعہ
اچھے سے لکھا اور پڑے سے پڑے اور بچوں کی چیزیں واپس کرنی میں سب سے پہلے
نے بھی برادار نا باب دیکھنے آپ نے بھی ناول "پکا کا نا" واپس کر دیا

برادار نا۔ آپ نے دوری چیز بھیج دی اور ہماری دوتی اسی طرح قائم ہے لیکن
قدوس صاحب اس قدر بگڑے اس قدر بگڑے کہ اس کے بعد ان کے خطوط کا لہجہ
بدلی گیا حالانکہ ہم سب ایسے خطوں کا جواب بھی نرمی سے دیا کرتے تھے۔ ایک
اور دوسری بھی ہم نے انھیں ناراض کر دیا تھا۔۔۔ حیدر آباد کا نفرین کے موقوفہ پران
سے ملاقات ہوئی تھی انھوں نے میرے ایک مقبول کتابت تقریر کی۔ پھر کو شاید
میں نے ان کے افانے نہیں پڑھے۔ پھر میری جا کر انھوں نے اپنے چھ رسالت جوئے
نہجے کچھ پڑھ کر ان پر رائے لکھوں۔ جو کچھ ہم نے عرض کیا تھا اور وہ برہان لکھے
اور اس وقت سے ہم بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر نظام کے بارے میں پڑوں
میں ان کی ناپائیدار کات کوئی تحریک میں نیا دور رجعت پند رسالوں کے سر فر سے

کچھ تو اس کو قہر نہیں ہوا۔ البتہ بڑبڑا کر کہنے لگا کہ یہ تو میری
کھلی ہوشیاری ہے۔

[illegible]

جہاں تک ہمارے نظریوں کا سوال ہے ہم ضرور ترقی پسند لوگ
 مای ہیں لیکن اس کے صحیح مفہوم میں پھر اس کے ساتھ ہی لگوتی رہے اور
 اور کے متعلق کچھ غلط فہم نہ رہے ہوں اور ان نظریوں کی حمایت میں اچھے
 دلائل پیش کریں اور ان مفوض شخصوں سے جو ہمارے ساتھ ہیں تو یہ دلائل
 سامنے لے کر گریز نہیں کرنا بلکہ یہ نظریہ ہوگی۔

لیکن آن کوں جو برقی پند میں اور کوں کی غیر ترقی پند میں اور لیکن
 کوں کوں بلکے جائیں، اور پند میں مضامین پر اور افانوں کی کوں نہیں کسی رسا
 میں کی افانوں کے ایک ایک اور پند کوں کی کہ کوں کے رجعت پند کوں کے دیا جا
 تو افانوں کے باہر میں۔ اعتبار کوں نہیں ہوتا افانوں کے موضوع یا
 اقسام یا صنف کا یہ۔ لہذا نظر کا اور کوں کے کوں کی غیر ترقی پند میں کوں
 اور ایسے افانے ان رماں میں اور پند میں کوں میں بھی جیسے میں ہوتا ہے کہ کوں
 کا اور ترقی پند میں دیا اور کہتے ہیں اور پند میں اور انہاں... شاید کوں کوں
 حقیقت کوں کی کوں ترقی پند میں کہتے ہیں لیکن آج کل جوئے افانوں کے میں
 اور کا کیا ہوگا؟ ایسا لازم ایک پند میں
 ان میں غیر ترقی پند میں جائے گا۔ خواہ میں حقیقت اور دنیا کوں کوں اور

PROFOUND حقیقت کیوں نہ ظاہر ہو۔ ہر عرصہ جدید ادیب میں
 ہر قسم کی ہمت اور قوت کی طرح ترقی پسند تئیں بہت غور سے دیکھا
 کہ تو ان غفلتوں کی طرف سے نہایت آہستہ آہستہ ایک SHADE کل
 تئیں دیدیاں ہیں ایک عمومی نا کھیر کھیر کر رہنے والے ٹھیل لگا کر نہیں
 کہہ سکتے کہ انہماک ترقی پسند ہے اور بہت پسند۔

کوئی افلاطون ہے۔۔۔ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہی طاقی (موجودہ)

ہندوؤں کی تعداد کہیں بھی اس ملک میں اتنی ایک نہ ہو سکتی تھی جس کی ساری ساری
گھرا جاتی ہے۔ ٹھیک ٹھیک اس کے زائد سے دو اور بھی گھٹیں میں کا اپنے
بیٹے اور کچھ بیٹیاں کو لے کر شادی کر لیا۔ ہر ایک اور کچھ اور بیٹیاں اتنی
وہ سب پہل پہل جلتے ہیں اور ایک دوسرے کی چھٹی چھٹی نظر آتا کہ وہ گھر گھر کھڑی
خوش رہتے ہیں یہ ہمدردی یا انسانیت سے ایک دوسرے کو غم میں شریک نہ ہونے
ساتھ رہنے کا جذبہ بلکہ انسانی کے میں زیادہ بلند ہے اور اس کا نتیجہ بہت ٹھیک
طرح سے انسان کا انتظام کیا ہے۔۔۔ یا اور اس کے چڑھا دیا ہو کر
ترقی پسند نظریوں کی آزادی ہے۔ نرل کو پورا ترقی کا کوئی اس
بے غور ہو رہا تھا یہ وہی جو اس کے ساتھ زندگی گزارنے میں کوئی رستہ دینی چھوڑ دیتا
اور شری اور نرل ساتھ رہتے یہ زیادہ ترقی پسند انتظام ہو سکتا ہے چنانچہ ایسی کار
مندی کی محنت میں لے لے اسی کے پاس وہاں کوٹا ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ بہتر انتظام
ہے اور اس کے بہتر طریق اس نے گمانیدہ وضع مثلاً میں یہی اور دیکھ نام
انسانہ نفرت میں لپی ہے لیکن خاصہ یہی نفرت کہیں زیادہ بلند ہو سکتی ہے اس
کا یہی وہ نہیں اسلئے نظر کا مقابلہ ہے۔ ہر ایک اور دونوں انسانوں کے نظریے ایک
دوسرے کے خلاف معلوم ہوتے ہیں اور اگر ترقی پسند انسانوں کی نفرت کو کوئی پیر
شاہد ہو کہ اس کے سب سے پہلے اس کے لئے اور ہی انسان ہے پھر اس میں ناخوشی
شاید نفرت کا اظہار کیا ہے لیکن چونکہ میں یہی انسانیت میں انسانی کا ایک خاصہ
حق ہے جو انسانہ نفرت کو کم کرنے کے بہت اور ہمدردی میں بدل دیتا ہے۔ اب
بتائیے آپ میں سے کے ترقی پسند کہیں ہے؟ دونوں بظاہر بالکل متضاد پھر بھی
دونوں ترقی پسند اور انسانیت کی ترقی اور بہتر کے لئے اس کو بلا صورت جذبہ کا
کہیں زیادہ ضرورت ہے۔۔۔۔

تو نیا دور نے ادب کو اور ترقی پسندی کو وسیع تر معنوں میں لیا کیونکہ
ہر نئی کوشش تمام کمال اور ترقی پسند ادب کی خدمت کی۔

ترقی پند کی حمایت میں کئی بھی مصلحت کاوی کے بارے میں غلط فہمیاں تھیں
اسی نظام کو جسے مصلحت پر جو ترقی پند سیاست سے قطعی برادر ہیں اور مصلحت
انسان کے لیے ترقی پند کی منہ پر نظر اور نظر ان ہی میں غلط فہمی کا ناکارہ ہوا
کوئی یہاں مسلم ہو اور کافر ہو یہی حکم کے انسانوں میں ہوتا ہے۔ سیاست
شب بخواب

فردیہ ہے لیکن اس موضوع کو پیش کرنے کا سلیقہ بھی تو ہونا چاہیے۔
 رنگ بیزہ اور جتوہ اور ہزاروں کا ذکر ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے کہا
 بلکہ انھوں نے اس پر سنا ہی نہ سنا۔ تمام رکھ کے۔ ہم نے ترقی پسندوں کی
 دماغ میں کتنے صحابہ شائع کئے۔ فرطیہ بھی نہیں کہ یوں دماغ میں ہے
 چونکہ ایک ایک شاعر سے یہ دودھ دھو کر انھوں نے فرطیہ شاعری کا بل قورہ
 فیض اس میں اس کے انفرادی سچاؤ کو پیش کرنے کا حق ہے۔ یہاں تک کہ ان
 افسانہ کے مضامین صرف ایک موضوع ترقی پسندوں پر مشتمل کرنے کا مقصد
 کیا ہو سکتا تھا۔ یہاں تک اس کے۔

ادب کا ایک وسیع تصور بھی کرنے میں نمر ۶ کو ایک مثالی
 حیثیت حاصل ہے۔ اس میں حلیت سے ادبی مضمون میں اس بڑی بہت قدر پہنچی
 تھی جس میں ہم نے کوشش چند اور ادبی مضمون کے ساتھ ساتھ دیکھے تھے۔ ساتھ ہی
 ایام کا ذکر کا پرچار اس نے صرف آغاز میں اتنی طویل بحث کی تھی جس میں ایک مثالی
 اور مزید اضافہ تیار کیا تھا۔ اور افسانے جہاں تک مجھے یاد ہے سب کے سب ترقی
 پسند تھے۔ مناسب کرنے پر بھی یہ دودھ کو صرف رجعت پسندوں میں شمار کیا جائے
 بلکہ ان کے مقررہ فرست بھی پیش کیا جائے تو۔۔۔

صرف یہ کہنا ہے کہ جہاں ناظر ادب کو سمجھتا ہے اور جہاں تک ادب ہو سکا
 سوال ہے یا اور میں اس کی طرح کا گروہ بندی کا انکار نہیں، کسی پارٹی کا انکار نہیں،
 اس کا سہارا دیتا ہے اور ہے گا۔

اور آخر میں میں آپ کا فکر اور اس کی ہوں کہ آپ نے نیا دوزے تھاکو
 کیا ہے رجعت پسند تھک کر باز کاٹ نہیں کر دیا۔

شاہین سلام کہتے ہیں
 امید ہے آپ اب پورے طور پر محتیا ہو چکے ہوں گے۔

نیا کوشش
 ممتاز شیریں

(۲)

۱۹۴۷ء

کشمیری و قریبی

تعلیم

یہ کہ جس کی کسی کس کس شہر میں ہوں کہ آپ کے خط کا جواب آتی ہے
 دوسری طرف میں اس کی حیرت کے ساتھ ساتھ جانے دے تھے۔ وہ تیار ہیں
 معروضہ تھا وہیں پریشان۔۔۔ (ادب اب دیکھ لیں)۔۔۔

آپ کا خیال تو میں ہمیشہ جتا ہے تھا کہ جانے آپ کی محنت کسی ہوگی آپ کا
 خطا تھے یہ بھی مجھے کی ہے یہ بتایا تھا کہ آپ کیل میں اور ہسپتال میں ہیں
 کہ اب آپ اب پورے طور پر محتیا ہو چکے ہیں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ کم کی فراہم اور کیا کی خطا تھک دیتے ہیں یہ کسی تو
 ہیں سب سے زیادہ یاد ہے ہوتے ہیں انھیں کوئی نہیں کہتے۔ لیکن یہ دونوں تو ہیں
 کیا خطا ان میں لکھا پھر بھی ہر روز سوچتی رہتی ہوں کہ اگر کسی کو دیکھ کر صرف آپ کو
 جواب دوں گی کہ آپ کو لکھا کہ آپ کی صحت کے بارے میں دریافت کروں گی لیکن
 پھر خیال کا تفصیلی خط لکھ دوں اور آپ نے جواب کا تفصیلی خط لکھ دے۔ اس لئے
 سوچا لیکن اس سے تو تفصیلی سے اور کچھ دوا کی بات تھی کہ اپنی بات کو اس کے متعلق
 بہتر نہیں ہو سکتا کہ یاد بھی لکھوں یہ آپ نے کیا کیا کہ آپ کا علم کا کوئی
 یہ چھوڑ رہے ہیں؟

آپ نے جو بات کی ہے وہ میرے میں بھی میری حیرت میں ہے کہ
 ترقی پسندوں کا نام ہے بہت سی ترقی پسند ہیں لیکن ہر ایک میں اس سے پہلو کو لیا جائے تو
 یہ بھی جیسا کہ یہ ہیں تو صرف جس پر بہت ہے لیکن یہ بھی کافی ہے۔

اب پھر وہی کہ اگر آپ کا جواب اس قدر آسان نہیں ہے کہ آپ کو اس کے لکھنے کی ہے کہ
 خود آپ کا لکھنا کہ وہ خود آپ کے جسم سے نکلتی ہے تو اس میں بھی کچھ ہے کہ

ہزاروں ذات بھی ترقی پسند ہیں ان میں تو کسی خاصے سے ترقی پسند ہیں اور لکھنا تو سب
 مضمون ترقی پسند ہیں کہ اگر آپ کے مضمون کے اس طرح کے شادی کی ہو سکتی ہیں

بڑے۔۔۔ لیکن یہ موضوع بلکہ اس کا کوئی بھی لکھنے سے خوش کیا جاسکتا تھا۔ لیکن
 جس طرح یہ مضمون ہیں یہ لکھنا ترقی پسند مضمون ہیں کہ لکھنا ہے۔۔۔

یہی تو مشکل ہے کہ کسی کو لکھنا کہ لکھنا ہے۔ صرف اس کا کافی نہیں۔
 مضمون کے اندر کس طرح سے خوش کیا جائے کہ ان کا نہیں بلکہ اس میں تو کچھ ہے

کا کوئی بھی نہیں کہ اور پھر یہ لکھنا کہ لکھنا ہے۔ یہ بھی تو کچھ ہے

ایک ہی جادو دانوں میں کس قدر زیادہ شریک ہو سکتی ہے بانٹنے کے
 دوران دانوں کی باغیچہ میں کتنی آوازیں اُٹھتی ہیں۔ سب سے پہلے
 SELF CONTROL
 غصہ کی آواز

کے ساتھ حاضر ہو کر یہ سب کچھ پورا کرنا ہو گا۔ آپ اس قدر فکر کریں کہ یہ سب کچھ ہرگز نہیں ہو سکتا۔
 بلکہ نہ... جب یہ سب کچھ ہو گا تو یہ سب کچھ ہو گا تو یہ سب کچھ ہو گا... لیکن یہ سب کچھ
 وہ سب کچھ نہیں ہو گا تو یہ سب کچھ ہو گا تو یہ سب کچھ ہو گا تو یہ سب کچھ ہو گا تو یہ سب کچھ ہو گا

بھی اسی طرح اپنے آپ پر بھروسہ کر کے کہیں تو زندگی بسر کرنا ہے گو کہ یہ بھروسہ یوں کرنے سے قوت
اسے اس میں دوتا ہے کہ کسی کی زندگی کا یہ کیا اور زندگی کی قوت اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے
کوئی اور یہ کہ کمال کی تکمیل کا پتہ اس میں اور اس بڑھ کر کون ہو سکتا ہے
کہیں سے۔ ایک تو یہ تھا کہ ان کی فطرت یہ بات ہے کہ ایک کرنے والا آدمی جس سے موت سے قوت

فریب دیا کہ کدو کا آؤنی میرے وقت خدایا کدو کا سا ہے تو کہہ کر یہ بوجھ میرے
کتاب کے بغیر اس سنگنا حصار پر چڑھیں ایک کھمبہ اس تصویر کے گرد لگی ہوئی ہے اور اس
کدو کے لٹ پکھٹا۔۔۔ یہ تھاں کی طرح ہے اور اندر سے شاید ترمی پر بند کر کے لٹا دیا ہے کہ کدو
اس پر دیا اور کدو کے خستہ ہے۔۔۔ ایک اور عجیب بات ہے۔۔۔ لیکن یہاں میں اس کو

کچھ تو زندگی کی بات کر رہی ہوں۔ کچھ لوگ دینی بات کہتے ہیں نہ چاہی آدمی کہہ رہا ہے
تو اس کو کھٹکتے کہتے ہیں اگرچہ جملہ اس پر ریاکاروں کا کان کہتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ
لوگوں کو بھانسنے کے لئے کہتا ہے۔ اندر وہ کہہ رہا ہے صاحبہ! اندر تو ان کے گراں گناہ

سے لگا کر یہ لکھ کر اپنے بزرگوں کے در سے نہیں اٹھاوا نہ چھپ کے دوسرے
 انہیں پہننے لگا کہ میں تو گویا تو سخی بھروسہ کے میرا خیال ہے کہ چھاپڑ
 کے لئے لکھ کر ہر روز انہیں اس طرح

نفس کی اس اشد بیماری تو ہیں۔ انسان کی یہ بیکار کشی ہے کہ نہ اپنے جذبات کو سمجھے
نہ اپنے کفر کو نہ دیکھ سکتا ہے۔ جب وہ ہر انسانی جذبات پر قابو پاتا ہے کہ جائے توبہ یا
اور اس کے **THE HUMAN FACTOR** اس کی قدرت ثانی ہے
جانتے ہیں۔

لیکن شکرگاہ کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ صرف لوگوں میں اچھا نام ہے

کے لیے ایک پاکیزہ اور بے پناہ جہت ہے جس کے اندر خدایا تعالیٰ ہمیں رہنے کا مکان بنا دے گا۔۔۔ اس لیے ہم اپنے دل کا فرش کاٹیں گے کہ یہ کیا کام کرے گا۔۔۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے فرمائیں گے کہ اس کے ایک خود کام ہوتے ہوئے گنا

اس لئے کہ وہ بھی نہ رحم ہے کہ ضرور اس کو بھی اس سے نقصان پہنچے گا۔ دوسروں کی زندگی بھی اس سے تباہ ہو سکتی ہے۔ بعد میں اس کی ضرورت کی مثال کے لیے اس کی کیا کہیں گی اس کا کوئی تعلق... لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اچھی باتیں ہوں گی کہ اس سے کہہ کر وہ کلمہ کی کوئی اس کو تو نہیں؟

اور مرتے وقت اس بیاہری کا رونا دھنا اور یہ کہ کون سے مظلوم پر کارور اس لوگ کی کہتے
اس نے موت کے منہ سے چار اقائد کی گئی اس کو اپنی خواہشات کی تکمیل کا فائدہ ہوا کہ سچا
تقدیر سے لڑا کہ کوئی کارور اس کی زندگی کی تباہی کے اس نے کون سا میدان ماریا جب سچا ہے

کے ترقی پسند افکار کا یہ ایسا فرق ترقی پسند افکار کا بھی فرق ہے کہ

مخلصیت سے جوام حق پرندہ کو روانی کے ترن ترن گھنٹے گئے ہیں۔ ہمارے پاس
مختلف فائنڈ آف میٹل سے یہ اندازہ لگا کر بہت حد تک سب کو مل چکے ہیں
اندازہ سے جوام حق پرندہ کو روانی کے ترن ترن گھنٹے گئے ہیں۔ ہمارے پاس

بلوچ ملک کے خاندانے گھٹس، ڈگر یا ماس میں نے بارہ خیال میں کیا تھا پہلی بار
 ہندو پڑھنے کو کہہ کر خاص خیال میں آیا تھا سولہ سے کہ کہیں ایک راجہ کو کیا گیا
 تھا اور صحت نہ یہ تھوڑا جس کہتے ہوئے پوری معروضیت برتی ہے اس کا کوئی خطی

تھیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ان کے دل میں ہلچل مچ گئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو بڑا عجیب سا آدمی ہے۔ اس کی عمر تو اتنی کم ہے، لیکن وہ تو جتنے بھی کام چاہے کر لے گا۔

بہیں ہیں۔ یہی سچا دھو چڑھا اس دیر پر ہی نہ ٹھہر گئے اس حسن نہ ہوا بلکہ فاسق
 اس شخص کو ایک بھلی آنکھ سے دیکھا اس پر اس کو بھی لوگ ان لوگوں کی توفیق بھی
 قیام ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سچا نامہ ابوالحسن کے گھر آیا تھا اور اس کی بی بی بیوی ہی
 تھیں۔۔۔ اور یہی قصہ ایک ایک لکھنا سچا بھی نہیں سوتا۔۔۔ (اور ان کے

[illegible]

وہی ہے جس نے ان کو ان کی قوموں میں بکھیر دیا۔

ایک اور بات جو مجھے بری طرح محسوس ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ پہلے تو یہ فرشتے
کہاں کے تھیں کہ پہنچ گئے ان کو عرف بہت زیادہ ٹھیک کہے ہیں اور سراج کی پیدا کردہ
برائیاں ان کو بتانے میں ہمیشہ ایسے افسانے لائیں کہ ہم سب میں جمے اس انداز پر فرشتے
ظہور پر ہم سب کو دھوکا دینے کا ڈھب ہے

میں اس سب باتوں کا افانوں کے جانشین میں چلے چلے دو کر دیتی ہوں
لیکن پھر بھی بہت دھنوں سے میرا خیال رہا ہے کہ اس سچ تو قیامت ہی کے مسئلہ پر عرضنا
ہمارے افانوں میں جس پر ایک الگ مضمون لکھوں ... جہاں ایس میں نے ایک
افادہ لکھا ہے دو جابجی شائستہ نہیں ہوا ہے : "سویلا والوں کے اہم ارپو کہ تھا کیا کین
لاہو میں تو قیامت پر پابہ نہ لگا کہ برا بھلا ہی ہے نہ کوئی اطلاع ہے۔ اس لئے میں نے
ابھی تک انہیں بھیجا تھا نہیں م اس میں میں نے ایک حکمت جس کے لئے کہ کوزرا دست
کے ساتھ گھیرنے کی کوشش کی کہ سات مختلف تصویر یہ ہیں ، ہمیں نہات افانے بھی
کہنا چاہئے ان میں کوئی نکا تو نہیں ، ہوا ہے اس کے کہ یہ سب جن امور و جہات اور انور و جاتی
ننگہ کے متعلق ہیں۔ ان سب کو میں نے ایک ہی افانے میں اس لئے پیش کیا ہے کہ
تھو اور تو قابل سے ایک خاص اثر پیدا ہو سکے۔

ہمیں چاہئے کہ انسانی عظمت کی بنیاد کو بھی ساتھ ساتھ پیش کریں، ان کے
 قید و محبوس ہیں، ان کا دل بے نظریہ ہے! انسان کی بنیاد انسان کی بنیاد
 مجھ پر تو اس طور سے اس قدر شدید اثر کریں... واقعی آج تو نور مہکے میدان ہیں
 آپ کا کوئی ثناء نہیں!

آپ ہی تعجب کیلئے یہ عرض کرنا کہ اگر آپ ۱۰ اگست کو ادب پر سٹیج پر غلط
 میں ان دنوں کو شروع ہو گئی ہے۔ آپ نے ان کو یاد دلایا تھا کہ آپ
 پھر ساری پیش انگ بند ہو گئی ہیں اس طرح کی وجہ سے ان کے انتظام بھی ٹھیک نہیں
 اس خط ادب پر سٹیج کر رہی ہوں اور یہ سب ایک وجہ سے اچھا ہی ہوا کہ کتاب مجھے
 آپ کو اسرار کاٹوں گی اور میں پرلے پتے سے بھیجی تو شاید آپ کو یہ خط ملے اور میں کہ
 بے حد محبت ہوئی کہ اب آپ سنی فورم چھوڑ رہے ہیں۔

نمنا: شیریں

جنوری ۱۶۹۲ء ۱۷۱

محمد طلوی کے کلام کا نیا مجموعہ

چوتھا آسمان

۱. قیمت : ہجاس روپے

صفدر کی نئی کتاب

جدید شعری تنقید

قیمت : ہیچاس روپے

شمس الرحمن فاروقی کے کلام کے دو مجموعے

کنج سوختہ

قیمت : بیس روپے

۱۲

سبز اندرین

قیمت : بیس روپے

ہم سے طلب کریں

یہ

شب خون کتاب گھر

۳۷۱ | ۳۱۳ رانی منڈی

المآل - ۱۱۲

محمد صلاح الدین پرویز

خدا	خدا
میں اس کا تلاوت ہے بیداری صبح کی	تیرے محبوب نے دل پر لکے رکھا ہے
صلوۃ تہجد ہے اک پارسارت جگہ کی	خدا
خدا	تیرے محبوب کا گھر میرا ہے
اس زباں میں بہت کچھ ہے تعریف کہنے کو اس کی	بس اسلئے اس مہینے کے آگے
مگر کیا کہوں — زیادہ صدا ہے	بخارا سحر مند کچھ بھی نہیں ہے
خدا	خدا
عشق کے سارے شدوں کو لکھوں تو کہیں	تیرے محبوب نے میرا دل ایسے لٹا ہے
فقط نام لکھتا ہوں اس کا — محمدؐ	میں جیسے مال غنیمت ہوں
کہ تو اپنے اس نام میں سچے موتی پرو	وہ ایک غزوے کے فاتح
خدا میرے لئے جی تلک سے	خدا
محمدؐ کے صدقے	تیرے محبوب کے سامنے
شراب کے کچھ پھول ارسال کر	عشق ناقص ہے میرا
	سیاق و سباق سے زیادہ نہیں ہے

محرم صلاح الدین پرور

میں نے محبوب کے ہجر میں
 بار بار اپنے سینے میں
 آتش پرستوں کی محفل سجائی
 وہیں اسکو دیکھا کہ جکے لئے
 میں نے پاؤں میں زنجیریں پہنیں
 خدا
 زلف کے اس قفس میں
 مری جان ہے جیسے جوگن
 خدا
 قہر کی ایک ساعت ہے
 محبوب کا سر و جون
 خدا
 مہر کی ایک آیت ہے

محبوب کا رونے روشن
 عجب ماجا ہے
 خدا میرا احوال سنا ہے
 محبوب سنا نہیں ہے
 خدا
 کھول اس دل پہ تو اپنا رخاں سچا سا
 جہاں سے ملے تیرے محبوب کے ہاتھ سے
 اور میں تیرے محبوب کو دیکھ کر
 اپنے محبوب کو بھول جاؤں
 خدا
 ہجر محبوب کا مجھ کو نے خانے لایا
 تو کیا وصل محبوب کا مجھ کو مسجد میں لے جایگا

محمد صلاح الدین پرویز

خدا	خدا
میرا معشوق دل لینے والا	میرا معشوق چھپ جانے والا
اندر میرے میں اک گھر بناتا ہے روشن	دکھاتا ہے سینے کی رو پہلی بھار
خدا	خدا
میرا معشوق رخساروں والا	کیا قیامت ہے کہی سزا ہے
کھلاتا ہے جنگل میں پھولوں کا موسم	کہ معشوق دیکھا نہیں ہے
خدا	خدا
میرا معشوق دو دینوں والا	اوجھ کچھ دنوں سے
جنگلات ہے زیادہ سلاسا ہے کم کم	خدا
خدا	انجنا خواب کی ہے
میرا معشوق فرمانے والا	طلوع ہر تاباں ہو آنکھوں پہ میری
اڑھاتا ہے چھپ چھپ کے باہوں کی چادر	کہ میں صدقہ حسن معشوق
	آنکھوں پہ مل لوں

محمد صالح الدین پروردگار

دل ہی روز و رستم جب ملاں خدا را

روقی مہد شباب ست دگر بستان را

میرا دل میرے بس میں نہیں ہے
کہ میں ایک ٹوٹی ہوئی ناؤ میں بیٹھ کر چل پڑا ہوں
میری ہینک ہائی کا کوہ بہت دور
پچھنے کہیں رہ گیا ہے

خدا

میں طلسمات کے اس جہاں میں رواں ہوں
جہاں رات ہی رات پھیلی ہوئی ہے

خدا

رات اک آئینہ

آٹھنے میں کوئی ماہ رخ اپنی زلفیں چھانکے
صلو قہ رخ یاں پڑھنے کو روکے

خدا

یہ صلو قہ رخ یاں مجھ سے

اوا ہو گئی کیسے

کہ یہ تھیں میں پارسی کو لائے

کہ یہ میری نگہوں کے کھنکھنے کا

کائناتی ہے

چاند سا اسکا چہرہ ہے

پھر بھی پریشان کرتا ہے وہ

زلف میں اسکی رحمت ہے

پھر بھی سنا تا ہے وہ

حال دل کارناؤں تو بہنسا ہے وہ

راز دل کا چھپاؤں تو روتا ہے وہ

کیا ای ہے وہ جانتا ہی نہیں

میری آنکھوں کی کشتی میں اک خشک

ایسی بھی ہے

آنسوؤں کو بے آباد کرتی ہے جو

خدا

کون ہے خواب سے جو جگاتا ہے

پھولوں کی پوشاک پہنے

خدا

کون سے

جو مرے ہونٹ پر ہونٹ سے

اپنی آیت کی آگ دھرتا ہے

میرے خدا

کون ہے عطری انگلیں والا

سوئے گریباں پر جوئے کھلاتا ہے

اے ری صبا

تو نے اس سرو قد پر عمل بدلی

ازمات و قاہر بانی کے جوئے سفا

اے خدا

تیرا کنعان ہی میرا دل ہے

خدا

میرے کنعان میں

سیف سے ماورا

عشق کی سلطنت مجھ کو دے

ਸੰਤ੍ਰਿਕਾਜ਼ਾ

د افغانستان اسلامي امارت

နိုင်ငံတော်

သို့သော်လည်းကောင်း၊

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

အိမ်ကုန်

श्री गुरुदेव गुरुदेव

३२५३

কৃতজ্ঞতা

۱۰۰

۱۰۷

ရဲဘဲကုသိုလ်

۱۷۹

۱۰۲

॥ श्रीगणेशाय नमः ॥

श्रीगुरुभ्यो नमः

۱۔

۱۔ چچا کے پاس جا کر

تاریخ حیدرآباد، ۱۸۵۷ء

عمر بن عبد المنذر

۱- شکر و سپاس

[illegible]

သက်တမ်းပိုရှည်စေရန်

၈၀၂ ရှိနေပြန်သည်။

[illegible]

मन्त्रः

2-9

အိမ်ထောင်ရေး

[illegible]

အနုပညာရှင်

[illegible]

အိမ်ထောင်ရေးနှင့် အသက်မွေးဝမ်းကျောင်း

2017年12月27日

အိမ်ထောင်ရေး

۱۲۸

محیط صلاح الدین پریر

ہم کے ہمدرد ہجرتی ناتوان مرا

تاجمالت عاشقان رازدہل خور و صلا

خدا

ہجر کے اور کتنے مگر ہیں

میں اک وصل کے گاؤں کا منتظر ہوں

خدا

اسکی خواہش تھی

ناہراں چاند کی کیسی خواہش تھی

میں اسکی یادوں سے پرٹا

اما عشق کی گرد میں

ہجر کی منزلیں پار کرنے کے بعد

ایک اندھیاری شب اسکے گاؤں میں پہنچوں

پڑوسی خبر دے

کہ وہ چاندک دوسرے گاؤں میں

منقل ہو گیا ہے

تسا ہے محبوب کی

شہد اسکا ہی اور ہوں

لکھوں ادھر ہوں

تربطے کا مجھے وصل

اس مہم میں کا

خدا

راز اس دل کا کس سے کہوں

عشق میں غم ہے

غم کے سوا جہاں نہیں

اے خدا

میں اگر تیرے پاؤں پہ بوسہ دھروں

تو کیا بھول جاؤں گا محبوب کو

خدا

جان و دل

زلف و تل سے پریشاں ہیں

جہاں اس ہجر میں مبتلا ہے

جہاں ایک دل کو بلا گیا ہے

چند پوسٹر نظمیں

بقیس ظہیر الحسن

(۱)

تمہاری طرح اک انسان میں بھی ہوں
مجھ بھی زندگی جینے کا حق اتنا ہی ہے — جتنا تمہیں ہے
زمین میرے لئے بھی سخت اتنی ہی ہے سختی تم کو لگتی ہے
نکلی بھی اتنا ہی مجھ سے پرے ہے
بدلتے جسموں کا رنگ مجھ کو بھی وہی لگتا ہے — جیسا تم کو لگتا ہے
تمہاری طرح میں بھی نفرتوں اور چاہتوں سے
روز ملتی ہوں

وہ دکھ ہو گا کہ مجھ پر بھی دیا ہی گزرتا ہے
(اگ ہے ساخت جسموں کی مگر دونوں کے جسموں میں
ہو تو ایک جیسا ہے !)

تمہاری طرح اک انسان ہوں
وہ بال تو ملی نہیں، تم جسکو ستر میں سلا کر
اسکی غر غر سے بہت محفوظا ہوتے ہو
تمہاری طرح مجھ کو بھی خدا نے اک وجود اپنا دیا ہے
کئی کئی خدا کی خلق کو وہ کہیں سمجھتے ہو
تمہارا جو خدا ہے، وہ ہی میرا بھی خدا ہے
تمہاری وضع کردہ زندگی جیتی رہوں — کیوں چاہتے ہو
مجھے محفوظ رکھنے کے بدلے مت تلاش کرو — شکریہ !
مجھ کو حفاظت اپنی کرنی آگئی ہے۔

باقیس ظفر الحسن

میری ماں، ماکن گھر کی کہلائی تھی، اور اسے اپنے گھر میں کبھی اک جگہ نہ ملی گھر کے سب لوگ آرام سے پر پھیلا سکیں اس لئے، عمر بھر پاؤں اپنے سکوڑے رہی اور اسی حال میں ایک دن مر گئی۔

گھر کا موسم بدلتا ہی رہتا تھا۔ جب گرمیاں سخت پڑتیں، تو وہ، سر سے پاؤں تک پیسے میں ڈوبی ہوئی، اپنے آجیل کی ٹھنڈی ہواؤں سے اک ایک کوڑھکنے لگ جاتی تھی۔ کڑکڑاتی ہوئی سردیوں میں وہ اپنے ہونکے حرارت ہر اک جسم میں محفل کر دے، اس ٹکڑی، نیلی پڑ جاتی تھی۔

میری ماں ایک دیوی ہے، ایثار کا ایک پیکر، یہ کہتے ہوئے لوگ تھکتے نہ تھے کسی کی کیا مراد ہے، وہ کہتے سے پہلے ہی سب جاں بیٹی، بتا ملنے ہی سب کو دردان دیتی۔ (دیویاں، صرف دردان دیتی ہیں، پانی نہیں!)

دوسروں کے لئے زندگی وقف اس کی تھی، لیکن اسے بھی ہے جینے کا حق، اس نے خود بھی نہ سوچا کبھی۔ (سوچی بھی تو کیا فرق پڑ جاتا تھا۔ کیسے روتے ہیں۔ اس کو کہاں آتا تھا!) تھی وہ بیوی کسی کی، تو ماں تھی کسی کی، کسی کی وہ بیٹی تھی، سب اپنے تھے۔ اور اپنوں سے کیسا گلہ!

اس کے مرجانے پر سب بہت روتے۔ بے انتہاد کہہ دیا۔
"کون اب گھر بچھائے گا، اک دوسرے سے سمجھوں نے کہا۔"

اپنی ماں کی طرح، میں بھی خود کو سکوڑے ہوئے، ایسا ہی مر جاؤں گی، مجھ کو بھی حق ہے جینے کا، میں بھی نہ کہہ پاؤں گی۔ حوصلہ اپنے پیاروں سے لڑنے کا مجھ میں بھی بالکل نہیں۔ اور ماٹوں بھی کچھ تو مرے ہاتھ کیا آئے گا۔ دیوی بننے کا موہم سا آسرا بھی چلا جائے گا۔

بلیس نفیر الحسن

۲

بی بی صاحبہ! آدی — روزہ دارو پڑھا کے چلا آتا تھا
پیشا تھا مجھ

ایک پیسہ بھی اپنی کہانی کا مجھے — خرچے کا دیتا نہیں تھا
ساتھ ایسے کے غصے میں رہتی — اسے چھوڑ کر
گاؤں سے شہر میں آگئی

آپ جیسے بڑے لوگوں کے گھر میں اب — کام کرتی ہوں
اب اپنی محنت کا کھاتی ہوں میں

گھاؤ بن کر جو ماتھے سجے — اس سندرکس کام کا!

بی بی صاحبہ! مگر اب دھنیا کو کیسے بتائیں کہ اس کی کہانی الگ کچھ نہیں ان کی بھی داستان
سے — ایسا ہی کچھ دیکھ ان پر بھی رات دن بیتا ہے — مگر فرق یہ ہے کہ وہ بی بی صاحبہ
ہیں اور وہ یہ — اور یہ حقیقت اسے صاحبہ نے بخشش میں ان کو ملی ہے — (جس کی اپنی
کوئی شخصیت ہی نہ ہو، اس کو تو بخششوں پر ہی جینا پڑے گا)

گھر میں رہ کے ہتی کے جو سامان ملتا ہے، ناری کہیں جائے، کب پائے گی، اپنی پیشانی کا گھاؤ
سہلا رہی ہیں، مجھ کو اپنا جی چھوڑ کر یوں نہیں آتا تھا، وہ دھنیا کو سمجھا رہی تھی —
اپنا سامان کیا چیز ہے، ان کو بیماری دھنیا بتائے تو کیسے بتائے۔

بقیس ظفر الحسن

۴

سخت جیت ہے باز تو ایسی دھبی
میں کو اس گھر میں آتے ہوئے
بیس برسوں سے زیادہ کا عمر ہوا
اولاد بیس برسوں میں اس نے — کسی سے کچھ بھی کہا
نہ شکایت کسی طرح کی — اور نہ کوئی گواہ
گھر کے کاموں میں دن رات مشغول رہتی تھی
بچاری کو بات کرنے کی مہلت بھی ملتی نہ تھی
وہ دلا کر سبھی کو جو بچتا تھا — بے یقینی تھی
کیسی فرمائشیں! وہ تو توبہ ریں بھی کبھی
اپنا جوڑا بدلتی نہ تھی
سأس کی خدمت، ناز برداریاں زندگی
جیتھا دیو راسر اور شوہر — ہر اک کے لئے
جان حاضر تھی اس کی
ایسی عورت نہ ہو گی کہیں!
بیس برسوں میں میکے کا نام بھی نہ دیکھا
جوڈوئی سے اتری — تو گھر سے قدم اس نے
باہر نہ رکھا
ایسی عورت کو یہ آج کیا ہو گیا
زہر چھوٹا کیوں کھا لیا
سخت جیت ہے — باز تو ایسی دھبی

۵

پیری ہر سمت میں خون رنگ بھونکے شعلے
اور پھکارتے آگوں کی زبانیں مجھ کو
چانتی رہتی ہیں — دس بیتی ہیں
خشم گیس سائے — مٹا جانے کے ہیں
دماغ سے بہتے ہیں دہکی ہوئی سیخوں سے مجھے
ٹوٹ پڑتے ہیں — مجھے ہمارے رکھ دیتے ہیں
ان گنت نیردوں کی نوک میں مر رہی رگ رگ میں
اترتی ہی چلی جاتی ہے
خوف و دم خشت سے مری آنکھیں بھی جاتی ہیں
میرے جھلے ہوئے ہونٹوں سے نکلتی ہے صدائے اعطش
پیش کرتے ہیں فرشتے بڑی مکرم کے ساتھ
جام — جسمیں ہے او — میرے ہی رغو کا بھرا
میرے رستے ہوئے پھوڑوں کا سواد!
جس کو میں پانی نہ سکوں — ادنیٰ بھی لیں اگر
خلک ہو جاتے ہیں سب قلب و جگر
کھینچ سی جاتی ہے مرے جسم کے اندر جیسے
ایک شعلے کی لکیر!
اداس پر بھی مجھے موت نہیں آتی ہے!
میرے معبود اس — یہ معبود جسم تو نہیں!
میں نے کس جسم کی نیکیاں یہ سراہا ہے

سرخار بلند شہری

جاناں جاناں

ایک نظم

چاند کا سبز اجالا	شاخ سے	پیارے بھائی
نیلگوں پہاڑ پر	گرتے ہوئے	دراصل
چھلتا ہوا	زرد	تم اپنی
پر کیف جھڑا	پتے نے	کمزوری کے سبب
دودھ دوزکب	آہ و ناری	زمین پر
جھکتی	کرتے ہوئے	آگے ہو
جوان ففیلیں		
ندی کے اطراف	ہوا سے	اور
انگڑائی لیتے ہوئے	شکایت کی	ایک تم بھی کیا
اد پنے لیے کھجور	مجھے	درفت پر
بیول کے درختوں پہ	صرف	جو پتہ
ہوا کے	تمہاری وجہ سے	کمزور ہوتا رہے گا
مست جھونکوں سے		
سرگوشیاں کرتے		
بے کے خوبصورت گولٹے		
ادریہ		
چھوٹا سا کاؤں	ہر اچھر ادرفت	زمین پر
سب	چھوڑ دینا پڑا	گمراہ رہے گا •
تمہارے منتظر ہیں		
اور سنو	ہوانے	
میں بھی تمہارا منتظر ہوں •	مسکراتے ہوئے کہا	

مسودہ آخر

سے بچے صبح

سودج نکالے ابھی دو سوادو گھٹے ہی ہوئے ہیں لیکن دھوکہ
آتی تیز ہے جیسے ٹیک بیک دو پہر کی ہوا اول تو ہے ہی نہیں اور
جو ایک آدھ بھوکا آئیں دے عموں لاجھٹکا آجی جاتا ہے تو لگتا ہے
جیسے سیدھا بھر بھوٹے کے دہکتے بھاڑے نکل کر آ رہا ہے
سڑکیں پتتا تو آجی ہوئی ہیں اور آسمان جیسے تلجے کی گرم چادر دھول
کی دیر تہہ میں پٹے پڑ عجب چھوڑ رہے ہیں۔

گلبرگ کے مین پو لینڈ ڈپر تو چند گاڑیاں آتی جاتی نظر
آتی ہیں لیکن اندرونی سڑکیں بالکل سنسان ہیں کبھی کبھی کسی کوئی
گاڈیٹ کھلتا ہے اور کوئی ڈکر یا پر نکلتا ہے یا صفائی کرنے
والی اندر داخل ہوتی ہے اور گیٹ پھر بند ہو جاتا ہے۔

خاموشی ہی خاموشی ہے۔ یہاں سے وہاں تک خاموشی
ایک اندرونی ٹرک پر بڑے سے پارک کے سامنے تری
کوٹھی کا گیٹ بھی بند ہے۔ گیٹ سے باہر تھوڑا سا پانی پڑا ہے۔

صبح ہی صبح ٹاؤن دے اور گاڑیاں دھوئی گئی ہیں۔ پورچ میں دو
گاڑیاں کھڑی ہیں۔ ہرٹا سوک اور سوفٹ (جاپانی) یہاں بھی تڑپ
گڑی ہے۔ جو ڈرائیور گاڑیاں صاف کر رہا ہے وہ پیسے میں نہایا
ہوا ہے وہ ہلدا رہے لگتے اور گردے سے پیرتا پوچھتا ہے اور منہ

جنوری ۱۹۶۲ء

سے بچوں بچوں کی آوازیں نکالتا جاتا ہے۔ لیکن کوٹھی کے اندر
ٹھنڈ ہے۔ خوب ٹھنڈا کوٹھی سسٹل ایر کنڈیشنر نہیں ہے لیکن وہ
واری ہے جو اسے سی شروع ہوتے ہیں وہ کچن تک جاتے ہیں
کچن میں اسے سی نہیں ہے مگر ایگزاسٹ کے ساتھ یہ اہتمام کیا گیا ہے
کہ برف کی ملیں ٹپ ہیں رکھ دی جاتی ہیں۔ پکٹے کے بچے برف
بگھلاتی رہتی ہے اور کچن ٹھنڈا رہتا ہے۔ صرف ہاتھوں کے کمرے
اور ڈرائنگ روم کے اسے سی بند ہیں باقی تینوں ریڈ روم اور لاناؤ
کے اسے سی چل رہے ہیں۔

بیک صاحب کھانے کے کمرے اور کچن کے چکر لگا رہی ہیں۔
وہ بہت جلدی میں ہیں، کچن میں خان ماں ہی ناشتہ تیار کر رہا ہے
لیکن جیسے بیک صاحب کو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ ہر چیز
ان کی مرضی کے مطابق ہو، وہ کبھی کچن میں جا کر خان ماں کو ہدایت
دیتی ہیں اور کبھی بیڑ پر ناشتہ لگانے والی کی نگرانی کرتی ہیں۔ وہ بار
بار اس دینے کی طرف بھی دیکھتی جاتی ہیں جو اوپر کمروں کی طرف ہوتا ہے
بیک صاحب بہت دلیلی علی بھی نہیں ہیں اور بہت اونٹنی بھی
نہیں۔ غصہ تو اچھے نہیں لیکن چوں کہ گوری ہیں اس لئے ابھی کچن میں
اب بھی ان میں خامی محسوس ہے تو جوانی میں وہ واقعی ابھی کتنی ہوں گی
پہلی چہرہ نہیں تو پری پری کفر دروغیں مانا جاتا ہوگا۔ ماشاء اللہ یہیت

ایک صاحب

ممتاز شہر اور سے ایک بھاری بھر کم آواز آتی ہے۔
بھارتی اتحاد ہے کہ یکم صاحب بھی اچھل پڑتی ہیں اور خود بھی بہ
ساتھ آواز لگاتی ہیں۔ "ممتاز... " دوسرے تو یہ آواز انہوں نے
غیر ارادی طور پر لگاتی ہے لیکن اس میں غیر شعوری طور پر ان کی آواز
کو بھی دخل ہے کہ ادھر کی آواز ان کی آواز بھی ملے اور اسے علم
ہو جائے کہ یکم صاحب ہر روز کی طرح صبح ہی شعوری کے ساتھ
اپنے موہر پر ڈھٹی ہوئی ہیں۔

ممتاز بھلے برآمدے کی طرف سے دوڑا دوڑا آتا ہے، اور
یکم صاحب کی طرف دیکھ کر ادھر چلا جاتا ہے۔ اس کے پیچھے یکم
صاحب بھی ادھر جاتی ہیں۔ ادھر سے تیز آواز بنی تا شروع ہو گئی ہیں۔ پھر
صاحب کے ڈانسنے کی آواز آتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ممتاز ہاتھ میں
جوتے لئے نیچے آ رہا ہے، یکم صاحب بھی اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔
"جوتے سے ہزار بار کہا ہے کہ رات کو یہ معلوم کر لیا کرو کہ
سامان یا پہننا ہے؟"

ممتاز بھلی طرف چلا جاتا ہے۔ یکم صاحب بھی کے
اندھ جاتی ہیں۔
یکم صاحب بھی سے نکل کر دیوار پر لگی گھڑی دیکھتی ہیں اور دیوار
سے میرے دو سلاسل اٹھا کر نوشر میں لگا دیتی ہیں۔
ممتاز جوتے لئے آتا ہے اور ادھر چلا جاتا ہے۔

بجے ۸

نیزے پر سے کسی کے اترنے کی آواز آتی ہے۔ "میاں صاحب
آ رہے ہیں؟" آواز کی طرح ہی بھاری بھر کم، لیکن تدریجاً اس نے
ٹپا ٹپا محسوس نہیں ہوتا۔ انہوں نے کریم کلر کا شلوار سوٹ پہنا ہوا ہے
اور راسک کی جیکٹ ہے جو تھوڑی سی جین پر ممتاز چھانکھا چکا
ہے۔ وہ میرے قریب جاتے ہیں اور ناشتے کی چیزوں کا جانٹھ لیتے
ہیں۔

پھر اللہ بنو لیا؟... وہ صاحب بن کر رہے

ہیں۔ سکھاتے ہیں۔ روزانہ دس دھکے کر کے کھڑے ہوتا ہے۔
کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ ہر دو کی سب سے بڑی دشمنی اس کی بھرت
کرنے والی بیوی ہوتی ہے جو کھانا کھا کر مارتی ہے۔ وہ زور
سے تمغہ لگاتے ہیں۔

"اندھے سے کچھ نہیں ہوتا، اب یکم بھی خوش ہو گئی ہیں
وہ جلدی جلدی توں پر کھن لگاتی ہیں۔" مسرتے لوگوں کو خوش ہوتا
ہے، آپ مسرتے تھوڑے ہی ہیں؟

"تم کھن خوب لگاتی ہو؟" وہ پھر تمغہ لگاتے ہیں۔ مگر
ان کے تمغہ لگاتے کا پانی اننا ہے، تمغہ لگاتے وقت ان کا
منہ زیادہ نہیں کھلتا۔ وہ غم داہنوں کے ساتھ تمغہ لگاتے
ہیں جس سے ان کی شانسی کی کا پتہ چلتا ہے۔

"تم ناشتہ نہیں کرو گے؟" وہ یکم سے کہتے ہیں اور نوں پر
پورا اٹار رکھ کر اس پر پھر چلا دیتے ہیں۔ یکم ان کے لئے دوسرے نوں
پر مار لیڈ لگا رہی ہیں۔

"میں بچوں کے ساتھ کروں گی۔ تمہیں جلدی ہے نا؟"
"کبھی ہمارے ساتھ بھی کر لیا کرو؟" وہ پھر مذاق کرتے ہیں
اور یکم صاحب پھر خوش ہوتی ہیں۔

"میں نے ابھی دانت بھی برش نہیں کئے۔" یہ کہہ کر وہ چائے
کے دوکپ بناتی ہیں اور خود بھی چائے پیئے لگتی ہیں۔

۸ بج کر ۳۰ منٹ

میاں صاحب اٹھتے ہیں اور صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں،
یکم بھی ان کے پاس آ جاتی ہیں۔ میاں صاحب کو کچھ یاد آتا
ہے۔ وہ دھوا دھوا دیکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی یکم بھی ادھر ادھر
دیکھتی ہیں۔

"وہ ریموٹ کنٹرول کہاں گیا؟" میاں صاحب کہتے ہیں۔
"اتنے دن آگے اس کو لائے ابھی تک حاکم نہیں پڑی اس کی؟"

شب بخیر

”آواز لگانے کی حالت جو ٹری ہوئی ہے، بیکری ٹری
سے مذاق کرتی ہیں۔

”ہاں۔۔۔ حالتیں جاتے جاتے ہی جاتی ہیں، میاں
صاحب شراکت سے بیکری کی طرف دیکھتے ہیں۔ جیسے ہیں تمہاری
حالت بگڑی ہے۔“ اور پھر وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں ہنسنے لگاتے
ہیں۔ بیکری بھی ہنستی ہیں۔

”وہ تو ادھر تمہارے سر ہانے ہی پڑا ہے۔ میں لاتی ہوں“
یہ کہہ کر وہ ٹپٹی ہیں مگر میاں صاحب ہاتھ پکڑ کر انہیں بٹھالیتے ہیں
”تم کو لگتی ہو۔ ممتا نے اُسے گا“ اور پھر وہ ممتا کو آواز دیتے ہیں
ان کے ساتھ ہی بیکری بھی بیکر کا فریضہ ادا کرتی ہیں اور زور سے آواز
لگاتی ہیں۔

”ممتا زور سے ریوٹ کٹر لٹا اٹھا۔ سر ہانے ٹیبل پر
رکھا ہے۔“

ممتا بھاگتا ہوا ادھر جاتا ہے۔

”ہم نے تمہیں بیونگ ڈاکٹر بنا دیا ہے۔“ میاں صاحب
بڑے فراخ دلانہ انداز میں بیکری کی طرف دیکھتے ہیں۔

”بیونگ ڈاکٹر کڑا؟... کا ہے کا بیونگ ڈاکٹر کڑا؟“

”ٹریو لنک ابجی کا اور کا ہے کا“ وہ ایسے کہتے ہیں جیسے
اس بارے میں وہ بیکری سے بات کر چکے ہیں لیکن بیکری کے تاثرات سے
معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے یہ نئی خبر ہے۔

”ٹریو لنک ابجی؟“

ممتا ریوٹ لے کر آجاتا ہے اور وہ دونوں خاموش
ہو جاتے ہیں۔ ممتا ایک طرف کھڑا ہے کہ شاید اس کے لئے اور کوئی
مکمل ہو میاں صاحب ریوٹ کا ٹین ڈباٹے میں جس کے ساتھ ہی بیکری
برآمدے کی طرف سے کھٹی کھٹی کی آواز آتی ہے۔ ”ماتو سنو؟“ میاں
صاحب ممتا سے پوچھتے ہیں۔

”جی۔“

”ریوٹ سے کھٹی کھٹی کی آواز فوراً آؤ گے۔“
”جی۔“

”جب ہم باہر سے آیا کریں گے تب بھی ریوٹ سے ہی
کھٹی کھٹی کی آواز آئے گی۔“
”جی۔“

”میں موڑ مڑتے ہی کھٹی کھٹی بجایا کروں گا۔ اور فوراً گیٹ
کھلے گا۔“

”جی۔“ ممتا ایسے جی جی کر رہا تھا جیسے اسے یہ سب معلوم
دہو حالانکہ برابر دانی کو ٹپٹی میں یہ سب کچھ بہت پہلے ہی دیکھ چکا
ہے۔ مگر میاں صاحب کے سامنے اپنے علم کا اظہار کر کے وہ انہیں
اس نئی خوشی سے محروم کرنا نہیں چاہتا۔

ممتا چلا جاتا ہے۔

میاں صاحب ملدی سے بریف کیس سے چند کاغذات
نکالتے ہیں اور بیکری کی طرف دیتے ہیں۔ ”یہاں اور یہاں دستخط
کر دو۔“

”مگر مجھے بتاؤ تو یہ ہے کیا بیکری ٹریو لنک ابجی ہے؟“
بیکری جرات کرتی ہیں۔

”اوہو۔۔۔ کہہ کر دیا ہم یہ ابجی بنا رہے ہیں۔ اس میں
تین اور بارش بھی ہیں۔ کام وہ کریں گے تم بیونگ ڈاکٹر کڑا ہوگی۔ ظاہر
ہے میں تو بن نہیں سکتا۔“

بیکری خاموشی سے دستخط کرتی ہیں۔ اور میاں صاحب ساتھ
ساتھ کہتے جاتے ہیں: ”تمہاری تنخواہ میں گوارا کر سکتی ہو؟“ ”نہیں سو
روپے روز کا تو پٹرول ہی تمہارا بیٹا بھونک دیتا ہے۔“ بیکری صاحب
کو تہلایا بیٹا کہنا برا لگتا ہے مگر وہ خاموش رہتی ہیں۔

میاں صاحب کاغذات بریف کیس میں رکھتے ہیں۔ ”آج
ہی ملتان روڈ والی آئل مل کا سودا بھی ہو جائے گا۔ اس کا ٹانک
تمہارا بیٹا ہوگا۔“ بیکری کو خبر چھری ہی آتی ہے۔

باہر بالکل خاموش ہے۔ چورنگ پر چڑھی ملی کلوگن چلنا
کی ذیل بہر وقت چڑیاں شور مچاتی رہتی ہیں لیکن اس وقت وہ
بھی نہیں بول رہی ہیں۔ وہ بھی گری اور پیاس کی شدت سے ٹھٹھا
کہیں سائے میں بڑی ہانپ رہی ہوں گی۔

بچے

میاں صاحب اٹھتے ہیں۔ بیگم بھی ان کے ساتھ کھڑی
ہو جاتی ہیں، میاں صاحب ریوٹ کا بیٹن دباتے ہیں ممتاز
حاضر ہو جاتا ہے۔ بیگم صاحبہ برف کیس اٹھا کر اس طرف ڈھکی
ہیں۔ وہ جلدی سے اسے پکڑ لیتے ہیں لیکن ابھی وہیں کھڑا ہے۔ اسے
نہیں پتہ اب کیا کرنا ہے؟ اب اسے کیا حکم ملتا ہے؟ میاں صاحب
بھی جیسے اسے محول چکے ہیں کہ وہ ان کے پیچھے کھڑا ہے۔ وہ کچھ
سور رہے ہیں۔ پھر اپنے آپ سے کہتے ہیں "اچھا ٹھیک ہے"
اس پر ممتاز اور بیگم دونوں کے منہ کھل جاتے ہیں۔ میاں صاحب
آگے کچھ نہیں کہتے۔ وہ دونوں بھی ان سے مصافحہ طلب کرنے
کی ہمت نہیں کرتے۔

"وہ دونوں ابھی تک سو رہے ہیں؟" میاں صاحب
اسی طرح کھڑے ہیں۔

"رات دیر سے آئے تھے۔"

"چلو چشیاں ہیں آرام کرنے دو۔ پھر انہیں ممتاز کی
موجودگی کا احساس ہو تب سے اور وہ ڈانٹتے ہیں۔ تو کھراکی کر رہا
ہے؟ جا گاڑی میں رکھ کر برف کیس؟

ممتاز چلنے لگتا ہے تو بیگم آواز دیتی ہیں "یہ ریوٹ بھی
برف کیس کے اوپر رکھ دیتا۔ وہ میاں صاحب کے ہاتھ سے
ریوٹ لے کر ممتاز کو دیتی ہیں۔

"ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ میاں صاحب ہنستے ہیں اگر تم نہ ہو
تو پتہ نہیں میرا کیا حشر ہو۔ اسے راستے میں ہی پھینک دیتا،
ٹی دی کار بھٹ کھ کر؟

بیگم صاحبہ اپنی تعریف پر بھولی نہیں سمجھ سکتی
چلنے لگتے ہیں۔

"ڈاکٹر کو خون کرنا جلدی آجائے؟"

"جی چھا"

"اور ہاں بینک بھی فون کرنا ہے۔ ابھی تک شری ٹھٹھا کیٹ

نہیں آئے؟"

"اچھا"

"تینوں بینکوں کے ہیں یاد رکھنا"

"اچھا"

"خیر سے کہنا کراچی فون کرے"

"رہا"

دروازے پر پہنچ کر میاں صاحبہ رکتے ہیں اور اپنا منہ
آگے ٹھکانے ہیں۔ بیگم بھی اپنا ہونٹ گول کرتی ہیں میاں صاحب
دراز دیکھ آکر "بچ" کی آواز نکالتے ہیں اور پھر "ہوں" کہتے ہیں کہ پلو
یہ فریڈ بھی ادا ہو گیا۔

"باہر آنا بڑی گرمی ہے۔" وہ یونہی کہتے ہیں حالانکہ وہ
جلتے ہیں کہ بیگم نہیں مائیں گی، انہیں کہ اگر وہ ماں جائیں گی تو خود انہیں
بہت برا لگے گا کہ وہ باہر جائیں اور بیگم گاڑی تک انہیں چھوڑنے سنائیں
بیگم گاڑی تک آتی ہیں اور ہاتھ ہلا کر انہیں الوداع کہتی ہیں۔ پھر گری گری
کر ٹانڈر آتی ہیں اور اوپر چلی جاتی ہیں۔

ان بچ کر ۳۰ منٹ

بیگم صاحبہ لاؤنچ میں آتی ہیں ڈائننگ میں جھانک کر
ایلیٹن کرتی ہیں کہ کھانے کی یہ صاف ہو چکی ہے۔ نوکرانی بھاڑ بھانگی
کر رہی ہے۔ وہ اوپر چلنے کا سوچی ہیں پھر نوکرانی سے کہتی ہیں
ظنماں کو بلاؤ۔ ظنماں آتا ہے۔ اسے دھیرے کھانے کے لیے
ہدایت دینے لگی ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آج میاں صاحبہ نے جس
کھانے کی فراہم کی ہے اس کا سامان تو گھر میں موجود ہی نہیں ہے
شب بخیر

خانہاں پر بہت ناؤں ہوتی ہیں " تو نے کل کیوں نہیں بتایا؟
 میں میں صاحب کی دعا دیاں بنے کئی قلمی کل ہی سب کچھ لے آتی تو
 بھی سوتے سے جاگتا ہے۔ " خانہاں سننا ہے کہ اس نے تو
 کل کہا تھا، آپ نے ہی نہیں سنا مگر وہ اس کی نہیں سنیں۔ پہل تو
 اپنا کام کر میں ناشتے کے بعد بازار جاؤں گی؟

خانہاں میں چلا جاتا ہے۔ وہ ممتاز کو آواز دیتی ہیں اور لے
 حکم دیتی ہیں کہ جو لڑائی نے صفائی کر دی ہوگی تو اوپر جا کر کمرہ ٹیک
 کرے۔ ممتاز چلے نکلتا ہے تو انھیں یاد آتا ہے "اوہ دیکھتے چھٹے
 انھیں؟"

"ابھی نہیں اٹھے۔" ممتاز وہیں کھڑے کھڑے کہتا ہے۔

"خجے کیسے پتہ؟"

"جی وہ اوپر کمرہ دیکھنے کی آواز نہیں آئی۔"

بیگم صاحبہ ہنسی میں "اچھا جاؤ مگر صاف کر۔"

اچانک اوپر سے حدت ان صبح فاصلے کے گانے کی آواز آتی

ہے۔ یہ آواز زاد بھی ہے۔

"بے بی اٹھ گئیں۔" ممتاز چلتے چلتے ایسے کہتا ہے جیسے یہ

اس کا کارنامہ ہو۔

"جانناں سے کہہ بے بی کے لئے ناشتہ تیار کرے۔"

ممتاز ابھی واپس چلا بھی نہیں کہ وہ جلدی سے کہتی ہیں۔ "اچھا ہر

دسے۔ وہ کون سا ناشتہ کرتی ہے۔ ایک سوکھا آؤس کھالے گی جی

تو اپنا کام کر۔"

ممتاز جاتا ہے۔ بیگم ٹیلی فون اپنی طرف کھینچ کر غریب لاتی ہیں

"ہیلو۔ کیا کر رہی تھیں؟۔۔۔ ہاں ابھی گئے ہیں۔۔۔ تمہارا کیا

ہوا؟۔۔۔ طبعی بنا ہے تجھے۔۔۔ ہاں لوگوں کے بڑے بچے ہاتھ میں

۔۔۔ جہاں چاہتے ہیں اپنی پوشنگ کر لیتے ہیں۔ ہاں۔ ہاں یہ

ہی لوگ ہر حکومت میں ٹھیک رہتے ہیں۔۔۔ غیر نم لکرو کہ یہ

فریڈرک شل ہوا ہے تو کوئی اور اچھی جگہ مل جائے گی۔۔۔ ہاں

جنوری ۱۹۶۱ء

ہاں یہ بھی اچھی جگہ ہے۔ کسی کی چاہوسی تو نہیں کرنا پڑتی۔۔۔ اچھا
 سوچتم آج بازار جاؤ گی؟۔۔۔ جو کو؟۔۔۔ جو کو کھرے میں کیسے
 نکل سکتی ہوں ایساں صاحب گھر میں ہوتے ہیں، میں کہاں جا سکتی
 ہوں۔۔۔ میں کہہ رہی تھی تم جاؤ تو مجھے بھی لے چلا۔ باہر گری بہت
 ہے۔ اکیلا جانا مشکل نظر آ رہا ہے۔۔۔ کیا "اچھا" چلو میں ہی لے
 لوں گی۔۔۔ ہاں ہاں ممتاز ساتھ ہوگا۔"

۹ بج کر ۴۵ منٹ

بے بی نیچے آتی ہے۔ عمر بھی کوئی چودہ پندرہ سال

بہت دہلی پتلی لمبی سی، تیار ہو کر نیچے آئی مگر لگتا ہے جیسے ابھی

بستر سے اٹھی چلی آ رہی ہے۔

"ہیلو جی۔" بے بی بیگم کے پاس آکر ان کے کمال کے ساتھ

اپنا مکمل ملاتی ہے اور "سیج" کی آواز نکالتی ہے۔ بیگم بھی کچھ میٹھی

آواز نکالتی ہیں۔ "کس سے باتیں کر رہی تھیں؟"

"میں تو صفت میں پھنس گئی پٹا، سو چاہتا مرنے تو چھی بلال

جائیں گی تو مجھے بھی ساتھ لے جائیں گی وہ کہتی ہیں ایک گاڑی تو قرضی

لے گئے۔ ایک لڑکا "اور ایک مردوں کے لئے ڈرائیور لے

گیا ہے۔ ہونہر۔۔۔"

"جی آپ تو انھیں جانتی ہیں؟"

"جان سے جب بھی بات کرو اپنی کھالے کر بیٹھ جاتی ہیں

میں نے خواہ مخواہ فون کیا۔"

"کم آن جی۔۔۔ اس میں افسوس کی کیا بات ہے؟"

"اب انٹی میرے گلے پڑ گئی تا۔ اب مجھے جانا پڑے گا انہیں

لینے میں گری ہیں؟"

"جی ناشتہ۔۔۔ بے بی تجھے بچوں کا سامنا کرنا کتنی ہے۔

بیگم صاحبہ اس کے کمال سے تعجب لاتی ہیں اور نوکر کی کو آواز

دیتی ہیں۔ "آج تو بیٹا اللہ کا ہوا۔ بے بی سے کہتی ہیں اللہ بی

بہت ہی بڑا سامنا کر اس سے ہونٹ جاتی ہے۔

”آپ کیسے مجھے موتا کرنا چاہتی ہیں؟“

”کوئی چلنے لاکر میری رکھی ہے۔ بیگم صاحبہ خال خال
لوکھ رہا ہے آج آپ کیسا اٹھ کھائیں گی؟“

”میں بھی آج اٹھ نہیں کھاتی بہت موٹی ہوئی جا رہی ہوں
“ویل ڈن ملنا یہ بات ہوئی تاہم بی بی ماں کے کال پر مڑتی
ہے اور دونوں میں ہر پٹھ جاتے ہیں۔

”جی ہم کل تھیکا گلی جاوے ہیں تاہم“

”ہاں ہمدے پاپائے کہا تو ہے“

”اس مرتبہ ہم ٹرین پر دہلیں“

”ٹرین پر؟“ بیگم صاحبہ بی بی کو ایسی حیرت زدہ نظر
سے دیکھتی ہیں جیسے اس نے کوئی بہت ہی اچھے کی بات کہی ہو۔
”ہاں ماہر فیرنڈی ملک“

”تمہارے پاپا کو اتنی فرصت کہاں ہے؟“

”جی ہم ٹرین پر بھی نہیں بیٹھے۔ ہمیشہ بی بی ایز لیمائی روٹو“

”اچھا اچھا میں ان سے بات کروں گی“

”جی آپ ان سے کیوں بات کریں گی؟ آپ خود فیصلہ

کر لیجئے“

بیگم اس کی طرف غور سے دیکھتی ہیں اور خاموش رہتی ہیں۔

دونوں چائے پیئے رہتے ہیں پھر بی بی اپنے کمرے میں چلی

جاتی ہیں اور بیگم صاحبہ بھی اوپر جاتی ہیں۔

”ان سچ کر ۲۰ منٹ“

ادھر نصرت فتح علی خاں کی آواز گونجتی ہے۔ دم مست

قلندر مست مست۔ بیگم صاحبہ جلدی سے نیچے آتی ہیں کوئی

آتی ہے۔ پھوٹے میں صاحبہ جاگ گئے ہیں ان کا اٹھ کھڑا

”آج وہ اٹھ کیسا کھائیں گے“

”تمہ سے کیا پوچھ رہی ہے اوپر جا کر پوچھ“ کوئی ادھر

ہلنے لگتی ہے۔ ”اور یہ بی بی سے کہو میں بازار جا رہی ہوں بھائی کو

ناشتہ کرلوے“

بیگم صاحبہ منہ کے ساتھ باہر چلی جاتی ہیں۔

پھوٹے میں صاحبہ نیچے اترتے ہیں۔ سولہ سال کے

ہیں لیکن صحت ایسی ہے کہ بیس بائیس سال سے کم کے نظر نہیں آتے

وہ سیدھے بیڑ پر جاتے ہیں اور خود چلنے پھرنے میں۔ ”ناشتہ...“

”بی بی نیچے اترتی ہے۔ کیا خود کھا رہا ہے۔ ساڑھے

دس بجے تو سو کر اٹھے ہیں اور میں شور مچا رہا ہوں جیسے صبح ہی صبح

جو گنگ کر کے آرہے ہیں۔

”جو گنگ بھی کر لیں گے تم ناشتہ تو کھاؤ“

”پتہ ہے“ بی بی بڑے راز سے کہتی ہے۔ ”ہم پٹری

ملک ٹرین پر جائیں گے“

”سچ؟...“ وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ ”پاپا مان گئے؟“

”پاپا بھی مان جائیں گے۔ جی تیار ہیں“

”ادھر جی سے کیا ہوتا ہے؟ وہ منہ نہاتے ہیں۔

”پاپا کو فرصت ہی کہاں ہے؟“

”ہاں کریں وہ دونوں جیسے چاہیں چلے جائیں ہم دونوں

ٹرین سے چلیں“

مگڈ آئیڈیا۔ دیری گڈ آئیڈیا۔ بی بی اچھل پڑتی ہے۔

”یہ بات وہ مان جائیں گے“

”کوئی ناشتہ لے کر آتی ہے۔ وہ تیسری بار تازہ چائے

گرم کر کے لائی ہے۔ بھائی پورا ناشتہ کر لیا ہے اور وہ اس کے

صرف چائے پیتی ہے۔

”ابھی“

دونوں بہن بھائی اوپر چلے جاتے ہیں۔ دم مست قلندر

کی آواز بھر آنے لگتی ہے۔

”سچ ۱۲ ۱۵ منٹ“

بیگم صاحبہ داخل ہوتی ہیں بیچے بیچے متنازعہ میں

شب بخیر

بہ شمار ٹاپنگ بیگ اٹھا رکھے ہیں بیگ موٹے ہر ایسے گرجا کی
یہاں جیسے بہت خشک گئی ہیں۔ پھر غنماں کو آواز دیتی ہیں۔
سے کھاتی ہیں۔ کہ کون سی چیز ڈیپ فریڈ میں رکھنا ہے
دو کون سی فریج میں۔ پھر حکم دیتی ہیں۔ تمام چیزیں دو بجے
ساجار ہو جائیں۔ وہ سامان اٹھا کر جانے لگتا ہے تو اسے
ہر آواز دیتی ہیں۔ اور دیکھ صاحب کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ سودا
"ج" لایا گیا ہے۔ وہ بہت برا مانتے ہیں کہ گھر میں کوئی چیز نہ ہو۔
تھے تو ہوش ہی نہیں رہتا۔

وہ اٹھنے لگی ہیں تو ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ نہایت
بڑی سی سے رنجور اٹھاتی ہیں۔ "ہیلو... ہمارے نوکر کو کوئی
رہنے لائی ہیں۔۔۔ گھر کا سامان میں خود ہی خریدتی ہوں۔۔۔
ہاں صاحب بھی نوکروں پر یہ دوسرے نہیں کرتے اور یہ نوکر دوں بلا یا ہوا
بوقت تو کھانے کے تالی ہی نہیں ہوتا۔ کھائی انہیں اچھا دیتے
نہیں۔ ان سے تو جھگڑنا پڑتا ہے۔۔۔۔۔ ہاں کل تھیکا کی جاتا
پر وگام ہے۔۔۔ موقع ملا تو کالام تک بھی ہوا انہیں گے۔۔۔
ہر اقوم کھٹ سا ہے اس گری میں۔ میں تو فوراً یہاں سے
خا چاہتی ہوں سچ بھی بہت بیزار ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ کہاں
لام؟ تمہارے ساتھ کیلے؟۔۔۔ کیسی باتیں کر رہی ہو؟ ہم جاتی
ہیں صاحب میرے بچہ رہ ہی نہیں سکتے۔۔۔ چلو یہی کہہ لو۔
ہاں تو۔۔۔ ہاں بہت خوش قسمت ہوں۔۔۔"

پس بج کر ۳ صحت

بیگ صاحب جلدی جلدی بچے اترتی ہیں۔ یہی بچہ کی طرف
آئی ہیں۔ کبھی سے ترتر تراتن کی آواز آرہی ہے جسے وہ خانہ سال
ڈانٹ رہی ہیں۔ پھر وہ باہر آتی ہیں۔ متاثر کو آواز دیتی ہیں اور
سے اوپر جا کر وہ صاف کرنے کی ہدایت کرتی ہیں۔ "لوہہ صاف ہونے
سے کھان دینے ہیں۔ انہیں باقہ دم میں دکھانا۔ وہ جانے
تھا ہے تو پھر اسے آواز دیتی ہیں۔ "گھوٹے صاحب اور سہیلی

سے کہہ دیتا ہے آجائیں کھانا پاپا کے ساتھ ہی کھانا ہے۔
جی کہہ کر متاثر اوپر جاتا ہے۔ سہیلی بچے آئی ہے۔ سی
ابھی تو ہم نے ناشتہ کیا ہے۔ ابھی سے کھانے کھا سکتے ہیں؟ پھر
وہ ہنسی ہے۔ "جی آپ نے ادھوری ٹوکھٹ کی نئی فلم دیکھی ہے؟
اتنی پیاری آئی ہے۔ اس میں وہ۔۔۔۔۔ ہم دی دیکھ رہے ہیں۔
"اچھا اچھا پاپا آئیں تو سچے آجاکھانے پر ہاتھ دیکھنا
وہ بہت برا مانتے ہیں کیلے کھانا؟

"اچھا۔۔۔۔۔ سہیلی اوپر چلی جاتی ہے۔ اوپر سے ظم چلنے
کی آواز آرہی ہے۔

سج بج کر ۵ صحت

گھنٹی بجنے کی آواز آتی ہے۔ ممتاز چھلے پر آدھے سے
دوڑا دوڑا آتا ہے اور سیدھا باہر چلا جاتا ہے۔ پھر کڑی آواز آتی
ہے۔ اچھے بوج میں آکر گئی ہو۔ میاں صاحب اندر آتے ہیں
اور کھڑے ہو کر خود ہی ہنسنے لگتے ہیں۔ بیگ بریشان ہو جاتی ہیں مگر
اپنی بریشانی ظاہر نہیں کرتیں۔ بلا خود ہی ان کے ساتھ سکرانے لگتی
ہیں۔ "خیر تو ہے؟ کس بات پر ہنس رہے ہو؟"

"میں ابھی سوچ رہا تھا کہ مجھے لانے کے لئے کچھ کرنا پڑے گا
مجھے تو پینے ہی نہیں آکا لیر کنڈر شیز کھرے اور کنڈر شیز کھرے اور
کنڈر شیز دفر میں۔ پینے آئے تو کیسے؟۔۔۔"

"میں بھی پینے نہیں کیا بات ہے؟ بیگ کوئی کھانا لائی ہیں
"پینے لانے کے لئے ہی تو لوگ کوٹھ کھینے ہیں؟"

"ہاں مجھے بھی ایسا ہی کچھ کرنا پڑے گا؟
وہ اوپر جانے لگتے ہیں مگر پھرتے ہیں۔ کل اب تو ہی جلا
ہے۔"

"اب تو ہی نہیں کھیں؟"

"بھئی وہ ٹولو رنگ بچھی کا اصل دفتر تو وہیں بکاتا رہا
جل رہی ہو۔"

مکمل تو تھی اگلی جانا تھا؟

وہاں بھی چلے جائیں گے؟

بچے بہت مالوس ہوں گے وہ ان کے ساتھ زینہ پر بٹھ رہی ہیں۔

اور ہاں... دیکھو بچوں کو نہ بتانا کہ ہم اب بھی جا رہے ہیں۔ ملک سے باہر جانے کے لئے بھی لینا پڑتی ہے۔
بچوں کو کچھ بتانا تو پڑے گا نا؟

ان سے کہہ دینا کراچی جا رہے ہیں۔ ان کے منہ سے اگر نکل گیا تو ٹھیک نہیں ہوگا؟

تو کرائی کھانے کی میز نگاہی ہے۔

صبح کو ۳ صنف

میاں صاحب اور بیگم بچے آتے ہیں۔ سیدھے میز پر جلتے ہیں۔

”ممتاز بچوں کو بلاؤ“ میاں صاحب کہتے ہیں۔

بچے بچے آتے ہیں۔ ان کے منہ سے ہوئے ہیں۔ ماں نے انہیں بتا دیا ہے کہ وہ کل تھی اگلی نہیں جا رہے ہیں۔

”پاپا ہم نے تو سارا پروگرام بنالیا تھا۔ بے بی بچوں کا سا منہ بنا کر کہتی ہے۔

”یہ دونوں ممتاز کے ساتھ جاسکتے ہیں“ میاں صاحب بیگم سے کہتے ہیں۔ ”کیا خیال ہے؟“ زبیری کو فون کے دیے ہیں۔ اس کے بچے بھی ان کے ساتھ چلے جائیں گے۔ ریت ہاؤس میں کافی کمرے ہیں“ بچے خاموش ہو جاتے ہیں۔

لیکن بیگم خاموش رہتی ہیں۔

”جی آپ انہیں چلیں گی؟“ بے بی ماں سے سوال کرتی ہے

”نہیں بیٹے میں کراچی میں دو تین دن تک جائیں گے۔“

ماں کے بچائے پاب جواب دیتے ہیں۔

ہم ٹرین پر جائیں گے نا؟... بے بی خوش ہو کر سوال کرتی

ہے۔ اسے اب تک یقین نہیں ہے کہ اس کی خواہش پوری ہو جائے گی۔

”ہاں ہاں، تمہارا جیسے جی چاہے جاؤ۔ یہ جواب بھی پاپا ہی دیتے ہیں۔ بیگم خاموش رہتی ہیں۔ پھر بے بی کھانا کھاتے ہیں۔

صبح کو ۳ صنف

سب اوپر جاتے ہیں۔ پہلے دونوں بچے۔ پھر میاں صاحب اور ان کے بچے۔ بیگم صاحب لیکن تھوڑی ہی دیر میں بیگم نیچے آتی ہیں اور اپنے سامنے کھانے کا کمرہ صاف کر لیتی ہیں۔ پھر اوپر چلی جاتی ہیں۔

صبح کو ۳ صنف

بیگم صاحبہ آہستہ آہستہ بچے آتی ہیں۔ تھوڑی دیر صوفے پر بیٹھی کسی رسالے کے ورق الٹ پلٹ کرتی رہتی ہیں۔ پھر سائڈ ٹیبلٹ کی چلی دروازے دو طرفہ اور دو الیم نکالتی ہیں صوفے پر بیٹھ کر پہلو پڑے غلاف سے تصویریں نکالتی ہیں اور ایک ایک کر کے انہیں دیکھتی ہیں۔ یہ ان کے خاندان اور ان کی اپنی تصویریں ہیں۔ ایک تصویر پر وہ ٹھٹھک جاتی ہیں۔ اس میں وہ گاؤں پہنے کھڑی ہیں، ہاتھ میں ایم ایس سی کی ڈگری ہے۔ انھوں نے بی بی کوٹ سے زوالو جی میں ایم ایس سی کیا ہے۔ پھر وہ بچوں کی تصویریں دیکھتی رہتی ہیں۔ پھر دوسرا غلاف کھولتی ہیں۔ اس میں سے جو پہلا تصویر نکلتی ہے اسے دیکھتے ہی ان کے چہرے پر بھیک سی مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔ وہ اسے دیکھتی رہتی ہیں۔

بے بی بچے اترتی ہے۔ ”جی آپ سوئی نہیں؟“

”ہاں بیٹے نہیں نہیں آئی۔“ وہ اس تصویر کو دیکھ رہی ہیں۔

”میرا الیم خواب ہو گئے ہیں، سو جاتھانے الیم باباؤں کی مسکراہٹ

فرصت ہی کہاں لینے دیتے ہو؟

بے بی ان کے ہاتھ سے تصویر لے لیتا ہے اور زور زور سے

صبا اکرام

ہیں سرائے مشہر کے یہ گھر میاں دیکھا کرو
روز جاہوں کی بدلتی تختیاں دیکھا کرو
روز جنگ اور جنگ بندی کی غمہ سننے رہو
روز بستی اور اجڑتی بستیاں دیکھا کرو
کوٹاری راستوں سے تمہوں میں بیٹھ کر
سبز کھیتوں میں بنی پگڑیاں دیکھا کرو
آرزوئیں تو کرایہ دار تھیں رخصت ہوئیں
اب دلوں کے بندہ اور کھریاں دیکھا کرو
جانے والی رات صبا بھل بھول سامنے گئی
اب نیا موسم ہے خالی ہنسیاں دیکھا کرو

ہے نفی ہے بھی آپ اس فورتیں تھی غنی لگ رہی ہیں
بیکم اس کے ہاتھ سے وہ قصہ لیتی ہیں اداسی
پسلی سکا ہٹ کے ساتھ کہتی ہیں : ہاں اب تو واقعی یہ فیکم
رہی ہے

"آپ نعرے لگاری ہیں نا؟"
"ہاں، نعرے لگا رہی ہوں"
"آپ اس وقت یونیورسٹی میں تھیں؟"
"ہاں فاضل انٹر تھا"
"مورتوں کے رائٹس کا مطالعہ کرنے کے لئے ہلوس نکلا
تھا آپ نے؟" بے بی مسلسل ہنس رہی ہے
"بیکم بھی سچ سچ اب ہنس رہی ہیں : ہاں مورتوں کے
حقوق کے لئے ہلوس نکالا تھا ام نے"
پھر اچانک جیسے خواب سے سیدار ہوتی ہیں۔ گھر اگر گھڑی
کی طرف دیکھتی ہیں۔ "اوہو، ساٹھ بار سچ بھنے گئے۔ عتنا۔"
وہ آواز دیتی ہیں۔ اسی وقت اوپر سے ریوٹ کابین دبا کر گھنٹی
بجنے کی آواز آتی ہے۔ اس آواز کے ساتھ ہی بیکم بھی حادث کے
مطابق پھر آواز لگاتی ہیں۔ "متاڑ۔"

متاڑ آتا ہے اور سیدھے اوپر چلا جاتا ہے۔ بیکم صاحب
نوکرانی کو آواز دے کر چائے لگانے کو کہتی ہیں۔
اوپر سے میاں صاحب بھی نیچے اترتے ہیں
"بڑے قہقہے لگ رہے تھے؟ کیا بات ہے؟ دونوں ماں
بیٹی بہت خوش نظر آ رہے ہو؟ میاں صاحب حسب معمول خوش
گوار مود میں ہیں۔

"پاپا، ہماری ائی لیڈر تھیں۔۔۔ یہ بی بی نفی کیا کہتی ہے
"ہاں ہاں بہت جری لیڈر تھیں پہلے مورتوں کی لیڈر تھیں
اب یہ ہماری لیڈر ہیں۔ وہ مزید کر کے قہقہے لگاتے ہیں بیکم صاحب
بھی ہنسی پر اور لٹھ کر مہرہ چلائے جاتے لگتی ہیں۔

صبا کلام

خواہشوں کا بوجھ

مری سب خواہشوں کی
پھول سی

نازک یہ ساری لڑکیاں

سہمی سی رہتی ہیں

اگر پل بھر کو باہر بھی نکلتی ہیں

تو چہروں کو پھپھاتی ہیں

ڈرتی ہیں

کہ ہاتھوں کو اگر رخا سے اپنے

ہٹائیں گر گھر ہی بھر کو

تو مایوسی کے لیے ہاتھ

بڑھ کر ناخنوں سے

ان کے چہروں کو کھرچ دیں گے

ابو کے رنگ سے

اتنی لکیریں یہ بنا دیں گے

کہ سارا حسن ہی لٹ جائے گا

ادراں لیکروں کی سلاخوں میں

کٹنے کی زندگی ساری

کہ اپنی خواہشوں کا بوجھ تو ہے

بیٹیوں کا بوجھ

جو اپنے یہاں

کل بھی تھا بھاری آج بھی بھاری !!

پارتی کو ڈھونڈھے

من تو مندر ہے

جہاں شیو میری خواہش

کتنی صدیوں سے ہے

بیٹھا ہوا

اک ناگ کی مالا پہنے

جو کبھی

کنٹھ کی زینت

تو کبھی قص کرے

اور جب ناچ کے ہو جائے

وہ مدہوش

تو آنکھوں میں مری

آکے وہ باہر جھانکے

اور رستوں سے گزرتی ہوئی

سندری حیناؤں میں وہ

پارتی کو ڈھونڈھے !

کرشن کما طور

کبھی کبھی کوئی پندار گفتگو چمکا
مراد ہے ترا غمخوار مرا ہو چمکا
یہ کیسا پانی ہے جس نے دل چھوئے گی
وہ کیا ستارہ تھا جو میرے رو برد چمکا
پھر اس زمیں کو مرے جسم کے برابر کر
جو ہو سکے تو یہ غم خود سا ہو ہو چمکا
لو پھر ستارہ، بھراں ہوا افق ظاہر
لو پھر یہ آنسو تہہ خاک آرزو چمکا
گلاب چہرے کہاں اور نظر نشا کہاں
متاع غیر سے بھولی نہ اپنی تو چمکا
نہ برف کر دے کہیں تجھ کو تازہ موسم
بدن کو آنچ پہ رکھ کر مرزا ہو چمکا
طلسم جاں تھا کہ سحر جات گزراں طور
یہاں زمیں کبھی روشن ہوا نہ تو چمکا

جنوں جو سر میں تھا ترک انا تو کرنا تھا
پرائی چیز کو آخر جدا تو کرنا تھا
اے جو پوجا تو اس میں عجیب بات ہے کیا
کہ اس نظر نے کسی کو خدا تو کرنا تھا
کوڑ بند کئے جانے کب سے بیٹھا ہوں
مرے وجود کو خود آشنا تو کرنا تھا
مرے نو میں مری اپنی مٹی مانع تھی
مرے خدا نے مجھے بے صدا تو کرنا تھا
دیکھتے دیکھتا مرگ کے تو کیسے بت بننا
عقب زدوں کے لئے راستہ تو کرنا تھا
تھا میرا ہاتھ مرے اپنے قتل میں شامل
یہ خشک پتہ تھا اک دن ہرا تو کرنا تھا
زمین تنگ تھی جس پر اور آسمان خلاف
وہ شخص اب بھی ہو زندہ پتا تو کرنا تھا
وہ آنکھ کھولے نہ کھولے وہ اب سنے نہ سنے
بلند طور یہ دست دعا تو کرنا تھا

غن لیں

دقار نامری

ہر ایک سر پہ کوئی سانبان سلامت رکھ
کیں کوئی پراس کا مکان سلامت رکھ
یہ منزلوں کا سفر ہے تو منزلوں کی طرف
پس بخار مرا کا رواں سلامت رکھ
نمود نام کی خواہش نہیں مجھے لیکن
برائے نام یہ نام و نشان سلامت رکھ
میں نا تو اس مرے شانوں کا بوجھ بھاری ہے
مجھے بھال مرے مہرباں سلامت رکھ
میں جن کے واسطے جیتا ہوں اور رہتا ہوں
مجھے قسم ہے انھیں دریاں سلامت رکھ
ن ملک و مال ز دولت بہ جن مزدوری
مرے لئے کوئی کار جہاں سلامت رکھ
ہے میرے دوش پہ جب تک یہ میرا موجود
مرے حریف کی تیغ دشاں سلامت رکھ
یہی بہت ہے مرے واسطے جہاں تک ہے
میری زمین مرا آسمان سلامت رکھ
انہی سے دائم و آباد رہد نفیس تیری
جنوں مرا جو آوارہ گاہ سلامت رکھ
ترا و تازی فقر کی شہنشاہی
کہ مجھ فقیر کی خوشی شہاں سلامت رکھ

وہ بستیوں وہ لوگ وہ چرچے بھی گم ہوئے
ایسے مجھے الا ذکر قصے بھی گم ہوئے
آنکھوں میں تم کے رہ گئی برسات جوں کا رکھ
وہ آگ سرد ہو گئی شعلے بھی گم ہوئے
کیا جانیے کہ شہر پہ افتاد کیا پڑی
دیوار دور کے ساتھ درپے بھی گم ہوئے
پہلے تو شہر میں میں اڑا میں سمٹ گئیں
پھر یوں ہوا فضا میں برہنہ بھی گم ہوئے
لے دے کے جن سے شہر میں کچھ رقم و راتھی
وہ کیا گئے کہ شہر ہے جہے بھی گم ہوئے
کچھ ہے کچھ اس طرح سے زلف میں ہم وقار
نام و نسب بھی کھو گئے و شہر بھی گم ہوئے

ایسا بھی کیا جنوں ہے دیوار دور کے بیچ
نا پیدا سکون ہے دیوار دور کے بیچ
اس نے لیکر کھینچ دی گھر گھر کے دریاں
بہتا ہوا جو خون ہے دیوار دور کے بیچ
ہماری دیکھتا نہیں ہمسایہ کی طرف
کیا جانے کیا فون ہے دیوار دور کے بیچ
فریاد مگر ہو کوئی تو اس کو بتائیں ہم
اک کوہ بے ستون ہے دیوار دور کے بیچ
اک ہم ہی بے سکون نہیں شہر میں وقار
دیا ہی بے سکون ہے دیوار دور کے بیچ
شب بخون

صابر سنبھلی

جناب صابر سنبھلی کا یہ مضمون اس لئے شائع کیا جا رہا ہے کہ اس سے زبان کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ چھافت مرتب کرنا خاص کر اردو کا انتہائی مشکل کام ہے۔ خود جناب صابر کے بعض ارشادات ہمارے خیال میں عمل نظر ہیں۔ جناب صابر کی اجازت سے ان کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ جناب صابر کی عرق ریزی ہم ہر حال لائقِ داد ہے۔

جامعہ لٹکے کے ایک اٹال پاس کی بھی ایک جگہ موجود تھی، کچھ دیگر کتابوں کے ساتھ اس کو بھی خرید لیا، ایک گھر لاکر رکھ دی۔ استفادہ دیگر لغات سے کرتا رہا تین ماہوں میں چھ سات بار استعمال کرنے کا موقع ملا تو اس کی نو (9) غلطیاں علم میں آگئیں۔ ان کو نوٹ بھی کر لیا۔ دسمبر ۱۹۹۲ میں سرکاری تعطیل ہونے پر خیال آیا کہ اس میں غلطیاں بہت زیادہ معلوم ہوتی ہیں کیوں نہ ان کی نشان دہی کر دی جائے تاکہ جن طلبہ نے اس کو خریدا ہے گمراہ ہوئے نہ سچ بولیں۔ اس پر تصاویر اشاعت دو ہزار درج ہے۔ کچھ جلدیں لائبریریوں میں بھی گئی ہوں گی۔ اس لئے گزرا کی پھیلنے کا اندیشہ زیادہ ہوا۔ اسی لئے ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ کو اس پر کام شروع کر دیا اور یکم جنوری ۱۹۹۳ تک چھاپا کھڑا ہو سکا خوش صورت ہے۔

ارادہ تو یہ تھا کہ پوری کتاب کی غلطیوں کی نشان دہی کروں مگر پندرہ بیس صفحات تک پہنچا تو بہت جواب دینے لگی۔ کہیں کہیں اس تک پہنچتے پہنچتے کتاب میں پیاس سے زیادہ مقامات پر نشانے لگ چکے تھے۔ تب ارادہ کیا کہ مکمل

ترقی اردو بورڈ کی مدد ملی اردو لارڈ وکٹری ”مختصر اردو لغت“ جولائی ستمبر ۱۹۸۸ میں شائع ہوئی۔ اس سے پہلے ایک مفصل لغت کی تیاری کے بارے میں بھی ناتوا اور شاید اس پر کام جاری ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے نظر عام پڑے ہیں ابھی کتاب وقت لگے گا۔

”مختصر اردو لغت“ برائے نام مختصر ہے کیوں کر یہ ۳۲۰۰۰ سائز کے ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

یعنی ایک ہزار صفحات میں صرف دو ہزار بیس کی کی گئی۔ یہ دیکھنے میں نے سب سے پہلے غائب ۱۹۸۹ میں اپنے ایک طالب علم کے پاس کلاس روم میں ہی دیکھی تھی اس قدر کرنے کا موقع تو نہیں تھا، البتہ چونکہ وہ طبیعت خوش ہو گئی، کچھ جملات فضیلت اور اس پر تحقیر (صرف پینٹنگ روپے) بھی جڑیں سے جڑ کر لے اور دل کو کھینچنے والی تھیں۔ پانی سال تک دوبارہ اس کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا

اگست ستمبر ۱۹۹۲ میں علی گڑھ میں رہنے کا اتفاق ہوا تو اتفاق سے کتبہ

مفسرین کو کرنا کہ اذیت تو میں ہے ختم نمودن از غرور و معرفت باین صفت کو
 لایا جانے لیکن چاہئے کہ اس پس منقحات دیکھ کر تو یہ ارادہ بھی مترنزل
 ہو کر اس صفت پر صبر و استقامت و ادب تک کی سمت کشش نظر علیہ کہ اگر باین
 کی نصیحت بھی فی الواقع متکثر نہیں ہے تو کہیں نہ صرف صفت مخصوص کہ بآپ کو ملے
 یا جانے اور اہم ہر وہ کو کچھ ڈر دیا جانے جو صفت مخصوصہ کے بعد میں ہے۔
 یہ بات بھی نہایت مفاد سے عرض کر دینے کی ہے کہ جتنے غفلت کی
 نصیحت کی گئی ہے اچھا پر لٹنے کی کہ آپ میں اس میں بھی کوئی چیز کی غلطیاں نہیں
 بلکہ میں میں بہت سی کیسی غلطیاں نہیں بھی ہیں جس کی وجہ اشارہ کو نہایت فری
 کھاتہ بہت بلکہ جو غلطیاں نظر آتی ہیں وہ آپوں پر ہیں و انوں اور پر رونمائی
 کی ہیں۔

یہی صاف طور سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جتنے غفلت پر لٹنے
 زنی کی جارہے صرف وہی غفلت مل نظر میں اور بھی بہت سے ہیں اس لئے
 اس برزوی جہان نے کو بھی سرسری برزوی جائزہ لکھا چاہئے جسے غفلت کے متعلق
 اہل علم طور سے نہیں کر لیا غفلت کی تصریح بھی نہیں کی گئی آٹا کی پانی کے
 جہاں کی مراد ڈاکٹر ترقی اور دور رس اپنے پیش نگاہ میں کر دی ہے کہ اور غفلت کا
 کہیں لکھ نہیں گئے ہیں اور کہیں بلا ضرورت لکھا دینے گئے ہیں بعض جگہ املا
 میں بھی دو گئی تھی یہ ہے جسے وہ ہندی کا غلط لکھا میں اس صفت کے بعد اور کو
 ہے جس میں واؤ کریس جو لکھا گیا ہے جسے لکھا واؤ اور واؤ میں اور کریس نہیں
 لکھا گیا ہے۔ آواؤ اور واؤ میں اور صبر ہے کہ ایک ہی لفظ پر ایک جگہ
 جو چاہے اور صبر جگہ میں ہے جسے عاؤ کو لکھا اجتماع کے تحت تو بغیر جہز کے
 جماد کی لکھا ہے اور از دوام کے تحت مع جہز کے جماد کی بہت ضرورت لکھا
 شامل ہی نہیں کے گئے ہیں جس میں اس پر لکھا دیا جاتا ہے ظاہر مگر نہیں دیا گیا ہے
 کہیں وہ دیکھ کہیں دیے ہیں جہز دیکھ جسے نصیحت اجتماع کے تحت ۔۔۔
 کسی دینی نثر پر لکھا مستحق ہوتا (کھلے پر لکھا ہے تھا) بہت سی باتیں ہیں
 جن کو تو غلط نہیں جانتا ان سے یوں ہی گزر جائے اگر باہر متعذر مقامات ایسے
 جب ذہن لکھا کیہ ترقی اور ترقی کے لئے دقت نہیں تھا اس لئے بلا تفسیر
 آئے ہو گیا۔ جب آپ میں غفلت کی بھاری ہو گئی تو زور و اداری سے کمال

اور جس نے غفلت کو نظر انداز کرنا چاہا جو غلطیاں خصوص میں علم میں آتی ہیں
 ان میں سے کوئی باب صفت کی نہیں تھی اس لئے کوئی اس پر کسی شاعر نہیں ہے
 ترقی اور دور رس کوئی تکرار نہ کرنا چاہئے بلکہ صاحب کوشش ہفتے معلوم
 ہوتا ہے کہ اس کتاب کا ۱۲۰۰ میں شروع ہوا تھا گیا ۱۲۱۳ سال میں یہ کتاب منظر عام
 پر آنے کے قابل ہوئی اور میرے اہل علم کے لئے بہت کم نہیں ہے۔ اس پر جو کٹ
 کے نکلاں اور ڈاکٹر کٹر شہاب الدین کوئی ڈاکٹر نہ لکھا دینے کی ڈاکٹر شیخ فرید
 مولوی حنیف الرحمن و صفت اور جناب عبداللہ کمالیہ سے علامہ نے بایں ادب
 رہے۔ اس پر نظر ثانی کا کام گفتگو میں ہوا اور میری کتابت شدہ کاپیوں پر جو کٹ
 میں ظاہر نہ نظر آئی تھی اس پر مستحکم کہ ترقی اور دور رس سے ادارے کا اتمام
 و انعام یہاں نہ پیسے کی کمی ہے اور نہ ذرا لگے۔ ترقی کی جانی چاہئے تھی کہ کتاب
 میں ترتیب و تدوین و طباعت کی غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہوں گی۔
 اسے با آزر و کرمک شدہ۔ ہوا اس کے برعکس۔

دیے میں اس لغت کی نویسیں کا حکم نہیں ہوں مرتب نے محنت اور
 کاوش سے کام کیا ہے بعض جدید الفاظ کا اضافہ اس کی افادیت میں چار چاند لگاتا
 ہے۔ بعض الفاظ کی تصریح نے اور اسٹیشن کا انداز میں ہوئی ہے۔ اس پر نظر ڈالتے
 وقت بلاشبہ مجھے بھی ناگوار ہو جائے۔ مرتب کی محنت کی داد نہ دینا ظلم ہو گا۔ لیکن
 اختلافات کی انتہا نہ دینی ہے ستارہ شمس فرض میں کوتاہی ہو گی۔
 یہاں۔ لیکن اور بات کا ذکر بھی کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے یاد آتا ہے
 کہ کاش دانی لکھنے کے اردو پر دو گرام کے ایک انٹر ویو میں پرو فیسر نور الحسن ہاشمی
 نے اس لغت کو اپنی ہی تدوین بتایا تھا اور انھوں نے اس کو اپنی تصنیفات و
 بیانات میں شمار کر لیا تھا لیکن ڈاکٹر فہیم بیگم کے پیش نظر سے معلوم ہوتا
 ہے کہ مصنف نے اس پر صرف نظر ثانی کی ہے وہ بھی تھا نہیں بلکہ ایک ایک کے
 ساتھ لغت کی تدوین اور نظر ثانی میں جو فرق ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ
 نہیں ہے۔

مجھے کسی سے عرض نہیں ہے۔ میں اگر کہیں بیورو کو ان کی اس کاوش
 پر ہر ایک بلاتے ہوں کہ غلطیاں انہوں نے اس کام کرنے والوں سے ہی
 ہوتی ہیں۔ جو کام نہیں کرتے ان سے غلطیاں بھی نہیں ہوتیں۔ میرا یہ تصور بھی

تھیں خطوں سے غالی ہو گئے۔

۱۰) میں طویل تہذیب پر نہیں کہتا کہ میں کہ وہ لکھنے والے کے تحریر کی دلیل ہے
 ایک جتنی باتیں لکھی گئی ہیں ضروری تھیں۔ اس کے بعد حیاتِ اصیل کے ساتھ
 محنت کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار کر رہا ہوں۔
 ۱۱) البیل کے ذیل میں لکھا ہے: ایک سیاہ رنگ کا چھوٹا سا پرندہ
 جس کے سینے کے سرخ پر سفید ہوتے ہیں۔ کئی پرندے کے سینے پر سفید ہوتے
 "گولیاں" یا "بال" لکھنا چاہئے تھا۔

۱۲) البیل کو موٹ لکھا ہے۔ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں
 بلکہ وہ بھی واضح کر دینا ضروری تھا کہ مولوی میراجہ نے تہذیبِ النصوص میں اس کو
 مذکور لکھا ہے۔ روشنی دیکھ کر گستاخ ہوں گے۔

۱۳) ایک لفظ لکھ کر اس کے بعد اس کے مرکبات پر سے نہیں لکھے ہیں
 بلکہ خط کشی کر لے گئے لکھنے پر کتنا کافی گئی ہے۔ "ابا" کے بعد خط کشی کر لکھا ہے
 "سبالا" مرکب ہوا "ابا سبالا" سبالا کو تالیفِ اصل بھی لکھا ہے۔ یہ اصل ابابا
 سبالا کوئی مرکب نہیں ہے۔ "ابا سبالا" ہونا چاہئے تھا اور اس صورت میں
 اس کو ابالا لکھ بعد ازاں ابالا سے پہلے درج کرنا چاہئے تھا اور اس موجودہ حالت
 میں تو اس کو "ابا سبالا" ہی پڑھا جائے گا جس کے بدل ہونے میں شک نہیں ہے
 ہاں ابابا سبالا ہو سکتا ہے۔ مگر جی نہیں ہیں۔

۱۴) ایک لفظ "ابا" لکھا ہے اس کے بعد اس کے مرکبات یہ ہیں: ایک
 مرکب ہے "ابا برسان" اس کی صورت یہ ہے۔ (نیراں)۔ اس میں یہ وضاحت
 نہیں کی گئی ہے کہ یہ با اضافہ ہے۔ اس لیے اس کو با اضافہ ہی پڑھنا چاہئے
 کریں کہ تو میں نے جن مرکبات کو با اضافہ مانا ہے اس کے آگے بریکٹ میں لکھ
 یا ہے (اضافات کے ساتھ) اس مرکب کے ساتھ اسی وضاحت نہیں
 ہے بلکہ کو صحیح ہے کہ یہ اضافہ کے ساتھ ہی ہے یعنی "ابا برسان" ہر مرکب
 اضافہ کے ساتھ "لکھنے سے اچھا آویس تھا کہ خط کے نیچے زیر کی علامت
 لگا دی جاتی ہے۔

۱۵) ابوالکلام کو مولانا ابوالکلام آزاد کا لقب بتایا گیا ہے۔ یہ
 تھا نہیں کینت ہے۔

جنوری ۱۹۴۲ء

۱۶) بات کے معنی لکھے ہیں "مجمعیت کی اشعار" واضح ہو کہ بات ہر
 طرح کے اشعار کا نہیں کہتے بلکہ مشنوی کے اشعار باغزل و قصیدہ کے مطلقاً اور
 مدد کے ہر نہ کے پنجوں اور چھٹے مصرعوں کو کہتے ہیں جن کے انھوں روایت
 و قافیہ یا قافیہ کا التزام ہوتا ہے۔

۱۷) زیادہ تر اشعار کی اصل بھی لکھی ہے کہ وہ عربی ہیں، فارسی میں یا ہندی
 ہیں وغیرہ مگر بعض کے بارے میں کہ نہیں لکھا۔ لغت کا ابتدائی دور انقلاب
 ہی ایسے ہیں۔

۱۸) "اپنا لکھنا نہ کر لیا" اس کا ایک مفہوم درج ہونے سے رہ گیا
 "عورت کا نکاح کر لیتا"۔

۱۹) "اپنا منہ آئیے میں سے دیکھو"۔ یہ اس طرح لکھا ہے۔ "منہ آئیے
 میں کو کھنڈ منہ سے پہلے پیش (خط) ہونا چاہئے تھا" (یہ محاورہ اپنا منہ ذیل
 میں ہے) (ہجو کتابت)۔

۲۰) اپنا منہ۔ اس کے چار معنی لکھے ہیں اور چوتھے معنی اپنا منہ ہی ہیں
 (۱۱) اپنی آنکھ میں آپ ملنا۔ اس کو مثل لکھا ہے۔ جب کہ یہ محاورہ
 ہے۔ ایسی گزراؤں آج بھی ہوتی رہی ہے۔

۲۱) اپنی کچی اپنی بھرنی۔ یہ مثل ہے، لیکن اس بات کی وضاحت نہیں
 کی گئی ہے۔ اس میں ایک ایک روپ یہ بھی ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی لیکن
 یہ کوشش میں ملتی نہیں ہے۔ (ج کے باب میں بھی)۔

۲۲) اپنی گانا۔ معنی لکھے ہیں "اپنی کہے جانا دوسرے کی سنا" صحیح
 مفہوم ہے اپنی کہے جانا دوسرے کی سنا ہو کتابت سے "نہ پھوٹ گیا
 اور اس وجہ سے انوکھ کی صحیح وضاحت نہ ہو سکی۔

۲۳) اپنے آپ سے گذر جانا۔ اس کی ایک شکل "آپے سے گذر جانا"
 یا "آپے سے گذرنا" بھی ہے، بلکہ یہ زیادہ درج ہے۔ لیکن کوشش سے فیہما
 ہے۔ (الف ممدودہ کے باب میں بھی نہیں ہے)

۲۴) آپے نہیں کو متروک لکھا ہے۔ یہ درست ہے لیکن لکھنے میں
 لے رہا تھا کہ متروک نہیں لکھا۔

۲۵) اپنے جانے سے باہر ہونا (کل جانا) اس کے دو مفہوم پورے

پورے کھنڈ میں تیرا پورا نہیں لکھا ہے صرف ایک لفظ "تاہم" لکھا کر چھوڑ دیا ہے۔
 شاعر نے پورے سہارے پر ہوا تھا "جو پورا نہیں لکھا گیا۔" (جو کتابت ممکن ہے)
 (۱۷) اپنے گھر آکس کو برا لگتا ہے۔ اس کی ایک شکل یہ بھی ہے۔ مگر
 آکس کو برا لگتا ہے۔ جو اس طرح پڑے گا یا سے کا وہ لغت میں جس کے
 باب میں ہی تلاش کرے گا؛ لیکن وہاں نہیں ہے۔

(۱۸) اپنے گھر نے کئے کو بھی نہیں دھتکارتے۔ اس کی ایک شکل یہ
 بھی ہے گھر نے کئے کو بھی نہیں دھتکارتے؛ لیکن یہ بھی جس کے باب میں
 نہیں ہے۔

(۱۹) اترسوں۔ معنی لکھنے میں پرہیزوں کے بعد کا دن اس کے ایک معنی
 درج ہونے سے رہ گئے "پرسوں سے پہلے کا دن" (دگرشتہ اترسوں کے
 لئے)

(۲۰) آہاس کے "نی لکھے ہیں" تاریخ، داستان، قصہ "کم از کم
 داستان کو آہاس نہیں کہتے۔

(۲۱) آہاس کو مونث لکھا ہے۔ یہ غلط ہے تاریخ کو مونث ہے لیکن
 آہاس مذکر ہے جسے تاریخ لکھی گئی۔ آہاس لکھا گیا۔ تاریخ کہہ رہی ہے لہذا
 کا باب ہے۔ ایسے الفاظ اور بھی ہیں۔

(۲۲) اصل چوکے پائے معنی لکھے ہیں بے اندازہ بات یہ مناسب نہیں
 ان کے اس بات کو کہتے ہیں جو بعض انداز سے کہی جا رہی ہو۔ بغیر تحقیق بغیر
 صحیح اطلاع کے۔

(۲۳) آکس کے ایک معنی "الغنا" بھی ہیں مگر وہ درج نہیں ہوئے
 (۲۴) اٹھا بیٹھی کے معنی میں "طلبہ کو طلبا" لکھا ہے۔ یہ سب صرف
 طلبہ بالکل کو نہیں ہی نہیں دی جاتی جیسا کہ معنی مذکور ہے بلکہ اس کے
 اور بھی مواقع ہیں جیسے پوس پرزوں سے مالک خطا کا نوکر کوں سے لکھا لکھی
 کراتے ہیں۔

(۲۵) اٹھا رکھنا کے ایک معنی "بھول جانا" بھی ہیں جسے اس کو اٹھا
 کہو۔ ان کا اندراج نہیں۔

(۲۶) اٹھا جانا۔ اس کے دو معنی درج لغت میں دو درج ہونے

سے رہ گئے۔ (۱) اور شے سے کھڑے ہو جانا (۲) تاراض ہو کر چلے جانا
 (۲۷) اٹھنی بھر کے ایک معنی درج ہونے سے رہ گئے۔ "آٹھا تولہ"
 (۲۸) اٹھا رکھنے کے معنی لکھے ہیں۔ اٹھ کرنے والی چیز، اٹھ کرنے والی چیز
 بتکار فضول ہے۔

(۲۹) اٹھا مٹی ایک آٹھ کو بھی کہتے ہیں جس کا دوسرا نام "آٹھا لکشی" یا
 آٹھ ہے۔ یہ معنی دھتکارتے ہوئے۔

(۳۰) اچارہ دار کے ایک معنی "اختیار دار" کا بولی چیز بھی لکھے ہیں۔ یہ
 دور کی کوڑی ہے۔

(۳۱) اجرام کو "جرم" کی جمع لکھا ہے۔ یہ جرم کی جمع ہے۔

(۳۲) اجتماع صنفین کے معنی لکھے ہیں "دو لڑکی یا لڑکیوں کا
 ایک جگہ جمع ہو جانا جن کی ایک جانی ممکن نہیں جیسا "سفیدی سیاح" معنی تو
 ٹھیکہ میں لیکھا مثال بہت بھونڈی ہے سفیدی اور سیاحی کا ایک جگہ جمع ہونا
 ناممکن نہیں انسان کی آنکھ میں کسی کاغذ پر کسی تصویر میں کسی پتھر پر کسی
 دیوار پر کسی فرش پر ان دونوں کو یکجا دیکھا جاسکتا ہے مثال ہونی چاہئے تھی
 "اندھیر اجالا"

(۳۳) اجرام "پہلے دیگا لیا ہے اور اجتماع" بعد میں یہ ترتیب کی غلطی
 ہے "اجرام کو اجرام" معنی بعد میں ہونا چاہئے تھا۔

(۳۴) اجداد کے معنی میں جس طرح "دادا اور داد پر کی پر طبعی لکھا گیا ہے
 اسی طرح "نانا اور داد پر کی پر طبعی" بھی ہونا چاہئے تھا۔ تنہا ہی رشتے کا
 قطعی ذکر نہیں کیا گیا اسی طرح آخری معنی میں "بزرگ" لکھا گیا ہے لیکن جو
 اس لفظ کے معنی نہیں جانتا اس کا وہ نہ تنہا ہی بزرگوں کی طرف مشقل
 نہیں ہو سکتا۔

(۳۵) اجل رسیدہ کو مونث لکھا ہے۔ یہ دونوں پر حاوی ہے قرآن
 عجائب میں بان عالم کا تو تا خود کو اجل رسیدہ کہتا ہے۔

(۳۶) اچک کے معنی میں اچکنا (چھیننا) کام درج نہیں
 ہے اور چھیننا ہی جہاں اچک کے معنی میں اچک بھی آیا ہے جو چھیننے ہی ہے
 کے معنی میں ہے۔

(۲۷) اچکھانے معنی میں چھٹایا جھٹکا درج نہیں ہیں۔

(۲۸) جن الفاظ کا ساتھ اصل زبان کا مخفف بھی لکھا ہے وہ معنی سے پہلے درج ہوا ہے، لیکن احتیاس میں (ع) معنی عربی کا مخفف معنی تم ہونے کے بعد ہے۔ یہ بے قاعدگی ہے۔

(۲۹) اللہ تعالیٰ کا ایک نام بھی ہے مگر یہ بات میں لکھی معنی لکھے ہیں۔ ایک، اکیلا، ایگانہ۔

(۳۰) اختلاف کے معنی خلاف بھی لکھے ہیں۔ یہ صحیح نہیں خلاف ہونا ہو سکتے تھے۔

(۳۱) ادویہ ماثورہ (۱) معنی لکھے ہیں، رسالت مآب سے منقول دوا ماثورہ کا مطلب ہے منقول یا اثر پذیر۔ اس میں رسالت مآب کی شرط لگانا مفہوم کی تحدید کرتا ہے۔ دیگر بزرگان دین سے منقول دوائیں بھی ادویہ ماثورہ ہی ہیں (۳۲) یہ بھی نہیں لکھا کہ اضافت ہے یا بلا اضافت۔

(۳۳) ادھر کی دنیا ادھر ہو جانا۔ اس کے آخری معنی لکھے ہیں آت چکنا یا آفت چھنا ہونا چاہئے۔

(۳۴) اذان کے معنی لکھے ہیں، نماز کے لئے بلانے کی مقررہ معروف صدر بانگ، صدر کے بجائے، صلا ہونا چاہئے۔ (ہو سکتا ہے)

(۳۵) اذعان کے معنی قرہنگ عامہ میں اطاعت حکم ماننا اور ضیا میں قرہاں برداری و اطاعت ہیں۔ البتہ شوری میں یقین کا بھی اضافہ ہے لیکن مختصار دو لغت میں یقین اور یقین کرنا ہی درج ہیں۔ پھر اذعانیت کے معنی "بے دلیل دعویٰ" اور "ادعا" لکھے ہیں۔ اذعان اور اذعانیت کے معنوں میں کوئی مطابقت نہیں، بلکہ ایک طرح کا تضاد ہے۔

(۳۶) ارباب کے ایک معنی لکھے ہیں، پردوش کرنے والا یہ جمع ہے سب کی اس لئے معنی ہونے چاہئیں، پردوش کرنے والے۔

(۳۷) ارباب محل و عقد کو ارباب سخن، ارباب معنی، ارباب نقاد اور ارباب علم کے بعد درج کر لیا ہے۔ جب کہ حرف اصحیحی کے لحاظ سے اس کو ان سب سے پہلے درج ہونا چاہئے تھا۔ یہ ترتیب کی غلطی ہے۔

(۳۸) ارتھی کے معنی لکھے ہیں ہندوؤں کا جتانہ۔ یہ غلط ہے جتانہ جنوں ۱۷۲۱۹۲۹۶

کھی کا ہونگی ہوندی زبان میں ارتھی ہی کہا جائے گا۔

(۳۹) اڑنی بیماری۔ آگے مل کر لائقوں سے متہ چلتا ہے کہ نہ اڑنی بیماری ہے ایک غلط کم لکھا ہے۔

(۴۰) اڑنے وقت کی ایک شکل اڑنے وقت بجائے لیکن لغت میں، اڑنے وقت نہیں ہے۔

(۴۱) اڑھائی پتھر معنی لکھے ہیں پتھر گز بہایت پر تاثیر باتیں یہ صحیح ہے لیکن اڑھائی پتھر کہنا ہے ہندی لفظ (پتھر) کا۔ اس میں اڑھائی حرف ہی نہیں لیکن یہ معنی لغت میں مذکور نہیں۔

(۴۲) اڑھائی پتھر کی طرح اڑھائی پتھر کا اندراج بھی اپنے موقع پر ہونا چاہئے تھا مگر نہیں ہے۔

(۴۳) اس کان سن کر اس کان اڑا دینا۔ اس کی ایک شکل یہ بھی ہے۔ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دینا، مگر دوسری شکل لغت میں نہیں ہے۔

(۴۴) اس دینے کے ہزاروں ہاتھ ہیں، اس میں ایک لفظ کے رہ گیا ہے۔ مثل اس طرح ہے، "اس کے دینے کے ہزاروں ہاتھ ہیں۔" (۴۵) اسپرٹ کو، شراب کی روح یعنی تیز قسم کی شراب تو لکھ دیا لیکن یہ نہیں لکھا کہ ایک خون بند کرنے والا اور جراثیم کش پڑ دہیم یاں، جبکہ زیادہ تر یہ اسی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔

(۴۶) اسپیشل اس کے آگے انگریزی میں لکھا ہے STOCKIST ہونا چاہئے تھا SPECIAL یہ شیش کی غلطی ہے۔

(۴۷) استر کے معنی لکھے ہیں، دوسرے یا رونی وار کپڑے کے نیچے کی نیچے کی کیا بات مکمل نہیں ہوئی، یہ بات تہہ ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ رکھا پائی میں بھی استر دیا جاتا ہے۔ اس کا کوئی ذکر استر میں سرکات میں البتہ ہے۔ اگر کوئی آگے کو نہ دیکھ اور صرف اس لفظ کو دیکھ کر رہ جائے تو اس کو دوسرے معنی معلوم نہیں ہوں گے۔

(۴۸) استنجی کے تحت پانی سے ہمارے کا ذکر ہے، جب کہ استنجی طہی کے ڈھیلے سے بھی ہوتا ہے اور اس کے بعد استنجے کا ڈھیلہ بھی مذکور ہے، لیکن استنجہ ۲۷

کے تحت دیکھ لے گا مذکور میں

(۵۸) اشیء کی انگریزی اس طرح لکھی ہے STATUS یہ غلط

ہے صحیح اس طرح ہے STATUF

(۵۹) اسکوہر معنی کے اقربیں بریکٹ میں لکھا ہے دیکھ کر کوئی

ہیں دوز کی تعداد) کچھ میں نہیں آیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟

(۶۰) اسلام کے لغوی معنی ہیں "سلاخی میں تلوار ہونا۔ لیکن اسلام کے دوسرے معنی تو لکھے ہیں یہ نہیں لکھے گئے۔

(۶۱) اشتقاقی کو مست لکھا ہے جو مناسب نہیں۔ یوں بھی مصدر کے معنی دیتا ہے۔ قرینک تصغیر میں اس کو اسم لکھا ہے۔

(۶۲) عجوبہ۔ فوراً بعد بریکٹ میں پھر ہی لفظ لکھا گیا ہے اور سوائے

الف برز کی علامت کے کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب کچھ میں

نہیں آیا اگر لفظ کا اظہار مقصود تھا تو الف کے نیچے زیر تو شاید ہی کوئی

پڑھے۔ ویسے بہت سے الفاظ کے تلفظ کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں لکھی

گئی ہے۔ اس لفظ میں زیر لگانے کے لئے دو بارہ لکھنا ہے کار تھا۔

(۶۳) اعضاء قوما معنی لکھے ہیں۔ بدن کے جوڑ میں درد ہونا یا تہ

نہیں چلتا جس جوڑ میں؟ "جوڑ جوڑ میں" یا "جوڑوں میں" ہونا چاہئے

تھا۔ اعضاء جمع ہے واحد نہیں اس لئے جوڑ میں درد ہونا "کا کوئی

عمل نہیں۔

(۶۴) اعضاء شکنی بھی وہی ہے لیکن اس کے معنی تفصیل سے دیئے

(۶۵) اقتر۔ افتح سوئم لکھا ہے۔ بکسر سوئم ہونا چاہئے۔ اقتر۔

دیکھئے قرینک تصغیر و قرینک عامہ

(۶۶) افراد۔ ادیا کا ایک طبقہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن معنی یہ بتا

نہیں ہے۔

(۶۷) افوں ساز میں حرف ساز لکھا ہے۔ افوں کا قائم مقام خط

(-) نہیں ہے۔ ایسا لکھا ہے کہ اوپر والے لفظ کے معنی ہیں ساز ہوا اور

(۶۸) اقرار اقرار۔ نکاح کو "فی" کے باب میں بھی ہونا چاہئے تھا۔

مگر وہاں نہیں ہے۔ اگر کسی کو نکاح کے معنی دیکھتے ہیں گے تو وہ "فی" کے باب میں ہی دیکھ گا۔ الف کے باب میں تو دیکھنے سے رہا۔

(۶۹) افلاس غریبی کے معنی میں کسر اول ہے۔ ادیکر اول بریکٹ

میں لکھا ہے۔ خاص لغت مفتوح اول لکھا ہے۔

(۷۰) اہتمام اہتمام۔ صحیح اہتمام و اہتمام (ادعا طفق کے ساتھ)

(۷۱) الفی / الفی۔ الفی کی طرح الفی بھی ہونا چاہئے تھا۔ مگر

نہیں ہے۔

(۷۲) اقبال کے ایک معنی اقرار یا قبول کرنے کے بھی ہیں مگر وہاں میں دیکھا

گئے حل کر اقبالی کے معنی اقرار کرنے والا دے دیئے۔

(۷۳) اقبال منکد کے تین معنی دیئے ہیں۔ تیسرے معنی اقبال مندی ہیں۔

مطلب ہوا اقبال منکد کے معنی اقبال منکد۔

(۷۴) اک۔ ایک حصہ کے لکھے ہیں ایک لفظ سے ایک قلم پورا کرکے

ہوا۔ ایک ایک قلم۔ یا ایک ایک قلم۔ اردو میں ایسا کوئی مرکب رائج نہیں

(۷۵) ایک لفظ ہے اکبر۔ اس کے بعد ایک اور لفظ ہے اکبر

پہلے میں کافی کھڑا اور دوسرے میں مفتوح ہے دوسرا لفظ اصل میں اکبر

ہے جس میں الف زائد ہے (کھڑا ہے پہلے) اور اس کے معنی "کھڑا" ہی ہیں

یعنی اچھا عمدہ۔ اس کا عمل یہاں نہیں تھا جہاں "اکبر" ہونا چاہئے تھا

وہاں موجود نہیں ہے۔

(۷۶) اکھ کی فصل میں ایک لفظ ہے "اکشر" اس کو ایک کی

فصل میں ہونا چاہئے تھا۔

(۷۷) اکثر کے معنی لکھے ہیں "حرف تہی" یہ لفظ واحد بھی ہے اور

جمع کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ایک معنی اور درج ہونے

ضروری تھے "حرف"

۸۰ آگیا اور آگیا کی ہی صورت ہے جس طرح یہاں دمج

کی جا رہی ہے۔ یعنی جس ساکن ہے اور ہی مشدود ہے۔ کوئی بتائے کہ

اس کا تلفظ اس طرح ہو گا۔

(۸۱) بات۔ اس لفظ کی وضاحت سے لکھا ہے اس طرح ڈال
 لکھا ہے پہلے لکھا ہے اور دوسرا شہد جب پہلا لکھا ہے تو وہ دوسرے
 میں کیسے لگاؤ؟ اور اگر نہیں لگے گا تو خود لکھا جاتی کیسے لکھا ہوگا؟
 (۸۲) الہام کے معنی لکھے ہیں تیرا اور خوب چیزیں غالباً یہ کیا لکھا
 ہے۔

(۸۱) الہامی کو خوب اور اصل لکھا ہے۔ پہلی ہونا چاہئے تھا۔
 (۸۲) الہام کے خبر لینا۔ اس کی ایک شکل ہلٹ کے خبر لینا بھی ہے
 مگر وہ لغت میں نہیں ہے۔

(۸۳) الہامی لکھے دیگئی میں صرف اس لکھا گیا ہے۔ لکھے دیگئی اس
 سے پہلے یا تو لکھا ہوتا یا الہامی دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔
 (۸۴) الہامی ہاں پر ملی۔ تفریح میں لکھا ہے مثلاً برعکس معاملہ الہامی
 بات ہونا اور بریلی میں کثرت سے ہاں ہوتے ہیں وہیں ہاں بھیجنا حماقت کی
 بات ہے۔

بریلی میں کثرت سے ہاں پیدا ہونا صحیح ثبوت ہے۔ بریلی کو پہلے ہاں
 بریلی بھی کہتے تھے، مگر اس کی وجہ انہوں کی کثرت نہیں تھی بلکہ یہ شہر ایک ہندو راجا
 نے آباد کیا تھا اور اپنے دو بیٹوں باسید اور برلید کے نام پر اس کا نام ہاں
 برلی رکھا تھا جو بڑا بڑا ہاں بریلی ہو گیا اور اب صرف بریلی ہے۔ کہاوت کا مطلب
 یہ ہو سکتا ہے کہ الہامی ہاں بریلی کی طرف کو سفر کرنا جب کہ جانا چاہئے تھا اس
 کے برعکس یہ اس صورت میں ممکن ہے جب مثل کی صورت یہ ہوا لکھے ہاں بریلی
 کو۔ کیوں کہ راقم الحروف نے ہی طرح سنا ہے، لیکن اگر مثل میں آخر میں
 کو نہیں ہے جیسا کہ پیش نظر لغت میں ہے تو اس کا ایک دوسرا مفہوم
 بھی ممکن ہے۔

رویل کھنڈ کے کانوں میں نئی کوئی لکھی گئی کہتے تھے پہلے دیہاتیاں
 چھپرے کی لکھ ہوتے تھے اور چھپرے میں چھوٹے کور کے دلی دو چہرے ہوتی تھیں
 ہاں اور بیان لکھی لکھ لکھا کہ اور وضع داری ہاں اور بریلی سے ہی عبارت
 تھی۔ لکھے ہاں بریلی کا مطلب ہوا کہ لکھ کا نام ہی چھپرے ہے۔ کیا تعجب ہے
 کہ بریلی کوئی، ہی بڑا کوئی بریلی ہو گیا ہو۔ بہر حال لغت نویس جو بھی لکھیں بریلی

میں ہاں پر لکھا جاتا ہے۔
 (۸۵) الہامی کے معنی لکھے ہیں روح لمن کی یہ غلط ہے۔ لکھی گئی لکھا
 ہے تفریح اولیٰ بغیر معنی صورت میں۔

(۸۶) اعلیٰ۔ معنی لکھے ہیں بریلی کی مثلث۔ ہونا چاہئے ہاں
 لکھا ہوا کہ بریلی اس ہے۔

(۸۷) الف ہونا کے معنی لکھے ہیں گھوڑے یا کچھ ہاں میں پر کھر ہو
 جانا اور لکھے دونوں ہاں اٹھا لیتا ان معنوں میں الف ہونا نہیں اٹھتا ہوگا
 ہے (الف پر تعین)

(۸۸) انگ ہونا میں ہونا سے پہلے نہ خط (-) ہے نہ انگ
 حرف ہونا لکھا ہے اور بھی نہیں دے۔ بریکٹ میں لکھ دیا ہے (چھوٹ
 کیلئے) یہ معاملہ بالکل عجیب نہیں آیا۔

(۸۹) ائم ظلم کتابا معنی لکھے ہیں "غراب اور دایاںات جو کھاؤ آخر
 میں علامت مصداقہ لکھنے سے لکھی اور لکھی گیا۔
 (۹۰) ائم معنی ہاں کے کو "ائم لکھا ہے۔ تختے میں پانچ حرکات کے
 لفظ غلط ہو گئے۔

(۹۱) ائم ماں (۲۲) جازا ہے پڑھا لکھا آدمی (۲۲) آنحضرت کا لقب
 معنی نمبر اکو کچھ پتہ نشان نہیں نمبر اور نمبر ۲۲ درج ہیں دوسرے یہ لفظ "ائم ماں"
 نہیں آتی ہے۔ "ائم ماں" کا لفظ بھی حال ہے۔

(۹۲) امام تسبیح اضافت کے ساتھ آتا ہے لیکن لغت میں اس کی
 مراد نہیں کی گئی۔

(۹۳) اماؤنٹ۔ ACCOUNT کوؤنٹ لکھا ہے۔ بیکل نظر ہے
 (۹۴) امپورٹ۔ IMPORT کے معنی لکھے ہیں کسی باہر کے ملک

سے اپنے ملک میں تجارت کی غرض سے آیا ہوا تجارتی مال۔ درآمد۔ امپورٹ مال
 کو نہیں کہتے، بلکہ مال منگنے کو کہتے ہیں یہ ہم نہیں غفل ہے۔ تجارت کی شرط
 لکھا بھی نامذات ہے۔

(۹۵) ایک حرکات حرکتی معنی ہے۔ وہ اس طرح کہ حرکت
 کے بچے خاک کھج کو حرکتی کا لفظ لکھا گیا ہے۔ یہ بہت سبب معلوم ہوتا ہے۔

خدا کا نسب اور صفات اور کونسا اور مختلف بات کرکھا جانا چاہئے تھا تاکہ اس کا کھوکھلا ہونا
پتہ چلے جو کچھ میں وہ امر کی کہہ رہی ہیں۔

(۹۷) امرود کے متعلق ہم بھی لکھے ہیں جام قدیم اور غیر معروف لفظ ہے اور
امرود معروف معروف کی معرفت غیر معروف لفظ ہے کہ نام کتاب میں۔

(۹۸) امریاں کے متعلق لکھے ہیں "دائرۃ فی کی مع" امریوں کے درختوں
کے آگے کرت ہے جی نہیں ہے اور آیت کے سوا بھی کچھ نہیں ہے۔ دوسری طرف
دوسرے لفظ ہے۔ بات پوری نہیں ہوئی کہیں پر امری کی معنی بھی درج نہیں ہیں
جس سے معنی کے متعلق معلوم ہو سکے۔

(۹۸) اکتاس کے متعلق لکھے ہیں "ایک درخت کی پہلی شاخ جو ہے
کہ اکتاس ایک درخت ہوتا ہے۔ ہاں درخت کی نسبت سے اس کی پہلی کو بھی
اہل یاس کہہ دیتے ہیں درج اس کا پورا نام اکتاس کی پہلی ہے۔

(۹۹) امہات المؤمنین کے متعلق لکھے ہیں "مسلمانوں کی ماں" امہات
جمع ہے اس لئے معنی ہوئے۔ مسلمانوں کی ماںیں۔

(۱۰۰) ان کے متعلق لکھے ہیں "ان" غذا (۱۰۱) حجاز (۱۰۲) غذائے نفی
کابلہ بھی ہے اور زیریں اقلوں میں لکھنے کی طور پر استعمال بھی ہوا ہے
ان معنی ان کی انمول و غیر مجسم کی معنی (۱۰۳) کلمہ نفی (۱۰۴) غیر مذکور (۱۰۵)
درج نہیں کے گئے۔

(۱۰۱) گنت کے معنی درج ہیں بے شمار غلطی یہ ہوئی کہ یہ "ان"
کالا حصہ ہے لیکن اس سے پہلے "ان" لکھا گیا ہے۔ "ان" کا قلم تمام
خطا کھینچا گیا ہے۔ اس بے پروائی سے "ان گنت"۔ "گنت" پڑھا جائیگا

(۱۰۲) اندر سے معنی لکھے ہیں "ایک قسم کی مٹھانی جو چاول کے آٹے
میں شکر ملا کر" اس سے آگے کچھ نہیں ہے۔ بات مکمل نہیں ہوئی اور معنی بھی
صاف نہیں ہوئے۔ پھر ایک لفظ "اندر لوک" اور اس کے معنی کا اندراج
ہے۔ اور پھر اندر سے کی بقیر تفریح درج ہے کہ استعمال کا طالب علم
بے چارہ اس محکمہ علمی کو نہیں سمجھ سکتا۔

(۱۰۳) انہما ہوتا۔ یہ مرکب دو جو آئیہ ہے۔ دونوں جگہ معنی الگ
الگ ہیں۔ پہلے اندراج کے ساتھ تحقیقی و مجازی اور دوسرے اندراج کے

ماتھ صرف ہماری معنی لکھے ہیں۔ امر اس سے کہ اگر دونوں معنی ایک اندراج میں
نہیں دیئے جاسکتے تھے تب بھی دونوں کا اندراج ایک ہی جگہ ہونا چاہئے تھا اس
وقت دونوں کے معنی میں مرکب اور لکھے ہیں۔ انہما کے مرکبات میں ایک پہلے غیر
بے چارہ دوسرے اس طرح ہیں۔

(۱۰۴) انہما سے ہے۔ معنی لکھے ہیں "حجاز" لوگ کے بدلے، متعلقین۔
سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحقیقی معنی کیوں نہیں لکھے، صاحب فرہنگ اس صیغہ سے
اس کے معنی دیکر حشفہ لکھے ہیں اور یہ مرکب اسی کے لئے زیادہ متحمل ہے یہ
معنی لکھنے ضروری تھے۔

(۱۰۵) انڈنٹ۔ اس کا حال بھی اندر سے جیسا ہے معنی نامکمل رہ گئے
ہیں اور بقیر معنی تین الفاظ اور ان کے معنی (۱۰۶) اس کے بعد صحت ہوئے ہیں
طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

(۱۰۶) انکنا: "چھینا" تخمینہ ۲۰ لاکھ لکھی گئے کا اعلیٰ بانتر" غلطی
گمان کے عمل بانتر کے لئے لکھا نہیں آنا (الف) مکرودہ کے ساتھ بولا جاتا
ہے۔ فرہنگ اس صیغہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ زیر نظر دیکھ کر یہ معنی میں انکنا
(الف) مکرودہ کے ساتھ کے معنی میں اس معنی کا ذکر نہیں ہے۔

(۱۰۷) "انگور بھنا درختم کا" زخم اچھا ہو کر ایک سرخ سے دانے
کی طرح گوشت پیدا ہوتا یہ سرخ سے دانے کی بات نامعلوم کہاں سے آگئی
ہو سکتا ہے انگور پر قیاس کر کے لکھ دیا ہو۔ غالباً مرتبین نے کسی زخم کا انداز
ہوتے نہیں دیکھا زخم پر کھال کی پرت بننے کے ابتدائی عمل کو انگور بھنا
کہتے ہیں۔

(۱۰۸) "انوشکا" (۱۰۹) وہ کھانا جو بھوٹا نہ ہو (۱۱۰) انوکھا یہ ہندی
لفظ ہے لیکن اس بات کی تصدیق نہیں کی گئی ہے۔ پہلے معنی خلاصہ نے کہاں
سے نکالے ہیں۔ ان معنی میں یہ لفظ نہ کہیں پڑھا نہ سنا۔

(۱۰۹) اینلاپ کے بعد "انہ" اور "انہوریاں" کا اندراج بھی ہے
جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرتبین نے "انہ" کو ایک مخلوط حرف مانا ہے جو
ان دونوں الفاظ کا اندراج بھی ان سے پہلا اور نامعلوم اور اہمک کے ساتھ
ہونا ضروری کی بات ہے کہ مسرانا میں "ر" اور "سہ" کو الگ الگ حرف تسلیم

کیا گیا ہے جو کہ میرے استاد نے اس کا اس طرح استعمال کیا ہے کہ

ایک نیا صوفی ہونے پر شرت ہو گئی۔

ع سحرانے میرے اہستہ نو

میرمن نے بھی اس کو اس طرح استعمال کیا ہے

ع سحرانے جو کہ میری ہر چارہ

(۱۱) آہستہ ہونے۔ "اندرا" اور انڈنٹ کی طرح اس کے معنی کا

بقیہ جھٹکی ایک دوسرے لغت اوور OVER اور اس کے معنی کے بعد
درج ہوا ہے۔ اور اس کے معنی بھی نامکمل سے لگتے ہیں۔ لیکن بقیہ جھٹکی
نہیں ہے۔

(۱۲) "تورن کی ہانکا ہونے کی بجائے باتیں ادا ہونا" صحیح "ارون" تھا

کی ہانکا ہے۔ یہ عمارہ ۱۔ کی تحت اور ایران کے بعد ہی ہے۔ تورن
سے پہلے خط ہونا چاہیے تھا، جو نہیں ہے۔

(۱۳) اینٹ کے معنی لکھے ہیں "مٹی کی جی اور پھٹکی کی ہوتی"

مستطیل چیز جو چاروں طرف سے کام آتی ہے، تخت: اینٹ کا بھٹکے میں پکا

ہونا ضروری نہیں ہے۔ پہلے پڑاؤ سے میں پتی تھی اور اینٹ ہی کہلاتی تھی۔

کچی اینٹ بھی اینٹ ہی ہوتی ہے اس کو کچھ اور نہیں کہتے۔ کچی اینٹ کو

"خست پختہ" اور کچی اینٹ کو "خست خام" کہا جاتا ہے۔ اینٹ کا مستطیل ہونا

بھی کچھ بہت ضروری نہیں ہے۔ پہلے کنوؤں کی تعمیر کرنے کے وقت کی انٹیں

بنانی جاتی تھیں ایک قدرے گولائی لئے ہوئے ہوتی تھی اس کو "پٹھی" کہتے

تھے دوری ایک طرف کم چوڑی اور دوسری طرف زیادہ چوڑی ہوتی تھی

کو "موجا" کہتے تھے کچھ بھٹے والوں نے گول ستونوں کی تعمیر کے لئے عمدہ

انٹیں بھی بنائی تھیں۔ یہ بھی اینٹ ہی کہی جاتی تھیں۔

یہ بے قاعدگیں لغت کے صرف ۶ صفحات میں ہیں جو کل

صفحات ۱۰۶۷ کا چودھواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم ہے۔ اگر یہی اوستا

بہ قرار رہے تو ایسی بے قاعدگیوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو سے زائد ہوگی مگر

نو فی مائے بل بھی کہتا ہے ان اوراق کا جانچو تو توقع ہے کہ یہ تعداد اور

بھی بڑھ جائے۔ اب بقیہ جھٹکی کی بے قاعدگیوں اور ۶ صفحات کی

خفیہ جانچ کی صورت ہوگی اور وہ کہ اس باب میں اصل کو اس طرف بھی توجہ

کرنی چاہئے۔ راقم ظروف کے پاس وقت کی کمی ہے اور ساتھ ساتھ طویل

مضامین کا شائع کرنا بھی ایک مسئلہ ہے۔ ہاں اگر کوئی ادارہ اشاعت کرنے کی

فصاحت قبول کرے تو بہتر اور فرصت میں بھی اس کے بقیہ جھٹکی پر نظر ڈال

سکتا ہوں۔

۱۔ "اتاولا اور" مجھے افلاقیں واؤ ہے ہمزہ ہونا ایک

اصل کے تحت ہے۔ یہ احادیث ہے کہ سب کو اس اصول سے اتفاق نہ ہو۔

ہاری رٹے میں "ایا دلا تے ہمزہ اور" مجھاؤ "باہمزہ ہونا چاہئے۔

۲۔ "اداکر اصل ہے کہ لکھے ہیں اس کا ہر کافر وری نہیں پڑھنا

اس کا البتہ ضروری ہے۔

۳۔ پرندے کے باریک ریشہ بال بھی "پر" ہی کہلاتے ہیں۔

پرندے کے تعلق سے "ہل" کا لفظ بمعنی (FEATHER) پڑاؤ میں

جاتا۔ جو معنی لغت زیر بحث میں درج ہیں وہ براہ راست "نور" سے

متعارف ہیں۔

۴۔ "ایا بل کو بیٹس نے بھی نہ کرکھا ہے" لیکن آج یہ بات کافی

مؤثر ہے۔

۵۔ "ایات کے معنی ہیں" بیت کی جمع" لہذا اس کے معنی لغت

زیر بحث میں درست لکھے ہیں اسی کوئی قید نہیں کہ صرف شتوی کے اشعار

یا قصیدہ اغزل کے مطلع "ایات کہلاتیں" سند کے آخری دو مصرعوں کو ملکہ

بیت کہتے ہیں، لیکن اس کی جمع "ایات" نہیں "بیتیں" ہیں۔

۶۔ عورت کی ٹھیس نہیں مرد کے نکاح کرنے کے لئے بھی ہوتی

ہیں "ٹھکانا" اگر چہ مٹی سے لکھا ہے تو درست نہیں۔

۷۔ "طلبہ" اور "طلباء" دونوں درست ہیں۔

۸۔ یہ معنی پبلش "اصفیہ" اور نور میں نہیں ملے۔

۹۔ یہ معنی بھی ان تینوں لغات میں نہیں ملے۔

۱۰۔ یہ معنی بھی ان تینوں لغات میں نہیں ملے۔

اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 حقیقتاً اور حقیقتاً کہ جگہ ہو کتابت ہے۔

اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔

اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔

اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔

اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔

اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔

اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔

اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔

اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔

اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔
 اسلام اور دین عرف اہل انور کے بتانے کے لئے آگیا ہے۔

مقام الزمان خان کی نئی کتاب

آخری داستان گو

(نئی الف لیلا)

قیمت : ساٹھ روپے
 تخلیق کار بی کی مشن فرار خان و مصلی

ظہیر انور کے
 ڈراموں کا نیا مجموعہ

نئے موسوم کا پہلا دن

شائع ہو چکا ہے

- ناشر -

شرعی آرٹس بی کی مشن

ملکت

انیس فریق

سارے گنڈا ہو رہے تھے۔

داہر کے سامنے قاسم اور اس کا ایک بھرتیہ تھے داہر بے درجہ
کئی مندرے بار بار اپنی دشات کی سلاک بگاڑ چکے تھے۔ اما نیل کے ایک ریشہ
قاسم نے بھی داہر کو ایک بھاری شکست دی تھی اور اس کے بعد ہر شہزادہ
اپنے موکوں کیلئے گناہم ہوتے چلے گئے تھے شکست و فتح اپنی جگہ دروڑوں کے
ذاتی تعلقات بہت گہرے تھے کورٹ سے باہر دروڑوں ایک دوسرے کے
زبردست حلیف تھے مگر سورج کے اچانک غائب ہوجانے پر قاسم
ناک تقد میں پھنس گیا تھا داہر قاسم اور عزیزینوں کے چہروں پر ہٹاؤ تھا
کرے کی بھیجی روشنی بھی فی الوقت ان کے لئے دھمکی سی امید تھی
کیونکہ کورے سے باہر کی روشنی، روشنی جیسی روشنی پر روشنی ہرگز تھی کورے
کی تیرہ بجتی ہے کہیں زیادہ بدعتیں کورے کے باہر کھڑی تھیں خوشی سنا
سکڑن سلین، شاید یہ کورہ انہماخت عالی کے سبب بیرون غذاہوں سے بچ
گیا تھا اور اس کا بھل والا سا کن خشت خشت چٹک کر ڈھیر ہو چکا تھا،
لبے کے اوپر ہر گنڈا دیا گیا تھا۔

”تم بچے بھتیو، میں باہر جانا کر آتا ہوں“

”کھڑکی مٹ کھولنا اس سے گولی اندر آجائے گی۔“

”کیسی اندھ جانا کر دیکھا نہیں، باہر جاکنے سے کیا فائدہ۔“

سورج کہیں لاپتہ ہو گیا تھا —

یا کسی نے اس کے چہرے پر نقاب ڈال دی تھی۔

یا پھر کوئی نہیز سا کیل اور دھ کر داندے لہٹ گیا تھا سورج

اب جبکہ سورج لاپتہ ہو چکا ہے

ساری باتیں زمین کے حوالے

سامنے صحرے اندھروں سے —

ان اندھیروں میں پہلیا روشنی لے —

ہر شہزادہ کا کمرہ

دیواروں پر کتاؤں کے لیے شیلٹ بھلا دی جانے والی ساری بڑی
بڑی کتاؤں کے دفن۔ کل ملا کر یہ کورہ و سید کی طرف مائل تھا دیواروں
پر سفیدی برسوں سے چھٹی ہوئی تھی شیلٹ کے شیشے جا بجا ٹوٹے ہوئے
تھے جگہ جگہ دروڑوں اور کبوتروں نے گھونسلے بنا رکھے تھے کوئی کوئی کتا شیلٹ
سے باہر آتی ہوئی انگلی تھی جیسے کڑیوں نے جلانے بن کر انھیں نیچے گرنے
سے روک دیا تھا نیز کمرے کی کھڑکیوں کے پٹ سب گرد آلود تھے
برائی دھخ کا ایک کھل بٹکھا اور بڑی ٹھیک ٹھیک شہت سے ٹٹک رہے تھے
اس میں لگا خیت سا بلب جلنے پر بھی بچا تھا سالگ رہا تھا بھی کھیت
میں پہلے ہوئے اس بلب کے نیچے ایک گول بیر تھی جس پر تین ہر دوں کے

”جب کہ اب باہر دیکھنے کو کچھ بھی نہیں۔“

”جب نخل والا مکان خشت خشت ڈھیر ہو رہا تھا تب کھولیں کھولیں“

”تب تو آنکھیں سوندی تھیں شتر مرغ کی طرح۔“

”وہیے میں نے دیکھا تھا کھڑکی کھول کر۔“

”کب؟“

”جب سورج نقاب بند کیا جا رہا تھا۔ اندھیا دا دھیرے دھیرے زمین پر

پدا تر رہا تھا۔“

”شاید اسی وقت جب میں تمہاری طرف آ رہا تھا یہ جانے بغیر کہ باہر گولیوں

کا پھرہ ہے۔ کی آواز پر نہ رکتا اور دونوں ہاتھ اوپر نہ اٹھا تا تو

شاید میں شکرک پر ڈھیر کر دیا جاتا۔“

”یک بیک بھلی بھلی گئی بیز نے سايوں کو جذب کر لیا۔ باہر کی

سنگینی کرے میں در آئی۔“

”دروازہ پلٹ ہے نا۔“

”پلٹ ہے مگر۔“

”اُدھر ادھر مت پھرو۔ ایک ذرا سی آواز آفت ڈھا سکتی ہے۔“

”اب تو تاش بھی نہیں کھیل سکتے۔ ڈھیر سا بے وقت کا ہیکہ کریں

گے؟“

”بیان جاری رکھو مگر گوشوں میں جب دھیرے دھیرے زمین پر

اندھیرا تر رہا تھا تو۔“

”تو میرے کانوں کو محسوس ہوا دو رکیں دو ایک آواز گشت کر رہا ہے۔“

”کیسی آواز تھی۔“

”اُذان تھی شاید بیسیوں میل گشت کرتی میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔“

”پھر۔“

”پھر میں نے دیکھا نخل والے سبدم مکان کے لیے سے لوہا بان لوگ سر پہ ٹوپیاں

لکے باہر آ رہے ہیں۔“

”کیا اس مکان کے مکین مجھے میں دب کر مرے نہیں؟“

”زندگی اور موت کا پتہ نہیں۔ ان کے چہروں کے بے غونی زندگی کی قہیامت

کی میں نے نہیں کر لیا۔“

”پھر پھر کوئی شے ادھر سے ادھر ہوئی ٹھیک سے کسی چیز کے گرنے کی

آواز ہوئی۔ تینوں سہم کچپ ہو گئے۔ شاید سیلف سے باہر نکل ہوئی کس

کتاب چکا ڈرنگر آئی تھی۔“

”کچھ نہیں۔ کتاب گری ہے اور بے سیلف کے سارے شیشے چور ہو رہے ہیں

آہستہ آہستہ کوئی دن یہ ساری کتابیں گر پڑیں گی۔ زمین پر تب کیا ہو گا مر

داہر؟“

”وہی ہو گا جو کتابوں کے آنے سے پہلے ہوا تھا۔“

”مگر کب ہے تجھے کھلے سے لوگ باہر آ رہے تھے۔“

”ہاں وہ باہر آ رہے تھے۔ مگر آواز کی طرف روانہ ہونے سے قبل اپنے دہان

ہاتھ اوپر اٹھا لیتے۔“

”کرنیوں میں ایسا نہ کرنے سے گولی مار دی جاتی ہے۔“

”داہر کی بیٹی درگا جائے کی تین پیالیاں اسی اندھیرے میں لے

کر آ گئی شاید اسے احساس ہو چلا تھا کہ کمرے میں محسوس قاسم اور اس کا

محرر اس کے بغیر بڑی ہیکلی محسوس کر رہے ہوں گے۔ درگانے اندھیرے میں

بھٹا صیاط کے ساتھ تینوں کو چائے کی پیالیاں بڑھائیں مگر چائے انہیں

یاد ہی تھی بیان جاری تھا۔“

”پھر میں نے بہت غور سے آواز سنی۔ اذان تھی وہ آواز دونوں

ہاتھ اٹھائے لوگ قطاروں میں آواز کی جانب بھاگے جا رہے تھے۔“

”بڑا عجیب منظر تھا۔“

”عجیب منظر مجھے بنانے کے منظر کتنے لوگ نظر آئے۔ سب لوہا بان

مگر رواں۔“

”تم دیکھ کر ہم دونوں سنکر حیران ہیں۔ کیا اب بھی باہر یہی منظر ہو گا۔“

”مجھے یقین ہے کہ اب بھی باہر یہی منظر ہو گا۔ جب تک جائے نماز نہ مل جائے

یہ لوگ ملیوں سے لپٹیں ڈوبنے لگتے رہیں گے۔“

”مگر تم نے کھڑکیاں بند کر لی ہیں۔ ہم گوشہ حافیت میں پڑے ہیں۔“

”جاؤ ذرا کھڑکی کھولو اور سو کیا آواز اب بھی آرہی ہے؟“

میں نے ہرگز ان کو عرفِ متہذوہ نہ سنا۔ لیکن مجھے جیسے میں پہل پہل گمراہ ہو گیا ہے۔ یہ تو زندہ لوگوں کا راجہ ہے میں ممالک میں نے جو کچھ کیا ہے تم نے سنا نہیں۔۔۔

لوگ بھی ہاتھ اوپر اٹھائے اٹھائے کنا لیا سفر کیا۔ مگر ایک نقطہ بھی آیا جہاں انھیں آواز نہ آئی۔ آخری سر مل گیا۔ لوگ خانہ کے لئے مچھا کھڑے تھے اور سب کے ہاتھ اوپر اٹھے تھے۔

حلقہ ادب نکمنیا کاشٹماہی جریدہ

جیشد مسرور کی نئی کتاب

یانی تمہارے بوسہ میں اصل کا دوسرا شعری مجموعہ :

علی الدین انصاری

جہاں دو ہوں وہاں دو
جہاں دو ہیں وہاں موجود ہے اندیشہ سود و زیاں ساقی

محیط آب میں کیسا ہے بحر آب رواں ساقی
بتادل چیر کر دریا کا قطرہ ہے کہاں ساقی
وہ قطرہ جو نہیں ہے ابے وہ دریا فرط امکاں کا
وہ قطرہ جو نہیں ہے اس میں دریا ہے رواں ساقی
ہوا عریک خور سے وہ خود ذات پر مائل
جو ٹپکا ابر نیساں سے تو قطرہ بن گیا ساقی
نہ تھا میں تو خدا تھا گرد ہوتا تو خدا ہوتا
نکلنا گرد دریا سے تو دریا میں بھر ہوتا
مگر بار امانت ایک یہ مجھ کو اٹھانا تھا
رکھا خود آگہی کا اپنے سر تک گراں ساقی
حد میں اپنی مقرر ہوں تو بوجھوں خود شامی سے
کہاں میں ہوں کہاں سر ہے کہاں تک گراں ساقی
کہاں رکھوں قدم اس کا شہادت آفریدہ میں
کوئیں تک نقطہ ہے ہمت و عدم کے دریاں ساقی
یہ وہ نقطہ ہے جو کہ ہے بکولافراط امکاں کا
شب محمد

خدا کی ذات ہے اور اک غلائے بکراں ساقی
بکولافراط امکاں کا
مجھے یہ حکم

لپنے جان و دل میں اس غلائے بکراں کو دوں جگہ تاکہ
حدیں اس کی مقرر ہو سکیں
عدم کے آئینہ میں نقش فطرت کا ابھر آئے
اور اس کی گشت ویراں خون دل سے تر تر آئے
اور اس میں گل کھلیں
ذوقِ نوسے شامِ ہستی بزمِ سر آئے

اور اس گلشن میں بھر
میں خود ہی آؤں میری خاطر
نظر کی خود فریبی سے گلوں میں رنگ بھر آئے
پکھ ایسی برسوں ہو صبح یہ تخلیقِ عالم کی
کہ مجھ کو اپنی پرچھائیں میں اک بیکر نظر آئے۔
اور اس میں نقشِ الفت بھر کے میری آنکھ
وہمِ ثنویت یوں بردہ احساس پر لائے

جہاں میں تھا

وہاں دو ہوں

اسی نقطے میں پہنچا ہے طلائے پیکر اس ساقی
 اسی نقطے میں کرنا ہے مجھے آخر تلاش اپنی
 کہ ہے معنی ہے ساری وصعت کون دیکھ ساقی
 مگر اس نقطے میں محدود ہے میری حیات ایسے
 قصص میں جیسے کہ پنجھی بنائے آغیاں ساقی
 مری ہر دہا اس نقطے کی حد آخری تک ہے
 کہ اس کی حد پر لکھا ہے مرا نام و نشان ساقی۔
 عناصر کا صم خانہ ہے یہ نقطہ سو میں اس میں
 بنا آدم خاکی ہوں ہم جنس بیتاں ساقی
 بنا ہے آب و خاک و باد و آتش سے مرا پیکر
 کسی نے اس میں ذوق آتش بخش چھوڑ کر رکھ دی ہے جہاں ساقی
 مگر میں کون ہوں میرا ہے اس پیکر سے کیا شد؟
 بظاہر تو اسی سے ہے مرا نام و نشان ساقی
 حدیں میری جہاں میں کیا ایک پیکر کی حد تک ہیں
 یہ پیکر ایک ذرہ ہے یہ صحرائے جہاں ساقی
 دماغ و دل ہیں تابع اس کے کہ جبرِ مثنوی کے
 اسی صورت ہو اس کی رگوں میں ہے رواں ساقی
 یہ زیرِ جبر ہے یوں اپنی فطرت کے حوال کا
 کہ ہیں مجبور جسے ہر وہ ماہ و آسمان ساقی
 یہ پیکر جس کی آنکھیں صرف باہر دیکھ سکتی ہیں
 ہو کیسے اس کو خود اپنی میری ناگماں ساقی
 مجھے یہ حکم اس پیکر کو غشوں میں نظر اپنی
 گواہ کی آنکھ پر طاری ہے کہ خواب گراں ساقی

مجھے افادِ تخلیق کا وہ باب اول یاد آتا ہے
 کہ جب اک دیکھنے والے نے گویا
 ایک پر چھائی کو پیکر جان کر

اپنے تئیں اس کو محسوس کر دیا تھا
 اور اس کو خونِ الفت دے کے اپنا دل دیا تھا
 یہ پیکر پیکرِ فلان بن کر چلنے پھرنے لگ گیا تھا
 اور اس نے دیکھنے والے کی گردن میں
 اسی کے رشتہ الفت کا پھندہ ڈال کر کچھ اس طرح کہینا
 کہ اس کو دیکھنے والا خود اس پیکر میں ضم ہو کر اسی میں گھو گیا؟

(چند ورق بعد)
 وہ پیکر میا ہے
 اور اس کا دیکھنے والا
 جو اس کا مالک و مختار ہے
 ابھی تک زیرِ پادشوس اسی میں سو رہا ہے۔
 یہ پیکر اب مگر تنہا نہیں ہے
 اب اس کی نوع سارے ارض پر پھیلی ہوئی ہے، جو
 مثنوی قوتوں کے جبرِ آئینی کے تابع
 سو جتنی ہے دیکھتی ہے بونتی ہے
 اور اپنے آئینی لوگ قلم سے
 یہ اپنی طے شدہ تافخ کھینچی جا رہی ہے۔
 یہ پیکر جس کی آنکھیں صرف باہر دیکھ سکتی ہیں
 یہ پیکر جس کی آنکھیں صرف پیکر آغیاں ہیں
 اور ان کا کام اپنی نوع کی جملہ حفاظت ہے۔

(آخری باب)
 بتلاتا تھا مجھے کہ دن یہ سفر راہ نے خلوتِ نشینی میں
 یہ افادہ ابھی تک تشنہ انجام ہے
 مصنف نے یہاں تک لکھ کے اس کو
 ایک عجزِ مصلحت سے توڑ ڈالا تھا علم اپنا

فرشتوں سے یہ فرمایا دینی آگے کے ساتھ بگڑوں
 اور یہ کہوں کو اپنے صبح و شام کی ٹوٹ گئے
 اپنی ہی تاریخ لکھنے دیں
 یہاں تک کہ اسے چھ کر نہیں خود یہ نظر آئے
 کہ اس کے ہر وقت پر ایک ہی تصویر لکھی ہے
 کو شاید یہ بھی ممکن ہے۔
 انہیں میں سے کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں
 جو پیدا کر سکیں اپنے کو اپنی کھٹکے سے
 اور وقت کی تاریخ کو حلقہ بہ حلقہ توڑ کر
 ہر ایک حلقے سے کریں پیدا
 گویا فرما ہوا کہ
 ہے جو تاریخ کی حسد
 اور ہے تخلیق کا محض

کچھ ایسے لوگ بھی لکھ گئے
 وہ کہہ رہے ہوں گے غلامے کی خاموشی کی طلب رکھتا ہے
 کچھ ایسے لوگ آنکھیں جھکی
 انسان کی مراد حیرت کا پیر کہہ سکتی ہیں
 اور اس لطیف بصارت سے
 جو اس کے شاہرہ مطلق کی آنکھیں کھول سکتی ہیں
 کچھ ایسے لوگ
 تیرے نرم بیداروں کو دیتے آئے ہیں دعوت
 وہ دیتے آئے ہیں ایسے عمل میں دعوت شرکت
 عطیت کے پیکر سے جو کہ کھتا ہے بیدار روح آدم کو
 یہی دعوت زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے ساقی

مشینوں کی انجمن

مشینیں بولتی ہیں
 مشینیں دیکھتی ہیں
 مشینیں شعر کہتی ہیں
 مشینیں شعر سن کر ہنسی ہیں
 مشینیں پیا کرتی ہیں
 مشینیں دروازہ شب معروف رہتی ہیں
 عمارت میں سیاست میں عبادت میں
 مشینوں کی خصوصی بات اک یہ ہے
 کہ ان کی انجمن میں
 کھتا ہے ہر اک اپنے کو گویا روح کا پیر
 کہ خود اپنے سے آنکھیں چار کرتے سے
 علم و محض غلط ٹوٹ جاتا ہے
 نگاہ راست کی قرب لکھی سے
 مشینیں ٹوٹ جاتی ہیں

صہ بخون

مجھے معلوم ہے زبیل میں تیری ہزاروں جام ہیں ساقی
 تمہارے تھوڑے تھوڑے اعلیٰ تعلیم ہے مٹی وہی ہے شعور ہے بکھر ہے
 ثقافت ہے سیاست ہے ترقی ہے تجارت ہے
 اگر وقت فوت ہوتا کوئی پیکر اس مشین خوب سے جاگے
 پکارے جام اس کو بھر ملاوٹا یہ تیرا کام ہے ساقی
 مگر کوئی خبر ہے اب کہ تیرے پیکر کی نوع کے شب زندہ دلوں میں
 کچھ ایسے ہیں جو تیرے سے کہہ میں اب شکستہ جام ہیں ساقی
 وہ پیکر جو کہ صبح و شام کے نقشہ سے گویا
 وقت کے کوہ گراں کو کاٹنے کی سعی کرتے تھے
 وہ اب تنہا ہار کر یہ پوچھتے ہیں
 کہ یہاں تیرا حلال گوشہ ایام ہے ساقی
 فطرتی خبر ہے اب کہ تیرے سے کہہ کے حد یہ ایسے لوگ آتے ہیں
 کہ جن کی روح کے فوجا سکوں میں حشر کا پیغام ہے ساقی

گنت لامہ (۱) محک نہیں ہوتا۔ تیسرے شعر میں لامہ کا کچھ نکلا تھا۔ ایک ہی لفظی نے رنگ اور حرکت (ریٹن کی FLUIDITY) پر زیادہ زور دیا ہے۔ چہرے تمام حیات کو اس شعر میں پرکھت کر دیا ہے۔ اور اس زبردست توازن کے ساتھ کہ کوئی کئی پہاڑی نہیں۔

(۲) خوشبو، لونا، مٹا، (۳) کھانا، بھول، رنگینی، ہارہ (۴) بھول کی جھلی لٹ اور TEXTURE لامہ (۵) ہاتھ لگتا۔ لامہ (۵) لطافت، ذائقہ (لطیف ذائقہ) (۶) جی پسی لگتا۔ آزاد ہائے رے۔ یہ شعر خاص توجہ کا مستحق ہے اس نے طبی ہے کہ اس کے ذریعہ مطالعے کا قدری پن حیاں ہوتا ہے، اور اس کا اثر ہے حد حیاں SPENSUOUS ہے، اگر ذرا سا بھی بیان کا تولا ہو گئے تو اسی پر پڑا ہو جائے۔ موجود صورت میں تو یہ لفظ ایک انداز رکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو ۲۲۹

ہم جانتے ہیں کہ میر کو محسوس حیاں ہیں اور اس کے ذریعہ اشیاء خاص کر انسان سے متعلق اشیاء کا بیان کرنے پر جو قدرت تھی وہ طالب اقبال، مرد، سودا، مصحفی کو بھی نہ تھی۔ صرف میر انیس اس صفت میں میر کے قریب آتے ہیں۔ لیکن زیر بحث شعر جو کلام تو میر کے یہاں بھی کم یا ب ہے۔ اپنی طرح کا طبی خیر لفظاں شعر ہے۔ ۲۲۹

کہتا ہے کب سلوک وہ اہل یتیم سے سلوک ۔
گفتا اس کی کبر سے رفتار نانہ سے داد و دہش
خاموش رہ سکے تو نہ کھڑی کھی کچھ نہ کہہ
سر شمع کا کلا ہے زبان دراز سے
یہ کہہ کر دشمنوں میں ہیں سلتے لگے
کرنے کو کو ذرا بھی تواضع سے
۱۲۸ شاید کہ آج رات کہتے تھے کہ میر
کھیلے تھا ایک مرغ چہرہ ناز سے

۲۲۹ مطلع کا معنی کوئی خاص نہیں، اس لفظ سلوک
یہاں خوب آیا ہے۔ مصرع غنی کا بندش بھی جیتا ہے۔ لہذا
اگرچہ مطلع ہے۔ اس نے بیت، لیکن لطف سے بالکل جاری
بھی نہیں۔

۲۲۹ غامض یک ہندی کا شعر ہے، اگر پہلے مصرع میں دعویٰ
یا نصیحت اور دوسرے میں دلیل یا مثال، اس طرح کا شعر سب سے
زیادہ کامیاب ہوتا ہے جس میں دعویٰ یا نصیحت غیر معمولی ہوا۔ دلیل
میں استعلاقی رنگ چمکے ہوئے۔ مثلاً زیر بحث شعر میں نصیحت یہ ہے
کہ بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ۔ اس کے لئے شمع کی لوک کے بجائے لٹے اور
بلند ہونے کا استعارہ اختیار کیا۔ (شمع کی لو کو زبان سے تشبیہ دیتے
ہیں)۔ جب شمع کی لو بجھ کر جاتی اور بلند ہوتی ہے تو اس کی دیر عام
طور پر رہتی ہے کہ اس کی بجی ضرورت سے زیادہ جل جھٹکتی ہے اور
اس میں گل آ جاتا ہے۔ اس کا تذکر یہ ہے کہ کھنگرے شمع کی بجی
کو کاٹ کر چھوٹی کر دیتے ہیں۔ یہ استعارہ ہوا شمع کا سر کٹانے کا۔ اس
طرح یہ بات ثابت ہوتی کہ شمع کی زبان لمبی ہوتی رہے بڑھ بڑھ
کر بات نہ کرتی، اور اس کا سر کٹا یہ بات بھی پر لطف ہے کہ زبان
لمبی ہونے کا نتیجہ زبان قطع ہونا نہیں، بلکہ سر قطع ہونا ہے۔ مصرع
یعنی کا صرف دھج بھی خوب ہے کہ بادی النظر میں گمان ہوتا ہے
زبان دراز وہ آہستہ سے شمع کا سر قلم ہوتا ہے۔ یہ گمان بنیاد
بھی نہیں، کہ شمع کو تلوار سے بھی تشبیہ دیتے ہیں۔ میر نے ان دونوں کا
کنا یہ ۲۲۹ میں بھی خوب رکھا ہے۔ شمع اور تلوار کے استعارے کو
کلمہ ہمدانی نے بالکل نئے رنگ سے باندھا ہے۔

ظلمات بروں نہ رفت دے از دیار ما
زخمی از تیغ شمع قند شام تار ما
(ہمارے دیار سے ایک لمحے کے لئے بھی تاریکی
دور نہ ہوئی، ہمارا تاریک شام تیغ شمع سے زخمی
ہو کر ہمیں تاریکی میں گر پڑی)۔

شب خون

اس تازک خیالی کی داد دے دے نظم ہے اور انصاف کی بات ہے کہ میر کا شعر رنگ خیالی سے جاری ہے۔ ہاں میر کا استعمال اور تخیل بہت خوبصورت ہیں اور اپنے رنگ میں لاجواب ہیں۔

۲۲۹ یہ مضمون بھی میر نے بار بار یا نہ تھا ہے۔ اور اس مضمون سے ان کا شغف مسکری اور سلیم احمد کے خیال کو ایک بار پھر معرض سوال میں لاتا ہے کہ میر اپنی خوبی کو معشوق اور اہل دنیا کے سامنے رکھ دیتے ہیں اس کو پر امر اور نہیں کرتے۔ یہاں عالم یہ ہے کہ ان کو سب کے ساتھ قتل ہونا بھی منظور نہیں۔ ^{۱۹۷} پر حسب ذیل شعر ملاحظہ ہو۔

ہم دے دیں جن کے خون سے تری لہہ سنا گل
مت کر خواب ہم کو تو اور دوں میں سان کر
اب یہ اشعار دیکھیں۔

لوٹے ہے خاک و خون میں پیوڑوں کے ساتھ میر
ایسے تو نیم کشتہ کو ان میں نہ سلینے
(دیوان اول)

رکھنا تھا وقت قتل مرا امتیاز ہائے
سو خاک میں ملایا مجھے سب میں سان کر
(دیوان دوم)

آئے بچھا کے نفع کو لاتے تھے تیغ و خنجر
کرتے تھے یعنی خون تو اک امتیاز سے
(دیوان ششم)

سان مارا اور کشتوں میں مرے کشتے کو بھی
اس کشتہ لوٹے نے بے امتیازی خوب کی
(دیوان ششم)

یہ سب شعر شہنشاہ کی محبت میں دہے ہیں اور ان کے باوجود میں نے زیر بحث شعرا کی انتخاب بھی تو اس لئے کر اس کے معنوں میں بعض باتیں ایسی ہیں جو مولانا اشعار میں نہیں ہیں اور جن کو

جنوری ۱۹۴۲ء

شوق قتل میں دوست دشمن کے عاشق اور اہل ہوس میں امتیاز نہیں کرتا (۱۶) حکم کے ساتھ جو لوگ سامنے گئے وہ لاکھ اس کے دشمن ہیں گویا ان کے دشمن ہونے کے لئے ہی شہوت کافی ہے کہ انھوں نے منظم کو تنہا مرے کی محبت سے غمزدگ کیا۔ (۱۷) زیر بحث شعر میں قتل کرنے کے لئے "ذبح کرنے کا فقرہ استعمال کیا گیا ہے۔ جو زیادہ پر قوت اور ادا خاراقتی ہے۔ "ذبح کرنے" میں تیاری ساز سامان، متوجہ و زمین پر گرا کر اس کے گلے پر پھری پھرنے وغیرہ کے جو پیکری اشارے ہیں وہ "قتل کرنے" یا "خون کرنے" یا "کشتہ کرنے" میں نہیں "ذبح کرنے" کا فقرہ ضرورت حال کو زیادہ سنگ اور فوری بنا دیتا ہے۔

اگر قری اکثرے تحت جب ہمارے یہاں معشوق کی
"اخلاقیات" بدلی تو اسی ہوس امتیاز کے مضمون کو ہم محبت ہونے کے یہاں یوں دیکھتے ہیں۔

ترے سقم سے میں خوش ہوں کہ غالباً یوں ہی
مجھے وہ شامل ارباب امتیاز کرے

خود کہے کہیں خاک و خون میں ساتھ اور کہاں سقم کا بننا اس کے
خلاف وہ شاعر جو گنہ گری اثر سے نسبتاً محفوظ رہے تھے، مثلاً داغ، ان کے یہاں لفظ "ساتھ" اور محاورہ "ہاتھوں کو خون میں ساتھ بے تکلف لقم ہوا ہے۔"

بھوٹے گی حشریک نہ یہ ہندی لگی ہوئی
تم ہاتھ میرے خون میں کیوں سلالتے نہیں

داغ کے شعر میں طنز کی کئی جہات ہیں، جب کہ محبت ہونائی کاٹھ یا نکل پاتا اور نہ تہہ ہے۔ میر کے شعر میں دونوں مصرعے انفرادی ہیں اور "کہنے کو کو ذبح" میں ایک گھر لپٹے ٹکٹے ہیں جو شعر کو واقعیت کے نزدیک لاتی ہے۔

۲۲۹ اس شعر میں جو خوش طبعی، اخلاقیات اور محاکات ہے۔
کا جواب مشکل ہے۔ مہر ناز، مٹی کی گلیہ، ہوتی ہے جھجھکی

بعض لوگوں کے طبع پر یہ عمل کرتے ہیں کہ شربت کو کھانے والے
 استعمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ شربت کھانے کے لیے ہے۔
 لہذا یہ عمل کھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور یہی ہے۔
 بعض شربت جو بہت کم استعمال ہوتے ہیں، ان کے لیے بھی یہی عمل
 استعمال کیا جاتا ہے۔
 ہر نماز کا وقت طاعتیں طاعتیں طاعتیں
 ہر نماز کا وقت طاعتیں طاعتیں طاعتیں
 (نہری)

(ملاحظہ کیجئے کہ یہاں کو کھانے کا نتیجہ ہے)
 یہاں کو کھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
 ہر نماز کا وقت طاعتیں طاعتیں طاعتیں
 (نہری)

نہری کے یہاں بعض میں حدت ہے اور اس کا شعر اعلیٰ
 درجے کی طاعتیں ہندی کا نود ہے۔ لیکن شعر میں یہی ہے اور اعلیٰ
 کہ ہے بلکہ ایک طرح کے STRATH کا اس میں ہوتا ہے (بے
 چاروں کی عام صفت ہے)۔ محمد علی سلیم کہتا ہے کہ
 دھور خانی ماہر سجدہ ملک اسکا
 غیر غم کہ دریں مشت گل چر دیدہ خدا
 (یہاں دھور خانی فرشتوں کے لئے ہر نماز
 ہے میں حیرت میں ہوں کہ قتلے اس
 مٹھی بھر خاک میں کیا دکھایا؟)

یہاں طاعتیں تو ہے اور دھور خانی کو مشت گل یہاں مشت گل کو
 فرشتوں کی ہر نماز کا بہت عمدہ ہے۔ لیکن بعضوں کی جیلا کم نود
 ہے کہیں کہ ظاہر ہے اللہ نے حضرت آدم کی پیشانی میں نور محمدی
 رکھا تھا۔ اسی باعث فرشتے آدم کے بعد کو مارنے لگے تھے۔ لہذا
 مصرع یعنی کا استعمال یہی ہے۔ غلامی نے فارسی میں کہا ہے کہ
 در شربت خاد میر مگر دوشب کہ صبح
 دوم، دست بخیر ہر نماز را

(ظاہر میر بات ہے شربت خانی میں تھا
 کہ میں نے صبح کو ایک شربت کھانے کے لیے
 ہر نماز دیکھی)

اسی مضمون کو میر نے دوبارہ کوئی تیس تیس برس بعد میں کہا
 ظاہر شربت خانی میں شب کو رہے ظہیر
 کھیلے تھا ایک شربت ہر نماز سے
 (دوبارہ شربت)

یہاں اور شعر زیر بحث میں مصرع یعنی مشرب ہے۔ مصرع اعلیٰ درجہ
 صحت شعر میں ذرا بہتر ہے کہیں کہ آج رات کو تھے میں شب کو
 سب تھے کہ مقابلے میں روزمرہ کا لطف زیادہ ہے۔ بنیادی خوبی
 جو میر کے شعروں کو ظہوری و سلیم میں بھی ملتا ہے کہ میر کی
 یہ جتنی بندش کی جاتی ہے اور مضمون کی خوش طبعی ہے (جس میں طنز و کلامی
 باتیں آتی ہیں)۔ یہ شربت خانی کا لطف زیادہ ہے اور میر اسے ہر نماز سے
 کھیلتا ہوا دکھاتا ہے۔ طاعتیں طاعتیں طاعتیں۔ اور شاید ان سب سے بڑھ کر شعر
 کا سادہ لہجہ ہے جس میں لفظ ہر کسی قسم کی رائے نہیں صرف براہ
 راست NARRATION ہے۔ در تعجب ہے کہ ظہیر نے یہ شعر
 کا اس انداز۔ کسی جذباتی حاشیے کے بغیر بس ایک بات بیان کر دی ہے
 گو یا میر کے لئے شربت خانی میں رات گزارا اور ہر نماز اساتھ لے جاتا
 پھر نئے باغمار کی شربت کے باعث ہر نماز وہیں چھوڑ جاتا، یہ سب
 محض باتیں ہیں۔ ان باتوں پر واقعیت کا حاشیہ یہ لکھنا کہ شربت خانی کو
 ہر نماز سے لے جاتا ہوا دکھاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نماز سے ہر نماز سے ہر نماز سے
 کوئی کی چیز سمجھتا ہے۔ ۴۳۰

میری آنکھیں کو کی پوچھتے جو آستیں رکھتے
 ہوئی شربت کی کیا کہا ہمیں دست خالی سے
 ۴۳۱ دونوں مصرعوں میں حدت مضمون اور کلمے کی فراوانی ہے
 پہلے مصرع میں بلکہ یہ خود کو عربی تنہا کہ ہمارے شاد و بازو
 آستیں سے خالی ہیں۔ یعنی ہمارا لباس دلوچہ فقر و بے سرمایہ
 شب غنوت

سے خوش کرنے ہیں کیا میرے اس سے چھاحشر کہا ہی نہیں۔
 ملاحظہ فرمائیے کہ میرے خوبے میں اس سے بھی آب و ہوا جو ہیں ہیں گی
 یہ حضور میرے طرح کہا ہے
 عالم میں آب و گل کا شہر اور کس طرح ہو
 گر خاک ہے اُسے ہے صلابت ہے روان

(دیوان اہل)

قابو فزون سے فضا کا گلشن میں بن گیا
 دوش ہوا یہ رنگ گل و یا سخن گیا

(دیوان اہل)

انصاف کے یہاں بھی اس سے مقابلہ معضون ہے
 جوں سورج ہوا پتا تھا ہوش بھی اڑنے پر
 اسے کہتے گل توڑنے کہیں اتنی شبانی کی
 دہلے بھی انصاف کی طرح قحط کے بچے میں کہا ہے
 شہر جا ملک بات کی بات اے صبا
 کوئی دم میں ہم بھی ہوتے ہیں ہوا
 اغلب ہے کہ ان سب اشعار پر عیدل کا حوالہ قائم

ہوتا ہو

ہر کیا کہتے گل بہر بن رنگ درید
 نیست پوشیدہ کہ از خود سفر سے می خواہد
 (چند کہیں بھی پھول کی خوشبو نے رنگ
 کا پیرا بن چھاؤ کر نہ نکالایہ بات کھل گئی
 کہ اب وہ اپنے آپ سے سفر کرنے والی

ہے)

ان اشعار کے باوجود میر کا زیر بحث قصہ نہ لانا نہیں اور یہ
 خود ہم بات ہے یہاں معضون جو فدا و غیر محلی ہوا دوس پرستی یا رطب و تراب
 کی گئی ہو اگر نہ ڈھنگ سے بندہ چلے تو توحید کے لئے بڑا عقار
 ہو تا ہے۔ زیر بحث شعر میں معضون ادنیٰ کے دو معنی ہیں (۱) رنگ گل و

بوسے گل دونوں کی برادری کا معنی ہو سکتی ہے کہ ابھی ہیں ابھی نہیں
 (۲) رنگ گل اور بوسے گل دونوں غائب ہو رہے ہیں، چمن سے چلنے
 والے ہیں معضون تالی میں انصاف پر اسلوب کا دور سے ڈرامائی رنگ
 پیدا ہو گیا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر قحط کا کمال اور قحط کو خوش
 ہے کہ ایسے قحط کے ساتھ تم بھی چلے چلو تو کیا بات ہے۔ "تو جو بھی
 چلا چلے گا بہام جب لطف رکھتا ہے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی
 ممکن ہیں کہ اگر تم بھی چلے چلو تو یہ قحط بہت عمدہ بن جائے۔ ایک معنی
 یہ بھی ممکن ہیں کہ یہ قحط تو جاری رہا ہے تم بھی چلے جاؤ یعنی تم بھی
 اس قابل ہو کر چلے جاؤ۔ ایک معنی یہ بھی ممکن ہیں کہ ایسے قحط کے
 چلے جانے کے بعد تمہاری کیا ضرورت، یا تمہاری کیا حقیقت! تم بھی
 چلے جاؤ۔ عرض کر اس فقرے کے باعث معضون کے معنی سبب وار
 کہیں ٹھہرتے ہی نہیں لیکن اس کا زیر بحث میں ہی معلوم ہوتا ہے کہ
 جب رنگ گل اور بوسے گل جیسی چیزیں چلی جاتی ہیں، بلکہ بہت کم
 ٹھہرتی ہیں تو تمہارے ٹھہرنے کا اچھا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ تم جب
 ملک اس دنیا میں ہوئے، تمہارا وجود ایک غیر ضروری باری پر چکا
 عیدل، درد اور انصاف کے شور جو میں نے نقل کئے ہیں، معضون
 کے اس پہلو سے جاری ہیں کہ انسان کا وجود اس زمین پر غیر ضروری بار
 کی طرح ہے اور وہ یہاں سے جس قدر جلد چلا جائے اتنا ہی اچھا
 ہے۔ مزید ملاحظہ ہو ۲۳۲ اور ۲۳۳۔ دیوان دوم میں میر نے ان
 معضون کو تعجب اور تاسف کے بچے میں کہا ہے

کیا رنگ دلو و باد سحر سب ہیں گرم راہ
 کیلہ جو اس چمن میں ہے ایسی چلا چلی

۴۳۳

اس آفتاب حسن کے ہم دراع ششم ہیں
 ایسے ظہور ہر جہی وہ منہ کو پھپھا رہے
 ۴۳۴ یہ معضون عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہر طرف ہے
 لیکن وہ خود نہیں نظر آتا۔ اچھل داس نہ کیا چھا کہا ہے
 اللہ۔ خدا۔

عیدم بیچ ہاڑ جلوتہ اس نے لٹاں خالی
گھٹن شخص بہت لڑو ہاڑم چلی خالی
(جس نے اس نے لٹاں کے جلوتہ سے کوئی
بھی بگ خالی نہ پائی۔ شخص بہت اس کے
صحن سے لبریز ہے اور اس کی جگہ چرگی
خالی ہے۔)

میر نے اس مضمون کو ترقی دے کر شرم کی بات بھی لکھا
دی، گو یا جلوتہ جی میں بھی انداز معشوقانہ ہے اور اگر اس ان کو اس
دنیا میں بقائے ربانی حاصل نہیں تو اس کی وجہ شرم ہے چونکہ اللہ
تعالیٰ کو غیرت کی صفت سے بھی متصف کرتے ہیں، اس لئے یہ مضمون
قطعاً نامناسب بھی نہیں، مگر غرضانی میں غلط لہجہ بہت مناسب
ہے، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی آتا ہے اور اس کے لغوی معنی
بھی درست ہیں۔ ”ایسے لہجہ“ میں بظاہر غریب لگتا ہے، لیکن دراصل
یہاں میر کا وہ مخصوص انداز ہے کہ وہ بظاہر خود کو کچھ کہنے سے حالی
قرار دیتے ہیں اور اس طرح سب کچھ کہہ دیتے ہیں۔ ”آفتاب جن“
خود بہت خوبصورت ترکیب ہے، اور اس کی مناسبت سے ”داغ“
بھی عمدہ ہے، کیوں کہ آفتاب میں داغ فرض کرتے ہیں۔ ان کو
SUNSPOTS کہا جاتا ہے اور قدیم ماہرین اس بات بھی اس پآ
سے واقف تھے کہ آفتاب میں دھبے ہیں۔ یہ مضمون بھی خوب ہے کہ
ہم اس ادا سے شرم سے داغ داغ ہیں کہ اس کا ظہور ہر طرف دیکھتے
ہیں لیکن اسے نہیں دیکھتے۔ مولانا روم کہتے ہیں :-

اے دوست! دوستی تو سنی تر نیم ترا
ہر جگہ قدم نہی تر نیم ترا
در مذہب عاشقی رفا کے باشند
عالم یہ تو نیم و نہ نیم ترا
(اے دوست ہم دوستی کے تعلق کی بنا
بر تجھ سے قربت رکھتے ہیں تو جہاں جہاں

جنوری ۱۹۲۱ء

عہم کہتے ہم وہاں مثل رشتہ نہیں۔ لیکن
مذہب عاشقی میں یہ کب رول ہے کہ ہم
دنیا کو تو تیرے ذریعہ دیکھیں یا لیکن تجھے د
(دیکھیں۔)

میر کے شعر میں بھی مولانا نے روم کی ربانی جیسی
کیفیت ہے بلکہ میر کا شعور ماسیتوں کے اعتبار سے زیادہ شعور ہے
”آفتاب کی مناسبت سے“ ”داغ“ کا ذکر ہم نے ادھر کیا ہے۔ ”نہور“
کی مناسبت لہجہ سے مضمون سے ظاہر ہے۔ پھر آفتاب کی روشنی
سب کو نظر آتی ہے لیکن خود سورج پر کسی کی آنکھ نہیں ٹھہرتی اس
طرح بھی بات درست نہ ٹھہرتی ہے کہ لہجہ کے اس خوش و خرم کے
باوجود اس کا منہ بھپا رہتا ہے۔ مولانا روم کی ربانی میں اس لہجہ
اور مناسبت سے زیادہ عاشقی کی صورت ادا آفتاب و درود
ساتھ نیاز اور لگاؤ کی بات ہے۔ میر کے شعر میں بھی آفتاب و درود
مطلق کے ساتھ لگاؤ ہے، لیکن اسے اس قدر لہجہ پر پیش کیا گیا
ہے۔ رومی کا رنگ ایرانی طرز کا ہے اور میر کا شعر یک جہتی کی طرز
کا۔ شور انگیز دونوں ہیں۔

۲۳۲

کل کہتے ہیں اس بیتی میں میری مشافہات ہوئے
تجھے سے کیا ہی جہاں کے دشمنوں سے موت رکھتے تھے

۲۳۳ اس شعر میں بھی کیفیت کے دہرانے میر کی اسلوبیاتی ہمارا
کو چھپا لیا ہے۔ حسب ذیل باتوں پر غور کریں :-

(۱) ”مشافہات کے دو مضمون ہیں۔ ایک تو یہ کہ عالم مشافہات ہیں“
اور دوسرا یہ کہ موت کے مشافہات ہو کر ”یعنی پہلے معنی کی دوسری معنی کی
کیفیت کا ذکر ہے اور دوسرے معنی کی رو سے موت کے مشافہات کا
ذکر ہے۔

(۲) کل کہتے ہیں میر جی معنی اور اس بیتی میں ”یہ غرض ہے
شعر کو درود کی زندگی سے قریب لائے ہیں۔

۶۵

۱۳۱) ان باتوں میں کلمہ اس مباح کا بھی ہے کہ میر کوئی بیوی نہیں
 تھا۔ بلکہ خاتمہ اپنے عشق و عاشق کے باعث عالم معروف و مجرب
 تھا۔ درد پوری بیوی میں اس کی موت کا چرچا ہوتا۔

۱۳۲) میر کو معشوق سے محبت تھی اور وہ اپنی جان کا دشمن تھا
 یہ تضاد خوب ہے یعنی کسی کا عاشق ہونا اور اپنی جان کا دشمن ہونا
 ایک ہی بات ہے۔

(۱۵۵) "جان کے دشمن" خطا یہ بھی ہو سکتا ہے یعنی معشوق
 کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "اے جان کے دشمن" تجھ سے میری کو کس
 قدر محبت تھی؟

(۱۳۸) محکم اور مخاطب اور پھر ہستی کے لوگ جو میر کی موت
 پر رائے زنی کر رہے ہیں ان کو داروں کے باعث شعر کی ذہانت
 بھری ہوئی اور "اسانی" (۱۵۰) (افلاوی) معلوم ہوتی ہے۔

(۱۷۰) اپنی جان کا دشمن ہونا اور معشوق سے محبت رکھنا یہ
 تضاد اور توازن خوب ہے۔

۳۳۵

سنئے تجھے کہ جاتی ہے تم سے دیکھنے سے جان

اب جان ملی جاتی ہے ہم دیکھتے ہیں ہائے

۳۳۵ ہائے کی ردیف کو اس طرح نبھانا کہ جذباتیت کی بے

وفاداری قائم پائے اور وہ بات کہ بھی دی جانے جس پر نہ ہائے کہنا

ضروری تھا، آسان نہ تھا۔ غالب نے بھی ایک فادسی غزل میں اسی

محرم "ہائے" کی ردیف کو خوب نبھایا ہے۔

سرچرخہ خونست ز دل تا یہ زباں ہائے

دارم سنئے باتو دگفتن ز توان ہائے

(ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو علامہ) ممکن ہے غالب نے

میر کی دیکھا دیکھی یہ ردیف اختیار کی ہو۔ میر کے شعر میں حسبِ عمل

نقلی اور معنوی جلا کی ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ معنوی ہی انوکھا

ہے کہ معشوق کو دیکھ کر جان نکل جاتی ہے۔ طوطہ معشوق کے سامنے

دیکھیں خیر ہو جانا یا پھر بے ہوش ہو جانا تو عام ہے۔ یہاں شو
 پر نگاہ ڈالتے ہی جان جانے کا معنوی ہے۔ لہذا محکم کا جذبہ عشق
 اس قدر شدید ہے کہ اسے اس بات کا یقین ہے کہ معشوق کو دیکھا
 نہیں اور جان نکلی نہیں لیکن اس معنوی کو مدحت دے کر اور
 دیکھتے ہیں "کو کبر الغیوم" جا کر میر نے بات کو کہیں سے کہیں پہنچا
 دیا ہے۔

(۱) معشوق کا دیر نہیں ہوا اور محکم اپنی آنکھوں سے دیکھ
 رہا ہے کہ اس کی جان جا رہی ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کے ساتھ
 ہوتا ہے کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اب ان لوگوں کی جان گئی اب سینے
 کی جان گئی اب گردن کی جان گئی مورخہ (۱)

(۲) ہم دیکھتے ہیں "معنی" اب یہ ہونے ہی والا ہے۔

"دیکھتا ہے معنی" مستقبل میں واقع ہونا "ارو کا خاص روز مرہ ہے۔

مثلاً "میں دیکھ رہا ہوں کہ اب یہ دیوار گرنے ہی والی ہے" لہذا

اب معنی ہونے کو دیکھ کر دیکھ کر جان "جان آفتاب کو سیر کرنے کا موقوفہ

ہی دلا۔ اب چند ہی لمحوں میں مری جان جانے والی ہے اور میں تجھے

بے دیکھتے ہی مر جاؤں گا۔

(۳) یہ بات سچ نکلی کہ تجھے دیکھنے سے جان جاتی ہے اب

ہم تجھے دیکھ رہے ہیں اور ہماری جان بھی جا رہی ہے۔ اس کے پھر

دو معنی ہیں۔ ایک تو کہ جان واقعی اس لئے نکلی ہے کہ معشوق سامنے

ہے۔ دوسرا مفہوم یہ کہ تیرا سامنا اس وقت ہوا جب میر ا وقت آخری

ہے۔

۳۳۶

آنکھ لپوں کو اس کی خاطر خواہ کہیں کر دیکھئے

سورف جب دیکھ لیجئے تب تک اور دیکھئے

۳۳۶ معاملہ ہندی کا دلچسپ اور نازک سا شعر ہے۔ لیکن اس کی

اصل خوبی (یا اہمیت) اس بات میں ہے کہ معشوق کی طرف سے

دیکھنے کی بات ہو رہی ہے۔ اس کا پورا چہرہ باہر لا دیکھنے کا کوئی ٹکڑا

شب بخون

شمس الرحمن فاروقی کی کتابیں

تقدیری مضامین -

فاروقی کے تیسرے دوسرا ایڈیشن (زیر طبع)

لفظ دینی " " (")

شعر فی شعر اور نثر " " (")

عروسی آہنگ سیریں " " (")

اثبات و نفی 40/-

تقدیری انکار 40/-

افغانی کے حمایت میں 77/50

شعریات، ترجمہ بریل 5/60

دس بیانات دوسرا ایڈیشن 19/-

تحفہ السرد (مترجم) 75/-

انداز گفتگو کیا ہے 75/-

انتخاب اور اردو کلیات غالب

شعر شورا گیارہ جلد اول 64/-

شعر شورا گیارہ جلد دوم 64/-

شعر شورا گیارہ جلد سوم 64/-

شعر شورا گیارہ جلد چہارم (زیر طبع)

شعری مجموعے

گنج سخن 20/-

بیرازند بر 20/-

چارست کا دریا دوسرا ایڈیشن (زیر طبع)

— سر البطلہ —

شب نو کا کتاب گھر

۳۷۳۱ رانی محمدی اربابو ۳۱۱۰۰۳

معلوم ہوتا ہے۔ میر کے زمانے میں بھی اس قسم کے برقعے مروج تھے۔ جس میں چہرہ چھپا ہوتا ہے لیکن آنکھیں نظر آتی ہیں اور جسے ہم لوگ ماڈرن برقع سمجھتے ہیں۔ یا پھر مکی ہے عشوق آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا معاملہ ہو۔ اغلب یہ ہے کہ اسی برقعے کی بات ہو جس کا ذکر اوپر ہوا۔ عشوق شاید بازار میں یا دوکان پر ہے اور منکلم اس کے قریب ہی ہے۔ لیکن اسے معلوم ہے کہ یا اس دل میں جو رہے کہ عشوق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھوں گا تو سب لوگ متوجہ ہو جائیں گے۔ لہذا وہ بہت احتیاط اور حرم سے کام لیتا ہے۔ اور اسی وقت عشوق کی طرف دیکھتا ہے جب اس کے خیال میں کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں۔ ایک بڑی تہذیب اور اس تہذیب میں عشوق کے ایک خاص پہلو کے پورے رکھ رکھاؤ کی تصویر اس شعر میں آگئی ہے۔ یہ ظاہر نہیں کیا کہ خود عشوق کا کیا رد عمل اس پورے معاملے میں ہے۔ ممکن ہے اسے بھی منکلم میں دلچسپی ہو اور وہ چاہتا ہو کہ منکلم اس کی طرف دیکھے اور ان کی آنکھیں چار ہوں۔

عرصہ ہوا احتقام صاحب مرحوم نے مجھے یہ شعر بتایا تھا کہ اس زمانے میں میر سے بہت منسوب کیا جا رہا تھا۔ دیکھ لیتا ہے وہ چپکے چار سو اچھی طرح چپکے سے میر کو چھتا ہے میر تو ابھی طرح اکبر جیلد کی کاہنہ ہے کہ اثر لکھنوی مرحوم نے اسے میر سے منسوب کیا ہے، لیکن یہ شعر میر کا ہے نہیں۔ ظاہر ہے کہ شعر میر کا نہیں ہے۔ شاید ہی میر پر کبھی اتنا گزرد کہ گزرا ہو جب وہ چپکے کی تکرار اس طرح کرنے پر مجبور ہوئے ہوں۔ لیکن ممکن ہے زیر بحث شعر کی طرح کے اشعار کے نمونے پر اثر صاحب والا فراموشی شکر نے بتالیا ہو۔



پروین کدراشک

رہتا ترے ساتھ مکاں دیکھ تو لیتا
 جلتا ترے غم میں دھواں دیکھ تو لیتا
 ساگر سے گلے مل کے بہت خوش ہے مینہ
 دریا میں کوئی ڈوبا کہاں دیکھ تو لیتا
 پرکھوں کی حویلی کو گرانا تھا بہت خوب
 دیواروں پہ زخموں کے نشان دیکھ تو لیتا
 قصیدے کے ساتھ ایک ایسی سچی غم مری
 نوکر بھی نہ رکھتا مجھے ہاں دیکھ تو لیتا

پہلے پر رکھ ہجرت کا پتھر چپ چاپ
 گھر میں رہ اور چھوڑ دے اپنا گھر چپ چاپ
 بیچ بیچ کر سوچیں مجھے بلاتی عقین
 کیا ڈوبا تو بیٹھ گیا ساگر چپ چاپ
 میں صحرائے بند مکاں میں رہتا ہوں
 خوشبو کیوں کر آتی ہے اندر چپ چاپ
 تنہا بس اک اشک ہے بولے جاتا ہے
 بس اندر خاموش ہیں سب باہر چپ چاپ

دو تین چکر لگا کر بھری کھڑکی سے باہر نکل گیا تو سبوں نے ٹھنڈی سانس لیکر ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ساری عمر کمانی بیگنی ہے کہ ساری عمر مختلف قسم کے ہندسے کھڑکی کے راستے سے اندر آتے ہیں اور ہمارا گوشت نوچ نوچ کر کھاتے ہیں اور پھر فرار ہو جاتے ہیں کہ داخل ہونا موت ہے اور فرار ہونا زندگی۔

”زندگی کیا ہے؟“ ان چاروں میں سے ایک نے کہا تو دوسرا بولا۔
ایک بے ارادہ موت کا چمکدار سفر۔

اور موت کیا ہے؟ تیسرے شخص نے کہا تو دوسرا بولا۔ موت ایک ایسی آواز دی ہے جو زندگی کے طعنے سے نکل کر اپنی ایک کائنات تعمیر کرتی ہے کہ موت جاتے رہو کی صدائے دم بدم کا نام ہے۔ ایک ایسی صدائے مسلسل جو مرے صبح کے طعنے سے نکل کر کائنات میں جاوید ہو جاتی ہے اور زندگی سیاہ ڈربے میں ادھکتے ہوئے مرغ کے وقتے وقتے سے ہوں کی پھل پھل کا اچانک اور غمراہی اور غیر شعوری حمل۔ اور دنیا ایک، وقفہ ہے۔ وقفہ طوفان، ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ اور دوسرا ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ کا ایک لمحہ جو ہر وہ ہے اور دوسرا لمحہ غائب۔

میں سمجھتا ہوں کہ موت زندگی کی بھڑائی آنکھ کا ایک ایسا اشارہ یا ہندسہ ہے جو زمین پر پگھلتا ہے تو لازوال ہو جاتا ہے کہ فنا کا اندر بھٹکا

وہ چاروں اپنے فوٹو اسٹوڈیو میں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اب وہ اپنی عمر کے پچھلے پتلا لیس گڑھے جو کچھ تھے اور چاروں آئینوں کے چہروں پر مختلف ہونٹوں نے اپنے اپنے نقوش ثبت کر دیئے تھے اور وہ چپ چاپ بیٹھے کسی گہری فکر میں ڈوبے ہوئے تھے اور اسٹوڈیو کی دیواروں پر بندہ اقسام کے چہرے پھیلے ہوئے تھے اور ان کے پشت کی دیوار پر ایک بڑی سی پینٹنگ آویزاں تھی جس پر ایک سرخ بھیلی اتری ہوئی تھی اور قبیلے میں بیٹا رنگین تخت لکڑی کے ڈول کی طرح بکھری ہوئی تھیں اور جگہ جگہ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور ان آنکھوں کی سیاہ و سفید تیلیوں میں کہیں آب و ہوا بادل تھے تو کہیں سوچ، جاننا کھڑکیاں، دروازے، بستر اور بچے جو دیکھے کہ آنکھ ایک کائنات تھی اور قبیلے کے اوپر نیلا رنگ بکھرا ہوا تھا اور نیلے رنگ کے اوپر ایک سفید گدھ تھا جس کے پنجوں سے شاہ پٹا ہوا تھا اور اوپر پاسان پر جگہ جگہ نامے چھننا تھے اور تاروں سے پسے ایک کھل کھڑکی تھی اور کھڑکی کے اندر سے ایک چھوٹا سا رنگ بٹا ہوا تھا اور اس کے پچھے دوریوں کے تخت پر دو آؤٹٹے ہوئے تھے جن کی پوچھوں میں انہماک کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور وہ چاروں آئینے کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ دفعتاً اسٹوڈیو کی کھلی کھڑکی سے ایک پرندہ پھر پھر اناجور اندر داخل ہوا اور بال کے

لاحدود سمندر پوشیدہ جزیرے۔ اور زندگی ایک ہست قیسم ہو قدم قدم پر بدلتی مگر اس کی کوشش میں ٹھوکریں کھا کر کھرتی رہتی ہو کہ ٹھوکر ایک آگہی ہے لہذا موت بھی ایک ٹھوکر ہے اور اس طرح موت زندگی کی شافت ہے کہ وہ ہمارے سمندر کا یقین ہے اور آسمان کی ایک اہل حقیقت کہ موت ہمارے حق کی علامت ایک دائمی سفر ہے اور زندگی دائمی سفر کے بیچ کا وقفہ۔ کیونکہ وہ سمندر سے بچتا ہوا ایک قطرہ حسیاں ہے چنانچہ موت معرفت الہی کا انکشاف ہے اور زندگی اندھری رات میں گھسکر دیکھیں ایک جہم ہے۔

اور وجود پہلے شخص نے شہادت کی انگلی سے نیل کی گرد پکیر کھینچے ہوئے کہا تو تیرا اولاد نسل کی دلیز چلتا ہوا ایک ایسا خیراغ جو حباب کے دائرے میں ہواؤں کے تیز جھوکوں سے ٹھکر رہتا ہے بجھتا نہیں کہ حباب وجود کا لباس ہے

میں سمجھتا ہوں کہ زندگی ایک ایسا ہراسنا کتاب ہے جس میں کبھی بونی مہارت کہ ارض کا ایک بھی فرو نہیں پڑے سکتا لیکن موت ایک ایسی کتاب ہے جس کی عبارت غور پڑھ سکتا ہے کہ کچھ نہیں سکتا چنانچہ زندگی ایک خیال ہے اور موت ایک حقیقت کہ زندگی فناء ہے اور موت نامہ فناء نہیں ہو سکتی اور امانت نہیں ہو سکتی کہ امانتی ہے اور امانت کا فروغ نہیں ہے نہیں بلکہ ان کی امانت لگایا تھا۔

ٹھیک کہتے ہو۔ پہلے شخص نے کہا جس کے کارہ ایک بڑا ترنل عملہ زندگی بھول ہے اور موت خوشبو کی بھول ناخود ہے اور خوشبو بڑا دیکھ کہ موت زندگی سے ادا ہوا ہر وحدت اور جو میں جم ہو جاتی ہے کہ وہ کمال حرا ہے اور وہ ہے آگے کی منزل ہے کہ وہ دیر سہا نہیں بلکہ دور مشہور ہے اور جو سن کی موت دل ابلیس میں گانے کا لڑتے مانتا ہے۔ ہوں! اچھے شخص نے آنکھ ملے ہوئے دیوار پر آویزاں بیٹیک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، زندگی زبان پر رکھا ہوا چیز کا ایک ٹھنڈا ٹکڑا ہے یا پھٹی دھوپ میں بھل کے دھت پڑے ہوئے ہنسے کے دھت۔ غلط! پہلے فرونے کہا: زندگی گئے جگہ میں جھینگروں کی صلابت یا

حنا ل مکان میں بانسری کی آواز یا بھمنگل کے دھت ہر دیک کی منجھدہ تحریر۔ اور تو زماں میں بھجے ہوئے سیکڑوں راگوں کا سسل سفر موت میں تمام رنگ اپنی اپنی فطرت اور اپنے اپنے مزاج کے ساتھ لکھنا مات میں پچھتے رہتے ہیں اور زندگی کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ ہاں دوسرے شخص نے آنکھ موند کر کہا۔ "موت، محور و محور سمندر کا فلسفہ" وجود ہے اور زندگی ایک چارے بندے کا اڑتے اڑتے ہوا ایک سمندر پر چوچ بڑا کر موت ایک بڑا پینے کا نا۔

تیسرے شخص نے خال گلاس کو زور سے ٹپس پر پھینکتے ہوئے کہ دیکھو گلاس کی یہ آواز محفوظ ہو گئی، لیکن گلاس محفوظ نہیں رہا اور اس طرح موت ایک آواز ہے اور زندگی ایک سناٹا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ڈارک روم میں چلا گیا۔ تو پہلے فرونے کہا۔ "زندگی گیتو کو دھوئے دینے آیا میں رنگ بھرتے رہنے کی بیکار جدوجہد ہے۔ ایک بے جان نقوش ہے کہنے کا حاصل عمل۔ کیونکہ زندگی نوکر مک شیب تاب ہے یا مریض" آگ کی ایک بے مکان چنگاری اور موت لیلیٰ پہلو کی لذت دہنا چنانچہ زندگی بے خودی ہے اور موت خودی۔

ٹھیک کہتے ہو۔ دوسرے شخص نے کہا۔ گیتو زندگی ہے! یاد چو موت۔ کیونکہ گیتو روشنی سے آنکھ نہیں لاسکتا کہ وہ ڈارک رہنے کا عادی ہے کہ وہ اجلے سے ڈرتا ہے اور اگر آجائے تو آواز دھا ہو جاتا ہے کہ وہ تو سلور ٹائٹل میں پرورش ہوتا ہے جو پاندی کی آمیزش ہوتی ہے چنانچہ زندگی ڈارک روم میں گیتو رہنے کا نا ہے۔

پھر کہو کیا ہے؟ پہلے شخص نے دوسرے کہا جو دیے اپنے انحراف تھا۔ بلا۔ ایک جھوٹ کہ وہ صرف نول کو دیکھتا ہے بچ نول لباس ہے روح نہیں۔ اور طرح طرح جھوٹ ہے اسی طرح جھوٹ ایک جھوٹ ہے۔ لہذا زندگی موت ہے اور موت زندگی ہے۔ موت ہے اور مرنا موت ہے اور مرنا موت نہیں مرنے جسم مرنا۔ اور جسم کھر جانا۔ روح کی موت نہیں بلکہ جسم کی موت ہے اور

آپ کو جو اس کا کہنا ہے وہ سچا ہے۔
میں نے یہ بات کہا ہے کہ اگر آپ کے پاس
یہ بات ہو تو اسے لکھ کر مجھے بھیج دیں۔

CASUAL REMARK

مفتی محمد رفیع الرحمن صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے لکھی گئی۔

[illegible]

اور حقیقت کا تجربہ ہو کر اس کی حقیقت کا علم ہونے کے بعد نہایت بڑی فکری تحریک ہو کر
ہوئے ہونے لگے۔ ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عرب انسانوں میں بلاشبہ پہلے
آپ پیدا ہوئے ہیں۔ تاہم ان کے سینہ میں نہیں تھی کہ کسی عربی ملازمین جب افراد نگار
زبردستی اپنی کہانی میں فٹ کر لے۔ تو انہوں نے حقیقت میں اپنی ہیئت کو بے نقاب کر دیا
چونکہ انہوں نے انسانیوں میں اکثر دیکھا گیا ہے۔

ہاؤزہ اور شہنشاہ

● اس بار فخری صاحب بہت خوب ہے۔ باقصر میں کہاں تک کا کرشن بلدیہ دیکھنا
"مات کی سرگرمی میں نہیں بلکہ ایک اور چیز ہے۔"

اور چند ناگہانک صاحب کا اندازہ "اگر" لکھا اس شمارہ کا نہیں بلکہ ایک بہترین
انداز ہے۔ دنیا کی تفسیر کو جس خوش اسلوبی سے اٹھک صاحب نے بیان کیا ہے یہ انہیں کے
بسی کامیابی سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان کے شکل میں نہیں کہہ سکتے ہیں۔

شعری صحرایہ چھاپے۔ آشفتمند چھپڑی بھی کبھی سترہ کی شادی کر جاتے ہیں۔

پنڈ شہناز

● اگر تیرے شمارہ میں آپ نے شہناز صاحبہ کی شائع کی ہے وہ بہت غری
کلمہ ہے ایک ایسی ہیروئن ہے یہ سب سے پہلی کہ حضرت با وضاحت اور انداز اختیار
کر لگا کر فوریہ عالم سے شکر کیا بھی تھا تو بہت دیکھا آپ جناب ہی کرشن کو لکھنا شروع کر دیتے
صرف کی کہ دوسری کرنے سے ستر کا اتمام ثابت نہیں ہو جاتا۔

کھنڈ کلیل حدائق

● شب خون کا صاحب جاری ہے۔ صحرایہ میں آپ کی یہ اپنی کاوش گان قدر ہے
اس سال میں شائع ہونے والے اپنی تمام بارہ فی اور صحت کے لحاظ سے واقعی قابل تحریف
ہیں اگر اس بار صحت میں بھی خصوصی توجہ دی جائے تو کیا بہتر نہ ہوگا۔

بلکام طاہر حسن طاہر

● شمارہ نمبر ۱۰۰۰ اسباب ہوا۔ تو تو انٹ کی وجہ سے پرچہ میں بے حد کھانا
۴۔ اس بار کا فکری کام ہے۔

اور چند ناگہانک اور کئی بلدیہ دیکھنا کہاں تک حیدری ہیں۔ دیکھنا دوسرے بھی
دیکھنا ہے جو فی فکریں اکثر اس شمارہ کی جان ہے۔

مینی کام ندیم

● شب خون کے شمارہ نمبر ۱۰۱۸ میں معلومات افغانہ صفحہ ۱۰۰ پر
سب کے سب میں اور بھی حیدری بھی دیکھنا کہ ان میں نصیر افغانوں کا صدمہ ہے
ایا آف فکری اور مطالعاتی کا اندازہ کنی بار پر دیا جاسکتا ہے۔ افغان نگار کا حشر
۴۔ مطالعاتی کا غالباً پہلی بار شب خون میں ہی دیکھا گیا ہے۔ یہ کہنے کے اپنے
فیروز صاحب کے سبب ان کے دیگر افغانہ نہ پڑھ سکا ہوں۔

ظفر اقبال حامدی کا شعری، غالبہ میں ایم ایم کے نظر اور ساحل احمد کی فکری
کے کئی شعری کتب کے آئینہ دار لگتے ہیں۔

راٹے پور محمد شفیع

● شب خون کے آئینہ میں چھاپے جانے کی فیروز خوش گلد ہے۔

شمارہ نمبر ۱۰۱۸ میں سب سے اچھا تو کہتی ہے خلق خدا "نگار" کا اس سے
پہلے میں اپنی نظم درود اور غزل کی پسندیدگی کی اطلاع ملی۔ دیکھ کر صاحب نے تہجد
سے منسوب ہوں میں آپ کو گویا کہ! "زیر نظر شمارہ کے کی فکریں بھی گیس نظر فرمائیں
صاحب کی فکریں خاص کر کٹر فکری غزل کے کی شعریں صاحب تک دل بہل میں
دہرا رہی ہیں) حامدی کا شعری صاحب کی فکریں کٹر کے نظریں صاحب میں بھی
صاحب کی فکریں بھی ہیں۔ مگر ظفر اقبال صاحب نے اپنی دوسری غزل کی زبان
میں جو تحریف کے "وہ چھپے نہیں۔" بار اس کے بعد بھی کوشش کر کے دیکھی "مگر کھانا
روشن اور کافی کی تجویز اپنی ہو کر "مگر تو ہوا ہی۔" لکھیں کوئی خاص نہیں ہیں۔ سونو
صاحب کی فکریں شکر بھی لگتی ہے۔ مگر اس بار وہ بھی اور دوسری میں گزرتے نظر آئے۔

کہاں لکھا۔ یعنی اب تو کہاں کا "دوس کا لا" (یعنی کی زبان میں تری پارلی) چھپ گیا
جا چکا ہے۔ اب تو اسے پڑھیں جو کہیں جگہ سے دیکھیں۔ جو لکھ رہی ایک اور فکری ہی ہے
آصف فکری صاحب کا رفریجری ہونا ان میں لگا لگا رہی ہو گی اور ان کا ہے۔ ڈونڈ کے پڑھا
مگر چھاپا افغانہ۔ اسے ہاں۔ وہ پانی پانی فکریں۔ صاحب صاحب کی پانی تو
غلام احمد ان کا کئی فکری کھانے تو دور دھانی باہ آئے جو کچھ اپنے پیش قیمت کی فکریں

دلی بقیں فکریں

● انگریزوں کے کان کے غمخیزوں کے مجموعہ: جنوں پر پہلا اثر ایسا ہوا کہ ان میں
وہ بھی کی گئی ہے۔ یہ تمام ہندوستان میں پہلی بار ہندوستان کے اندر سے ہی کی گئی ہے۔
کونسل کے کٹر کے تعاون سے قائم کیا گیا ہے جو ہر سال ہر قسم کے کسی اور کو دیا جائے گا۔
● حکومت پاکستان کا ہندو ہزاروں کے انوکھوں اور ڈیڑھ لاکھ کے ہندو افغانوں کے
ہم وطن کی پچاس سال کی عمر کے ایک تہائی حصہ کے نام سے یہ تمام کام کر کے شہر کو کھڑی ہوں غلامی
اور ملک کے تمام ہندوؤں کو یہ کہلا کر کہہ دے کہ ایک ہندوستانی نہیں
کھلی ہے پاکستانی قوم کے لئے روٹی اور پانی کی ایک اسلامی پیش کش آتھو کی جانے
● محمد یونس کے ہندو مولوی کا بیڑہ مل جل جل کر جو کہ (پس توڑ) ختم
کے لئے پہلا ہوا دیا گیا ہے۔

● پچاس سال کے ہندو مولوی کی عمر کے سال کی عمر کے ہندووں کے لئے
یہ ملک کے تمام ملک کے ہندو مولوی کے لئے ہے
● ہندو مولوی کی عمر کے سال کی عمر کے ہندو مولوی کے لئے ہے
● ہندو مولوی کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے
● ہندو مولوی کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے
● ہندو مولوی کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے

● ہندو مولوی کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے
● ہندو مولوی کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے
● ہندو مولوی کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے
● ہندو مولوی کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے
● ہندو مولوی کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے
● ہندو مولوی کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے

کیونکہ احمد جانی کی کتابیں

● انوکھ

قیمت: ساٹھ روپے

● سویتی تاجیکی ادبیات کے بانی

قیمت: ساٹھ روپے

● چنن ایران شناس

قیمت: اسی روپے

● چنن تاجیکی شعرا

— س ا بطنہ —

شب بخیر کتاب نگارانی مٹری ایماہاد

فارسی قصیدہ نگاری

تذییر احمد

قیمت: پینتالیس روپے

ادارہ علوم اسلامیہ

ملی لکھنؤ مسلم یونیورسٹی ملی لکھنؤ

یہی نسل نے اس صدی کے سب سے زیادہ اثر اور سب سے زیادہ پریشانی کا سامنا کیا۔ ان میں سے ایک کا موضوع اور انھوں نے کیا کیا ہے۔
 دیکھا اس طرح کا نام ہے فرانسیسی وضعیات (Structuralism) اور بعد وضعیات (Post Structuralism)۔ ان کو گننے کی کیا
 کہیں فرانسیسی وضعیاتی لسانیات (Structural Linguistics) کے تصورات کو بعد وضعیاتی لسانیات کے ایک دیگر اور زیادہ متاثرہ
 یہ لگتا اور پھر اس طرح اس عجیبہ انگارے نے دانش کا جدید کاری حاصل کرنے کی ایک انتہائی تجربہ کار کوشش یہ بھی کی کہ لسانیات
 ۱۹۲۰ کی دہائی میں بہت سے ماہرین لسانیات اور ماہرین لسانیات نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ فرانسیسی وضعیات میں برتے جانے والے بہت سے طریقے
 تصورات کا اس لسانیاتی علم کے کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ ۱۹۲۹ سے پرگ کوپن آگسٹین ایل ماروم آئی۔ ٹی نے اپنے مخصوص اس کے ساتھ بہت آہستہ
 میں لایا تھا۔ بعض اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دانش کی جدید کاری کی ایک ذیلیاں مخصوص ہے کہ علم و منطق مانتی و منطق کے تقابلی نقطہ ہائے نظر
 کے برخلاف وضعیاتی نوکوں کا خیال یہ تھا کہ جدید کاری کو عمل میں لانے کے لئے اس سے منسلک راستہ اختیار کرنا چاہئے یعنی تجزیہ یعنی منطقی نقطہ ہائے نظر کی
 علم (لسانیات) کے نقطہ اثر میں لایا جائے۔ جو کہ یہ آئینہ منظر کشی کرے گا۔ یہ نوکی طرح لگتا ہے (Strategy) عقلی یعنی آئی ایس ڈی میں داخل ہونے کے
 وضعیات پسندوں کو اس سطور الطبع علم (لسانیات) کے قیام کے بعد ان لسانیات کے سر کی بات نہیں۔ وضعیاتی تصور جو لسانیاتی علم نے ۱۹۲۰ء میں کیا تھا
 اس قدر پریشانی و دشواری سے متبرک تھا اس علم کے نام پر کئی دہائیوں میں پھر اس کے تصور پر مشتمل نوکوں کو وضعیات پسندوں کے وضعیات پسندوں
 نے لسانیاتی تصورات کا استعمال ہی نہ کیا۔ بلکہ یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ وضعیاتی Semiology کے علم میں وضعیات پسندوں کی یہ کہانی
 نہ فرما اور ہر دم تھی۔

دہائی فرانسیسی ماہر Le De'bat (دباٹ) کے پیچھے ۱۹۸۰ء میں پھر فرانسیسی وضعیات پسندوں کی یہ کہانی
 ان خصوصیات میں اس نے بعد وضعیات پر کئی نوکوں کی اور وضعیات پسندوں کی اس کے قیام کے بعد وضعیات پسندوں کی یہ کہانی
 ان کی کا عقلی ماہر Critique (تقدیم) تھا وضعیات پسندوں کی وضعیات کے خلاف اس کے خلاف اس کے خلاف اس کے خلاف



فروغی سدرج ۶۱۹۹۳

تعلیمی فنون: ۶۱۲۵۴۶۷۸۹۱۰۱۱۲۱۳۱۴	جلد: ۲۷	شماره: ۱۷۳
سورق: زہار حسین	دائریہ: ۳۳	رانی معذی آباد
فی شماره: نور پے	عطا: سید احمد عباس، قربان علی	سید: سید پے

۴۰	عسینہ صدیقی، غزلیت	۳۳	ایم کوٹھیادی راہی، غزلیت	۱	ہفت اہر ماہد و شمع کلام و جوتھل
۴۱	عمور حسین، ایک حکایت	۲۵	غضنفر، منگل پچھ	۲	سید عزیل
۴۷	نظر اقبال، نظم، پیرسفی، غزلیت	۲۸	نوف تیر، غزلیت	۳	سید غزلیت
۴۸	انور جونانی، غزلیت	۲۹	غیر انور، ڈرامے میں	۴	سید غزلیت
۴۹	نعمان شوق، غزلیت	۲۹	نہایت کا مسئلہ	۵	سید غزلیت
۷۰	راشد طراز، غزلیت	۳۳	فرخ جعفری، غزلیت	۶	سید غزلیت
۷۱	احمد حفیظ، غزلیت	۳۴	انجم قرانی، غزلیت	۷	سید غزلیت
۷۲	بیرون راہر، غزلیت	۳۵	حسین الہی، بیوقوفیت کی کہانی	۸	سید غزلیت
۷۳	سازمہ، نظم و نثر	۵۲	نذیر آزاد، غزلیت	۹	سید غزلیت
۷۴	شمس الرحمن فاروقی، کتابیں	۵۵	احقرام اسلام، غزلیت	۱۰	سید غزلیت
۷۸	تارین شبنم، کبھی خجے خجے	۵۶	شعب شمس، بد دعا	۱۱	سید غزلیت
۸۰	ادارہ، اخبارات کا کاروبار	۵۷	عبدالحمید، غزلیت	۱۲	سید غزلیت
		۵۹	سولہ، غزلیت	۱۳	سید غزلیت

شمس الرحمن فاروقی

باقربہدی

کیا کھتے ہو کہ یہ عالم ہوا ہو جائے گا؟
 اس میں کیا کوئی شک ہے؟
 قیامت کے عید سارا فرشتوں کا
 سب سے پہلے تو اس کے لئے ہو جائے گا
 انوش اروا کا نرودا چھپ کر لڑنے کے پہلے
 ایک شہنشاہ کی ہے تو خدا ہو جائے گا
 گھوڑے پر تیرے گھوڑوں میں گھوڑوں کا تھا
 جلتے تھے پائلیا ہی نہ ہو جائے گا
 منظر ہوتا ہے ہوتا ہے گھٹیل کر
 اٹھتا ہے تو مادہ ہو جائے گا
 غم کو لے کر رہے باقر کو چپ ہی رہا
 کیا غم ہی ایک لمحہ ہو جائے گا

ظفر اقبال

کیا کروں آغاز کو انجام ادھورا رہ گیا ہے
 بات ہے ساری مکمل کام ادھورا رہ گیا ہے
 کوئی نظر میں کی سی آگئی ہے کچھ دنوں سے
 دیکھتے ہی دیکھتے وہ بام ادھورا رہ گیا ہے
 چاند کیا ابھرا بکھر جانے کو ہے تصویر ساری
 سائے گدڑ ہیں، غبارِ شام ادھورا رہ گیا ہے
 سو بھی رفتہ رفتہ مٹنے کو ہے دیوار ہواسے
 بے نشان ہوں ادھر میرا نام ادھورا رہ گیا ہے
 دل میں ہنگامے تو لگتے ہیں مگر کچھ دیر ہی ہے
 سر میں جو رہا تھا وہ کہرام ادھورا رہ گیا ہے
 میں سبب تھا آپ ہی کچھ اپنی ان بدعا یوں کا
 یوں مرا یہ شکوہ انجام ادھورا رہ گیا ہے
 بیک میں چھوڑا ہے میں نے پیر کو سازِ سخن بھی
 اس طرح میرا یہ ذوق خام ادھورا رہ گیا ہے
 نصیحت ہی تھا ایسا اس کا سرِ عیب دمِ مزہر
 ہے سزا پوری، مگر، انعام ادھورا رہ گیا ہے
 اس نظرِ بخیل کیا کر تا کتابِ خواب کی میں
 سلسلہ ڈالتا ہے اور ابھام ادھورا رہ گیا ہے

ظفر اقبال

ہم ہیں جدِ عراقی بھی ادھر ہونا چاہئے
 پہلے سے ہے تو بار دگر ہونا چاہئے
 منزلِ جدِ عراق میں نہیں تفریق کے لئے
 تھوڑا سا اس طرف بھی سفر ہونا چاہئے
 صورت اگر ہو ایسی ہی دوسری تو کم سے کم
 کوئی زبان میں تو اثر ہونا چاہئے
 وہ فتنہ خرم ایسے شریفوں کی بزم میں
 موجود تو نہیں ہے مگر ہونا چاہئے
 البتہ اختلاف بہت ہے دماغ کو
 دل تو اسی طرف ہے جدِ عراق ہونا چاہئے
 پوچھا کہ ہونا چاہئے کیا بندوبست و صل
 کہنے لگے کہ آپ سارے ہونا چاہئے
 ہونا نہ چاہئے تو کسی کی ہے کیا مجال
 ہے کس کو اعتراض اگر ہونا چاہئے
 چل دوں کہیں تو میں بھی جے چھوڑ چھاڑ کر
 میرا بھی تو کہیں کوئی گھر ہونا چاہئے
 ہنسنا ہے شہریار ہمارا وہی ظفر
 دراصل جس کو شہر بدر ہونا چاہئے

عمر انصاری

احسرت جو بہت چل رہی ہے
پے چاوری ابھی نئی نئی ہے
مر رہے بھی لوگ جی رہے ہیں
دنیا میں بلا کی دل کشی ہے
بہنسنے سے تیرے یقین آیا
تصویر بھی منہ سے بولتی ہے
خوابوں کو حیات دینے والا
کوئی ابھی نہیں یہ رات بک رہی ہے
کیا ہے جو نہیں ہے مجھ کو معلوم
چپ ہوں میں یہ بات دوسری ہے
کیا کس کو ہے اختیار خود پر
جھگڑا یہ پرامن سرحدی ہے
دل کر بھی جیا کن کو ترسے
کیا نام اسی کا دوستی ہے
سننے ہو جو یہ گھڑی کی گنگ
آواز خسروام زندگانی ہے
سب کچھ ہے مگر کسے کے یہی
بس تیری نگاہ کی کی سے

خفیے نے جنگ کے جو بھی ہے
منہ کی مرے بات چیں لہے
جو لمحہ تھا جس کا اک مدی تھا
وہ رات بھی ہم نے کاٹ دی ہے
ہم خود بھی حیر ہو گئے ہیں
دنیا جو نظر سے گزرتی ہے
ہو ہو کے اداس بیٹھ رہنا
اک قسم کی یہ بھی خود کشی ہے
سامنوں ہی میں رو کے مسکراتا
گل کی بھی عجیب زندگی ہے
خائف ہے اجل بھی بھرے شاید
آئی ہے تو درد کیوں کھڑی ہے
اس دیر میں کیا کوئی بتائے
کس پھول کی کون پکڑی ہے
جب کہ ہے تلاش زندگی کا
طوفانوں سے کیسلی لہے
کہتے ہیں کہ ہے غزل عمر کی
دور ایک ندی میں بہہ رہی ہے

رہ رہے جو دل میل رہی
آواز وہ کس کی آہ کی
معروف نیا زاس سے
آگے اجل پلٹ گئی۔
قرون کی ہے دکھ بھری
یہ رات جو ہم سے کہہ رہی
وہ، نام ہے یاد یاد
اس بارغ میں گل بس ایک
جلنے دو اسے جدھر بھی
دل کا تو علاج بس یہی۔
آنکھوں کو کیا نہ ساتھ دے
کیا ہم سے یہ پھول ہو گئی۔
دیکھو کہ وہی نہ آرہے
آہٹ سی ابھی کوئی سن
ہر صحت ہے اک عجیب اند
کیا نام اسی کا آگے۔
تجھ سے تو یہاں ہزار ہو
تجھ کو عمر اپنی ہی پڑے

حمید الماس

حصار وجود

مرکب

نفیس لمحے گز رہے ہیں
صنیر ارم و ذکی لطافت بھی بکھ رہی ہے
بجھے یہ کوئی بتا رہا ہے
دعا کی ساعت قریب تر ہے
میں دوسروں کی کشتی پر چائیکوں میں الجھا ہوا ہوں
راہ نہات سد و دہور ہی ہے
لہو کی زنجیر میں ہیں پاؤں
سیات کے نو بہ نو سائل سے
مجھ کو افتادگی کا احساس ہو رہا ہے
زمین غافل نہیں ہے لیکن

مکان میں

اژدھوں کی پھٹکار گو غیبی ہے
نیمہ دیوار و در کے خوابیدہ سلسلے ہیں
فراہ کا راستہ نہیں ہے

کوچہ وضع ہے قدموں کے تلے
ذہن بلے ابر فلک ہے گویا
لب بریدہ ہیں شگفتہ یادیں
شجر عمر گرتے ہی
ہر پ لیتی ہے تہوں کو زمیں
زیت کی لگی انہماں فضا میں مجھ کو
ایسے طوفاں کی توقع بھی نہیں ہے مجھ سے
گرد و صل جائے گی پھکیں گے دریکے پھر سے
سکاش ہنگام سحر کوئی میسا آئے
ورق گی میں صباحت بھر دے
رغبتی بہ بشارت کھ دے
اک نئے دن کی طراوت کھ دے
پھر اجانک مری رگ رگ ہی ابو عبید اللہ
کو ہمارا دل سے اچھلے ہوئے جہروں کی طرح
وہ کف دست میں دامان فراز
دسترس ہیں نہ ہیں مغفرت افلاک مگر
مرا انسان
مری روح کا مرکز ہے وہی

حمید الماس

برگ نمو

سرگوشیاں

صبح سے
 سورت کی کرنیں ہیں مقید ابر میں
 روشنی مجروح ہے
 ساعت رفتہ کی قبریں ہیں فلک پر یا
 خلاؤں میں معلق ہیں دعاؤں کے حروف
 بن گیا ہے وقت گویا اک شکستہ آئینہ
 کرچیوں میں جس کی آتما ہے نظر
 نارسالی کا شجر
 آئینہ سچا ہے
 کل
 سوختہ شاخوں سے ابھرے گی حیات
 سبز ہے برگ نمو
 روشنی کی دیر ہے

راتے سوئے ہوئے تھے
 دیر سے
 جاری تھیں افسردہ ہول سے
 دخول کی سرگوشیاں
 راہ رو کوئی نہ تھا
 رات کے لمحوں کو رہتی ہے خبر
 ہر قدم کی دخول کی ہوتی ہے اپنی داستاں
 جس کے لفظوں سے لپکتی ہیں شعاعیں
 سو گئے ہیں سنتے سنتے راستے
 دخول بھی کوہ گراں سے کم نہیں

شمیم حقی

یادگار غالب کے سراپے کی شروعات حالی نے اس زبان سے کی ہے کہ :

ترجہ بن صدی بھری میں جب کہ مسلانوں کا تیرن
 درخشیت کو چلائے چکا تھا اور ان کی دولت اسرت
 اور حکومت کے ساتھ مل کر غفلت اور کمالات کی رخصت ہو
 چکے تھے، مسافق سے ملا تھا اور دہلی میں چند اہل کمال
 اپنے صبر و کوشش سے ان کی جہتیں اور دلتے ہوئے دیکھ کر دشا پرانی
 کی جہتوں اور دلتوں کو راہ دکھاتی تھیں۔

اگرچہ اس بدش میں بہت بھرپور
 ملی تھا لیکن دلی سے باہر چلے گئے تھے اور کچھ دنیا سے
 رخصت ہو چکے تھے، لیکن جو باقی تھے اور دلتے دیکھ کر آج
 کو بہت غور ہے کہ ان کی جہت سے کہ صرف دلتے سے بلکہ
 ہندوستان کی ملک سے ہر کوئی بڑا تھا انہیں نہیں آیا؟
 کہیں کہیں اس نے نہیں دیکھا تھا، وہ سچا ہلا گیا
 اور اس کو اس میں انہوں نے نہ تو رہا پائی تھی وہ اور دلت
 گئی۔

اس بدش میں اس سے پہلے آج وہ غالب کا یہ ہے کہ ملی ایک

عجب دھڑپ اندر دلی تھا کہ شکار لگا آتے ہیں ایک طرف وہ کھڑے ہیں
 صدی بھری میں مسلمانوں کی آخری صدی کو بچ چکے تھے اور ان کی
 کوئی لٹا نہ دے وہ اس لڑائی نہیں رہ گئے تھے کہ انہیں اس قدر دلتا تھا
 دوسری طرف حالی یہ دیکھتے ہیں کہ اسی طرف سے دلی پہنچے اہل کمال
 آباد تھے ان کی جہتیں حکومت دلتے تھے اس میں جہتیں انہوں کے دیکھ کر
 انہیں بہت غور ہے کہ ایک شخص کی سادہ سادگی اس سے کہ اس میں حالی
 جہت کی کیفیت اس کے لئے دلتے دلتے سفر سے دلتے دلتے سفر سے
 اپنے کو دلتوں کا جاننے والے ہیں تو ایک ساتھ ہلاکتی تھے اور انہیں
 کے لئے یہ ہے کہ دلتے ہیں۔ دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے
 اتنا نہیں تھا کہ تیرہ دلتوں میں ہی اسے پہچانیں یا اس کا قتل تھا اور ان
 اہل کمال کے نام پر انہوں کے لئے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے
 ہر شے بدلتا ہے یہ سب انہوں نے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے
 یہ سب سب دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے
 بھی اتنی ہی دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے
 ساتھ تھا غالب کی سادگی اس سے کہ اس میں حالی
 دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے
 دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے دلتے

[illegible][illegible]

[illegible][illegible]

صلاح الدین محمود

ہم نے کل کا سینا پھرے
آج بھی سو کر دیکھا

نور کے اک بے حد دریا کو
آگ میں کھو کر دیکھا

جہاں کھلی تھی آگہ ہماری
وہاں تریں تھی بھاری

لاہجے تری لاشی راتوں کی
برساتی اک نیاری

غیب وہاں ہر سانس میں بولے
سانس بھڑکا بولے

آگ کے اندر آگ کھسایا
بولی داد تھا بولے

دو چہرے تھے آسمان میں
وہ تھے میرے لب میں

سورج چلا صد کے اندر
تہائی کی شب میں

کوئی کچھ تھا پانی میں تم
ڈوب کے آگے ہونگے

آگ کے اندر مل کر پھر تم
دو مہتاب ہونگے

کوئی نہ بولا کوئی نہ آیا
کوئی نہ لب کا جایا

دوڑوں چاند کھو نہ بولے
سورج صبح بے سایا

دریا پار اڑے تھے طائر
اس جانب بس پسینا

نہ جانے کسی مٹی تھی
کیسا چہرہ اپنا

لوری

صلاح الدین محمود

جود میں	نیر کو بوتے ہیں
جود میں	ان کی آنکھوں میں
جود میں	پھل کھلے ہیں
جود میں	پانی پھر پھول
جود میں	جود میں نہ کو بوتے ہیں
جود میں	ان کے کوسے اب غواہوں میں
جود میں	پانی پھل پھلے
جود میں	جل اٹھتے ہیں
جود میں	ہلکے ٹھنڈی نصیحت
جود میں	جوتے ہیں
جود میں	سورج کو اپنے کانوں سے
جود میں	وہ نیر میں سر کر
جود میں	جی اٹھتے ہیں
جود میں	پتے پتے کے جڑے
جود میں	دھانوں میں

شب بخیر

کہنے کو اس سے عشق کی تغیر ہے بہت
 پڑھ لے تو صرف آنکھ کی تجو ہے بہت
 تحلیل کر کے شدت احاس رنگ میں
 بن جائے کر تو ایک ہی تصویر ہے بہت
 دیکھ سے دد کا فاصلہ ہے اعتماد کا
 پر لوٹ جانے کو بھی تاخیر ہے بہت
 بیٹھا رہا وہ پاس تو میں سوچتی رہی
 خاموشیوں کی اپنی بھی تاثیر ہے بہت
 تغیر کر رہا ہے عبت کا وہ حصار
 میرے لئے خلوص کی زنجیر ہے بہت
 جب تک ہے اس کے پاس ہر اکٹھیں زریں ہے
 دشمن کی تو کمان میں ایک تیر ہے بہت
 میں اس سے اپنی بات کہوں شر لکھ سکوں
 الفاظ وہ دے جس میں کہ تاثیر ہے بہت

اڑتے ہوئے ہند کی تصویر دیکھ کر
 دیکھا ہے میں نے خواب یہ تغیر دیکھ کر
 اگر خوف بھی نہیں ہے تو کہیں رنگ لگے ہیں رنگ
 آئے تھے جو کھلی ہوئی زنجیر دیکھ کر
 اب گھل گیا ہوں تو انجام کچھ بھی ہو
 کمال سکے کا زہر کی تاثیر دیکھ کر
 میرے سوا بھی اس کو کئی کام ہیں یہاں
 کبھی مگر یہ بات میں تاخیر دیکھ کر
 میں اسطرح اس نے دجانے پڑھا ہے کیا
 خاموش ہو گیا مری تمہرہ دیکھ کر

عجد اسلام امجد

ہوا ترکہ نرندہ شام سے تری چم خوش میں سما گئے
 وہی جلتے تھے چراغ سے سرے ہام دور کو بھاگ گئے
 یہ عجیب کھیل ہے عشق کا میں نے آپ دیکھا یہ مجھ
 وہ جو لفظ میرے گماں میں تھے وہ تری زبان پہ آ گئے
 وہ جو گیت تم نے سنا نہیں مری عمر بھر کا راض تھا
 سر سے درد کی تھی وہ داستان مجھے تم ہی میں اڑا گئے
 وہ چراغ جاں کبھی جس کی کوئی کسی ہوائے گلوں ہوئی
 تری بے وفائی کے دوسرے اسے چمکے چمکے بھھا گئے
 وہ تھا چاند شام وصال کا کہ تھا روپ تیرے جمال کا
 مری روح سے مری آنکھ تک کسی روشنی میں نہا گئے
 یہ جو بند گان نیاز ہیں یہ تمام ہیں وہی لشکری
 جہیں زندگی نے اماں نہ دی تو ترے حضور میں آ گئے
 ترے دوسروں کے خد میں تیرا شہر رنگ اجڑا گیا
 مری خواہشوں کے مبار میں "مرے ملہ وصال دفا گئے"
 تری بے رفا کے دیار ہیں میں ہوں کہ ساتھ ہو ۱۰۱ ہو
 تمہے آنے کو تلاشتے "مرے نقاب چہرہ گنوا گئے"
 وہ عجیب پھول سے لفظ تھے ترے ہونے میں ہے ہکا ٹٹے
 مرے دشت خواب میں درد تک کوئی باغ عیسے لگا گئے
 مری عمر سے دھمکے مرے دل میں اتنے سوال تھے
 تمہے پاس تھے خواب تھے تری تک نگاہ میں آ گئے

ہر پل دھیان میں بسنے والے لوگ اعلان ہو جاتے ہیں
 انگلیں بڑھی ہو جاتی ہیں خواب پہلے ہو جاتے ہیں
 مادیات تعلق کی ہے جذبوں کی سچائی تک
 میل دلوں میں آجائے تو گھر ورنے ہو جاتے ہیں
 منظر منظر کھل اٹھے ہیں پیراہن کے رنگ بھی
 موسم تیرے ہنس پڑنے سے اور بہانے ہو جاتے ہیں
 جھڑپاؤں میں ہر اک آتی پیدا ہوتے ملتی ہے
 اسی لئے تو وقت سے پہلے غفلت یا نہ ہو جاتے ہیں
 ہر اک چیز بدل جاتی ہے عشق کا موسم آتے ہی
 رائیں پاگل کر دیتی ہیں دن دیوانے ہو جاتے ہیں
 دنیا کے اس شور نے اجمیر کیا کیا ہم سے بھیج لیا
 خود سے بات کے بجلاں تو کئی دوائے ہو جاتے ہیں

شان الحق حق

ہم بھی تسلیم کی خودائیں گے

بہ نیاز ہی تری خدات ہی بھی

یسا لطیف معنون تھا جس سے شاعرین سرسری طور سے گند گئے۔ الفاظ سے صلائی صنی ہی پر فز کیا جائے تو کتہہ واضح ہو جاتا ہے۔ عادت اسے کہتے ہیں۔ عز و عظمت پر، ذات سے علاحدہ ہو سکے۔ عوامی عملِ ظلم کے خلاف ہو سے فرق اعداد کہتے ہیں یا فرق عادت خصوصاً جب کہ ارادہ ہو۔ عادت کے خلاف خود وہ بہ جرات تار کی جا سکتی ہے۔ مشق و مزاحمت کے ذریعہ پختہ ہو سکتی ہے۔ عز و عظمت نہیں ہوتی۔

بہ نیاز ہی اللہ تعالیٰ سے منسوب ہے۔ غالب کہتے ہیں تیری تو شان بے نیاز ہے۔ اگر تسلیم بھی جاری مرشت میں اسی طرح رکھ دی جاتی تو میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔ جزا اب اس کی خرید آ کر رہے۔ انسان اور حیوانی مخلوق میں فرق ہے کہ ان سے جو کچھ مطلوب تھا وہ ان کی مرشت میں رکھ دیا گیا۔ ان کے افعالِ حیات کے لئے انسان کے ساتھ ایسا نہیں۔ اسی لئے زندگی اس کے لئے ایک آزمائش بن جاتی ہے۔ واداس بات کی چاہتے ہیں کہ ہم تیرے مطالبے کو برداشت نہ کر سکیں۔ اس نزاکت کو دیکھتے تو دے کر کھڑے معنون کا لہجہ ہے۔ خدائی کو ان کے لئے بھی ایک مجبوری ٹھہرایا ہے۔

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی

اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی بھی

یہ معاملہ ندری کا معنون ہے۔ اسے من طلب کہتے ہیں۔ یہاں انسان نہیں مانتا بول رہا ہے۔ اور خطاب مجبورہ ہوتی ہے اسے طاقت میں رکھتے ہیں کہ اس سے رسوائی ہوگی۔ جواب ہے کہ ادلی تو عقل میں ہی عرف میرے موجود ہونے سے رسوائی لازم نہیں آتی۔ کیا اور لوگ نہ پہل گئے۔ میں وطن و دیار سے کہیں محروم رہوں۔ لیکن پھر بھی مصافقہ سمجھتے ہو اور احتیاطاً منظور ہے تو طاقت ظلمت ہی میں ہیں۔ من طلب ایہ معنون اس شعر کے معنون ہے۔ بکا اور عرف رسوائی میں طلب تھا۔ اس لئے غالب نے اس کو پہلے رکھا ہے اور ادراپ کے پہلے شعر کو غزل کے آخر میں۔ اس طرح مضامین غزل ایک اعلیٰ معنویت پر پہنچ گئے۔ مطلع مجبورہ رسوائی کو کتنا کتنا اس سے ابتدا ہوئی۔

عشق جھ کو نہیں دخت ہی بھی

میری دخت تری شہرت ہی بھی

یعنی تم میرے عشق میں میری دخت بتاتے ہو۔ مگر کیا تمہارے معنوی غولی کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ چاند کو جوار بجائے سے کوئی فتنی نہیں۔ نانی کمر میں رہتے ہو کہ دخت کو صاف مجھ سے منسوب کرتے ہو۔ عشق کو تسلیم نہیں کرتے۔ اعلان کہ اس میں تمہارا اولیٰ والا ہوتا ہے۔

غالب خود کو شہرت سے بہ نیاز بتاتے جگہ اپنے لیے باعثِ غلب جگہ ادبِ عالی سے تعبیر کرتے تھے

ہم کوئی ایسا شاعر کہ غالب گذر جائے

شاعر تو وہاں تھا ہے پر بدنام بہت ہے

میں بدنام ہے مراد شہور ہے۔ لیکن سب تو ایسا نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اس شعر

میں شہرت کو محبت سے منسوب کرنے میں مصافحہ نہیں ہوتا۔ ہمیں اس کا آشکار ہونا

اور دیوانگی کا چہنچاہی خوب ہے۔ ذیل کے شعروں میں کلمہ منفرد ہے :

آہر و کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں

ہے گریبان تنگ پیراہن جو دامن میں نہیں

عمر بیان کے محو ہے اگر ہوں تو اپنے ہی دامن میں رہیں۔ بجز کہ رسوائی کا باعث

نہ بنیں۔ غالب کی زیر غور غزل کا ایک اور شعر ہے :

عمر ہر چند کہ ہے برق خضام

دل کو خون کرنے کی فرصت ہی ہستی

یہاں بھی غافلے شکوے کا نایہ موجود ہے جو غالب کی شاعری میں جگہ جگہ

دہا ہے۔ مگر کاغذ پر ابھی انسان کی ایک محرومی ہے جس نے شاعری میں بہت

اظہار پایا ہے جیسا کہ میر نے اپنے پہلے میں کہا :

شر کی سی ہے جھنگ فرصت عمر

جہاں دی گنگ دکھائی، ہو چکے

غالب کے شعروں میں دوسرا نایہ ہے کہ اتنی متفرق و متضاد تہمتوں کا حملہ

نابھری ہوئی نہیں ہو سکتی۔ اب اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ صرف انہوں

دہا دیکھیں اور چلے جائیں۔ لفظ "فرصت" انتہائی بلاغت کی دلیل ہے۔

اس میں طنز بھی منفرد ہے اور یہ گناہ بھی کہ اس منفرد وقت میں ایمیدیں بازو

اچھا سکتی ہیں پوری نہیں ہو سکتیں۔

بعض شاعرین نے ان نکات کو نظر انداز کر کے دوزخ ساڑھ لگا دیا

اور اس مسئلہ طبعانی انداز کے خیال میں جو مناسبت ہے کہ بوقت بھی خون

رگ اچھے۔ اگر بے تورات کیا ہستی ؟

چھوٹا غائب کی طرح دست قضا نے

خود شہید بنو داس کے برابر نہ ہوا تھا

غالب کی ایک خصوصیت خاصہ اس کا طویل ہے۔ وہ انسانی عقل کی اس

آواز ہی ہے پورا عالم اٹھا کہہ کر وہ جو بھابھ ہے۔ غفلت و غفلت

کو بچے چھوڑ جائے۔ میں جیگر کو بچا ہے میں جیگر سے طے۔ بولہ عالم صوفی

میں ایسے رابطہ بنائے جاسکتے ہیں۔ اس کا خیال ہی اتنا اونچا اڑتا ہے

کہ دین میں دسلے اور آدمی بچکر اگر رہ جائے۔

میں نے رد کا رات غالب کو دگر نہ دیکھتے

اس کے سیل گریہ سے گردوں کو کھٹکایا تھا

۔ فکر بکس بقدر محبت دوست : عقل کی آزادی عقل کی جان اور

شاعر کی پہچان ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے :

بہ ذوق نہیں اگرچہ فطرت

جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کمر

انسان نے ایسے بہت سے کاموں کے ہیں جو معمول غفلت کے خلاف ہیں

لوہے کا پانی پر یا ہوا میں تیرنا۔ ایک شہرہ کا ایک وقت شاعر اور غائب

میں قریہ یہ قریہ اور خاندانہ فائدہ خود ہونا اور سب سے کلام کرنا۔ آواز کا

ہوا میں تحلیل ہونے کے بجائے فیتے پر مرمم ہو جانا۔ بقول غالب : بچے جان

یوں تارے میر کے ہاتھ میں :

مگر شاعرانہ عقلی مادی وسائل کا قیاس نہیں تمام حدود سے

ماورا ہے۔ تخلیق دفع و ترک یا انحراف نہیں۔ فکر کی حرارت ہے اس کی

تہ میں حدود و ممانی اور قیود و ممانی کی بنا پر ایک کسما کسما ہے

ان تعینات سے غلطی پانے کا بوجہ جنہوں نے ان کو قصور و مجبور کر دیا ہے۔

شاعرین غالب نے مذکورہ بالا شعر کا یہ مطلب لیا ہے کہ دست

قدت نے یہ دیکھ کر کہ خود کشید اس کے (محبوب کے) فروغ صحن کو نہ

پہنچ سکا۔ اسے اسی طرح چھوڑ دیا جیسے مشت نے اپنے مصنی جان کو ترک

کر دیا تھا۔ مگر یہ بات تو غلط فہمی ہے۔ خود کشید تو ہر پارہ پڑی تابی دکھا رہا

ہے۔ اس کا کلنا بند نہیں ہوا تو یہاں یہ مطلب لیا جائے کہ قدرت نے محبوب

کو چھوڑ دیا اور مزید فروغ حاصل کرنے کا موقع نہ دیا۔ مگر اس طرح

شر ایک نوع میں ہوتا ہے حالانکہ اس میں تو بے داشت کا اہم نہیں ہوتا

اگر وہ محبوب، خودی جذب گیا تو اس میں اس کی بڑائی کی اصل جگہ انشا

شب قحوت

ہر صفت کا ایک خاصہ جو اذکار کے خلاف ہے اور مذکورہ صفتوں کے خلاف ہے۔
 مفہوم میں ایک ذرا سبیل خاص سے میری تائید کے لئے میں نے
 نے صرف نظر کیا یعنی سوچا تو اب بھی چک رہا ہے گرا رہے پھر کھانے کے بعد
 بھی اس کے برابر نہ تھا تو اب قدرت نے اسے مزید ترقی دینے کا خیال چھوڑ
 دیا ہے۔ یہ جتنا تھا اتنا ہی رہا ہے۔
 آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ یہ اس کے مقابلے میں اب بھی ایک فرسودہ سے
 پرانے سے زیادہ نہیں۔ یہاں سو دھار کا ایک مطلق یا دھار ہے جس سے اس
 خیال کی تائید ہوتی ہے:

ہر صفت آدھ ہے اس کی برابری کو
 کیا دن گئے ہیں دیکھو خوشنواؤں کو
 اس عالم میں ترقی کی راہ اگر کھلی ہے تو انسان کے لئے۔ باقی تمام عالم لہو
 ایک حال پر بیٹھا دیا ہی رہے گا۔ راقم الحروف نے بھی کہا تھا:
 غزلیں مجھے گردیں میری

تھے جہاں کل دیکھ کن دکان (تائید پر ۱۹۵۸ء)
 عالم نہ صرف چاہے بلکہ فنا بھی چاہے لیکن اہل ایمان کے نزدیک اور جہاں
 کے مطابق انسان کے لئے ایک عالم چاہو وہی ہے۔ تو خوشنواؤں کے
 برابری کیا کرے گا۔ اور سب سے خالیہ کے نزدیک اس کا جو بے گزیرگی
 کے کس دہے پر ہوگا۔ یہ وہی "مسائل آہستہ" ہیں جن کا دم خالیہ نے
 بھرا ہے۔ اس موقع پر حافظ کا بھی ایک شعر یاد آتا ہے:
 مرا کہ اندر تو ماہ و شبستان است
 کیا بودہ فروغ ستارہ پر و اسے
 (۲)

جاری تھی اسد دارغ جگر سے میری تھیں
 آتش کہہ جاگیر مستند نہ ہوا تھا
 یہ اس غزل کا مطلع ہے۔ یہاں بھی ایمان و دکان کا نسبت سے وہی
 ذرا خیالی ہو رہا ہے۔ تیناں کو غلام میں نہیں لائے خود بدولت نے
 چندی برس پہلے ۱۹۷۷ء میں جرم لیا تھا مگر دعویٰ دیکھ کر کب کے سوتے
 ۱۹۷۷ء مارچ ۱۹۷۷ء

پر فاقہ نہیں رہی وہی دہر و دہی کی بے بھافتگی کے خلاف نہ رہی رہی
 شاعرین نے شہرے لعلی میں بیان کر دیے ہیں مگر غرض طلب بات یہ ہے
 کہ جس طرح یہاں سمندر کی ایک کیرٹھ یا انفرادی دہر و دہی نام نہیں پوری
 نور کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح شاعر کو بھی پوری نور انسانی کا ترجمان
 ماننا پڑے گا جو اس کی زبان سے بول رہی ہے۔ حیاتیات کی رو سے بھی
 آج کا فرد اولین پر دوٹو لازم ہی سے نسل در نسل چل کر یہاں پہنچا
 اس کا سلسلہ ہے کہ طرف آفریش کے روز اولیٰ تک پہنچے۔ یہ بھی
 کہیں نہیں ڈلا۔ طول زمانی کی الجھن تو یوں دہر و دہی ہے۔ اب شاعر
 بظاہر کہہ رہا ہے کہ ازل ہی سے جذبہ عشق و حرارت یا پیش سے
 جہاد ہے۔ میری خلقت میں موجود تھا۔ میں ابتدائی سے اس جگہ کی
 کو کہ کوسو گزرا ہوا ہوں۔ اس غزل میں دوسری مخلوقات مجھ سے پیچھے
 اور جہاں کی تہاں ہیں۔ سمندر کو بحر مخلوقات کی طاعت بنایا ہے۔
 آگ کی رعایت سے جو خوشانی مرثت میں پہلے سے موجود تھی مرثت
 کا نام لیا ہے۔ مراد پوری مخلوقات پر تقدم سے ہے۔

دوسرا دل چاہتا ہے کہ اس سفر میں جاگیر و تحصیل کا حلقہ ہے۔
 غالب رعایت لعلی کے خائے شوقین ہیں جو ان کے کلام میں عباد جان لڑائی
 ہے بلکہ کوئی توجہ دہاتیں بستے سائیں چھوڑتے۔ یہ خاصی چوکھٹے والی
 بات ہے۔ کیوں کہ رعایتیں اتنے سلیقے سے برتی گئی ہیں کہ کلام پر عبادی
 نہیں ہونے پائیں۔ دیوان کو پہلی ہی منزل کا کوئی شعر رعایت سے خالی نہیں
 اور اگر کہیں کے اوریں اشعار ہو "چنگ" پر کہے گئے ہیں بشرط اس قدر
 موجود ہیں۔ دھل پڑا تھا اس۔

تیسری دل چاہتا ہے کہ انشا پنا معنوں اور اس کے وقت بھی
 استعارے کے لئے ذہن جاگیر کی طرف داخل ہوا۔ جس کے واقعات سے
 ثابت ہے کہ جاگیر ان کے لئے کتنی اہمیت رکھتی تھی۔ جس کی تحصیل کے
 لئے برسوں مگر واد رہے۔

نظمیں

اختر یوسف

ایک شہر میں فساد

سفید کوتروں سے آج سارا آکاش نما الی ہے

دھوپ ... ڈری ہوئی فاختہ سی لگتی ہے

منڈیروں پر بیٹھی ہوئی لڑ رہی ہے

کانپ کانپ اٹھتی ہے ہوا آدمی کی طرح

کریغ سے بھرے ہوئے شہر کی ٹرکوں یہ گھوڑوں کی خوشی لاپیں آگ لڑاتی ہیں

سکائی جلتے ہیں مرے تمہارے

اندر ہمارے دھواں دھواں سا کچر مدہ اٹھتا ہے

دور میں اور پاس میں بھی زوروں کے دھماکے جھمکتے ہیں

گولیاں تاڑ توڑیں سناقتی ہیں

ہٹریوں میں اتر جاتی ہیں

دہا لہو خاک میں لپٹا ہوا گزرتا ہے

شام بھی لہو لہائی چپکلی کی طرح بھی ہوئی چپ چاپ اداس اداس

دھیرے سے ندی میں ڈوب جاتی ہے

پھر میاں ہوتے ہوئے پڑتی ہے ڈھیر مادیے گدھر

اپنی پوری طاقت سے اپنے پر پھر پھرتے ہیں

سناٹا، کائنات میں ادب کچھ گہرا تا ہے

کچر، دھواں دھواں سا اندر اندر مرے تمہارے ادب بھی بڑھ جاتا ہے •

پاس کے شہر میں فساد

پاس کے شہرے کریغ کبے آواز چاہ

دھیرے دھیرے

مرے شہر کی ٹرکوں اور جوراہوں تک آپہنچ رہی ہے

رات کی طرح خون پھیلا ہے

دروازے کھڑکیاں چپ

کتنے بھی چپ

جراساں دور دور تک ٹرکوں کو تکتے ہیں

پھر روتے ہیں

پاس کے شہر میں لغزے ابھرتے ہیں

ایک ہی ساتھ جیسے ساگرے بگڑوں کی گردنوں پر

دھار دار چاقو تیرتے ہیں

پڑتی ہیں چاندنی کھجور کی سی ہے

تنہا پرندے کے ہیرو جیسے دل میں بے گی لہو لہو آنکھ ڈوبا کا

سناٹا زمین کا آکاش سے جاملتا ہے

گھٹنوں کی آگ اگاتی چپ پاس کے شہر میں / اور

اپنے شہر میں اگیا بیتال پٹروں پچوں کے پاس کھڑا ہے

رات کی طرح خون پھیلا ہے سا قہقہا ہلاتا ہے

چاندنی ستر کی پٹروں پر روتی ہے

بے گی لہو لہو آنکھ اور پرندہ

بے چارہ •

رشید احمد

فروری ۱۹۹۷ء

غزلیں

ایم۔ کوٹیاوی راہی

ارہی بھول سے جو پت جھڑکے زمانے جا میں
پھول ہم بھی کسی شیشے میں سہانے جا میں
وہ جو درخشا ہے تو درخشا ہے نفس سے اس بار
کیا پڑی ہے ہیں جو اس کو منانے جا میں
ہے اب اس گھر میں کسی اور کا آنا جانا
وہ جو جاتے تھے کسی اور ٹھکانے جا میں
دوست ہم خود نہیں اپنے جو براقت پڑے
دوب مرے کو سمندر میں نہانے جا میں
کوئی تربت، زکوٰۃ طاق، نہ کھل راہی
اب کہاں دل کے چراغوں کو جلانے جا میں

کسی کو اپنی ٹوٹی ناک دے دی
غزل کو اک نئی پہچان دے دی
کھلی گھر کی تو پھر نکلا اندھیرا
ہوا آئی، دیے نے جان دے دی
کڑی پابندیاں تھیں اور تو نے
اجازت کیے اے دہانے دی
پیتا شہ رنگ کا خمر جانتا ہے
تری چمکی میں ہر شراب دے دی
اگاد فضل سر بار دے کہ ہم نے
زمین قتل و زندان دے دی

ایم۔ کوٹھیادی راہی

دیا تیری لہروں کو بنایا تھا ہوائے
ساحل پہ وہ آئی تھی ابھی دیت اڑانے
شہت ہے بڑی چیز سیاست سے ملے گی
سپائی سے مشور نہیں جوتے گھرانے
بیتوں کے تے سانپ بھی قہلے ہیں اکثر
کھیتوں کی کڑی دھوپ سے بچنے کے بدلے
بے گھر ہیں یہاں شہر میں رہنے والے
آئے تھے زمین بیچ کے لذی جو کھانے

تھکایا اور کیا دیا میں نے
آج سب کچھ بھلا دیا میں نے
ایک آنسو جو روز جلتا تھا
آج وہ بھی بھلا دیا میں نے
ڈھل گیا مانتاب کا سایہ
اور پردہ گرا دیا میں نے
مر جھکانے کی بات تھی یاد اب
آج دل بھی جھکا دیا میں نے
ایک کاغذ نگلی میں پیسنگ دیا
ایک کاغذ جلا دیا میں نے

— کیا بات ہے؟ میں نے کچھ غلط کہہ دیا ام میری نظر سے خوش نہیں ہوئیں؟

”کیا خوش ہو بے چاری! یہ تو بس دیکھنے کا اچھا ہے۔“

”میں کچھ سمجھا نہیں اماں؟“

”دراصل یہ منگول بچہ ہے۔“

”منگول بچہ!“

”ارے! منگول بچہ نہیں جانتے! منگول بچہ اس کو کہتے ہیں جس کے واس کام نہیں کرتے۔ جو ذلیل پالتا ہے۔“

پالتا ہے۔ دی ٹھیک سے دیکھ پالتا ہے۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے اماں؟ دیکھتے ہیں تو یہ کال ٹھیک اور تندرست لگ رہا ہے۔“

”یہی تو خصوصیت ہے منگول بچہ کی۔ دیکھتے ہیں سب کچھ ٹھیک ٹھاک مگر کچھ بھی ٹھیک نہیں۔“

”عجیب بات ہے! کیا تو جہ بھی نہیں کرتا؟“

”سب سے بڑا دکھ تو یہی ہے کہ یہ کسی کو پہچانتا ہی نہیں یہاں تک کہ اپنی جہ دینے والی کو بھی نہیں۔“ انوری کا گلانا نہ گیا

”سکھیں ڈوڑیا آئیں۔“

”خدا رکھوں تو میں ہے کہ قربان ہو گیا۔“

واش بیس کے آئینے میں پلٹے۔ ”کامس دیکھ کر چونک پڑا پلٹ کر دیکھا تو برآمدے کی چھت سے ایک خوبصورت سا لپٹا لٹک رہا تھا۔

”اماں! یہ بچہ کہاں سے آگیا؟“

”کالا پانی سے۔“

”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ یہ علی امام صاحب کا بچہ ہے۔“

”اچھا تو یہ انوری کا بچہ ہے؟“ منہ ہاتھ صاف کرتا ہوا میں پالنے کے پاس پہنچ گیا۔

”آداب بھیا! دوسری طرف سے انوری بھی آگئی۔

”آداب! انوری تم کب آئیں؟“

”مجھے دہلی آنے تو کافی دن ہو گئے۔“

”اور آج مل رہی ہو؟“

”بھیا! دراصل میں کافی بھاگ دوڑ میں ہی وقت نکال کر ایک دن بھی تھی مگر آپ نہیں ملے۔“

”بات یہ ہے انوری کہ آج کل میں بھی بھاگ دوڑ ہی میں رہتا ہوں۔ اور عادی کیا حال چل رہی ہیں؟ تہہ نہ دے یہاں کھڑی ہیں؟

”تہہ نہ دے تو ڈرا پڑا ہے۔ ایک دم گول ٹوٹا۔ ریشم کے جوتے جیسا

میں اور انہی کے ساتھ میں لاٹنگ لکھا ہوا تھا مگر
 یہ بڑی دیر تک گیا۔ پانچ کے پاس۔ سڑک پر پہنچا
 لکھ تک نکلے دلا ہے میں۔

کھائی تین پٹھا بیچا۔ اس کی کھانے کے چوکوں میں اس کا
 صبح سے شام تک ملا ملا پھر رہا ہے کبھی اس آفس میں کبھی
 اس آفس میں۔ مگر کوئی سنا ہی نہیں کہ غصوں کو اس جہاں
 کے بچے کا یہ مڑھلا ہوا چہرہ بھی تو نہیں دکھتا۔ ملائی مردوں کے
 دیدوں کا پانی دھسل گیا ہے۔ گھوڑے سب کے سب بے قرار
 گئے ہیں۔۔۔

میری نظریں انہی کے چہرے سے ہٹ کر بچے پر پڑے
 مگر وہ لوگ تھیں۔

”کیا دیکھ رہے ہیں بھیا! جتنا ہی دیکھیں گے اتنی ہی
 دکھ ہو گا“

”تمہارا پر چمکے جانا ہوا مارا لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ
 میں نے اسے پہلے ہی کہیں دیکھا ہے مگر کہاں دیکھا ہے۔ یہ یاد نہیں
 آتا ہے۔ شاید شامی بھلے کے اس پاس کہیں دیکھا ہے؟
 یہ کہاں پر ہے؟ میں تو اسے جانتی بھی نہیں؟
 ”پھر کہاں دیکھا ہے؟“ کہیں دہلی ہائی کورٹ کے
 نزدیک تو نہیں دیکھا؟

”نہیں بھیا! وہاں بھی میں نہیں گئی؟“
 ”ممکن ہے آں اٹھایا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں دیکھا ہو؟“
 ”ہاں“ یہ ہو سکتا ہے۔ میں وہاں اسے لے گئی ہوں؟
 ”مگر جیت ہے شیک شیک مجھے وہ جگہ یاد نہیں ہے
 آ رہی ہے۔ میری یادداشت اتنی کمزور بھی نہیں ہے؟“
 ”یہ بھی تو ہو سکتا ہے بچے کو تم نے اسے نہیں بلکہ اس
 کی شکل و صورت کا کوئی ادھر دیکھا ہو؟“

”ہاں ملے؟“ ممکن تو ہے مگر یاد تو آنا چاہئے؟
 ”لے آئے آپ کبھی یاد آجائے گا۔ دماغ پر اتنا زور دینا
 ٹھیک نہیں۔ تمہارا دماغ تو دیسے ہی نہیں میں بڑبڑا۔
 ہائے پتا تو کھٹکے پاس آئے ہو؟“

فوری سلسلہ ۱۹۹۱ء | ۱۷۳

پانچ کے بعد
 غضنفر کا نیا ناول
 کینچلی

قیمت : ساٹھ روپے
 رابطہ : شب ٹیون کتاب گھر، الہ آباد

ظہیر انور کے ڈراموں کا نیا مجموعہ
 نئے موسم کا پہلا دن
 ناشر : شریل آرٹس بکسٹرن ملکتہ

حسین الحق کا ناول
 فرات

ہشدر : تخلیقی کاروباری کیشنز
 ۱۷۷۹ کو چر دی گئی راسٹ
 دیا جی دھلی

رؤف خیر

گوئی رت نے ہمارا خیال رکھا ہے
کہ بونے خوش خیری سے ہمال رکھا ہے
ہمارا ہاتھ ابھی جاگزی کے ہاتھ میں ہے
یہ آگہی نے ہمارا خیال رکھا ہے
ہیں یہ بھول بھلیاں ڈرا د پائیں گی
بھیلیوں میں نیکر ہلکا جال رکھا ہے
ہو ہے گرم تو میدان کارزار میں آ
یہ کیا کہ نیمہ خالی سمجھا رکھا ہے
نمو، جو ہے تو سر شاخ زہر پر بھی کھل
تجھے جو نے بہت پائیاں رکھا ہے
وہ میرا بھائی ہے کیا میں بھی اسکا بھائی ہوں؟
اسی سوال نے ابھی میں ڈال رکھا ہے
یہ حرف خیر کوئی دفتر سیاہ سہی
خون کے چہرے پر تل کی مثال رکھا ہے

آسمان کے دھوئے اور زمین کے نہ رہے
آج ہم تجھ سے چھوڑ کر تو کہیں کے نہ رہے
کون کہتا ہے کہ محراب میں کے نہ رہے
ہم وہ حر ہیں جو کبھی شریعتیں کے نہ رہے
آسمانوں کی بلندی پہ نظر ہے اس کی
اب وہ انداز سے خاک نشین کے نہ رہے
ہم لکھتے ہیں فقط پر رکھوں کی دیواروں پر
خوش گماں ہیں وہ کچھ اتنے لکھیں کے نہ رہے
خیر وہ چہرے اتانکی ہیں نقائیں جن پر
آئینے کے نہ رہے آئینہ میں کے نہ رہے

(۲۱) دوسو کنیزان، ایک اور عورت اور ایک لڑکا کو اپنے بھائی کے ساتھ لے کر آئے۔

44

دلا رام : (دھڑکنے سے) تم یہاں بھڑکی؟
 (انہی کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا ہے)
 (پھر پچھلے فوٹو سے دلا رام کو گتھا ہے)
 اور تم تیار ہو؟
 انارکلی : اس کا سانس کھٹ ہے ہاں!
 دلا رام : (دھڑکنے کی طرف دیکھتے ہوئے) اگلی
 یہاں کون باتیں کر رہا تھا۔
 انارکلی : (خطرہ اڑا بھڑکیوں پر دندیدہ نظر ڈالتے ہوئے)
 کوئی نہیں!
 دلا رام : میں باتوں کا ڈانڈیوں سے کراہ رہی تھی۔
 انارکلی : (سر ہلکے سے) میں... میں... میں
 نے آپ سے عہد کیا کرتی تھی۔
 دلا رام سکرائی : تم اتنی جیسی بولی کیوں ہو؟
 انارکلی : (اور سر سہرہ کر کے) نہیں تو۔
 دلا رام : میں جانتی ہوں انارکلی۔
 انارکلی : (جھجھکی کرتے ہوئے) کیا؟
 دلا رام : یہاں کون کھڑا تھا؟
 انارکلی : (ہم کر کے) کون تھا؟
 دلا رام : اوجہ! تم تو دوست ہیں اس قصبہ کے دوست ہیں
 کس کام سے دو دو گلیاں اس کا قصبہ نہیں لگتیں
 یاد کرو گا انہی کا یہاں جاتی ہیں اس رائے وقت جاتا
 ہوں وہ اڑا ہیں جانتے ہیں یہاں بہ فروخت
 ہو سکتا ہے۔ ہاں میں ان کی قیمت پھر کر لگاتی ہوں
 پر میں نہیں کیوں بتاؤں میں جانتی ہوں کہ
 گلی پر تم پھر اپنے سے باتیں کرو۔
 (دو دن کے بعد انہی کا نظم جاتی ہے اور صحت بہا جاتی)

انارکلی : (دھڑکنے سے) تم یہاں بھڑکی؟
 (انہی کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا ہے)
 (پھر پچھلے فوٹو سے دلا رام کو گتھا ہے)
 اور تم تیار ہو؟
 انارکلی : اس کا سانس کھٹ ہے ہاں!
 دلا رام : (دھڑکنے کی طرف دیکھتے ہوئے) اگلی
 یہاں کون باتیں کر رہا تھا۔
 انارکلی : (خطرہ اڑا بھڑکیوں پر دندیدہ نظر ڈالتے ہوئے)
 کوئی نہیں!
 دلا رام : میں باتوں کا ڈانڈیوں سے کراہ رہی تھی۔
 انارکلی : (سر ہلکے سے) میں... میں... میں
 نے آپ سے عہد کیا کرتی تھی۔
 دلا رام سکرائی : تم اتنی جیسی بولی کیوں ہو؟
 انارکلی : (اور سر سہرہ کر کے) نہیں تو۔
 دلا رام : میں جانتی ہوں انارکلی۔
 انارکلی : (جھجھکی کرتے ہوئے) کیا؟
 دلا رام : یہاں کون کھڑا تھا؟
 انارکلی : (ہم کر کے) کون تھا؟
 دلا رام : اوجہ! تم تو دوست ہیں اس قصبہ کے دوست ہیں
 کس کام سے دو دو گلیاں اس کا قصبہ نہیں لگتیں
 یاد کرو گا انہی کا یہاں جاتی ہیں اس رائے وقت جاتا
 ہوں وہ اڑا ہیں جانتے ہیں یہاں بہ فروخت
 ہو سکتا ہے۔ ہاں میں ان کی قیمت پھر کر لگاتی ہوں
 پر میں نہیں کیوں بتاؤں میں جانتی ہوں کہ
 گلی پر تم پھر اپنے سے باتیں کرو۔
 (دو دن کے بعد انہی کا نظم جاتی ہے اور صحت بہا جاتی)

ہر آدمی کو ہر لمحہ اپنے دل میں اس کی یاد تازہ رہے۔
 کلمہ ہر گز اس طبعیت پر اثر نہ کرے کہ اس کی دلچسپی کو ہٹا دے۔
 اس کی دلچسپی کو کبھی نہ کھوے۔ اپنی ہر بات کو دلچسپی سے کہے۔
 دلچسپی کی باتوں سے ہی ہیرو کی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ایک کتاب کا راجہ ہو۔

ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔
 ہر آدمی کو اس کی باتوں سے ہی دلچسپی بڑھ جائے۔

کبیر احمد جاشی

نئی کتاب

ایرانی تصوف

قیمت: اتنی روپے
 رابطہ: شب بخون کتاب گھر رانی منڈی الہ آباد

نذیر احمد ملک
 کی کتاب

کشمیری سرمایۃ الفاظ کے سرچشمے

قیمت: ایک سو چالیس روپے

ناشر
 بک میڈیا، سری نگر
 کشمیر

میرزا احمد آبادی مولوی محمد علی صاحب دہلوی کی تصانیف
 کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی، ہندی، سنسکرت، پراکرت، سانسکرت،
 اور دیگر زبانوں میں تراجم کیے گئے ہیں۔
 اور وہ اس کی تمام تصانیف کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی،
 ہندی، سنسکرت، پراکرت، سانسکرت، اور دیگر زبانوں میں
 تراجم کیے گئے ہیں۔

میرزا احمد آبادی مولوی محمد علی صاحب دہلوی کی تصانیف
 کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی، ہندی، سنسکرت، پراکرت،
 سانسکرت، اور دیگر زبانوں میں تراجم کیے گئے ہیں۔
 اور وہ اس کی تمام تصانیف کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی،
 ہندی، سنسکرت، پراکرت، سانسکرت، اور دیگر زبانوں میں
 تراجم کیے گئے ہیں۔

میرزا احمد آبادی مولوی محمد علی صاحب دہلوی کی تصانیف
 کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی، ہندی، سنسکرت، پراکرت،
 سانسکرت، اور دیگر زبانوں میں تراجم کیے گئے ہیں۔
 اور وہ اس کی تمام تصانیف کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی،
 ہندی، سنسکرت، پراکرت، سانسکرت، اور دیگر زبانوں میں
 تراجم کیے گئے ہیں۔

فرح بھری

یہ بارگاہی ہائی ادب سفر سے ہے
 صفت یہ پریشانی دل سے ہے نہ سے ہے
 وہ آنکھ جھڑکتے اس سمت نظر رکھنا
 یہ دم نہ جانے کیا اس دل کو ادھر سے ہے
 انما زنگ آفرام روز بد منا ہے
 پھر دیکھنا دنیا کو دنیا کی نظر سے ہے
 یہ ہجر تو کچھ اپنا ہجر نہیں گھٹا ہے
 ہے شعر تو اپنا ہی ہر کس کے شاعر ہے
 میں دوست ہی دشمن محراب ایک طرف خزا
 یہ تیر جو آیا ہے کیا جانے کدھر سے ہے

میں کسی کی د کوئی مری تلاش میں ہے
 ہر ایک شخص یہاں اپنی ہی تلاش میں ہے
 کچھ دیکھتا ہے ہر آن کچھ کو چاروں طرف
 ہوا کہ رات ہی مری خاک کی تلاش میں ہے
 تو اپنے کام سے رکھ کام تجھے کیا مطلب
 میں کیا ہوں کون ہوں کھنڈی تلاش میں
 یہ قید و بند وہی روز ایک سامعوں
 کہاں ہوں میں مری آواز کی تلاش میں ہے
 پھر کچھ تجھے نہیں پر اثر تو آیا ہوں
 یہ سخت خاک گلاب تری تلاش میں ہے
 ہو کل ملک تھا حقیقت وہ آج خواب ہوا
 کہاں ہے تو کہ ترانہ مری تلاش میں ہے

فرخ بھری

ہوا کا زور تھا دل بسجھ گیا کتنا
 قریب و دور کا منظر بدل گیا کتنا
 تم مجھ بتاؤ ہیں کچھ نظر نہیں آتا
 کہ شہر کتنا بچا اور جل گیا کتنا
 کڑی تھی دھوپ پڑی اس کے سر پر مگر
 ذرا سی آفتاب اپنی پگھل گیا کتنا
 خبر ہوئی نہ کبھی ہم کو اپنے ہونے کی
 دہائے پاؤں تک ایک پل گیا کتنا

کوئی مکان د کوئی گیس دور دور تک
 غالی پڑی ہوئی ہے زین دور دور تک
 وہ دھند تھی کہ جو ہوئیں صورتیں تمام
 پر چھائیاں دکھائی نہ دیں دور دور تک
 جبکہ زور صلیکے سہارے کھڑا ملا
 دنیا تھی جس کے زیر گیس دور دور تک
 میں تیرے پاس ہی رہا کہیں ٹوٹا نہ گیا
 اس کو تلاش کر جو نہیں دور دور تک
 اب میں بھی اپنا مد مقابل نہیں رہا
 میرا کوئی حریف نہیں دور دور تک

زبون سے چھپا رہا ہوں وہ سنا لکھنے کے بند ہونے
 نکل کے ساتھ ہی سب مقرر ہو کر کے بند ہونے
 ہر دور کی روش پر ہر ذی ہو گئی کہ چیتہ مارا
 ہا کول کے چھلکے ہی ہو کر ہو گئے کے بند ہونے
 رہے گئے وہاں ہر دور کے گم نہ جانے کو چپ
 رہت تازہ تھی کل ام پر خوش ہو کر رہ گئے
 تھکی آئی رونق نہ رہا نہ ہو کر رہی ہر جہت اگلی
 ہر دور کی روش تھکے گھر خوش ہو کر بند ہونے
 سہا حیا رہا ہر سہا ہر ادا یا بچوں روا
 آتی آگئیں میں انم پھر خوش ہو کر بند ہونے

شرم سے چھوٹی دکانپل کے سال ایسا گیا
 کر کے قدوس میں وہ پائمال ایسا گیا
 بے اثر ٹھہرے بدلنے موسیٰ کے ماسدہ
 بے می کے رنگ ہی وہ سکوڑھال ایسا گیا
 اگرے آغوش طوفان بلایں آغوش
 عافیت خانے سے ہموکہ اچھال ایسا گیا
 ہے بہت صحت حاکمانا کا شہرہ شہر شہر
 زردردیانہ من کو کر کے لال ایسا گیا
 مجھ ہی گئے بونٹوں پہ انجم سارے حرف
 مجب لب سے ہی پہلے مجھ کو ٹال ایسا گیا

حسین الحق

بی۔ اے کے آخری سال میں، ایک بہن بی۔ اے پارت فرسٹ میں اور اور ایک انٹرمیڈیٹ میں۔۔۔۔۔ زندگی پھولوں کی سیج پر چلتا سا رواں تھی اور ہم سرت اور سکون کی دھند میں کھسکے مسافر! ابھلے تعلیمات عام میں ڈاکٹر کرتے تھے۔ ہڈیاں ان کے خفیات بھی دیر تھے، عکسہ جاتی مرد و خیر کے علاوہ خفیات کی ذاتی معرفت! ادیب و شاعر تھے، مذہبی علوم پر گہری نظر تھی۔ سماجی معاملات میں دخل تھے۔ اور اصحاب و اعزاء کے لئے ایک خوش اخلاق دوست اور شہداء بھی تھے۔ اس لئے آنکھ کھلنے سے آنکھ بند ہونے تک لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی۔ اچھے جیسے ہوتے اس لئے اثنائی حوالی بھی تھیں کی نہ تھی۔ ہذا ہم کار و بار خانہ داری کے مضمون سے بھی تقریباً آزاد رہتے ایسی دل خوش کن فضا میں رہتے ہوئے یہ خیال کسی آیا نہیں کہ ہمیں کسی قیامت کا، ان دیکھے مستقبل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر قیامت کا ظلم کس کہے؟ سو ہم بھی بے خبر تھے کہ ایک صبح اچانک صدر اسرافیل صبح اٹھا۔ اماں کی چیمیں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ پہاڑوں کے کسلے کی طرح پھٹ پڑا۔ صبر و ضبط کے پیکر بھیا دھاتیں مار مار کر روکنے لگے۔ زمین کا سینہ جاک ہوا اور اندر سے تھائیں مارا سمندر ابل پڑا۔ میری بہنوں کی آنکھیں گنگنا جانیں

لے سحر دم جھپٹے کی دھند میں کھوئی پر چائیاں ایک دوسرے میں گھسی ہوئی تھیں۔

بھیا کے بہرے پر آنسوؤں کی لکیر سی کھج گئی تھی بیسے لین زدہ دیواروں پر برسات کا پانی۔ کچھ آنسو ناک کے نیچے تک آکر سوکھ گئے تھے مرن نشان باقی بچا تھا۔ کچھ ناک کے اوپر لگن کی کا اس پر پیدا کر رہے تھے چنانچہ سے بہنے والے پانی کو بار بار لگتے اور شہادت کی انگلی کے دباؤ سے باہر نکالتے اور ایک زور کی سانس لے کر کہتے۔۔۔ "اللہ!۔۔۔" اور ماں اس جگہ پر تڑپ جاتیں، بھیا کو بٹالیتیں۔ ہم توٹ گئے میٹھا۔ ماں نے آج پہلی مرتبہ چڑی اتاری تھی۔ ان کا تھمننا سونا لگ رہا تھا۔۔۔۔۔ دیوار کے کسی حصے پر ہکا کلنڈر تار دیجئے تو کس لگے گا؟ اماں نے عمر تو پینتا میں برس ہو گئی مگر بھائی صحت کے لحاظ سے وہ پیش سے لادہ کی نہیں دکھائی دیتی تھیں۔ اس پر مزید یہ کہ ہمیشہ شلاد جیسے ہنسی تھیں لے عمر تو یوں بھی کم نظر آتی تھی۔ مگر موت تو جبرہ دیکھ کر آتی نہیں صواب بھی اس نے چہرہ اور جسم نہیں دکھا اور دان پڑی۔ اس طرح اماں بوہ ہو گئیں نرم بلے سمر ہو گئے۔ ہم تلے اوپر پانچ بھائی اور بہن تھے۔ تین بھائی دو نہیں۔ بھیا صاب سے بڑے تھے تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے اور نوکری تلاش میں تھے۔ میں کم لے لے کا امتحان دے چکا تھا۔ چھوٹا بھائی

ابا کھانہ پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہم قہقہے بھیا، ہر باد
 ہو گئے۔ یہ گھر تباہ ہو گیا۔ "اماں روٹی میں لوثی رہیں، چوٹے ابا
 غوثی سے صرف سر پہاتھ رکھے رہے۔ کچھ دیر بعد ہستہ سے اماں کو
 اٹھایا تو اماں اٹھ گئیں مگر بھیا کوا با کے پاس سے بٹانے کے لئے وشتہ
 داروں کو کافی فٹ کرنی پڑی۔ وہ قہقہہ لڑیں کھادے تھے، جھوٹے
 بھائی کا بھی برا حال تھا۔ اندر سے رونے کی آواز نکلتا رہی تھی۔
 اسی درمیان کچھ بل چل سی، عظیم الدین پچو پچا مال بچوں
 کے ساتھ گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کا اہلیہ تھیں پچو پچا ہم لوگوں
 کی چیری پچو پچا تھیں مگر تعلقات بہت قریبی تھے اور اسی تعلق کا نتیجہ
 تھا کہ اہلیہ تھیں پچو پچا کی بیٹی دردانہ آپا سے بھیا کی منسوب بھی ملے کوئی
 تھی۔ دیکھے ہم لوگوں کو یہ بھی علم تھا کہ دردانہ آپا اور بھیا ایک دوسرے
 میں دلچسپی لیتے ہیں اور اس لئے ان لوگوں کو گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر
 شعور سی سی امید بندھی کہ شاید بھیا کی توجہ کچھ بٹ جائے، مگر بھیا کا تھپ
 حال تھا، دردانہ آپا کو دیکھ کر بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، اندر
 اماں اور پچو پچا لگے مل کر رو رہی تھیں اور باہر عظیم الدین پچو پچا ہم
 لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر ان کا ہر لفظ فہارے کی
 طرح اڑ رہا تھا۔ ہمارے دوسرے وجود میں بس ایک ذہر بھر گیا تھا: ابا
 مرگے ہیں؟

ابا بچکے تھے، حجام انہیں منل دے رہے تھے اور ہم سب انہیں
 ایک جگہ دیکھ رہے تھے۔ منلے یاد کرنا چاہا تو مجھے یاد نہ آ سکا کہ میں نے
 ابا کا کھانا کب کھا تھا۔ وہ قاتھائی گرمی میں بھی کرتے تھے پیاز پیسنے
 رہتے تھے۔ اپنے کمرے میں تنہا سوئے تھے اور بیچ رات میں اگر کبھی
 ضرورت پڑے تو اماں کے علاوہ کسی کو کمرے میں جانے کی ہمت نہیں کرتی
 تھی۔ کمرے سے ملحق باتھ روم تھا مگر وہاں بھی وہ کوٹا پاجامہ پہنے جاتے
 تھے اور پردا لباس پہن کر ہی باہر نکلتے اور آج دی ابسب کے سہنے
 کھنے جلن پڑے تھے، ان کو منل دیا جا رہا تھا۔ اندر عورتیں رو رہی

تھیں، میں نے اندر دو چوٹی سے کچھ پڑی پٹنوں کے پچے چلنے سے متاں باہر
 دیکھیں تھیں پچو پچا کی جھلک دیکھی۔ "بچا رہا؟" ترس کی ایک لہر سی
 اٹھی۔ ابھی تک میرا منہ بھی نہ دیکھ سکی ہیں، جس وقت پہنچیں اس وقت
 فعل کار طر شروع ہو چکا تھا۔

اسی بل اچانک میری نگاہ اوپر بالکونی کی طرف اٹھ گئی اور
 میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بالکونی کے چھبے پر ایک شخص جھکا ہوا ہم
 سب کو دیکھ رہا تھا، سر اور بازو اس کے سامنے بال خیزہ آکھوں
 کے گرد محو میں دیدوں کی جگہ ایک چھوڑ دوہوا قلاب سنگ ہے
 تھے، لال بھینچو کا سورج، مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ چہرے پر بھڑکی کا
 نام و نشان تک نہ تھا، بالکل فوجوالوں جیسا اٹھتا اٹھکتا تھا۔ ہوا۔۔۔
 ... مگر اس کی آکھوں سے مجھے بہت خوف محسوس ہوا کیوں کہ اس کے
 دونوں دیدے ایک وقت میں دو طرف دیکھ رہے تھے ایک دیدہ
 مرحوم ابا کو دیکھتا تھا اور دوسرا ہم لوگوں کو اور اس سے بھی زیادہ خوف
 کی بات یہ تھی کہ جو آٹھ ابا پر مرکوز تھی اس میں عقادت اور انتقام کا رنگ
 جھلک رہا تھا۔ اس آٹھ کے گرد خوف چمک رہا تھا۔ اور جو آٹھ ہم
 لوگوں کی طرف گراں تھی، وہ جیب بے رنگ آٹھ تھی، سپاٹ، بے منہ
 بے زبان آٹھ!

مجھے پہلے خوف آیا پھر ابا کا درد سلطان کی طرح میرے پیسے
 وجود میں پھیل گیا۔ اور میں بالکونی کی طرف چمٹا ہوا اس کی طرف
 دوڑا۔۔۔ وہ دیکھو میرے باپ کا قاتی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے
 وہ میں کمرے کی بالکونی پر کھڑا تھا اس میں کمرے تک دوڑا ہوا پہنچا
 مگر کمرے کا جو دروازہ بالکونی پر کھلا ہے وہاں پہنچے تک وہ پہلے ہی
 کی طرح کھڑا مسکراتا رہا۔ اب یہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ بس ایسا
 احساس ہوتا ہے کہ اس نے چہرہ میری طرف نہیں گھمایا تھا پچو پچا میں نے
 کمرے کے دروازے سے اس پر چھلانگ لگائی تو اس کا رخ میری ہی
 طرف تھا۔۔۔ میں شاید بے ساختہ بالکونی سے نکل رہا تھا اگر اسی وقت

رہے رشتے کے بھائی بھائی نے مجھے بازوؤں پر نہ بٹھال دیا ہوتا تو جو
میرے پیچھے پیچھے دوشت چلے آئے تھے۔
”بھائی تم تو اپنے کو بٹھالو“ میرے ایک ہم عمر دوست اہ
شہر مارنے مجھے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا۔

میرا جی چاہا کہ اسے سمجھاؤں کہ میں بھی اسی طرح بے خود نہیں
ہوا ہوں۔ مگر اس پہلے میرے کوٹھی نما مکان کے متعدد کمروں سے دوٹے
اور چنے کی آوازیں آنے لگیں۔ کسی جانب سے ایسی آوازیں آئیں
جیسے بہت سارے لوگ باہم میں مصروف ہوں..... کہیں سے سونکی
پرسوز دھن..... کہیں سینہ کوئی میں میکرڈوں ہاتھ اور سیکڑوں سینے
..... پھر سب رک جاتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرا گھر میں
کا بنا ہوا ہے اور میں کہنے اس گھر پر ساون بھادوں کی حواں
دھار برسات..... پھر ایک ہاتھ کا..... بچاؤ بچاؤ..... آگ
لگے کا شور..... اندر سے اماں اور عورتوں کے گنگناہ روٹنے کی
آوازیں آرہی تھیں!

صل کا مرحلہ ختم ہو چکا تھا۔ اماں کی لاش بیچ آگن میں رکھی
ہوئی تھی۔ آخری دیدار کرنے والوں کا تانا بٹھا ہوا تھا۔ گنگناہ رو
گنگنے تنگ لوگ آتے رہے جاتے رہے..... اس ساری مدت میں
بھیا ایک ایسی بیچ تھے جو تیز رفتاری سے ریتے جانے والے زخم سے
بلند ہوتی ہے اور میں؟ شاید ایک بے آواز عرن جو مجھ جھوم کر اپنے
آپ ہی پر برستا ہے۔ میں نے آگن پر ایک نگاہ والی جگہ جگہ جس پر بھی
سے بڑی ہوئی تھیں گھر میں جھاڑو بھی نہیں پڑی تھی، اماں کے پاس
ڈھیر سا لپکا لپکا کتا رہا۔ کتا کسی جگہ پانی گھر بوا پھولوں میں پانی
نہیں پڑا تھا سب مر جاتا نظر آ رہا تھے۔ مظلوم بچہ میری سے
پنجرے میں جکڑ کاٹ رہا تھا، دوسرے پنجرے میں مینا بیچ تھی پتہ
نہیں ان پھولوں کو کچھ کھانے کو ملا یا نہیں۔ بالوں کا وسیع آگن کے
ایک کونے میں میرت و مسرت کی مثال بنا بیٹھا تھا۔ حالانکہ اس کا

حالم یہ تھا کہ جہاں کوئی نیا آدمی گھر میں داخل ہوا اس کا خونخوار
ہوا۔ اماں نے مجھے کھانے کے آشتا اور پیکنے کی کھمک پچانتے ہیں مگر
اس دن کتنے بیگانے آئے تھے اندر ایک کتے میں بیٹھا ایک کتہ
دیکھتا رہا، میں ہر دو چار منٹ پر اس کے طاق سے ایک گھنٹی گھنٹا
طاقی..... کوئہ..... کوئہ..... اور میں!

مردوں نے آخری دیدار کر لیا تو عورتوں کی بادی آتی سب
مرد باہر جا چکے تھے بھیا کو بھی ان کے دوست کی گھنٹا کھانچ کر باہر لے
گئے۔ روتے روتے اب ان کی آواز نہ گئی تھی، میں آگن کے ایک
کونے میں کھڑا رہا۔ عورتوں کی بادی آتی تو سب عورتیں اماں کا در
بہنوں کو اپنی لاش کے پاس لے آئیں۔ جنیں اب اسے چہرے پر جکڑیں
اماں ایسے پانچ میں بیٹھ گئیں۔ ان کا سر پر کپڑا کر دئے گئے پھر آہستہ
سے سرک کر چہرے کے پاس آئیں، اپنا چہرہ اب اسے چہرے کے قریب کر لیا
اور کچھ کہہ گئیں۔ شاید زندگی میں کی گئی غلطیوں کی معافی مانگ رہی
تھیں۔ میری اپنی پھر بھیاں اور تین بیٹی بھی ان کے پیچھے کھڑی تھیں
اور پھر بیٹیوں کے پیچھے باقی ساری عورتیں۔ اماں اسے کچھ کہتے
کہتے اچانک جیسے چونک کر بیٹھیں۔ تہہ نہ پھوکی کا ہاتھ کپڑا کر اپنے پاس
بٹھالیا اور لوہیں۔ ”لو بی بی! خدا کا فضل کہہ لو کہ تہہ نہ پھوکی
اماں کا ہاتھ کپڑے بلک کر رو رہی رہی۔ اور اب کو دیکھتی رہیں۔
..... وقت گزرتا گیا کہ کافذگی طرح تیز رہا تھا۔

تعلقات کی قوت بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ اللہ رکھے ہادی
اپنی پھر بھیاں بھی حال سے بے حال ہو رہی تھیں مگر ان دونوں سے
تو ساری زندگی اماں کے دل بھی وابستہ تعلقات رہے اور اپنی پھر بھیا
کی بہ نسبت چھڑاؤ بھی ایسی تہہ نہ پھوکی کو اماں سے زیادہ قریب
دیکھا۔ دونوں کا سلوک ایک دوسرے کے ساتھ بالکل ہیلیو رہا
تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر چوٹ بھی کرتیں اور پھر گئے میں ہاتھ ڈال
کر ہنسی بھی رہتیں۔۔۔۔۔ یہ دونوں ہنسی ہنسا کی عورتیں اس وقت

کو بھی کچھ کھانے کو دے دو!"

"دیا تھا صاحب" صابر آہستہ سے بولا۔ "میں کھا رہا ہوں۔ سارا کھانا وہیں پڑا ہے۔"

پھر میری بہت نہیں ہوئی کہ صاحب سے پوچھوں۔ "تم نے کھا یا نہیں؟" ایک الجھا دن گئے اندھیرے کی کوکھ میں واپس جا چکا تھا! پھر آہستہ آہستہ سب اٹھ کھڑے، شاید دن بھر کی تسکین اپنا اثر دکھا رہی تھی، عظیم الدین بھوپا کے قورلے گونج رہے تھے چھوٹے ابا نے بھی فرش پر لیٹنے پر پھیلا دیئے تھے۔ بھیا کتا رہے رکھے دیوان پر چھوٹا بھائی صوفے پر لیٹا ٹھکڑا کھاتا مگر وہ سو کر بھی پرسکون نہیں ہو سکا تھا۔ سگدھے سب سے نیند میں ہی سیکیاں لینے لگے۔ کمرے میں دم رکتی اور رنٹا ادا کیلئے گھر میں خوشی فضا پر عجب سا بھیا تک پن طاری تھا اور میں بار بار غلطش بیک میں چلا جاتا۔ سارا دن اور یہی۔ سارا دن اور یہی۔ میں چیزوں کو سمجھنا چاہتا ہوں مگر چیزیں مجھے اپنے آپ کو سمجھنے دیتے ہیں۔ تب تا ۱۹ بی بی میرے بھڑے۔ مگر نہیں شکر میں ہی غلط ہوں، ایک فطری مرحلے کو غیر فطری انداز میں دیکھنا چاہتا ہوں اور جب۔

چاروں طرف ایک دہرنا پل تیر رہا تھا۔ آشوک پکڑے ساتین منہ والا شیر دس سروں والے دیوتا کی مورق، مونا لیزا کے چہرے کا تاثر، برج کاذب کا جھنڈا گھنٹا ٹاپ اندھیرے میں کھوئی دوپہر مگر کچھ کی ساعت سے ذرا پہلے وصل کی آس۔ وقت گزرتا ہی گئے کاغذ کے ٹکڑے کی طرح تیر رہا تھا، مگر وہ تھا بھیسکی پینٹلے کو ہم کمر کی تھی میں پانی کے ایک تیز رفتار بہاؤ کی زد میں تھا جو دراصل دو جٹا ٹول کے درمیان کسی سرنگ نما راستے پر روان تھا۔ میں نے چٹپٹا کر اوپر نگاہ کی، چاروں طرف آسمان کو چھوئی پہاڑوں کی چوٹیاں، بھیا تک آواز کے ساتھ بہتا تیز رفتار پانی۔ اور سنا۔

"میرے ابا کی لاش کہاں ہے؟"

"No where is no where" کسی نے پچھلے سے کہا میں نے پلٹ کر دیکھا، پیچھے پر فرقت کھڑا تھا۔

میں نے یہ تھاہ ہو کر کمری چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

میں ڈرائنگ روم سے باہر نکل چکا تھا اور سارے میں ایک الجھا بے معنی اور بے معرفت لمحہ لگ رہا تھا۔ میں نے بیٹھا تھا جیسے ہماری اکثر غلطیوں جراتی مرحوم موجود تھا تھا، جراتی پانی بہتا تھا اور جھاڑو لگنا تھا اور اب مرحوم جلیں منتہا کرتے تھے کہیں سیلا کہیں مرثیہ، کچھ نہیں تو شاہوہ ہی رہی۔ جاتے کے دنوں میں غفلت تھی تو جراتی پر بہا برس پانی ایک گدڑی نما دولائی اوڑھے سب سے پیچھے آکر بیٹھ جاتا اور جب منتہا زیا وہ لگتی تو اسی دولائی سے سراور کان بھی ڈھانپ لیتا اور غفلت مارے بیٹھا رہتا، اور کسی کو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کب آیا اور کب گیا! میں جس وقت ڈرائنگ روم سے نکلتا تھا میں آیا اسی وقت دروازہ آبا سا منے سے گزرتا۔ مگر بھیا تو سو رہے ہیں۔ بعد میں اپنے آپ ہی پر غصہ آیا۔ بلا وجہ کا شک۔ پھر میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اندرون چولی آگیا، اماں کمرے میں بنگ پر لیٹیں تھیں ایک بہن پیر داری تھی، ایک سر میں تیل لگا رہی تھی، ایک ایک پوچھی اپنے نزلے کو سلا رہی تھیں، دوسری نماز پڑھ رہی تھیں، مانی جان لکھی تھکی، ایڑی پریر پر لکھیں بندے بڑی تھیں، خالائیں باورچی خانے میں دن بھر کا بھرا سامان سمیٹ رہی تھیں رشتے کی بہنیں اور بھیا بھیاں بغل کے دراندیشوں یا تو ادنگ رہی تھیں یا کچھ جمل رہی تھیں یا اپنے بچے سلائے میں مصروف تھیں۔ دروازہ آبا ڈرائنگ روم کی طرف سے سر جھٹکے واپس ہوتی نظر آئی!

میں وہاں سے ہی آہستہ رو گزرتا، دل پر عجب بوجھ سا تھا، کچھ عجب بے نام ہی کیفیت۔ بھیا ہی۔ جیسے سینے پر پل کھڑا ہو۔ یا اس، ہوا بند، سانس نہ آوے، یا کسی بندہ کے سر میں جون کی شام۔ کچھ خواہش تھی۔ ہوا کی کھل فضا کی۔ یا شاید جی کے امداد کے کی۔

پھر میں نے دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھ میری پشت پر بندھے ہوئے تھے اور میں آہستہ آہستہ ابلکے کمرے کی طرف بڑھ رہا ہوں۔
 اکیلا وہ پیرزنت پھر نظر آیا۔ ابلکے اس کا انداز غیب تھا، سجدہ اور گھیر مڑ ڈھلکے ہلکے گنگنا رہا تھا۔۔۔ میرے ابلکے انگن بیٹے کی ہیں گھیاں۔۔۔۔۔ اس وقت اس پر غصہ نہیں آیا میں نے دیکھا میں اسی کی طرف بڑھ رہا تھا، مجھے اپنی طرف آنا دیکھ کر پہلے اس کی آنکھوں میں تیرت کے رنگ جھلکے، پھر وہ پورے دانت کھول کر ہنسنے لگا اور کانٹے لگا۔۔۔۔۔ بہت کٹھن ہے ڈگر پنگٹ کی۔۔۔۔۔“

مجھے لگا میں بے ہوش ہو رہا ہوں، اگر میں بے ہوش نہیں ہو رہا تھا، شاید میں نے کی حصار میں آ رہا تھا۔۔۔۔۔ ایک جگہ بدست کیفیت جس میں سرد اور مزین دونوں دل چلتے ہیں۔۔۔۔۔ پھر یوں ہوا کہ وہ پیرزنت فضا میں تحلیل ہو گیا اور پھر آواز باقی رہ گئی۔۔۔۔۔ لغو باقی رہ گیا۔۔۔۔۔ میرے بااگے انگن بیٹے کی ہیں گھیاں۔۔۔۔۔ پھر سر بدل جاتا۔۔۔۔۔ بہت کٹھن ہے ڈگر پنگٹ کی۔۔۔۔۔ جہاں پنگٹ کی ”کاکر ٹوٹنے لگتا دیکھیں سے پھر دوسرا سر اٹھتا۔۔۔۔۔ میرے بااگے انگن۔۔۔۔۔“
 مجھے اپنا ایک برا اکیل یا دا گیا: بچپن میں برقی لبس کے سنانے میں بیٹھ جانا اور اس پر نظر چا دیتا، تھوڑی دیر بعد لیسے ایک شمع اس کی پھوٹی، میں اس شمع کو اپنی آنکھ کے ٹوکس کے سہاگے کیپتا ہوا دور تک اپنی طرف لانا، کچھ دور تک کرن آگے بڑھتی، پھر جب وہ کھر کر فوٹاؤٹ ہونے لگتی تو میں اسے دوبارہ میٹ کر لب تک واپس لے جاتا اور جہاں وہ کرن لب میں مدغم ہوتی وہیں سے دوسری کرن نکل آتی۔۔۔۔۔ میرے بااگے انگن بیٹے کی ہیں گھیاں۔۔۔۔۔ ی۔۔۔۔۔ ی۔۔۔۔۔ انہت کٹھن ہے ڈگر پنگٹ کی۔۔۔۔۔ ی۔۔۔۔۔ ایرسے بااگے انگن۔۔۔۔۔“

میں جب ابلکے کمرے کے دروازے پر پہنچا تو پیرزنت پھر عزم ہو گیا۔
 ”اندروں جاؤ۔۔۔ وہ ابلکے کمرے کے دروازے پر دونوں ہاتھ رکھ

کر میرا راستہ روکے کھڑا تھا۔
 ”کیوں؟“

”خندت کرو۔ میری بات مانو۔۔۔۔۔ اندروں جاؤ!“

میں نے پوری طاقت سے اسے دھکا دیا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔
 وہ کمرے کے باہر دروازے پر گر ہوا بیٹھا تھا، زار و قطار رو رہا تھا اور گاتا تھا۔۔۔۔۔ بہت کٹھن ہے ڈگر پنگٹ کی۔۔۔۔۔“

میں کمرے میں داخل ہوا اور۔۔۔۔۔“

میں ابلکے کمرے میں پہلی مرتبہ داخل نہیں ہوا تھا یہ پیرزنت میرا دیکھا ہوا ہے میں آنکھ بند کر کے بتا سکتا ہوں کہ دروازے کے پاس پاؤش پڑا ہوا، پاؤش کے پاس کچھ جگہ خالی ہو گیا پھر قالین پکھا ہوا تھا، قالین کے ایک طرف دیوار نما مسہری، دوسری طرف قدیم کچھک انداز کے صوفے۔ ایک طرف ابلکے پرہنے کی میز، اسے درمیان کر ایک چوکی جس پر جانا زینسج اور وظائف کا کتاب رکھی ہوگی۔ صوفے کے بغل میں ساڈا ٹیبل پریش ہے، پرہنے کی بڑے بغل میں الماری، الماری میں کتابیں، پرہنے کے ٹیبل پر ایک خوب صورت ٹیبل، وہیں پر قلم و حفرہ رکھے کاشے کا سٹ پیپر دیٹ، سنانے والا کی قد آدم تصویر، ایک طرف ایک خوب صورت زمردی طفرہ، دوسری طرف تھری ڈائنشن میں ایک زمردی زیارت گاہ کی تصویر، اور بائیں کرسی پر بیٹھ کر پڑھتے تھے اس کے ٹھیک سنانے والی دیوار پر ایک خالی فریم۔۔۔۔۔ بالکل خالی۔۔۔۔۔ جس میں کوئی تصویر نہیں تھی۔۔۔۔۔ کئی بار جی چاہتا کہ ابلکے پوچھ لوں لیکن آخر تو وہ باپ تھے۔۔۔۔۔ ایک مرتبہ اس سے پوچھا تو وہ ہنس کر کہنے لگے ”پننے ابلکے پوچھو جس کی جا لوں“

میں ابلکے کمرے میں آج پہلی مرتبہ داخل نہیں ہوا تھا اگر آج داخل ہوتا۔۔۔۔۔ پھر خود خند کی ایک گہری اور برا سرار واہی میں گرتی ہوئی محسوس ہوتی، میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، ابا کا کمرہ کہیں نظر نہیں آیا، میں شاید ہال کے گچھاؤں میں موجود کسی بود جھلا کا کچھنڈ

رشی مئی کے اسرار فغانے میں بندھ گیا تھا۔ چاروں طرف عمو و غیر کی
 یلٹیں سی اٹھ رہی تھیں اور سمنی سمنی گونجتی تھی، قدرت خدا گریہ لفظ کس
 تھا مگر ناقابل فہم، بیسوی تھا مگر یوں کہ جیسے خواب میں کسی نے کہا وہ ہم
 ہو۔۔۔۔۔ میں نے پھر آنکھیں لیں، سامنے کا سارا منظر پھر ایک دور کی
 جون میں تھا۔۔۔۔۔ اب کہ مجھے ”دھواں کند“ یا ”اگیا“ پہاڑی
 کی کہ کرتا وہی کھائی۔۔۔۔۔ پہاڑی پتھر و ندی کا پانی جب ہزاروں فٹ گہری
 مائی میں گرتا تو پانی کو نیچے بہتی ندی سے لے کوئی نہیں دیکھ پایا۔۔۔۔۔ کچھ
 دور تک تو نگاہ کام کرتی پھر دھواں ہی دھواں۔۔۔۔۔ وادی پر دھواں
 باجھایا رہتا۔۔۔۔۔ ہندو کہتے تھے دیوتا براہمن ہیں مسلمان کہتے آقا و دیگر
 پیام فرستے ہیں۔۔۔۔۔ ہم گہری اندھیری راتوں میں پہاڑی جٹا لوں پر سے
 ہتے اور پہاڑی ندی ایک ہی پتھر اور پراسرار آہنگ کے ساتھ دھواں کند
 سا کرتی رہتی، پھر صبح ہونے سے پہلے پھر صبح کے دھند لگیں پتھری پانی گزرتی
 اور ہم بھولی سری کی مافوس دھجوب آہنگ کے کمرچال میں گھومتے دہتے،
 رلوک میں اپسراؤں باجیتیں اور لودھ لاما کے مٹھوں میں دھوس تیریں!
 پھر کیفیت بدل گئی، ایسا لگا جیسے کہہ کا قریب پہنچ گیا ہوں اور کماق
 ایسا جادو کیلئے جس کے زور سے اس پہاڑ کے گرد آگ کا ہزاروں فٹ
 اور سیکڑوں فٹ پتھر اشلوٹہ بلند ہوا ہے۔۔۔۔۔ میں سرے پہنچ گیا تھا
 دیارے آتش میں تری گئی کو دھکتا تھا جس میں لکندیر پوش بیٹھی تھیں۔
 نے ان کی بہت دیکھی تھی مگر میں انہیں پہچان گیا تھا!
 وہ اب ایک قد آدم تصویر کے پاس کھڑی تھیں، ان کے دونوں
 ابائے قدموں پر لکے ہوئے تھے، آنکھیں ابائے ہرے پر مرکوز تھیں۔۔۔
 نہی رہی تھیں، مسک مسک دودھ پیتھیں۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ دیارے آتش میں تری گئی تھی وہ بیٹھی ہیں یا
 میرا قیام پا کر میں ڈوکر ان کے پاس جاؤں، انہیں منھالوں
 کے آئینہ پوچھوں۔۔۔۔۔ مگر مجھ پر تو جیسے سکتہ ساطاری ہو گیا تھا، کالو تو
 انہیں۔۔۔۔۔ اب کی لاش تو ہم سب دفن کر آئے پھر یہاں۔۔۔۔۔؟
 وہ لاما کے مٹھ میں ایک دودھ تیر رہی تھی اور بے کل تھی!

رفروری، مارچ ۱۹۶۲

والہی میں میں نے دیکھا، بنہیں، اماں کے پاس تھیں، میری اپنی
 پھر کھیاں اور گھر ہی تھیں، مائی جان اپنی پیر پڑھتی بیٹھی ہوئی تھیں،
 خالائیں باوہی خالے سے دالان میں آپکی تھیں، رشتے کی سب سے اور بھائی
 اور والی بہت پر جا کر سکر گئیں، دودھ لانا آیا ابھی ابھی پھر ڈانگ دم کے
 سامنے سے گزرتی تھیں۔۔۔۔۔ جیسا سوتے ہوئے تھے! ”ماہو“ دودھ لانا ہی
 کیا کر رہی ہیں؟ میں ڈانگ دم میں داخل ہوا تو عظیم الدین پھر پھلنے پوچھا جو
 غالباً ایک بھر پور غنڈہ لپکے تھے۔ ”جی،“ ”میں یوں چوڑا کیسے چھیل سکا
 شکاوی مارا“ میرے چہرے پر ہانکا ہی بدوشن کر دیا گیا ہو۔

”دودھ لانا کی اتنی کیا کر رہی ہیں؟“ عظیم الدین پھر پھلنے پوچھا سوال کیا۔
 ”جی۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ وہ کوئی ہیں۔“ میں ان کی طرف دیکھ کر غرا نہیں جواب
 دیتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔
 دیارے آتش میں تری گئی پر کون دیکھا ہے؟
 ہندو کہتے وہاں دیوتا براہمن ہیں مسلمان کہتے۔۔۔۔۔ یہ
 اندر لوک میں اپسراؤں براہمن اور لودھ لاما کے مٹھ میں رومیوں
 تیری ہیں!

چاروں طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، پوری فضا میں
 ایک دل اینٹھنے والی غوشی سی دل لگی تھی، وقت گزرتا ہی گزرتا
 کا قد کے کمرے کی طرح ادھر نیچے ہوتا ڈگمگ کرتا تیرا تھا اور کہیں
 بہت دور سے اس پیر فرقت کی آواز پر شور و سنہر کی لہروں پر اپنی پیچھے
 ہوتی تھی کھ پیچھے کی بار بار کوشش کر رہی تھی۔۔۔۔۔ بہت کھنکھن ہے
 ڈگر۔۔۔۔۔

اندروں میں اپسراؤں باجیتیں، لودھ لاما کے مٹھ میں ایک رومی تری
 تھی اور بے کل تھی!

وہ غالباً ابھی تک ابائے کمرے میں تھیں!
 یک بارگی ایسا لگا جیسے سینے پر بڑی سہل گئی۔
 جی جا یا اس پیر فرقت کو پکار کر کہوں۔۔۔۔۔ نہیں پیارے۔۔۔۔۔
 ”آج شہنائی ہے مات!“

نذیرا لاد

اپنی جان بھائی کا کوئی گھر ہوں میں
 تو نے کیوں سمجھا کہ تیرے وسط میں ہیں
 میری آنکھوں نے بھی جھیلے تھیں آفتاب
 دم کی دلیز پر دیا ہوا تارا ہوں میں
 بہنے پرے آگ کے باعث بنے، بجل بے
 شکستہ جانی جانتی ہے کس طرح جلتا ہوں میں
 قریبوں کی موت بجا ہی ہے میری دامن
 دامن دیوار سے پڑا ہوا سایہ ہوں میں
 جاگ کر بے چہری اپنی رلاتی ہے تجھے
 پھر سے بے خوابی کی چادر تان کر دکھائیں
 دوستوں نے کیل کھیلایا اور واپس چل جائے
 کس طرح ہاتھ بچاؤ اطفال میں تنہا ہوں میں
 انتہا ہم وہاں ہے میری ہستی کی دلیل
 ریت کے دروں پہ قائم ہوں مگر گھر ہوں میں

بت دیے نہیں تھی ان بن کی
 خیر لب پر تو آگئی من کی
 رات پائل بنا تھا جی بھر کے
 کس نے چھڑی تھی بات ساکن کی
 آہیں ہوں کا تو زور ٹوٹ گیا
 گرچہ باقی ہیں وحشیہ بن کی
 عکس آنکھوں میں اب نہیں کوئی
 جیتیں دیدنی ہیں درہن کی
 خوف باہر ہے غامضی اند
 گر : جائے فیصل پھر تن کی
 غور کر لو تو جان جاؤ گے
 بوسے خون یا مہک ہے چندن کی
 موجوں خون کی خوشی رفتار
 ہو رہی ہے حریف دامن کی

احترام اسلام

ہماری پہلی پریشانی الزام آنے کا
ترس ہے اگر وہیں کوئی ناکام آئے گا
ٹھکانا اپنی چاہ میں اونچائی تک لے جا
مگر یہ سوچ لے آگے میں کیسے گھام آئے گا
سکون بردوش ٹھہرے گا سفر کا سلسلہ آگے
اگر کچھ دویاں ہیں وقفہ آرام آئے گا
اس آسائش کا خیال بھاتا ہے جنگ جنگل کی
ہرن کوئی کہی تو اس کے زیر دام آئے گا
مسائل پر بولی ملدی ہماری حکمت عملی
حوالہ زندگی کا احترام اسلام آئے گا

سرخ روم کی کہانی ہے پرانی ہو نہ ہو
آسمان کا رنگ آگے آسمانی ہو نہ ہو
خواب میں مجھ کو نظر آتی ہیں بیکی سہیاں
آگے کھٹنے پر تری کانگھوں میں پانی ہو نہ ہو
ساتھ ہوتی ہے مرے ہر گام پر سنجیدگی
ہو رہی ہے دو اب بھت جراتی ہو نہ ہو
ہر جگہ کھلے گی تیری بات مجھ کو دیکھ کر
تذکرہ تیرا کہیں میری زبانی ہو نہ ہو
رشتہ دیتے ہیں گے مجھ کو زخمی کے چرخ
اب نہ میرے میں کہیں ہے خود بخود ہو نہ ہو
کب طرف میری آئے ہے اک طرف تیری خوشی
آگیا میرے لئے پل، امتحانی ہو نہ ہو
زہر کا پانی میں ہو نہ لے شہ ہے احترام
مجھے کے گھاٹ پر دیا میں پانی ہو نہ ہو

خفا - خود سے خفا ٹھہرا ہے کیسا
کوئی بے دست و پا ٹھہرا ہے کیسا
نہیں اب کوئی دیوانہ کہیں بھی
محبت کا حرا ٹھہرا ہے کیسا
نظر ساکت، ارادے منجمد سے
کسی کا سامنا ٹھہرا ہے کیسا
جہاں پہنچا تھا اٹھ کر عاجزی میں
وہیں دست دعا ٹھہرا ہے کیسا
سرتقی ہے زین پیروں تلے کی
مقابل آئینا ٹھہرا ہے کیسا
سم کی رات گہرائی ہے کیسی
سکون کا قافلہ ٹھہرا ہے کیسا
گریزاں تھا جو خواہوں تک پہنچے
مرے دل میں بسا ٹھہرا ہے کیسا

شیب شمس

غزوہ کی سب حدیں پہل گئیں تو ناکہ سا کی پہ جاگئے ہم
ہیر و شیماء کے دہکتے شعلوں سے اپنی آنکھوں کو نور بخشا
دلوں کو اپنے سرور بخشا
روایتوں اور محبتوں کی سمیٹی کتابیں جلائیں ہم نے
خلوص، الفت، وفا، مروت پہ نفرتوں کا حصار باندھا

مگر جب اک دن
خود اپنی آنکھوں پہ ہم نے اپنی ہتھیلیاں رکھ کے سونا چاہا
ہماری آنکھیں دہکتے سورج کی تیز کرنوں سے جل گئی تھیں

تبھی ہیں یہ خیال آیا
کسی نے دی تھیں دعائیں
لیکن
وہ بد دعا تھی

کسی نے دی تھیں دعائیں اک دن
ہمارے ہاتھوں میں بجلیوں کی کمان ہو گئی
زمین کے محور کو مٹھیوں میں پکڑ کے ادبچا اٹھائیں گے ہم
ہوا کے شانوں پہ بیٹھ کے ہم خلا کی تسخیر بھی کریں گے

کسی نے پیشین گوئی کی تھی
ہماری نسلوں کی انگلیوں میں
دہکتے سورج کی کرچیوں سے نئے کیوں کے کرشمے ہوں گے

خلا کی تسخیر ہم نے کر لی
ہتھیلیوں میں شنائیں بھر لیں
زمین کے محور کو مٹھیوں میں پکڑ کے ادبچا اٹھایا ہم نے
ہم اپنی ایسی تربیتوں پہ بہت ہی خوش تھے

عبد الحمید

کبھی دیکھو تو مروجوں کا تڑپنا کیسا لگتا ہے
یہ دنیا اتنا پانی پی کے پیسا کیسا لگتا ہے
ہم اس سے تنوڑی دوری پر ہریشہ رک سے جلتے ہیں
نہ جانے اس سے ملنے کا ارادہ کیسا لگتا ہے
میں دھیرے دھیرے الکاوشیں جالی جتا جاتا ہوں
وہ آنکھیں کتنی قاتل ہیں وہ چہرہ کیسا لگتا ہے
زوال جسم کو دیکھو تو کچھ احساس ہو اس کا
یکسر تازہ ذرہ کوئی صبح کیسا لگتا ہے
فلک پر اڑتے جاتے بادلوں کو دیکھتا ہوں میں
ہوا کہتی ہے مجھ سے یہ تماشا کیسا لگتا ہے

لے سفر پر رخصت کیسے یادوں کو لے جلتے رہنا
ٹوٹے دل شکستے پاؤں سے واپس کہاں تک آتے رہنا
اول جہ میں آخر کے منٹے کا احساس ہوا تھا
کب ہم کو اچھا لگتا تھا جہروں و صوم چلتے رہنا
باتیں کرتے کرتے اچانک در تک چپ ہو جاتے ہو
پہلے خود کو سمجھا لو پھر اردوں کو سمجھاتے رہنا
کیسا دہی اور چروان کا دھوکا علم تھا ان کا
بھائی الہ اپنے لوگوں سے اپنا آپ بچاتے رہنا
کچھ موسم کی سرور جیسا ہے کچھ اپنا لونا جیسا ہے
بھولا چراگ عشق کا قصہ ہی جیسی دہرے رہنا

عبدالحمید

اے دیکھ کر اپنا محبوب پیارا بہت یاد آیا
وہ جگنو تھا اس سے ہیں اک ستارہ بہت یاد آیا
یہی شام کا وقت تھا گھر سے نکلے تو یاد آگیا تھا
بہت دن ہوئے آج وہ سب دوبارہ بہت یاد آیا
سجھ جپ ہوئی تو بہت خاموشی تھی زمیں شنہی تھی
کبھی خاک دل میں تھا کوئی شرارہ بہت یاد آیا
برستے تھے بادل دھواں پھیلتا تھا عجیب چار جانب
نفا کھل اٹھی تو سراپا مہارہ بہت یاد آیا
کبھی اس کے بارے میں سوچا نہ تھا اور سوچا تو دیکھو
سمندر کوئی بے صدا ہے کنارا بہت یاد آیا

کبھی دفتر سے گھر لوٹوں تو ایسا ہو بھی سکتا ہے
مرے کمرے میں کو سی پر وہ بیٹھا ہو بھی سکتا ہے
ہوائے نیم شب دل سے مرے سرگوشی کرتی ہے
بہت دن کا پہ انا انہم تازہ ہو بھی سکتا ہے
ہمیشہ ایک ہی رستے سے چلنا دکھ اٹھانا ہے
کبھی اپنا جیسے سمجھو پر ایسا ہو بھی سکتا ہے
وہ ملو یا رہتا اندھیرے اکثر کھنڈا رہتا تھا
ابھی سے سوچ دکھ اک دن تو تنہا ہو بھی سکتا ہے
چلو سراپہ الفت جو اس کا ہے لٹا ڈالیں
اس سے جان کا یہ بوجھ ہلکا ہو بھی سکتا ہے

غزلیں

سونو

نام پانی پہ سبھ کھا کرنا
زندگی ایسے بھی جیا کرنا
ایک مدت سے پیاسا ہے لیکن
ایک دریا سایاں بھا کرنا
دو پہر دھوپ دھول سنا
ان میں چہرہ کو کھڑکھا کرنا
روں کا پتہ بھی کی بے غماہی
حد سے بڑھ جائے تو دما کرنا
زندگی خود بڑی پشیمان ہے
زندگی کا نہیں محکم کرنا
پھول خوشبو جتن صبا خواہش
یاد ان کو بھی یاد کیا کرنا

خشک ہونٹوں کو آب دے دینا
یعنی تھوڑی شراب دے دینا
ٹوٹا بچوٹا ادا سس میلا ہی
رات کو ماہتاب دے دینا
اتنے سارے سوال ہیں میرے
کس کا تو جواب دے دینا
ذلیت کو داستان کی حسرت ہے
تم فقط ایک باب دے دینا

ہر اک انداز باغیانہ تھا
اسے طوفان سے کیا بچانا تھا
لوگ جھکنے کی بات کرتے تھے
اسے ہر چند ٹوٹ جانا تھا
وہ اکیلا رہا مسافت میں
اگلے سہم راہ تو زمانہ تھا
اگر سرفراز سے کھا لیکن
قعر دل بڑا پرانا تھا
شہر کی اتنی داستان کھی
شہر میں اک شرب خانہ تھا
آج وہ رو دیا اکیلے میں
آج موسم ٹہا سہانا تھا
قیقے سارے قرض تھے سونے
آنسوؤں سے انہیں بچانا تھا

حسین صدیقی

تیری نگاہوں میں پیار کیوں
 ہو جو سکے بار بار دیکھوں
 یہ سچ ہے کہ ایک بار دیکھا
 ہوس ہے ہر ایک بار دیکھوں
 خطوں آنکھوں کی چلن سے
 خود اپنا ہی انتظار دیکھوں
 صبح شفق رنگ آنکھوں میں
 لباس شب تار تار دیکھوں
 ہوس کی آنکھوں پر سچ پہاں
 نئے نئے اشتہار دیکھوں
 غلام میں کب چل کر نیرد
 ضیاء کوہ و حصار دیکھوں
 وہ دن جو آنے کو لگا نہیں
 میں سادہ نعل و کھار دیکھوں
 سلگتے رخسار ہر گھٹکتے
 لبوں کے یہ برف ناز دیکھوں

کیا کہو ایسا یا اس تجھنے میں
 کیا رکھا ہے لوگو ایسے جھنے میں
 صحرانوحا بھٹک رہا ہوں مدینہ
 بائیں ہلی کا دکھ لے کر سینے میں
 اک چڑھتا ہے دریا ایک اترتا ہے
 جی بھر بھر آتا ہے آنسو پینے میں
 شبنم کے قطرے میں مکس منور تھا
 سورج کا چہرہ تھا اس آنکھ میں
 بچے بچے کے موسم چھانے رہتے ہیں
 اس کی یادوں کے تنگ شینے میں
 ہادی مل جہن میں کتنی نصیب
 بچوں کے ساتھ ہوتے ہیں دینے میں

فراز کرب تھا عنوان بکھرتے خوابوں کا
 شکستہ پانی تھی آسیب فارسائی تھا
 اٹھائے سنگ سلامت ہر ایک شخص ملا
 ہمارے شہر میں کوئی گناہ گار نہ تھا
 دل و دماغ پہ چھایا ہے ایک گرد و خبار
 گزر گیا ہے کوئی قافلہ خوابوں کا
 ترے خیال میں گم تھا تیری آنکھوں میں
 ترا وصال ترے انتظار جیسا تھا
 بگھل گیا ہے سوا نیزہ دھوپ میں صہن
 حصار ذات کا وہ شہر خیال کہ تھا

THE ANIMAL FANTASY HELPS TO REMIND US THAT

WE ARE AFTER ALL ONLY DRESSED ANIMALS;

ANN SWINFEN

In Defence Of Fantasy

تو یہ جنگل ان کے لئے بالکل بے معنی ہو کر رہ گیا کہ اب نہ تو انھیں باقی کے
وانت اور ٹہریاں، نہ ہی گینڈے کے سیٹنگ اور شیر کی کھاہیں میں اس کی
تھیں آؤ جنگل میں چاروں سمت اس اور شائق کی ایک فضا بن گئی
جاؤر سب بڑے مطمئن ہوا سو وہ نظر آنے لگے اب اس اطمینان اور
آسودگی کو ہمیشہ کیلئے اور کیا اس طرح جنگل کے چاروں اور قائم دوا لہو کھنا
ان کے لئے مسئلہ بنا۔ یعنی ایسا کچھ کیا جائے کہ ان کے آپس میں بھائی چاہ
پرستور قائم رہے اور وہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کے اس طرح کام
آئے رہیں اور یہ کہ اگر انھیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اس مسئلے کو آپس میں
سر جو کر نپٹانے یا حل کرنے کی کوشش بھی کریں اس کے لئے کچھ دستور تب
کے جانا ضروری تھا سب سے پہلے اس بات پر زور دیا گیا کہ اس دستور اصل
پہل دوا کے لئے نمائندگی کا حق کسے حاصل ہو؛ کہ نظم و ضبط کا یہ پہلا
اصل ہے۔ یہ سوچ بچار کے بعد یہ طے پایا کہ جانوروں میں جس نسل کی اکثر
ہوگی اسی کے افراد نمائندگی کے مقدار پہلے ہوں گے چنانچہ اس وقت
کے اعداد و شمار کے مطابق بیٹھے کثرت تعداد میں دوسرے جانوروں
پر سبقت لے گئے۔ لہذا معائنہ حکومت ان ہی کے باقیوں میں سونپی
گئی۔

راوی کہتا ہے کہ سخت نمائندگی کے لئے اکثریت کا یہ قانون جو

رعایت ہے کہ ایک بہت بڑے جنگل میں بھڑوں کی حکومت تھی
ی جنگل میں یوں تو ہر قسم کے جانور بائیں کرتے تھے لیکن مرکز تمام جانوروں
لے مقابلے میں ساروں کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی پیشہ ور
نکاروں کے خوف سے شیر، باغی، گینڈے یا دوسرے دور دراز
لے محفوظ جنگلوں میں جا رہے تھے یا بھڑوں کے کونے کھدروں میں کبھی کبھار
بنا کر عاقبت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ تیندوے یا لکڑ بھگے بھی بڑی تعداد
میں تھے۔ اس کوڑیوں اور گینڈوں کی افراط تھی جو اپنی شناخت بھول
پلے تھے اور بہت دھڑلے پیرا اور اس کے حوالی میں وائیل کی خوشامد اور دل
بستگی میں لگے رہتے تھے۔

جنگلی دستور کے مطابق سب ایک دوسرے کے ساتھ مل جل
لے رہتے تھے اور انسانوں کی طرح ایک دوسرے کا وقت ضرورت کا آتے
تھے۔ جسم اور خوشی، پیدا نش اور موت میں ایک دوسرے کے شریک
ہم در داور غمگسار تھے لیکن دن کیساں نہیں رہتے تو کچھ ایسا ہی جنگل
میں بھی ہوا۔ جانے کیسے یہ ہوا اگر مٹی؛ یا شاید جان بوجھ کر ایسا ہوا کھرا
لیا گیا تاکہ ساروں کی تعداد جنگل میں قابل غور حد تک بڑھتی چلی جا رہی ہو،
راوی کہتا ہے کہ جب یہ جنگل پیشہ ور شکاریوں کے جنگل سے
آزاد ہو گیا (یعنی جب شیر باقی، گینڈے ان کی کوسر سے دور ہو گئے

پڑیوں کا ہی بنایا ہوا تھا اب مردان کے لئے لگے لگے کھانے بننے لگا تھا۔
 قہار جیپ نہیں کہ بڑی قلیل مدت میں سادھوں کے آخریت میں نہ جانے سے
 جنگل کے موجودہ دھنوں کے مطابق مخالف حکومت ان کو سوئپ وین چنگاچہ
 ان پھیلنے میں سے اکثر اندر ہی اندر ان سادھوں کو بڑی کینہ و غمظنوں سے دیکھ
 لگے تھے انہیں ڈر تھا کہ ان کی گردن ہی پر پتھر اور لکڑی پھیلے جسم کی وجہ سے ان
 کی کوئی اور جاذبیت ہی کچھ اور ہے جو جنگل کو سحر کے مطابق دو چار دہائیوں
 کے اندر ہی کہیں یہ ہمارے حاکم بھی نہ بن سکیں!

حالات واقعتاً یہ ہے کہ پھیلنے کی تعداد میں کتنے بیہوش کی لڑا
 دن بدلنے پر بھی پہلی جا رہی تھی، لیکن چونکہ پھیلنے کے لڑیوں اور گیتوں
 سے مشابہ ہوتے ہیں اس لئے ان کی تعداد ان کی فائوں کی پھیلنے میں درمیان
 رہ جاتی ہے اور ان کے مقابلے میں جو دیگر سادھوں کی جسمانی ساخت اور
 دیگر حضار اور دوسرے پندوں سے مختلف یا الگ تھک جوتے ہیں اس لئے
 اس کی تعداد میں غلطی اس قدر زیادہ ہے کہ حاکم جاتا تھا کہ ان کی تعداد
 ایسی بھی نہ تھی۔ ان کو دراصل سادھو یا جو گیا تھا وہ سادھوں میں ان
 کی کوئی ذاتی خصوصیت تھی وہ تو بس بعض ان کی دنوں کی بات چینی پر مبنی
 ہوئی یا دی یا تعداد سے خوفزدہ اور حراسان تھے۔ یہ احساس کی تاسیب
 کی طرح ان کے دھنوں کو مضطرب رکھنے لگا تھا۔

قد کا تہ: ہوا کہ ان پھیلنے اور ان کے حوالہ والی دیگر
 جانوروں نے مل کر سوچنا شروع کیا کہ ان کی دنوں پر مبنی ہوئی تعداد کو
 کون گھٹائی جائے اور انہیں سر پر آن مثلاً لے ہوئے اس خطے کا تدارک
 کیسے کیا جائے! ایک خصوصی اور ضخیم اجتماع میں سب کے سب سر جوڑ
 اسی سوچ و فکر میں غلطیاں دیکھیں تھے کہ دفعتاً ایک سمجھ بھڑے نے
 سکوت توڑتے ہوئے قد کے متھکرانہ لہجے میں کہا شروع کیا!

”لیکن بھائی، وہ تو نہایت بے ضرورت ہیں اور بڑے غصے اور
 ہمدردی۔ اہم کچھ ہی دنوں کی بات ہے کہ میں جنگل کے ایک گوشے میں
 ایک مادہ مقابل کا گوشت نہ پانچ کر رکھا رہا تھا لذت نے ایسا پوانہ
 بنایا کہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ٹکڑے لگائے لگا اہانک ایسا لگا جیسے صق

میں جو پہل سا گیا ہو منہ ہی نہ رکھ سکا گیا، انھوں نے گردن سے لپٹے
 لگے دروازہ تکلیف کی شدت سے بلبلاتھا میا پہانے لگا کہ کوئی فوراً
 میری گردن سے الگ کر دے کہ میں اس اذیت سے چھٹکارا پاؤں
 منہ سے ران اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا ناگاہ ایک گہرے سادھوں
 سال سادھوں اپنی مستانہ حال پلٹے ہوئے ادھر سے گزرا جیسے درد و تکلیف
 میں مبتلا اور سامنے بڑے ہوئے مقابل کے نیچے اور کھٹکے ہوئے مرد
 جسم کو دیکھ کر میں سے جا بجا سلیس اور دیگر جسے کی شری تری پٹار
 نکل ہوئی تھیں فوراً سمجھانپ گیا کہ معاملہ کیسے ہو کر نہایت نرمی اور اذیت
 سے مجھے کہا:

”کیا بھائی، کاکا! بڑی الگ ہی کیا! لائے کھان دوں!“

بھائی بھائی تو بے لگائی را دل گئی فوراً اپنا منہ اس کے سامنے کھول دیا پے
 نے اپنی پونے پونے کچھ کے پہلے صق کے اندر غور بھا کچھ پھر نہایت احتیاطاً
 اپنی ہی جو پونے پونے میں اندر تک ڈال کر بڑی خوش سلیکی کے ساتھ و
 بڑی ہی بڑی کھانک سے کھان کر میرے سامنے ڈال دی میں اس کا بڑا
 مند ہوں۔ ایک طرح سے گویا میں نے مجھے اپنی ہی زندگی دی ہے اگر تم پر
 کوئی نجات دہانہ کھڑے سے میرا مذاق اڑاتا، تکلیف دہ کرنا تو دور کہ
 حق میں تو یہی کہوں گا کہ ان کا وجود ہمارے لئے باعث رحمت ہے جس سے
 اور تم لوگ جو کہ خواہ مخواہ انہیں سے خوف کھا رہے ہو اس کا ان
 تعداد بڑھ رہا ہے تو یہ ہمارے لئے اور بھی اچھی علامت ہے گویا
 ہمارے دروں اور غمگینوں کی تعداد بڑھ رہی ہے تو ہمارے لئے نیک
 ہے اور تم ان کی تعداد گھٹانے کی سوچ رہے ہو۔“

نفا میں جا بجا پھیلنے کی غراہٹ اور دیگر جانوروں کے
 کی بے شکم آوازیں گونجنے لگیں:

”کون یہ پوچھ رہے؟ سادھوں کی تعداد کے ساتھ اسے بھی کھادو۔
 سحر پھر یا سہم گیا۔

کچھ عرصہ بعد ایک روز جانک جنگل کے مختلف حصوں میں بے
 پھیلنے کے لگے میں بڑیاں اکٹریں وہ فوراً اپنے اپنے علاقے

دیگر چھوٹے اور کمزور جانوروں کے سسومی رعایت کا سرکار جاری کیا جس سے ان کی حالت میں سدھار ہو۔ دلیلیہ یعنی کساروں کی اکثریت وفاق کو کھینچنے کے لئے جنگل کے دیگر جانوروں کے ساتھ ساتھ انسانی کمزور اور رنجست جانوروں کی حالت میں بھی سدھار ضروری ہے تاکہ سب مل کر ان سے بچنے والے خطرہ کا مقابلہ کر سکیں۔ یا پھر سارس انہی مفلوک اگلیائی اور بے سرو سامانی کی

لیکن اب یہ افتاد آن پڑی تھی کہ بیٹروں اور دروگے جانوروں کا وہ گردہ جو راجپال اور اس کے گروں کا مخالف تھا سمیں میں اب وہ معر بیٹرا اور دیگر چند سادہ لوح گرو گرش مشندہ سارس بھی شامل تھے اس نے بڑی شد و مد کے ساتھ راجپال اور اس کی چند آل چوکوں کے خلاف جنگیں لگے چھانے پر مخالفت شروع کر دی تھی۔ وجہ یہ کہ بیٹے جلیوں کے ذریعہ وہ راہ بیٹرا اور اس کے گروں کی سازشوں کا پل کھول رہے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ کوٹریاں مضمیں راج پال نے اپنے حضوری اعتماد میں لے رکھا تھا ان کی اکثریت بھی ان سے مل گئی تھی۔ راہ بیٹرا اور اس کے آلانی سوالیہ بحث پریشان تھے کہ ان کے شور و غوغا داویوں کے سبب سارسوں کی مثل کش کی خبر پڑوس کے دیگر جنگجو یکسہ ہرج چمک تھی اور وہاں سے تلخ و تند لہجوں میں ہرش کے ساتھ ساتھ حالات کو فوراً قابو میں لانے کی تلقین کی جا رہی تھی اور علہ تو جمہ کی صورت میں وہاں سے سارسوں کی مدد کے لئے لکھا بھیجے

اصول ہائی سوجھ بوجھ کی سادہ سادہ اسلوب کرنے کی جگہ کی
دھمکی بھی ہوسوں ہو رہی تھیں

راجہ بیڑیا اور اس کے گروگوں کی بادل خواستہ اس سے معنی
اور اضطراب کے عالم میں سادہ سادہ جنگل میں زبردستی امن و آسٹھ کی
فضا قائم کر دینا پڑی ساتھ ہی راجہ بیڑیا اور اس کے گروگوں نے اپنے
مختلہ دور و زمانہ کے جنگلوں سے ساز باز کے ٹھوس کے جنگلوں کے راجہ اپوں
کو دریا کی لڑائی کی معرفت یہ دھمکی آئینہ بنام بھی روانہ کر دیا کہ گدا
معاویہ میں باہری جنگلوں کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ یوں بھی سانا
کوفلوں میں کر دیا گیا ہے جنگل کے بھی جانور اس کم میں ہمارے ساتھ
بھر اور خداؤں کر رہے ہیں۔

راوی کا کہنا ہے کہ جنگل میں یوں یوں چناؤ کے دن قریب
آ رہے تھے، راجہ بیڑیا اور اس کے گروگوں کی پریشانیوں بڑھتی چلی جا
تھیں۔ خصوصاً راجہ بیڑیا سخت پریشان تھا اپنی لڑکی سے زیادہ
اسے اپنے منصوبے کے ناکام ہونے کا غم کھاتے جا رہا تھا۔ منصوبہ
جو اسے اپنی ماں سے دے تھے اس ملا تھا اور جو بڑی را زرداری کے ساتھ
اس کے خاندان میں سیدہ بہ سیدہ چلا رہا تھا اپنی جان سے بھی جزا اس
منصوبہ کی پامالی کا اسے دکھ تھا اب تک تو سب کچھ اسی سوچے کچھ
ہوئے منصوبے کے مطابق ہوتا آیا تھا لیکن اس کے بعد کے واقعات
نوٹھی حفاظت شپن گوئی کی علامت تھے۔ راجہ بیڑیا گروپ کی سب
بڑی مخالفت جماعت کے کاندھوں نے جنگل کے بھی معاویہوں پر کھایا
عر بیڑیا دیا تھا کہ نتیجے میں راجہ بیڑیا کا راجہ سنگھ اسن ڈولنے لگا
بس ایک زور کا چوکلا اور راجہ بیڑیا دھڑام سے منہ کے بل زمین
پہ اور سارا منصوبہ ٹٹا از با!

یہ افتاد راجہ بیڑیا کے خون کا چین اور تاؤں کی خیر حرام کے
ہوئے جس سے سوجھ بوجھ یا کچھ کے بال شمت سے بیڑیا نے
اس کے راجہ سنگھ اسن سے اوجھانے کے بعد کیا ساروں کی بڑھتی ہوئی قتل
لورہ کا جائے گا یا اس کی کوئی موت پیدا ہوگی! اگر ایسا نہیں ہوا تو

راجہ بیڑیا اس صورت حال سے اتنا مضطرب ہوا کہ سوتے جاگتے اسے
خواب میں سادہ سادہ جنگل میں سادہ سادہ کی حکومت نظر آنے لگی بیڑیا نے تو غصے
لکھائے ان کی بھی حوری میں لگے ہوئے ہیں راجہ بیڑیا راجہ ترپ جاتا اور
آنکھیں کھلنے یا چوٹی میں آئے ہر اس کی آنکھیں خونخاک حد تک سرخ نظر
آئیں صدیوں پہلے بیڑیوں پر ساروں کے سیکڑوں سالہ دور حکومت جب
اس کے آبا اجداد نے تینہ دوں اور کٹر جنگلوں کی مدد اور سازش سے ختم
کیا تھا کا وقت آئینہ نقشہ علم کی ریلوں کی طرح اس کی آنکھوں میں ناچنے یا
منڈلنے لگتا تھا اور راجہ بیڑیا کی سانس تیز ہو جاتیں، ہاتھ پاؤں پھلنے لگتے
اور جسم میں کسی بھی کیفیت طاری ہو جاتی، دانت ہر دانت ہم جھلنے سینہ
دھمکی کی طرح زور زور پھلنے پگھلنے لگتا راجہ بیڑیا ڈریش کا شکار ہو کر
گیا تھا اب راجہ بیڑیا کا زیادہ تر وقت اونگٹے ہوئے گروہوں کی جگہ،
منگ جھنگ نشست یا تقریب ہوتی راجہ بیڑیا کچھ ہی میں دنیا و مافیہا ہے
خبرانی نشست میں تینہ کے خرے سے رہا ہوا راجہ بیڑیا کے کوئی موافق
اور درمیان خواہ راجہ کی اس حالت زار سے بیڑیا سیدہ در پریشان رہنے
لگے۔ ان کی سیاست کی ڈور کچھ ایسی الجھی تھی کہ اس کا کوئی بھی سڑوٹو نہ
زل رہا تھا چنانچہ سب کے سب سر جو کر سکے کامل ڈھونڈنے کے حق
میں مصروف ہو گئے راجہ بیڑیا اور اس کے گروگوں اور شیر کاروں کے بیڑیا
غیر شوز سے ہوئے کچھ پردہ قائم کئے گئے اداروں، تنظیموں اور تربیت
گاہوں کے رہاؤں سے بھی گفت و شنید کی گئی منظر دھوش سے ہوئے یہ
تنظیمیں یا تربیتی ادارے اور ان کے دفاتر کے کارکن تمام کے تمام راجہ
بیڑیا کے بچے وفادار اور بہادر تھے کہ ان میں سے بیشتر ان کی ماں نے
قوت کی کارکردگیوں میں اپنی شاطروہی سے اور بھی چار چاند لگا دیے
تھے خصوصاً اس کے علاوہ ہم نے ایک ایسا تاریخ ساز کام ان کی نسل بقا
کے لئے کیا تھا جسے کم از کم اس جنگل کی تاریخ و کبھی بھلائی نہیں سکتی خاص
کر بیڑیوں کی ذات تو رہتی دنیا تک اس کی نمونہ رہے گی اس کے نانا نے
اپنے ہمہ حکومت میں ساروں کی ذات کو زندہ رکھا کہ وہ دیکھنے کی نیت
سے ایک کام یہ کیا تھا کہ خاص اس جگہ جہاں یہ سارے اجتماع کرتے تھے

بقیہ میں دل بیا دل نہایت سے کام لیتے تھے ایک ایسا اولیاء پھر
 حسب کفر و اذیتا جس سے مکر و مکر و دھوکہ لہا ہوا جس نے چھاپا ہے
 تھے اس بدعت سے اس پھر کی پوزیشن میں کچھ اس طرح کی تھی کہ اول
 تو اس جگہ دوبارہ اجتماع ممکن ہی نہ تھا۔ دوم اس پھر کے قریب ہی چھپنے
 کے معنی میں کچھ اپنی جان سے افسدہ دھونا کہ ساروں کی جو مجلس میں اتحاد
 نہیں کہ ٹھونگیں مار مار کر اس پھر کو پاس پاس کر دیں اور اپنے لئے اجتماع
 کی ازبر ضرورت پیدا کر لیں :

پہلی روز و قدر اور فنی قدر و کاوش کے بعد اس شکل متعطل
 ہوا اور پھر یا اور اس کے گروں نے اپنی سب سے بڑی مخالفت جماعت کے ساتھ
 ایک ضمیمہ صادر کیا جس کی دوسرے جوانوں کا جواب کچھ بھی لکھے لیکن راج گہا کا
 مخالفت جماعت ہی کو سنا چاہا نہ گا۔ بدلے میں برسر اقتدار جماعت کو پھر یا
 راجہ اور اس کے گروں کی پالیسیوں پر موقع موقع حمل درآ کر کرتے رہا
 پھر گاہا کسی میں بقادر صلاحیت سے جنگ کے تمام پھریوں اور دیگر باوروں کی
 بہر حال، راوی اٹھنے کے مقررہ وقت پر سارے جنگ میں جہاؤ
 جو اجماع یا اسکل پھریت کسی بھی جماعت کو نہ مل سکی۔ راجہ پھر یا کی بارگاہ
 بہر حال اپنی تمام تر مخالفت کے باوجود دیگر پارٹیوں پر ہیقت نے گئی تھی
 لہذا جنگی دستور کے لئے سے راجہ پھر یا پارٹی کو دوبارہ نئے سہ سے حاکم
 سنبھالنے کا حق دیا گیا لیکن سب بڑی مخالفت جماعت کے ساتھ کئے گئے
 ضمیمہ معاہدے کے مطابق راجہ پھر یا اور اس کے گروں نے فرائض دلی کا اٹھاؤ
 کرتے ہوئے حاکم حکومت سنبھالنے سے انکار کر دیا چنانچہ سب بڑی مخالفت
 جماعت راج گہا سے براہمان ہو گئی۔

نئی حکومت کی تشکیل کے لگے لگے ماہ کے اوائل میں جبکہ ساروں کا ایک
 طبقہ اپنی کسی تقریب کا جشن منا رہا تھا کہ وہاں سے گرو نے دلے شری چند
 پھریوں کے ایک بدست ٹوٹے نے جو اپنے آپ میں نہ تھا ان پر ہل دیا
 ساروں نے جو اس مبارک موقع پر کسی قسم کا شگہ یا شور و غراہ بر گز نہ
 چاہتے تھے پنج پاد کی بڑی کوشش کی اور پڑے نغمہ جوا اور مہر و مل کر
 کا لیا لیکن جب خواہ خواہ ان کو نہیں چاہا نہ چاہا نہ ٹوٹے لگیں اور در

تخلیف کی شہادت و شہادت سے باہر ہو گئی تو ان کے ہاتھ باندھ گیا پھر
 انہوں نے بھی گن گن کر جلد لپٹا شری غار و لپٹا ان کی دانت میں جھل میں
 ابھی کے عاصیوں کا راج تھا لیکن معصوموں کو کی معلوم تھا کہ ڈاک کی
 بہت بڑی طاقت اور تباہی کاوشیں خیر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ نظر آتا ہوا
 کہ سارے جنگی دھو میں بٹ گیا۔ اب جنگ کے تمام ساروں ایک طرف
 تھے اور تمام پھریے دوسری طرف بلکہ جنگ کے چند دوسرے حاکم بھی ان کی
 لاشیں اس کی ہمیں کے انسانی نظریے پر غلبہ پراہوتے ہوئے پھریوں کی
 طوفانی میں کھڑے ہو گئے گویا اس دوشال جنگ کے ہر حصے میں سارے پھر
 فسادات کا سینہ تنگ سلسلہ قائم تھا۔

برسر اقتدار جماعت کے ترجمان نے چاؤ سے قبل کئے گئے معاہدے
 پر عمل کرتے ہوئے فسادات کا اصل ذمہ دار ساروں کو ٹھہرایا اور نئے نئے
 لیے میں ان کی سرزنش کرتے ہوئے انہیں متنبہ کیا کہ وہ خود کو ایسے واقعات
 سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد سے ایک عاصیوں ہو گیا کہ جنگل
 کے خواہ میل کو ہے ہی آپس میں کیوں نہ لڑیں مگر تاں اسی ساروں پھر
 فساد ہی پر ٹوٹی اور مورد الزام صرف ساروں ٹھہرائے جاتے ساروں
 کی اقتدار کو بتدریج ٹھکانے رہے کا یہ اقدام آنا موثر ثابت ہوا کہ سب
 سے بڑی مخالفت جماعت کے صدر سے جنگ کے کو تورا مساسی کا یہ ناگزیر
 حصہ لیا گیا۔ ۵۵

دُف خیس کے کلام کا تیسرا مجموعہ

شہاب

چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے

قیمت : چالیس روپے
 رابطہ : شب خون کتاب گھر

رائی سٹڈی، لاہور

میتر سینی

ظفر اقبال ظفر

کوئی بل نہیں تھا میں بادل اس نے
اور بل بھی نہیں کیا دشت کو بل اس نے
پہنچا وہ تو مٹھن میں بھی اڑا سکتا تھا
پھر بھی اسلانا طے کئے پیدل اس نے
کہ جہاں تھی وہیں پاؤں ہیں ہر اک رہو
پیدل ہوئی راہ میں ٹوٹی ہوئی پوئل کرا
آگ ہیں میں عدالت میں حکومت کھانا
کو دیا ہے مجھے قدم سے سفل اس نے
جٹ میں جٹ کا پیر نہی لگتا ہے میٹر
اس نے کر دیا واپس مرا قبل اس نے

جاتے جاتے وہ تجھے بے نظری دے جائیگا
آنچے کے مکس کو بے ہارگی دے جائیگا
موت کو دیاب رکھا گی کی کہ اس کا کفر
تیرے احساسات کو پھر شعلگی دے جائیگا
گھر کے دروازے کھلے رکھے ہیں نے اس نے
کس نے موسم کی کوئی تازگی دے جائیگا
وہ سمند تھا کہ اس سے جڑت تھریلیپا
یہاں غرق ہی وہ مجھے تفتہ لیا دے جائیگا

تو پا گیا مجھے کبھی سرشار کر گیا
بھونکا ہوا کانچہ پہ جب تار کر گیا
کیسی خود ہز ہے کلت امید میں
یہ کس کا خون فصل کو تیار کر گیا
قاتل کا مجھ پہ اتنا تو احسان فرود
سرے گیا مگر مجھے بیدار کر گیا
کس آسمان پر ڈال دی ہیں نہ کو شہی
کیا وصل تھا جو مجھے ریکارڈ کر گیا

اور میرانی

دھنچھہ سہائی کے پیکر ہیں وہ سب توڑ دئے جائیں گے
 اپنی تازہ کو کچھ ایسے نئے موڑ دئے جائیں گے
 لکھ دو لکھ ہیں سہنرماعات میں گی، لیکن
 اپنی آواز کے سحر ہی میں ہم چھوڑ دئے جائیں گے
 روک ٹوک جانے کا انصاف کے ساتھ کو جو رفتہ رفتہ
 رشتے انسان کے عزیت سے خود چھوڑ دئے جائیں گے
 اسے سفاک سہولتوں کو بہت نظر آنے کی کہ ہم
 سراٹھانے بھی نہ پائیں گے کہ چھوڑ دئے جائیں گے
 ان نظریہ سے وابستہ نظر آنے کی جلی کی کرواک
 ہندوؤں کے لئے لوگ بھی چھوڑ دئے جائیں گے
 نئی ترکیب سے کی جانے کی جگہ کے ہونے پر ہم کی تلاش
 قتل کی بھی کہانی کو جب موڑ دئے جائیں گے

قصائیں دہشتوں کی خیر شہرت دکھائیے
 اب روشنی کے گھاؤ پر ہم ہی بس لگائیے
 پتھر طی جو راہ ہے نیرت کی تو کیا ہوا
 اپنا ہو تو بولائیے گل اس کے اکائیے
 ہم لکھ بے بدن صدا کی آہیں سنائیے
 اب آپ اپنا نووڑ بے جہر گی سنائیے
 جذبات کے دریا میں سر پٹ داب تو بھائیے
 اپنی خواہشات کو بھی آئینہ دکھائیے
 خواہیں کے نگر کا یہ دستور ہے تو آپ بھی
 اب روشنی کا حرف حرف ہونٹوں پر بجائیے
 یوں ٹوٹ کر بکھر سنے سے ایک طلبہ کی گئی ہیں
 خود اپنے آپ میں کبھی انور ذرا سلائیے

اس غزل میں غفلت کی جگہ انور نے رعایت جوش حق ملی
 غفلتوں اور غفلتوں اور غفلتوں کی لگائیے ہیں۔

شبِ بخت

نہ مروجہ جو عوالم مجنون عذوق مسکن کے تھیں ہیں
 رکھی غفلت کے اٹھانے سے غزل بھی گئی ہے

نعمان شوق

یری آنکھوں میں دکھایا ہوا پیرہاس کا
کب سے جڑواں میں نکلا ہے مجھے اس کا
کون ہے جہاں ہے کتابہ انصاف کا قیام
ظاہر ہوتی ہے تو کھل اٹھتا ہے پیرہاس کا
صاف نکالتے ہوئے ہاتھ قلم پہنڈے
کاش میں نہ لگی کھانا پڑا نصیب اس کا
بگڑی ہوئی کوئی ہونٹ دھت گدڑی
اس گلی میں کسی کھلتا تھا دروچاس کا
وہ پرچہ میرے بنگل کی ہوا بھی نہ لگی
لنگ پیرہاس کے دکھایا کس گڑباس کا
زہر گئی کسی دم کو بتاؤ کو کو؟
میں نے دیکھا بھی نہیں ٹیکس چھو اس کا
بہن ہاں کاش کسی شاعر کی جگہ سراج
بیڑے میں نہ رہا ہے کوئی سایہ اس کا

(ذرا کٹاکی بند)

موسے نوشتے میں تھا ہی کب اپنے گھر رہتا
دوق ورق پر لکھا اس نے در بدر رہتا
مزدبوت تھا ہاتھوں کی زد پر جلتے میں
نہ اس آیا چسپانوں کو طاق پر رہتا
غلاب کون ہے روز سنگ باری کا
بھلا ہے اس سے تو پڑوں کابلے ٹھر رہتا
یسہ نیازی کہاں سب کو اس آتی ہے
خبریں رہتا مگر خود سے بے خبر رہتا
مغرے پہلے یہ کہتا تھا یاد ہی نہ رہا
چلے ہو ساتھ تو پھر ساتھ مسر بھر رہتا
فرق توڑ ہی دیتا میں چاندنی کا مگر
تہدای دھوپ نے نکھایا ہے حقصر رہتا
کسی نگاہ نے مجھ کو سکھا دیا نعمان
بدن کے سارے تقاضوں سے بے خبر رہتا

اسپتے ہونے کا کوئی سراغ تو ملے
دل نہیں رہا مگر دماغ تو ملے
ایک لڑکھنڈہ کہہ رہا میں نکلا تو ہوا
غالی ہی اسی مگر پانچ تو ملے
اللہ تعالیٰ میں کو میں بھی پوچھ چکوں
پر کھروں میں ترا سراغ تو ملے
چلے جس طرح بھی آؤں نہ روکے سکتا
اور کچھ نہیں صدمے تلخ تو ملے
اس عجب بادل کا لڑکھنڈہ میں دیکھ لوں
اس کی خوشنویس سا کوئی باغ تو ملے

غزلیں

راشد طراز

ات آفرینم تو بہشوں پہ ایسا بھی نہیں
تحت تک جائے لگھیں تاکوں بڑا بھی نہیں
پتہ ہونے کی سزا کس کو طاق کرتی ہے
بس کو یہ زخم دکھاؤں جو ہو بلا بھی نہیں
مظہر آئینہ خانے میں نہ جانے کس کے
شہر نشانی میں اب تو کوئی چہرہ بھی نہیں
تجھے سے نہ سب تجھے سب گھر پہنچ گئے مگر
اس چہرے کی محبت تھا پکارا بھی نہیں
کوئی حاصل نہیں اس کار جنوں کا راشد
کھیلنا آگ سے ہیں اور تماشا بھی نہیں

وحشت دل نہ بختم حیراں غلبہ مرا اور میں
اک بلا شوق پر سید اناقا اور میں
میرے ہاتھوں میں تو اکلیل بھرتا ہی نہیں
قریب قریب گھومتے ہیں میرا کاسہ اور میں
ایک ہی صورت کے دو گوشے ہوئے ہیں کیا خبر
شام کو ماتھے پہ وہ پہلا ستارہ اور میں
اس کے صحنے میں تو آبائی دریا ساحل رہا
میرے صحنے میں تھا راشد چٹھیا اور میں

عکس غزال رخ کے غلبہ مار ہو گئے
ہم بھی غلبہ شب میں گرفتار ہو گئے
وہ جن سے بزم صورت کی کھٹکتا کسی
وہ صاحب سخن ہیں دیوار ہو گئے
رسم دھا بھی شہر میں منور ہو گئی
دستور اب کے اور گراں مار ہو گئے
ہم نے تھا خافت کی اک بات کی تھی اور
اسے شہر پہ شمس غطا دار ہو گئے
راشد جو راوی کی سراپا مثال تھے
جلس میں تیری بیٹھ حیار ہو گئے

شب خون

احمد محفوظ

تصور میں جو ہر غلط نئے پیکر بنانا ہوں
کوئی پوچھے تو کیا بتاؤں میں کیوں بناتا ہوں
گراں ہے ذات کے بدلے درگاہ کو قلیب کھیر
سکاس میں شیشہ ایسے ساک در بناتا ہوں
بنایا مشورہ ہے اسے ہوا سے نرم رو تیرا
میں اک نعل انگریز شلخ ناک بناتا ہوں
خدا معلوم اس سے کوئی سی وہ بات کہنی ہے
زمانہ ہو گیا لاپتہ میں ہی منظر بنا ہوں
یتیم خوب دیکھا خواب سے محفوظ ہونے کا
اب آکھیں کھولنا ہیں اوروں در و درخشا ہوں
ذرا دیکھنا فیض و غم کے اس طوف کیا ہے
ساک منزل حلاوت کے باہر بنا ہوں
حکام خیز دریا بہت عالی تماشا کر
کرتے تھے علقہ سیلاب میں اب گھٹنا ہوں
کوئی تو کہہ کر محفوظ پھر درخش ہے مجھ کو
جو راتوں رات میں یہ خواب کے ٹکڑے بنانا ہوں

سر بسر پیکر انہار میں لاتا ہے مجھے
ادھر پھر خود ہی تہ خاک چھپاتا ہے مجھے
کب سے سنتا ہوں دیکھا ایک صانع غائب
کوئی تو چہ جو بند ہی سے بلاتا ہے مجھے
رات آنکھوں میں میری گردید ڈال کے وہ
فرش بے خوابی و منت پر سلاتا ہے مجھے
گمشدہ میں ہوں تو برست ہی گم بچھ میں
دیکھتا ہوں وہ کھر دھونڈنے جاتا ہے مجھے
دیدنی ہے یہ توجہ بہ انداز ستم
عمر بھر شیشہ خالی سے بلاتا ہے مجھے
ہمساز شیشہ اگر داب بہ پہلو سے نشاط
موج در موج ہی ساحل نظر آتا ہے مجھے

احمد محفوظ

پھر ہنر چارہ گر کے دیکھتے ہیں
 زخم صورت ابھر کے دیکھتے ہیں
 بس بہت ہو چکا یہ وہم و خیال
 تہ میں کیا ہے اتم کے دیکھتے ہیں
 کچھ تو ہوسنی رائگاں ہی ہوں
 اک صدا اور کر کے دیکھتے ہیں
 صبح شاید ملے سراغ اس کا
 ماہ شب سے گزر کے دیکھتے ہیں
 کیا پتہ ماہ پر وہ آہی جائے
 اس سے پھر رات کر کے دیکھتے ہیں
 روز نقش سکوت محسوس
 ہر صدا رنگ بھوکے دیکھتے ہیں

اب اس مکاں میں نیا کوئی در نہیں کرنا
 یہ کام سہل بہت ہے مگر نہیں کرنا
 ذرا ہی دیر میں کیا جائے کیا ہول کا لگ
 سواپ قیام سر رہ گزر نہیں کرنا
 خبر ہے گرم کسی خانے کے ٹٹنے کی
 یہ واقعہ ہے تو آگے سفر نہیں کرنا
 بیاں تو کر دوں حقیقت اس کی ان کتاب
 پر منظر طرہ ہے کسی کو خبر نہیں کرنا
 رفوگر کی کو یہ موسم ہے ساڑ کا بہت
 ہمیں جنوں کو ابھی جامہ در نہیں کرنا

بیروینِ رجم

منظر و محو و محو ہے تو خوابوں کے گھر کہاں
اے شہرِ خوشِ حال ترے یامِ دور کہاں
مقلے آنے والی ہواؤں کے دریاں
سراکوں پہ گھوٹے ہوئے شافوں پر کہاں
دامن میں عمر بھر کی مسافت سمیٹ کر
غم تھی سکوتِ شام میں وہ چشمِ تر کہاں
اب شہرِ آرزو میں تو پھرتے ہو پھرے دار
تھا جس کا انتظار مرا ہم مغر کہاں
تنہائی کی بیاض میں اپنا پتہ لکھوں
بازارِ ورقہ میں ہے مری رہ گزر کہاں

ہیں گرتی برف میں رقصِ الہِ پر غم سے
ترے عہدے ہیں مری جاں پر غم سے
سنا ہے دب گئے سمیٹے کدوں میں
بیادوں پر جو تھے نازاں پر غم سے
ہنیں تھا دیدنی کچھ جنگلوں میں
نظر آئے دواک میراں پر غم سے
ہوائیں خونِ تشنہ ہو گئیں ہیں
فضاؤں میں ہیں پرافشاں پر غم سے
غضب کی خاموشی ہے وادیوں میں
نیشن میں ہیں بے سماں پر غم سے

سازینہ

ایک شب	ایک کے اہلی بن جانے	آنکھیں موند جانے سے پہلے
شہر بدر سے کوئل کے لوٹ جانے	دیلوں کے بے رنگ لوٹ آنے	
شام کی بیٹیں بچنے	اور منطق کے اداسی ہو جانے سے پہلے ایک شب	ایک شب
اور مسافر کے انتظار سے پہلے		اتمس کی صحن سے پہلے
	ایک شب	عطیہ کے سنتوش
ایک شب	ریت بن جانے سے پہلے	اور قبولیت کے غور سے پہلے
پتوں کے کھڑکنے سے پہلے	آوازوں کے دائرے گھر جانے	
ہوا کی سرگوشیاں پہچانے	اور خوف زدہ ارمان سے پہلے	ایک شب
اور قہروں کی آہٹ دور ہو جانے سے پہلے ایک شب		استصال کی بے بیوز
طس کی پکار مانڈنے	ایک شب	آزادی کے بندہ جانے کی ٹیس
تعلیقوں کی درہری بند ہو جانے	سوکے تنکوں کے ہوا میں پھیل جانے	اور بے بسی کے مورچے سے پہلے
دھڑکنیں درج کمنے سے پہلے ایک شب	چن چن کرتی چڑیوں کے خاموش ہو جانے	ایک شب
	اور سواول کے انکار سے پہلے ایک شب	سے سا چکر تھم جانے سے پہلے
ایک شب	ایک شب	بیڑیاں کس جانے
گھنٹیوں کی ٹکانے سے پہلے	مناؤں کے اجنبی آوازیں تبدیل ہو جانے سے پہلے	اور
گھڑی کی سوئیاں کھکنے	بسی دودیاں پا کرنے اور تھک کر چور ہو جانے سے پہلے	قد ہوئی خواہشات کے آنکھ موند لینے سے پہلے ایک
اور بوٹوں کی خبر داری سے پہلے ایک شب	اور ریگستانی چوٹی سے پہلے ایک شب	
ایک شب	ایک شب	ایک شب
پرندوں کے جو کھنے	بغض کی رفتار تھم جانے	یسے گھر دوسرے بنو تن جانے سے پہلے کی کوشش
موم تیلوں کے پگھل کر تھم ہو جانے	خاموشی کے دریچے بند ہونے	۴۴
پکار کی پہل سے پہلے ایک شب	اور روشنی کی چکا چوندھ میں	

سازینہ

وقت کی گر دھری دیوار پر ایک لڑکی بار بار مجھ سے
انگلی سے ایک لکیر کھینچ دوں گی ایک ہی سوال کرتی ہے
اور کہ کسی سے بتوں کی خوشبو
سالونی چاندنی، اسائی دھوپا دیزیز چوں کا جوم گورے کے پروں کے نیچے سے آتی
یرے اندر سے نکل جائے گا۔ گرم ہنک سے
پھر کون پوچھے گا کیوں نہیں میل کھاتی
فراتے سے بھاگتی ہوڑے کے پیسے کے نیچے لیکن ٹھونٹھ بیڑ پر
ابھی ابھی کیسے ایک عبادت مردہ ہو گئی اک آئی چھوٹی چھوٹی بیویوں کا سزودہ نہیں جاتی
کیا بچے کی کلکاری کے پیچھے سے یا پروں کی کہانی والی ایک معصوم دنیا
تعلی ہوئی باہوں کی کراہ نہیں سنائی دیتی؟ اور
سچ پوچھو تو جاتے کی دھندلاتی شام میں
کچھ دروازہ دار ہنستے ہوئے الاؤ کی آؤ بچے پاس بیٹھ کر سوچنا
آنکھوں میں آنسو سیر آنا جو یہ نہیں لگتا کیا آدمی ہونا اتنا آسان ہے؟
کانٹوں کی بارے اس بار کھلکھلاتی لڑکی چپ ہو جائے گی
ایک موم جی ٹکا تار مل جل کر کسی نئی عمر کے ڈرے کے قریب بیٹھو
ہرت در ہرت جیتی جاتی ہے تو یہ محسوس ہو گا
پھر بھی آوازوں کا جھگٹ کہ باتیں ٹھیک دہیں سے نہیں شروع ہوتیں

ہندوستانی مسلمانوں کے ذہن تک پہنچا تھا۔ اس کتاب میں داغ بوبنگ کا مذہبی
نے یہ زور دیا کہ ہر مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ قوم پرست تھے۔ سرسید کی
سوانح عمری "حیات جاوید" از مولانا حالی طبع کردہ کتب خانہ "مکتبہ
کا گنج"۔ لیکن حیات جاوید سے لگتی کوئی چیز اس قدر ہے کہ وہ بار بار
پہنچتے ہیں اور اس کے مقصد سے کام لگتے ہیں۔ انگریزی ترجمہ (مکتبہ فریڈرکسن)
دوبارہ چھپ چکا ہے۔ انگریزی اردو میں فی زمانہ ایسی کتابیں کو کثرت
سے ہیں جن میں سرسید کا بارہ راست ذکر ہے۔ ان میں سرسید سے فصل
سرور کا رکھا گیا ہے۔ مثلاً کریسٹن ٹرول Christian Troll، صفر عباس
شان عزا اور David Lelyveld کے نام فورا ذہن میں آتے ہیں۔

سرسید سے دل چسپی کے اس ماحول میں شریعین کی زیر نظر کتاب
خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں ایک تو یہ کہ شریعین نے
ساریں ذاتی پر تحقیق کام کیا ہے۔ جس کا زائد تو یہ تھا کہ یہ جو سرسید کا
ہے۔ بلکہ سرسید کے جیسے اسے میں شریعین کی حلاوت کا ایک تازہ
نقطہ نظر اور تناظر بھی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کتاب میں پہلی بار
سرسید کے مذہبی افکار و آثار پر فصل لکھیں مگر جان وارانہ بحث کی گئی ہے
یعنی اس میں سرسید پر فتویٰ کو ہے اور مذاہن کے صاحب کشف و کرامت
اور ولی اللہ ہونے کا دعویٰ۔ شریعین نے سرسید کے افکار کا بیان ان
کی تصنیفات کی روشنی میں صفحہ بہ صفحہ حوالے (بلکہ ضلالت) کے ساتھ کیا
ہے۔ معترضین کے یہاں تاں بھی نقل کر دیئے ہیں، اور سرسید کے جوابات بھی
اس طرح تمام صورت حال واضح ہو جاتی ہے اور سرسید نے غلطیاں
احدیہ، تحقیق الکلام اور تفسیر قرآن کے لکھنے کی خاطر یہ قدر مطالعہ
کیا ہو کہ حلاوت مگرانی تاخیر کوئی استعمال کیا۔ انگریزی اور دیگر
غزلی زبانی کے استفادہ کی کیا صورت اختیار کی اور اس تمام گفتگو اور
اساطعہ لکھ کر، یہ باتیں بڑی تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔ میری بات یہ
کہ شریعین نے اس کتاب میں سرسید کی قوم پرستی اور انگریزوں کے سامنے ان کی

سرسید احمد خاں اور ان کا جلد ۱۰ شریعین
۱۰ ایک کونسل۔ ایک ہاؤس مل گئے۔ دوسروں نے

سرسید کی اہمیت کو اب سو سال ہونے کو آ رہے ہیں اور ان کی پیدائش
(۱۸۱۷ء) کا وقت تو ہم سے بہت دور معلوم ہو رہا ہے۔ سرسید کے انتقال کے بعد
زمانہ کئی بار بدل چکا ہے اور یہ تبدیلی اس قدر تیزی سے مل میں آئی ہے کہ پچاس
صدی میں وہ سب کچھ ہوا ہے جو پرانے زمانے میں پوری صدی میں
ہو نہ ہوا تھا۔ اس کے باوجود سرسید کی شخصیت اب بھی اور آج بھی تازہ
اور بہت طلب معلوم ہوتی ہے۔ ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ
آج بھی برطانوی اور مسعود معلوم ہو رہا ہے۔ جدید ہندوستان کی تعمیر میں ان
کا کیا حصہ ہے مسلمانوں کے موجودہ فنی شخص پر سرسید کی دیکھ اڑنا دار
ہونے میں؟ کیا پاکستان کی پیدائش سرسید کی تعلیم و تحریک کا منطقی نتیجہ تھی؟
کیا سرسید اسلام کو عیسائیت میں تبدیل کرنا یا اگر تبدیل کرنا نہیں تو نزدیک تر
لانا چاہتے تھے؟ اس طرح کے کئی سوال ہیں جن پر آج بھی گفتگو ہوتی رہی ہے
ہندوستان میں جسے اندرون ملک میں اور موجودہ صدی میں تیرا درخشاں
بصرہ و صدی میں تو لوگ دیکھ رہے ہیں اور کارندہ اور غیر اہم ہو جاتے ہیں
اگر سرسید تقریباً پوری صدی کے بعد بھی آج اہم معنی فزا دہ بحث طلب بھی تو یہ
اس بات کا ثبوت ہے کہ سرسید واقعی ہندوستان کی شخصیت تھے اور ہندوستان کے
ان کا ہم بلے انسان بڑی شکل کی ہے پیدا ہو گیا۔

کچھ دن پہلے جاری کی گئی قلمی تحریر ہے "ترجمان الاسلام" میں سرسید
پر ایک طویل مضمون شائع ہوا جس کا سبب یہ ہے کہ سرسید انگریزی تہذیب و تمدن
بلکہ انگریزوں کے قائمہ تصورات کے مکمل ملحد بن گئے تھے اور ان کی تمام گدرد
کا مقصد ان کی تمام تحریروں و خاص کر ان کی مذہبی تحریروں کا بے جا تخریب تھا کہ
مسلمانوں کو عیسائیت کا کر خوار نہیں تو غلامی و رونا دینا چاہئے۔ چند سال پہلے
راہ گورنمنٹ کا مذہبی نے اپنی کتاب Elahi Love لکھی جس کا مقصد اسلام کی تحریف

مکتبہ المدینہ کی تفصیل دیکھ لیں۔ سرسید انگریز پرست بزرگ تھے۔ ان کی آخری تقریر جو ان کے بستر مرگ کی آخری یاد گاہ ہے۔ وہ بھی ایک عیسائی مصنف کے رسالے "امہات المؤمنین" کے رد میں تھیں۔ اگر وہ انگریزوں سے محروم و خوف زدہ ہوئے تو شانِ انبیاء، حتیٰ کہ مظلوم بہادر شاہ ظفر کے دے ہوئے مسخاتیات کو تاثر نہایت فرومایہ بات کے ساتھ نہ استمال کرتے۔ ثریا عین نے یہ وضاحت بھی کی ہے (صفحہ ۱۰۷) کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے بھی سرسید کے بارے میں اپنے مراسلے میں یہ فرود کیا ہے کہ عقائد اسلام اور احکام دین کو سمجھنے کی کوشش میں عقل کو آٹا و خیل نہ کرنا چاہیے جتنا رسولِ اقدس و امامِ اربعین رحمۃ اللہ علیہم کے ارشادات و لیکیں حضرت نانوتوی نے سرسید کو مورد الزام و ہریت یا انگریز پرستی نہیں پہنچایا ہے۔

اس کتاب کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اس سے چرچا ہے کہ نویں صدی کے مسلمان اپنی گئی گزری حالت کے باوجود دانستہ یا بے ادبم نہ تھے جتنا انہیں شہید کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مائیت دہلوی یا کوئی (جن سے سرسید نے طبرانی سیکھی) مولانا راجت اللہ کراروی (جنہوں نے "یسوی اور یہودی کا خدشہ" ثابت کیا کہ موجودہ انجیل حرف ہے) اور مولانا راجت اللہ کے دست راست ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی پرغ علی نام لیا جاسکتا ہے۔ ثریا عین نے سرسید کی ان تقریروں کا بھی مفصل لہرہ کیا ہے۔ یہاں کا تعلق تاریخ سے ہے۔ سرسید کو تاریخ کی اہمیت اور قہور کی مذکورہ شکل و شکوے دشمنی حاصل کرنے کی اہمیت کا احساس ماحند دینا بڑی دہ تھا۔ ثریا عین ان کا قول نقل کرتی ہیں (صفحہ ۳۰) کہ کسی قوم کے لئے بے زیادہ بے حرمتی نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی قوی تاریخ کو بھولی جائے اور اپنے ان کی گائی گائی گھوسے۔ "ذکار اللہ کی "تاریخ ہندوستان" اور فیضانِ اسلام" چاہے سرسید نے تاریخ اور تاریخ نگاری کے بارے میں اپنے خیالات و عقائد کے حالات کی روشنی میں بعد میں اپنی تاریخ نویسی کی بنیاد پڑی۔

ثریا عین نے سرسید کے ادبی اہل انواروں کا بھی تفصیل کا حوالہ دیا ہے۔ ادبیات سے سرسید کا مطالعہ یہ کہ ہمارے یہاں بہت کمزورتھی ہے کیا گیا ہے اس

کو بھی ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء

لے کتاب کے اس حصے میں معلومات کی وہ فراوانی نہیں جو دوسرے حصوں میں ہے۔ علی گڑھ کالج کی سالانہ رپورٹیں دیکھ کر اچھڑنے والے عین کم یا ب تفصیلات ضرور جمع کر دی ہیں۔

یہ کتاب عام طور پر غلط ہے، لیکن چند جگہ اشتباه کی اصلاح ضروری ہے صفحہ ۱۰ پر Plotist کا ترجمہ دین دار کیا گیا ہے۔

در اصل یہ لوتھری عیسائیوں کے ایک فرقے کا نام ہے۔ صفحہ ۱۰ پر Manichees کا ترجمہ بھی صحیح کیا گیا ہے۔ دراصل "منی" کی جیسے تفسیر کا اور دو فارسی میں "مانوی" کہتے ہیں "مانی" مانی پروردگار مانی کہا جیسے ہم مانی و بنواد" مصدقوں کی بڑی کے حوالے سے جانتے ہیں صفحہ ۱۰ پر Buchanan کا اردو میں "بوفان" لکھا ہے۔ اس کا صحیح تلفظ "بکین" ہے۔ صفحہ ۱۰ پر ہارنیل کی "درس" کا ذکر ہے۔ انجیل کے جہول کو عرب میں عام طور پر VERSE قرار دیتے ہیں لیکن اردو میں انجیل کے جہول کے لئے بھی "آیت" کا لفظ استعمال ہے۔

اس کتاب کی کتابت و طباعت بری نہیں ہے، لیکن موت و من کا کوئی خاص اہتمام بھی نہیں کیا گیا ہے۔ بعض غلطیاں بھی آباد گئی ہیں۔ پھر ایک تکلیف دہ عادت کتاب (مصنف) کی یہ کہ بہت سے عربی الفاظ جن میں ہمزہ ہے اور اردو میں وہ ہمزہ لکھ کر بھی جاتے ہیں، انہیں جدید فارسی قواعد کے التزام میں بے تفتائی سے لکھا گیا ہے مثلاً عقائد کی جگہ عقاید۔ انجیل کی جگہ شاہک، و انجیل کی جگہ دلائی۔ یہ اردو کے قواعد کے خلاف بھی ہے اور بدشگلی۔ کیا وہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ کتاب میں اشاریہ نہیں ہے اور کتابیات کو بھی ٹیک سے مرتب نہیں کیا گیا ہے۔ کتاب کا نام "سربہاد افغان" اور ان کا "عہد" ہے۔ لیکن اس میں سرسید کے عہد کی سیاسی اور طبعی حالت پر روشنی بہت کم ڈالی گئی ہے۔

شخص الرحمن فاروقی

فقیہی کے لیے ہے۔ ہاتھ بڑی شہرت میں سمجھتے ہیں، اور شاید فقیہی اور دکن کے لیے یہ سب سے
 عہدہ مصلحتی، یا اس لطیف تصویر کے لیے یہ حال روح پرور اور نفاذ کا
 رہی ہیں۔ ساری غارتگی کی دونوں نگاہیں، ان کے میں کی اہمیت ہے۔ اس خوب
 خان، یا آشتی چنگیزی، اور شاید حال غارتگی، یا استغناء، یا اور شفق، یا اور شفق، یا اور
 ادب یا اس لطیف کا بطور خاص لطیف، اور لہذا محسوس ہوئے۔

[illegible]

اخبار و افکار

اس بزم میں

- باقر مہدی کا طبع نظم سیاہ سیاہ کے ہم سے حل ہوا
شائع ہوا ہے۔
- راشد طراز موگیر دیار کے شاعر ہیں اور ایک کالی میں دو
کے ساتھ ہیں۔
- سونو کے کلام کا مجموعہ "شب خون کتاب گھر" آباد سے جلد
بھی شائع ہوگا۔
- نعمان شوق آزاد کے نوجوان شاعر ہیں۔ ایک مقالہ کالی میں
انگریز کے استاد ہیں۔
- تذیر آزاد کا مجموعہ کلام "نقہ و زخمیرا" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

- شمس الرحمن فاروقی خدمت سے بیکار ہو کر آج پھر کچھ ہیں
میں نہیں شب خون کے پتے پر نہ لکھا جا سکتا ہے۔
- ۱۹۴۳ء کا ساہتیہ کی پوری تمام اردو کے بزرگ افسانہ نگار رام لعل
کولہ کا کتاب "کھیر" پر طبع ہم ان میں مبارکباد میں کرتے ہیں۔
- اردو محققین میں کلام حمید کی اکتفا کی غیر نہایت رغبت
غم کے ساتھ ہی گزرتا ہے۔ کلام حمید کی افانوں کے کئی نمونے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ
میں (مختصر فاراد) ایک (ماہنامہ) کے مدیر بھی تھے۔ آپ سنگ نے اردو زبان
و ادب کی ہم خدمت کی ہے۔ کلام حمید کا شمار جدید شعریات میں ہوتا ہے۔ انھوں
نے فائنل کے شعروں کی تہیت کی تھی۔
- شب خون میں کثرت سے چھپنے والے شاعر وقار و اتقی کا پچھلے دنوں
انتقال ہو گیا۔ ایک سلیب اور صوت و مداسن کے اہم نمونے ہیں۔ ایک بلا متبادل
فلاسفہ و کمالیت کا مفصلہ اور اتحاد و تکرار کا پیکر ہوئے تھے۔
- اردو کے مشہور شعراء اور افسانہ نگار اختر اور عوی کی اہل بزم
شکیرہ اختر جو فوری ہی بہت اچھی افسانہ نگار تھیں پچھلے دنوں بڑے میں انتقال ہو گئیں
- اردو کے مشہور شاعر اور ادیب جاوید شمسٹ تقریباً ۷۰ برس کی
عمر میں انتقال کر گئے۔ جاوید شمسٹ ہر افسانہ نگار کے پہلے سکریٹری مقرر ہوتے اور
ان کی زندگی کو نکل بنایا۔ تقریباً تیس کن لوگوں کے مصنف و مترجم تھے۔ ان کا زندگی کا بیشتر
حصہ دھن و نمبر میں گزرا۔

شمس الرحمن فاروقی
نئی کتاب
شعر شور انگیز
جلد چہارم

ترقی اردو بیورو نئی دہلی سے
شائع ہونے والی ہے
— — —
میرابطہ —
شب خون کتاب گھر ۱۲/۳۱۳ رانی مٹی
الہ آباد

- پرنسپل میرا لال پرچہ نادری کے شعروں کا تار اور علامہ اقبال کے
شعر میں تھے۔ جو بل حالات کے بعد تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں انتقال کر گئے
- اردو کے استاد اور نثر نویس کے مصنف و مترجم سادات علی شاکر
کاگک جنگ ۴۹ برس کی عمر میں انتقال ہو گئے۔
- ادارہ تمام گذشتگان کے غم میں سوگوار ہے اور پسماندگان کے
لئے نصبر و استقامت کی دعا کرتا ہے۔

زبان کی نوعیت

مغرب میں زبان کی نوعیت کے بارے میں عبود و فکر کا نیا دور انیسویں صدی میں شروع ہوا ہے۔ انیسویں صدی میں یہ خیال عام ہونے لگا تھا کہ الفاظ اور اشیا میں لازمی رشتہ نہیں، اشیا کی نوعیت یا اہمیت الفاظ کے اندر بند نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ الفاظ خود اشیا نہیں بلکہ اشیا کے تصور پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس معنوں پر یونانی بعض مفکرین کے اقوال پیش مندرست ہیں۔

• ماہرینِ نحو اور فلسفہٴ لسان و نحو پر لکھنے والوں کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ فرض کرتے ہیں کہ الفاظ اور ان کے غوی رشتے دراصل اشیا کے فوری نمائندے ہیں اور اشیا اور الفاظ میں کوئی فوری تعامل و مطابقت ہے۔ (حقیقت یہ ہے کہ الفاظ اور تصورات میں مطابقت ہے۔ اور الفاظ کی درست ترتیب اور ان کے ربط و ارتباط کا تعلق عملِ تفکر کے قانون کے تابع ہیں اور ان کا تطابق سوچنے والے کے ذہنی عوامل اور محسوسات ہے [نہ کہ اشیا سے]۔

— سیموئل میلر کوکمرج

(بسیل مذکورہ بیان و اہم شرٹز کا قول نقل کیا جاتا ہے۔ شرٹز اپنی کتاب STRUCTURALISM IN LITERATURE کے صفحہ ۹۷ پر لکھتا ہے کہ اگر کوکمرج جدید وضعیاتی شریات کا باپ نہیں تو اس کا ایسا چچا ضرور ہے جو اس کے وجود کے لئے سودمند اور منفعت بخش ہے۔)

• غیر ترقی یافتہ تہذیبوں کی فکر میں نام اور شے آپس میں اس طرح متعلق ہیں کہ ایک کو دوسرے کا حصہ قرار دیا جاتا ہے۔ اشیا اور الفاظ کی مکمل تفریق یونانی فکر و تفکر کی ایک عام خصوصیت ہے۔ ہر برٹ اسپنسر ... لوگوں میں یہ سوچنے کا رجحان شروع ہی سے رہا ہے کہ اگر ہم کسی چیز کو نام دے سکتے ہیں تو اس چیز کا کوئی وجود، اس کا کوئی تشخص بھی ہوگا۔ اور وہ اپنا آزاد وجود بھی رکھتی ہوگی۔ اور اگر کوئی حقیقی شے نہ مل سکی تو ہمیں اور اس کے نام میں مطابقت ہو تو لوگوں نے یہ فرض نہ کیا کہ ایسی چیز کا وجود نہ ہوگا۔ بلکہ انہوں نے یہ فرض کیا کہ وہ شے کوئی بہت زیادہ میسر لغہ اور پراسرار شے ہے اور ہوش و حواس کی دسترس سے بہت آگے ہے۔

— جان اسٹوارٹ مل

• غیر ترقی یافتہ فکر بے شک بھی کہتی ہے کہ نام دراصل شے کے وجود کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کو بیان کرتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ فوری اور لازمی تھا کہ نام کے وجود سے ہم شے کے وجود پر دلالت کر سکتے ہیں۔

— ریمینڈ پوسٹ گیٹ

اپریل، مئی ۱۹۹۲ء

مدیر، پرنٹنگ پریس، عقیلہ شاہیں
مطبع: تاج آفٹ پریس، الرآباد
بارہ شمارہ: سو روپے
ٹیلی فون: ۶۲۳۱۳۰، ۶۲۳۱۳۱، ۶۲۳۱۳۲، ۶۲۳۱۳۳، ۶۲۳۱۳۴ جلد: ۲۸ شماره: ۱۷۴
سورق: زوار حسین
دفتر: ۳۱۳- رانی منڈی، الرآباد
فی شمارہ: نو روپے

زبان کی نوعیت

- ۱ قریب، علامتی افسانے، علامتی شاعری، ۳
- ۲ بلراج کول، نظیں، ۶
- ۳ ساقی فاروقی، غزلیں، ۸
- ۴ وزیر آغا، غزلیں، ۱۰
- ۵ شمس الرحمن فاروقی، شعروشراذگین، ۱۱
- ۶ اقبال متین، غزلیں، ۲۳
- ۷ صدیق مجیب، غزلیں، ۲۵
- ۸ کاوش بدیری، غزلیں، ۲۷
- ۹ رفیق راز، غزلیں، ۳۲
- ۱۰ راہی فدائی، غزلیں، ۳۷
- ۱۱ خالد اقبال یاسر، غزلیں، ۳۸

- ۱۲ سجاد باقر رضوی، غزلیں، ۳۰
- ۱۳ آصف قرنی، کٹھنئے ہاتھ کی سلامی، ۳۱
- ۱۴ شوکت حیات، سراغ، ۵۳
- ۱۵ پرتیال سنگھ تپا، غزلیں، ۵۴
- ۱۶ صدیق عالم، ہابیل قابیل، ۵۹
- ۱۷ رفیعہ شبنم مایدی، غزلیں، ۶۵
- ۱۸ ارشد عبدالحمد، غزلیں، ۶۷
- ۱۹ حامد مجاز، نظمیں، ۶۸
- ۲۰ تنویر سامانی، غزلیں، ۷۰
- ۲۱ معصوم نظر، غزلیں/نظم، ۷۱
- ۲۲ شمس الرحمن فاروقی، کتابیں، ۷۲
- ۲۳ قارئین شب خون، کہتی ہے خلق خدا، ۷۳
- ۲۴ اوارہ، اخبار لاڈکار، اس بزم میں، ۸۰

ترتیب و تہذیب

شمس الرحمن فاروقی

مترجمیل

علامتی افسانے یا علامتی شاعری پر گفتگو کا آغاز اس طرح ہونا چاہیے کہ میں یہ معلوم ہو کہ علامت کسے کہتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا ہے کہ تشبیہ اور تشکبہ بھی علامت ہیں۔ انہیں وہ تعبیری علامت پسندی کے ذریعے میں شمار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے تشبیہ و تشکبہ اور علامتی قصبے کو بھی میں میں جانوروں کے ہرے میں انسانوں کی باتیں کی جاتی ہیں علامت کہتا ہے۔

مولانا درویش کا یہ شعر آپ نے سنا ہوگا

خوشتر آں یا شکوہ سر و لبر آں

گفتہ آید در حدیث دیگر آں

اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مولانا درویش نے بھی اشاراتی اور علامتی انداز بیان کو پسند کیا ہے۔

بیشواؤ نے چو حکایت می کند

وز جہانی یا شکایت می کند

یہاں انٹری کہی ایک علامت ہے اس طرح تو شاعری کا یہ حصہ

علامتی ہو جائے گا۔ علامت کی اس اہمیت کی طرف غائبانہ اشارہ کیا تھا ہے

ہر چند ہوشا بدہ حق کی گفتگو

نبی نہیں ہے بادہ و ساغر کی غیر

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم علامتوں کا سہارا لے لیں بیرونی جانی کا اکتفا نہ آؤں

میں نہیں کر سکتے۔ ایچ کو بھی بتانے والوں نے علامت بتلایا ہے چلیے یہ بھی مان لیا۔

اپریل / مئی ۱۹۹۲ء

گراپ سوال یہ ہے کہ ایچ علامت کی بن جائے۔ اس کے کئی جواب ہوں گے۔ مگر مجھے ایک یہ دعا سنا جواب یہ معلوم ہے کہ اگر ایچ کی طرف انوی تیر کی جاکھ ہے تو یہ علامت نہیں ہے، اگر انوی تیر میں کی جاسکتی تو علامت ہے۔ مثلاً غالب کے اس شعر میں

موت کا ایک دن میں ہے

نیز کیوں رات بھر نہیں آتی

بر لفظ اپنے انوی ہمیں میں استعمال کیا گیا ہے اس لیے یہ شعر بھی علامتی

نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن غالب کا یہ شعر ہے

نقش فریادی ہے کس کی شوقی تو یہ کا

کاغذی ہے ہر من ہر یک تصویر کا

علامت ہے اس لیے کہ اس کے ایچ کی انوی تیر میں کی جاسکتی مثلاً غالب کا یہ شعر ہے

قصص میں جیسے رو داؤچن کہتے نہ ڈور ہدم

نوی پس کل بکلی وہ یہ آتشیا کیوں ہو

یہاں قصص نہ رو داؤچن بکلی ادنیائیں کے ایچ کی انوی تیر میں نہیں ہے بہت تکمیل

اپنے آپ کو پرندہ تسلیم نہ کریں، لیکن اپنے آپ کو ایک علامت مان لیں۔ باورِ قریب کا کائنات

ہی کہ علامتوں کا جھنگل کہتا تھا میں اس پر اسی صورتی دیکھ کے لوگ گفتگو کر رہے تھے۔ کافکا

علامت کی شانوی کرنا چاہتا ہوں تو ذرا دیکھ کر میں نے یہ کہہ کے لوگ گفتگو کر رہے تھے۔ کافکا

یکہائی یا نادلی میں آپ ایچ کے انوی ہمیں سے ملے ہوں چائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ

دیکھ کر کہیں کوئی علامتی نہیں۔ یہ تو ایک علامتی ناول ہے، ایسا تو علامتی ناول ہے۔
اب ذرا غالب کا ایک شعر اور سنئے۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دو انگہ کوئی

یہاں ابن مریم صرف طبع نہیں ہے۔ علامت بھی ہے۔ بشر میں ابن مریم کے
علامتی استعمال نے مان ڈال دی ہے۔ یہاں ابن مریم کی قریب علامتی معنوں کے
علامہ ہو ہی نہیں سکتی اس طرح۔

انگریز شاعر ہم زبان سخن نہ کینم

دگر خلیل شود و میاں جگر دینم

اس شعر میں حضرت مولیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر نفی معنوں میں ہو
ہی نہیں سکتا۔ یکم اور خلیل ان دو لفظوں کو شاعر نے علامتی معنوں میں استعمال کیا ہے۔
اسی طرح دینی میں کی انگریزوں کا ایچ علامتی ہے۔ لیکن اس کا ذکر کہاں نہیں ماسا طر
میں ہو مزار ورنے کی شاعری میں اس قدر جو چکا ہے کہ اس کی تصویر علامت کے ہو سکتی اور
طرح میں ہو سکتی۔ تو یہ علامت کے معنی سمجھنے کے لئے یورپ کی طرف پلے پکڑ کر لو یا
اصطلاحات دیں سے ہماری ادبی تہذیب میں آئی ہے۔ جیل سے آپ واقف ہیں
انگریزی کا لفظ یونانی لفظ SYMBALLEIN سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں
ایک دوسرے کے ساتھ کھنکھنا۔ یعنی لانا یا جوڑنا۔ جہاں دو چیزیں اس طرح
جوڑی جائیں کہ یہ دونوں مل کر ایک کی نمائندگی کرنے لگیں تو اس کو علامت کہتے ہیں
ادب میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے ایک چیز کو کہ دو چیز مراد لی ہے۔

اب ذرا ایک اہم بات ہے وہ سنئے۔ انگریز شاعر کے کلام میں یا کسی
شاعری کی روایت میں کوئی خاص تشبیہ یا استعارہ یا دہرا یا جملہ ہے تو
اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تشبیہ یا استعارہ علامت بن گیا ہے۔ یعنی شاعروں کے
کلام میں تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ابتدائی زمانے کی شاعری میں انمولہ تشبیہیں
اور استعارے استعمال کرتے تھے وہی بعد کی شاعری کے زلف میں علامت بن گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب ہماری شاعری اور ہمارے ادب میں علامتیں
مستعمل رہی ہیں، انہی کو پہچاننا اور نمائشیں کس جگہ آتا تھا تو اب ایسی کوئی سی
آفت پڑی ہے کہ علامتوں کا اس قدر بوجھ ہے کہ اس ادب میں علامتوں میں

آجکل ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے تو جتنا پتہ چلے گا میں سمجھ سکا ہوں یورپ میں پڑھنا
ذہب کی تحریک اصطلاح، مشکل پرستی کا زور اور مذہبیت کے زوال سے ان کی
روایتی علامتوں میں جان تپیں رہی پانچ ہزار ہزاروں کے لئے یہ حقائق علامتیں
بیکار ہو گئیں۔ یہاں تک کہ دینار و دعائی نامیہ سے دیکھنے کا رویہ ہی ختم
ہو گیا۔ یادہ و ساغر و مکتا شاہد حق ختم ہو گیا۔ اور علامتی زبان ایک گم شدہ
زبان بن گئی۔

اس صورت حال میں فرانس میں باڈیر نے شاعری سمجھے۔ بری کے بھولنے
کے ساتھ ملنے آیا اور پھر باڈیر سے شاعر اور شاعر بھی آگئے مینڈلے نے روایت
کے اس زوال کو صدمہ کہتے ہوئے اپنی بانیوٹ علامتوں کے ذریعے اپنے خواب
اور اپنے وزن کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ باڈیر نے اپنے مشہور رسالہ میں ادا
اور دعائی حقیقتوں میں مطابقت کا اعلان کیا۔ آپ کا اس کی شیطانی پسندی یاد
آگئی ہوگی۔ وہ بیزاری کے شہر یا ساس کا اظہار کرتے تھے DANDYISM اس
کی دلچسپی سے بھی لوگوں نے دلچسپی لی۔ باڈیر کی طرح ورمین، لٹاں اور میلارے نے
علامتی شاعری کے نئے تلیقے کئے۔ علامتوں کا پارا پرزہ اودان کاہر میں ذرات
سے زیادہ میلارے کو پسند تھا۔ روایت اور مذہبیت کا جو خلا یورپ میں پیدا
ہوا تھا علامت پسندی اسے اس کو پُر کرنے کی کوشش کی گئی یہاں تک یورپ میں ادب
کو مذہب کا SUBSTITUTE سمجھا جانے لگا اور عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ علامت
انتہائی گہری فکر کا اظہار کر سکتی ہے۔ اور انشور کے تہمتی بھی شائدگی علامت سے
ہو سکتی ہے کسی اور طریقہ بیان سے نہیں، جو لوگ شاعری کی ایسا تو توں میں یقین
رکتے ہیں ان کے لئے تو ایچ اور استعارے ادا ماسا طری نہیں ہو سکتی کے معاصر اور
تناسبات بھی علامت بن جاتے ہیں۔ بچوں کو اب شاعروں کے لئے روایتی، تہذیبی
اور آفاقی علامتیں مودہ ہو گئی ہیں۔ اس لئے علامتی شاعری کا موضوع فرما ذاتی
تجربہ اور ذاتی احساس ہوتا ہے۔ اور علامتی شاعری ہی کیا علامتی انسانے اور علامتی
ناول کا موضوع بھی کہانی کا ریا ناول نگار ذاتی احساس اور ذاتی تجربہ ہوتا
ہے۔ مثلاً مولیٰ دم کی دنیا و لاکھ شیکسپیر کی ٹیڈی بے پر دکھی گئی ہو اگر اس کا
مواد میلولی کا ذاتی تجربہ یا احساس سے نہ پیدا ہوتا تو اس ناول میں ہر مذہبی سفر

شب خون کتاب گھر

تفصیل :

- ۱۴-۵۰۔ افسانے کی حمایت میں شمس الرحمن فاروقی
- ۷۵-۱۰۰۔ انوار گشتگو کیا ہے شمس الرحمن فاروقی
- ۴۰-۱۰۰۔ زیر غور دس والدین شاہاں
- ۴۰-۱۰۰۔ آتی جاتی ہوں منظر امام
- ۱۲-۱۰۰۔ تنقید و موصفات ظفر احمد صدیقی
- ۶۰-۱۰۰۔ انعکاس کبیر احمد جالسی
- ۸۰-۱۰۰۔ ایرانی تصوف کبیر احمد جالسی
- ۶۰-۱۰۰۔ سرتی تاجیک ادبیات کے بانی مجید جالسی
- ۴۰-۱۰۰۔ تیز تحریر محمد منصور عالم
- ۴۰-۱۰۰۔ پیام اقبال محمد بدیع الزماں
- ۳۰-۱۰۰۔ امدان محمد منصور عالم
- ۶۰-۱۰۰۔ طبع صبا نویدی کے مضامین محمد علی اثر
- ۱۵-۱۰۰۔ لاہور کا جوڑ کر کیا گوپال سنگھ
- ۲۰-۱۰۰۔ ماورائے مشور یحییٰ الرحمن

ڈرائے / افسانے

- ۶۰-۱۰۰۔ شہر آہو خانہ قرا حسن
- ۵۰-۱۰۰۔ آگ الاؤ صرا قرا حسن
- ۲۵-۱۰۰۔ اب وہ اترنے والا ہے انیس رفیع
- ۱۵-۱۰۰۔ انگاروں کا شہر ظہیر انور
- ۴۰-۱۰۰۔ فرانسیسی ڈرائے ظہیر انور

۱۴۳۳ھ - رانی منڈی - الہ آباد

کرنے والوں کی ایک داستان کے ساتھ نہ بچا، اسی طرح ہمارے ان افسانوں اگر فی کا کرا والی تقریب نہ ہو تو یہ علامتی نہیں ہو سکتے۔ انشراح میں سے کہ خالدہ حسین تک علامتی افسانہ نگاروں کے کئی نام آتے ہیں۔ ان میں انور بکاد بلوچ میں راہ سریندر پرکاش اور احمد بش بہت نمایاں ہیں۔ ان علامتی افسانوں میں میلارے کی شاعری کی طرح ایہام ہے اور معنویت اس ایہام کے اندر پوشیدہ ہے۔ میلارے سمیت تھا کہ نظم ایک ایسی پراپرٹ ہے جس کی کچی تلاش کرنا پڑھنے والے کا کام ہے مگر نظم کا مفہوم عوامی کیا گیا جائے تو اس سے نظم کا تین چوتھائی تلفت ختم ہو جاتا ہے۔ وہ تلفت جو سن کے آہستہ آہستہ سمجھ میں آنے سے پیدا ہوتا ہے۔ فرانسیسی جاننے والے کہتے ہیں کہ اس کی نظموں کو عقلی طور پر نہیں سمجھا جاسکتا۔ بلکہ اس کا مفہوم علامتی لہذا میں شاعرانہ وجدان سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ یعنی اس کی شاعری ایک مخصوص تلفت کے لئے ہمارے علامتی افسانہ نگار بھی بہت محدود و قطع تک رہ گئے ہیں ان کے پڑھنے اور سمجھنے والے نظر نہیں آتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وہ یعنی سنگل یہ کہتا ہے کہ علامتی آرٹ خیال کے اظہار میں نام کام رہ جاتا ہے یعنی علامتی آرٹ میں معانی اور اس کا اظہار دونوں ایک دوسرے کے لئے ناکافی اور انہی رہتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ علامتی افسانے اور علامتی شاعری کے بعد ہمارا ادب کس سمت میں سفر کرے گا۔

اس کا جواب ہر فن کار اپنی تخلیق میں دے گا

۵۵

کبیر احمد جالسی کی نئی کتاب

ایرانی تصوف

قیمت: اسٹیڈیڈیپے

رائیظہم : شب خون کتاب گھر - رانی منڈی - الہ آباد

بلرج کو مل

اگر موت ممکن ہے، میری تمہاری
یہاں خاک رسو اپہ ظہرت کے معمول کے دائرے سے
کہیں مایہ ناز، ناگہانی دیا، یا
ہجوم فیرواں کے سیل بلا یا کسی حوشے سے
تو میں اتفاقاً
جو زندہ ہوں امروز
تم اتفاقاً
جو زندہ ہو، امروز
کچھ دیر کو
آہٹے سانسے بیٹھ کر

اپنے شکوے گلے بھول جائیں
طلاقات کی ساعت گوش و لب میں
اگر ہو سکے تو
کوئی بات ایسی کریں
جس میں امکان حسرت کا جادو
مدام اپنی سرشاریوں میں
جس جذبہ کتنا رہے غم بے اماں تک
کسی منزل لامکان تک
کوئی بات ایسی کریں ہم
کوئی بات ایسی کریں ہم

بلراج کومل

جب کتے رات کو رو دتے ہیں

تو اکثر لوگ سمجھتے ہیں

کچھ ایسا ہونے والا ہے

جو ہم نے اب تک سوچا تھا نہ ہی سمجھا تھا

جو ہونا تھا وہ کب کا لیکن ہو بھی چکا

یہ شہر چلا

اس شہر میں روشن ہستے، نستے گھومتے کئی

سب راگھ ہوئے

اور ان کے یکس

کچھ قتل ہوئے

کچھ جان بچا کر بھاگ گئے

جو باعزت تھیں

روائی کی خاک اور بھکے راہ گزر پر پڑی ہیں

کچھ بیوہ ہیں

کچھ پابند رشتوں کی وحشت ہیں

کچھ اوصاف بھوکے بچے

دن بھر آوارہ پھرتے ہیں

ہر جانب مجرم ہی مجرم

ان میں سے کچھ ویشہ ور

کچھ یکہ رہے ہیں مجرم کے فن کے راز سنئے، اسرار سنئے

جو ہونا تھا، یہ سچ ہے، اس میں سے تو بہت کچھ ہو بھی چکا

لیکن شاید کچھ اور بھی ہونے والا ہے

کتے تو آخر کتے ہیں

دن بھر کچرے کے ڈھیر دن پر

ہمارے مارے پھرتے ہیں

جب رات اترنے لگتی ہے

آنے والے دشمن موسم کی دہشت سے

سب مل کر رو دتے ہیں

ساقی فاروقی

موت نے پردا کرتے کرتے پردا چھوڑ دیا
 میرے اندر آج کسی نے جینا چھوڑ دیا
 خوف کو رستہ بھول گئی امید کی اگلی دھوپ
 اس لڑکی نے بالکنی پر آنا چھوڑ دیا
 روزِ شکایت لے کر تیری یاد آ جاتی ہے
 جس کا دامن آہستہ آہستہ چھوڑ دیا
 دنیا کی بے راہ روی کے افسانے کھلے
 اور اپنی دنیا داری کا قصہ چھوڑ دیا
 بس متلی کا کچا کچا رنگ آنکھوں میں ہے
 زندہ رہنے کی خواہش نے جیہا چھوڑ دیا

ساقی فاروقی

جہتی نظریہ تک ہوا ہے اور دل میں ملال آگیا ہے
 مریمؑ کا گلاہ رک گئی ہے سیتا کا خیال آگیا ہے
 افسوس قسم دوسروں سے ہم لوگ بھی قصص نہیں ہیں
 تجھ پر بھی طعناں ہیں رہی ہے تجھ پر بھی زوال آگیا ہے
 چھائی تلخ بن گئی ہے روحوں میں شکاف پڑ گئے ہیں
 شاید کہ بدن ہی بھوٹ بولیں ہنگام وصال آگیا ہے
 اس طرح اگر چہ ہم فی منہل میں غلا کا راجہ ہو گا
 یہ کیا کہ ہمارے درمیاں بھی یادوں کا سوال آگیا ہے
 اس دل سے شکائیں ہیں جس نے مفرور مجھے بنا دیا تھا
 ڈوبے کہ نصیب عاجزی تک خورشید جمال آگیا ہے

وزیر آغا

چپ رہوں اور اسے طال نہ ہو
 ان بھی کا تو ایسا حال نہ ہو
 ہر برس خود سے میں یہ کہتا ہوں
 یہ برس بھی اسی کا سال نہ ہو
 صبح کے بے نشان قدموں میں
 تیرگی ایوں تو پا ئمال نہ ہو
 قفل کیسے کھلے گا اس لب کا
 میرے لب پر اگر سوال نہ ہو
 خستگی عمر کی نہ اوڑھ ابھی
 شام سے پہلے خستہ حال نہ ہو
 تیری آنکھیں سدا رہیں جل تھل
 میرے زخموں کا اند مال نہ ہو
 کوئی ایسا نگر بھی ہو جس میں
 سانس لینے کا یہ وبال نہ ہو
 تیرا ملنا ہے گر محال تو کیسا
 تیرا ملنا اگر محال نہ ہو
 ہوں اکیلا بھرے زمانے میں
 کوئی مجھ سا بھی بے مثال نہ ہو

شمس الرحمن فاروقی

۴۳۷

کچھ بات ہے کہ گل ترسے گی وہیں ملے
یا رنگ لا شروع ترسے رنگ پہلے ملے
کیا جائیے کہ چھائی چلے ہے کہ دل دل
اک آگ سی لگی ہے کہیں کچھ دھواں ملے
جو ہے سو اپنے فکر خود باریں ہے یاں ۱۱۷۰
سارا جہان رہیں اک کار و دل ملے

۴۳۸ یہ شعور اثر شدی کا تقریباً ترجمہ ہے

من کی دامن کہ دل سی سوز از علم یا جسک
آتش افروست در جانے دود و دہے کی کھڑ
(کچھ نہیں معلوم کہ تم کے باعث دل جل نہا ہے کہ جاگ رہیں آگ لگی ہے
اور کچھ دھواں اٹھ رہا ہے۔)

مضمون نو سائرنے یقیناً حاصل کیا لیکن یہاں نہایت دور سے صریح
بہت خوب ہے کہ مصرع ادنیٰ یا من کی دامن "اور از غم" دونوں بالکل غیر ضروری
ہیں، ان کے برخلاف میر کے شعریہ بننے بہت چست ہے۔ ایک مضمون کا لفظ نہیں ہوتا
مصرع ادنیٰ میں خبر ہے کہ جانے انفا ئید اسلوب، انجمن کہ کہ میر نے قلمانیات حاصل
کر لی مصرع ثانی میں قلمانی انفا ئید میں اسفا ئید کر رہا ہے۔ کیوں کہ کچھ دھواں سا ہے اور
اک آگ سی لگی ہے میر جو بات ہے وہ "آتش افروست" اور "دود و دہے کی کھڑ" کے

۴۳۹ بظاہر اس شعریہ کچھ نہیں، لیکن خدا غیر کری تو معنی اور اسلوب کی کوئی

تعمیل ہاتھ آگزیں، انفا ئید انفا ئید کے باعث پورا شعور مستحضر ہو رہی ہے اور مستحضر ہونے کی
بھی ہے۔ (۱۶) آج کچھ بات ہے کہ جس کے باعث گل نے تری جہن کی لگی اور لالہ نے تیرے
پان کا رنگ اٹھ کر لیا ہے۔ (۱۶) یہ کون سی بات ہے کہ گل کو تیرے رنگ سے بچنے اور لالہ کو تیرے
رنگ سے بچنے کی طرح شروع کہا جائے؟ (۱۶) کوئی بات ہوگا کہ گل نے تری جہن کی کی برکتی
اور لالہ نے تیرے رنگ سے بچنے کی کوئی اختیار کر رکھی ہے۔

"رنگ پان کی ترکیب کچھ چلچل ہے۔" تنہا آرزو نہ لکھا ہے کہ جب غازی بھرنی
غازی ہو تو گل کو مضاف مضاف الیہ کہہ کر غازی زبان کی وصیت میں اضافہ کر دے اور یہاں ہے
تو غازی موقوف ہو کر بند کی کو مضاف مضاف الیہ کہہ کر غازی زبان کی وصیت میں اضافہ کر دے کیا جائے؟
لیکن یہاں تو ہم نے استعدا کا کار نہیں لے رہے تو غازی بند کی کا کہہ چھوڑنا ناچ کن ہے
"رنگ پان لکھا ہے ملاحظہ ہو ۴۳۹۔"

4

۱۲۸
 میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے دل کی بات کہوں
 تو میرا دل کہتا ہے کہ میں اپنے دل کی بات کہوں
 میرا دل کہتا ہے کہ میں اپنے دل کی بات کہوں

۳۸
 قلم طائی میں کونہ کھانڈا کھڑا ہے کہ اس سے آواز نکلتی
 تھی یا نہ نکلتی، اور اس کے بھی کھانڈے۔ آواز نہ نکلتی وہ بی بی طوہار علیہ السلام
 تھو وہ دیکھ کے ہر کام کو چھوڑ دیتا تھا۔ اس میں نہ ہی کیفیت ہے کہ کس طرف ہر ایک کا
 دل کچھ مائل ہے، کئی کئی نہیں ملتا، اس طرف کیا ہے، اس طرف وہ کھینچتا ہے۔
 اس بات کی کھینچ کر نہ لے کر کئی کئی نہیں ملتا، کھینچ کر نہ لے کر کئی کئی نہیں ملتا
 دلوں کو کھینچتی ہے۔ کھینچ کر نہ لے کر کئی کئی نہیں ملتا، کھینچ کر نہ لے کر کئی کئی نہیں ملتا
 ان کی پاک از فطرت مابہ شمس است
 نیست کہ گوید اور او را ہم رواست

(دوسری اور تمام کئی فقرات سے پاک بنے، مگر اسے نہیں ہے۔
نوٹ بھی روا ہے۔)

یعنی ذاتِ حق ہے جو اپنے جگہ اور اپنے کیف ہے۔ (بعض صوفیاء کا بھی مسلک یہی ہے) مگر کچھ نہیں کہیں اتنا کافی ہے کہ کوئی ہے۔ یا اس بات کا خیال ہے کہ کوئی ہے۔ جو چیز ہم نے وہ کھلے محض ہے جو ہر شخص کو کھینچنے لگتی ہے۔

۱۱) کیا کہیں دل کچھ کہنے جانتے ہیں اور ہرگز
کام ہم سے راضیوں کو عشق زود باد سے ہے
۱۲) دل کچھ جانتے ہیں اسی کی اور
سارے عالم کی وہ جانتا ہے

پہلا شعر تو وہاں ہے کہ ہزاروں غزلیں اس پر منتظر ہیں۔ حافظ نے بھی غیر معمولی شعر کہا ہے۔

کس نہانت کہ منزل کہ مقصود کہا ست
 این قدر هست کہ با یک جرے می آید
 کسی کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ منزل مقصود کہاں ہے؟ بس اتنا ہے کہ جس کی
 آواز آئے چلی جائے۔

میرے کہ یہ جو شخص خدا کا بندہ ہے اس کے لیے یہاں ایک غیر
موجود ہے۔ اس شخص سے اس کے ہاں جو عبادت ہے اس کے لیے کہ
اس کا کہہ کر میں کہنے کو کوئی ہے۔ اس کے لیے کہ وہ تو کہے؟ ہم تو
بہن چلا جاتے ہیں۔ دل کا کچھ بڑا کام ہے۔ دل کا کچھ بڑا کام ہے۔
بہن چلا جاتے ہیں۔

۳۸ اس شعور و حکمت خود نگاہ دار و خوشی که از بی روی دل و دماغ
مالی بر خود کسب نموده که هر روزی که آید می آید. صاحب کسب هم خود خوشی که
از راه خود بر سر آید کسب می آید. ممکن است که صاحب کسب بی نیاز از مال دنیا و خوشی که
خود می آید به حقوق خود بر سر حکم کامل و بی نقص خود که از کسب می آید
و خوشی که کسب می آید یا از راهی زبان که کسب می آید یا از راهی که کسب می آید
خود که کسب می آید از راهی که کسب می آید یا از راهی که کسب می آید یا از راهی که کسب می آید

[illegible]

ایک وہ کر ہے ایسا کہ مال کیا ہے
دل ہاتھ جو د آدھے کا غریب کیا ہے

۱۱۷۵ ملے تو اڑا تھا مجھے کوئلے میں کے

ہر دم صد ہی تھی سہ گندہ دیکھ
پرچہ بیگ گئی جہنم لگھا کہ کوئی
پوچھو تو شاہی سے ملکا سال کیا ہے

۲۳۹

مطلع برائے بیت ہے، لیکن لطف سے بالکل عاری تھی نہ یہ، لیکن
اور خیال میں شمع کا ملبہ نہ کر، بلکہ دل ہاتھ میں مراعات انگلی ہے، جسے خانی کے دوستی
ہیں۔ ایک تو یہ کہ دل کو نہ اندازہ فرض کریں، وہ چہرہ مشرق کی کھرا جھانکے نہ آئے اس
لاپلائی کیا؟ (دوسرے یہ کہ دل کو مشرق کا دل فرض کریں۔) وہ دل جو ہاتھ نہ آئے اس کا
خیال کیا؟

۲۳۹ تا ۲۴۰

اس قلعے کے محضوں غرافت اس کے طنز کا ایہام اور نور محکم کا ہے
اور مستنزل ہے چہرے میں ایسی بیگم پر یہ کہوں غریب شاد ہو گئی ہیں اور
ان عناصر کا اسراج اس قدر بے تکلف اور برستہ ہے کہ کوئی چیز
زیادہ کہ نہیں معلوم ہوتی۔ نیلہ نوا کا ایہام بھی پر لطف ہے، کی یہاں اس کے معنی نیلے ساز
ورمان، غزلیں نہیں لکھنے پڑے آواز میں کی خواہش ہو، فرض مکہ جائیں تو دلچسپ قول بحال پیدا
ہو سکے کہ شمع جس کی آواز تھی ہر دم صد اسے بہا تھا کہ پورہ درکار ہے۔

اب مشرق کا رد مل ملاحظہ ہو کہ پہلے تو وہ خاموش رہا، یعنی نظر انداز کرتا رہا، لیکن جب
عاشق کا اصرار بہت بڑھا، لیکن وہی ناقابل برداشت ہو گیا، تو اس نے جواب میں غیبی تیر جملہ
کہ کہ شمع صاحب سے یہ پوچھو کہ دیکھنا مانگ رہے ہیں؟ اس کے کم سے کم معنی ہیں
(۱) شمع ہی طنز یہ کہ ہے کہ خود کو غیر اور ہے نوا غاہر کہ رہے ہیں، لیکن لالچی ہوں
یا عزت کا یہ عالم ہے کہ اسے کسی غیبی شے مانگ رہے ہیں۔

(۲) شمع ہی طنز یہ ہے، لیکن اس معنی میں کہ خود کو کوئی اور ملک الیہ اور ہے ہوس نہ
والفاظ پر گزرتے ہیں، لیکن مانگ رہے ہیں پورہ یعنی خود سے غیری کے ہاں خود دنیاوی
کو ترک نہیں کیا ہے

(۳) شمع ہی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ وہ ایسا مانگ رہے ہیں؟ اب یہاں

پھر کئی معنی ہیں (۱) دل تو یہ کہ کیا یہ مناسب ہے کہ دوسرے طلب کریں؟ دوم یہ کہ
حیثیت دیکھیں اور اسے کی تندہ پر غور کریں، سوچیں یہ کہ کیا اس کو نہیں کہ ان میں پورہ
کہنے کی اہلیت ہے یا نہیں؟

(۲) مشرقی کہہ دھیان ہی نہیں دیتا، لہذا اگر عاشق کا مسلسل شور میں کرتا بل ملاحظہ
سے کا اہلیت ہے اور کہتے ہیں ذرا پوچھو تو یہی شخص کیا مانگ رہا ہے۔

(۵) مشرقی سنتا ہی نہیں، یعنی واقعی اس کو یہ نہیں ملتا کہ یہ گداگر شاہ صاحب
کیا مانگ رہے ہیں؟

بھیک مانگنے والے کو شاہ صاحب: شمع ہی کہہ کر غیبی مانگ رہے ہیں۔
اور بعض اوقات عاشق بھی دنیا پر غور کر کر نظر ہو جایا کرتے تھے، جس کا محض کی ایک
کہانی میں ہے۔ لہذا شمع ہی کا غور بہت مناسب ہے۔ اس میں غور بھی ہے غافل
بھی، دوسری طرف، گداگر عاشق کو چپ گنگ جانا بھی ممکن ہے، لہذا یہ (۱) عاشق
شرمندہ ہوا (۲) محیرہ ہوا کہ اتنی دیر سے پکار رہا ہوں، لیکن ان کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ
دروازے پر کوئی ہے (۳) عاشق کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسے سوال کا کیا جواب دوں
(۴) عاشق کو افسوس ہوا کہ اس نے اتنی ضد کی اور نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ (۵) مشرقی خود
پوچھتا تو عاشق شاید جواب بھی دیتا، لیکن مشرقی نے اس قدر حقارت کا برتاؤ کیا
پڑے حاشیہ غیظوں سے ہمارا کہ جاؤ پوچھ آؤ یہ کون ہے کیا مانگ رہا ہے؟ اس نتیجہ
ذلت پر عاشق بالکل ہی ہر کر رہ گیا۔

اس محفل کو میر نے ایک جگہ اور برتا ہے۔ وہاں پوچھ گیا اور بندش کی کہ تھا
ہے، لیکن معنی کی یہ نکرت اور بھیجے میں اتنی نہیں نہیں نہ

ہر ایک کو اپنے گھر سے نکال دیا گیا
 لاکھ لاکھ غلاموں کے ساتھ ساتھ
 (دو لاکھ سو)

راخ عظیم آبادی نے بہاری سے یہ مہولہ اٹھایا کہ افسوس یہ نہیں ہوگا
 میں یاد کرتے ہیں۔ راخ نے اسے اردو کو لے کر آیا اور میں نے یہ یاد کیا کہ
 اسی کی راہ لڑکے شاہ جی کہتے ہیں راسخ کو
 بہت میں آہ اس تیرے خدا کو دیکھ کر رویا
 مرزا جان پھیلنے میں میرے مہولہ کو ذرا چھلکا کر کے ہلکا کر کے دیکھیں اس
 میں کچھ کارنگ بھی ملا کر دلچسپ قلم لکھا ہے
 جب پیش کو نہ ملی جوئے کی اس لب سے خبر
 تب فقیروں کی طرح شعر پڑھا وہ چلا
 بے نوا ہیں کسی پر زور نہیں یا محبوب
 دیکھ اس کا بھی بھلا جو نہ اس کا بھی بھلا
 میر محمد خاں رند نے میر کے زیر بحث قطعے کی تقلید میں خوب شعر

لکھا ہے

سا لکھا ان کے در پر جب مرا جانا ہوا
 ہنس کے بولے شاہ صاحب کس طرف آنا ہوا
 ۲۴۰

رشتہ کیا ٹھہرے گا یہ جیسے کہ سو نازک ہے
 چاک دل پلکوں سے مے کی کہ رُو نازک ہے
 چشم انصاف سے برقعے کو اٹھا دیکھو
 گل کے منہ سے تو کئی پیرہہ وہ روز نازک ہے
 بڑے کھاتے تو آٹا ہے نظر پاں کا رنگ
 کس قد ہلے اسے وہ جلد گونا نازک ہے
 ۱۱۸۰ لکھے تاجند خیال اس سر پر شور کا میر
 دل تو کا چاہی کرے ہے کہ سو نازک ہے

چاک دل کا رُو تو عام مہولہ چاہی کہ چاک دل کو پلکوں سے

۲۴۰

یہ میر کا شعر ہے۔ یہ میر سے قزوینی ہے۔ یہ میر کا چاک دل کا رُو اس قدر نازک
 ہے کہ کام پلکوں سے نہیں ہو سکتا۔ میر غرض سے میر نے چاک دل کو پلکوں سے
 رُو کر کے مہولہ ایسی روئی میں لایا تھا ہے

پلکوں سے رُوئی نے کیا چاک دل میر
 کس زخم کو کس نازکی کے ساتھ میا ہے

زیر بحث میں کہا جا رہا ہے کہ زخم دل کو سینے کے لے جا کر مہولہ چاک
 تو دیکھا ہے۔ لیکن اسے خوبصورتی ہوتا چاہئے جس دھماکے سے تم رُو کرے ہو وہ مہولہ
 کیا ٹھہرے گا وہ تو بلی کی طرح ہلکا اور بے زور ہے۔ دوسرے شعر میں کہا گیا پلکوں سے
 چاک دل ہیں مٹی رُو نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ دل کے زخم میں رُو کرنے کے لے بہت ہلکا
 ہاتھ دیکھا ہے۔ اگر تم اپنی پلکوں کو دل میں چھو کر زخم کو رُو کر دو گے تو اسے نہ ختم
 ہو گا۔ نکل پڑے گا۔ اور یہ مناسب نہیں۔ نازک رُو سے مراد وہ رُو ہے جو بہت
 آہستہ آہستہ ہلکے ہاتھ سے کسی جھٹکے کے بغیر کیا جاتا ہے۔ انعام اللہ خاں نقوی
 کا شعر ہے

ہوں پر زخم کے جی آ رہا ہے مٹا نکل جائے
 خدا کے واسطے کچھ نہایت یہ رُو نازک

ظاہر ہے کہ یہاں مراد یہی ہے کہ بہت آہستہ آہستہ ہلکے ہاتھ سے رُو کر دو۔
 وہ جھٹکے گا تو تب زخم ہماری جان لگی ہوئی ہے۔ وہ باہر آ جائے گی۔ میر نے مٹی
 نازک رُو کا مہولہ ایک اور جگہ استعمال کیا ہے۔ جس سے اس مفہوم کی تصدیق ہوتی
 ہے

ڈرتا ہوں چاک دل کو مرے پلکوں سے بیٹے
 نازک نظر پڑے ہے بہت اس رُو کی طرح
 (دو لاکھ سو)

ان استعمالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ رُو کی کوئی قسم شاید نازک نہ ہوتی ہو۔
 لیکن یہ کسی لفظ میں دخل۔ مٹی بہر حال یوں بھی صاف ہیں کہ اگر رُو ہو تو اسے کچھ کیا جاتا
 نازک رُو کہلاتا ہے۔

جہاں سے زخم میں دل کی بیدار رگوں کی جگہ تھوڑے سی لگا دی جاتی
 ہیں اس عمل کو اصطلاح میں
 CORONARY ARTERY BYPASS GRAFT

ہندوؤں کے مذہب کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔
 اس کے برعکس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی
 کے بارے میں لکھی ہوئی ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت محمد صلی
 اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو کچھ ہوا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 تھا۔ جو کچھ آپ نے فرمایا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔
 تو اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں
 لکھی گئی ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کی زندگی میں جو کچھ ہوا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔
 جو کچھ آپ نے فرمایا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔
 یہی وجہ ہے کہ وہ کائنات میں سب سے بڑے نبی کے طور پر آئے۔
 ان کی شخصیت میں ایسی باتیں تھیں جو دنیا کی ہر بات سے
 (دعا ہے) کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے
 ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔

مگر وہ ایک ایسی بات ہے جو ہر بات سے بہتر ہے۔
 ہے کہ اس میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 لے کر آئے اور گوشت میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 (آپ شجاعت بھلائی اور صفا)
 انہی میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔

ماہر ہیں

رنگ پاں سے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 شہنشاہی ہے سونے پر مینا ہو گیا
 (نسخ)
 ہے لڑکی سی جھلکی جو سرفی پاں کی اس میں
 گلوے یا پر حرام ہوا شیشے کی گولہ کا
 (آفتل)
 لگے پھوٹ کے ٹکڑے تیرے پاں کا رنگ
 شرب سرخ کی ہے ساقیا علم گولہ
 (جلال)

ہندوؤں کے مذہب کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔
 اس کے برعکس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی
 کے بارے میں لکھی ہوئی ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت محمد صلی
 اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو کچھ ہوا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 تھا۔ جو کچھ آپ نے فرمایا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔
 تو اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں
 لکھی گئی ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کی زندگی میں جو کچھ ہوا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔
 جو کچھ آپ نے فرمایا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔
 یہی وجہ ہے کہ وہ کائنات میں سب سے بڑے نبی کے طور پر آئے۔
 ان کی شخصیت میں ایسی باتیں تھیں جو دنیا کی ہر بات سے
 (دعا ہے) کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے
 ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔

اس شعر کا ساتھ ساتھ کہہ دے وہ شہنشاہی ہے۔
 (۱) جو کچھ دل میں چاہتا ہے وہ سب
 کہ شیشہ نازک و صبا ہے آگینہ گماڑ
 (۲) آفتل و مول سے ہی گری کر اندیشے میں ہے
 آگینہ خود ہی ہمارے گھلا جلتا ہے

ہے ملک غالب کے پیر میں تو گری روٹی اور لنگ ہے ہر بات سے بہتر ہے۔
 لیکن میر کا شعر بھی اسی قبیل کا ہے اور اولیت کا فرق میر کے ہر بات سے بہتر ہے۔
 جو کچھ میں دہرے میں ہے کوئی کہہ کر اور یہ کہہ کر ہی نہیں ہو کر کے ہر بات سے بہتر ہے۔
 مہر و ناز و غیر ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 لے لے موت انشے سے نصیر دیتے ہیں۔ انہی میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 بہت ہے جو کچھ کے جملے کے اشار میں توڑی سی انہی میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 کوئی کہہ کر ہی نہیں ہو کر کے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 کہہ کر ہی نہیں ہو کر کے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 جلتا ہے تو اسے پر فرور ترنا ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 ہی ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 ٹکڑا ہوا ہے۔ (ماہر ہیں) انہی میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔ کہ ہمارے میں سے ہر بات سے بہتر ہے۔
 کیا تو کائنات میں ہے

وہ جسے سچا سمجھ کر رکھتے

قیامت کا ہنگامہ پہلے کر لیں

مرد یہ ہے کہ قیامت کا ہنگامہ پار کرتے پہنچے بہتر تو یہ ہے کہ تم سرور
کو کچھ نہ کہہ کر دیکھو۔ دونوں شعروں میں سرور کی کلنگی کو کسر کرنے کا یہ کلنگی
بہر واقعہ اور بہر نسبت پیش آمد ہے۔ غالب کے شعروں میں خود کو بلا زبانی
علوم پہنچاتا ہے۔ میر کے شعروں میں جتن کا راز ہے۔ اب یہ بات ہے کہ ایسے شعروں
میں کیا چیز حقیقت اور حقیقت سے باہر نہیں نکلتے۔ چنانچہ سرور دل کی سب سے
"خیال کیا۔ وہ" "لا لائی" مٹی کے اعتبار سے ٹھیک تھا۔ مروجوں کے جسم کا یہ
خلف صحت ہے۔ اسے خاک کہنا ہر صورت میں ہے کہ وہ ہر گز چوٹ نہ کہے۔ چوٹی
لانی ہر طرف پھیلتی ہے۔ پھر سر کی رعایت سے دل بہت خوب ہے۔ کہ
عام طور پر توسل و مبالغہ کو دل کی فکر ہوتی ہے اور یہاں دل کو سر کی
فکر ہے۔

۴۴۱

کیا کہنے کی سادہ دہی ہے
اس میں بھی جو سوچنے سخن ہے
وابستگی مجھ سے شیش جہاں کی
اس رنگ سے ہے کہ دل شکن ہے
لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پہنچو
کیا جانے جہاں ہے کہ قن ہے

۴۴۱

یہ شعر بھی اعجاز سخن کوئی ہے۔ کہ نہایت معمولی نہایت پر لفظ

کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ یعنی ایک طرح کا "ایلیٹا" DEF AWILIARIZATION

ہے۔ اس شعور کو روکی نہایت پرندوں خاص کر کٹر
انگلی اور بوس تو ماشیوں کی نے بڑی قوت اور دھماکے سے بیان کیا ہے۔ کہ ان کی
کا قول تھا کہ ان کا ناول TRISTRAM SHANDY جس
میں تمام واقعات الٹ پلٹ کا اور ترتیب بدل کر بیان کیے گئے ہیں۔ سب سے زیادہ
TYPICAL اور نمونہ کے طور پر پیش کرنے کے قابل معلوم ہے۔ اس
کی وجہ بتانی کہ ادب کا قیام ملے ہے کہ وہ انشا کو انجیا کو پیش کرتا ہے۔ ناول کا

پہلے کہ ان کی سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت ان کے ناولوں میں ہے۔
ان کے ناولوں میں ان کی سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت ان کے ناولوں میں ہے۔
ان کے ناولوں میں ان کی سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت ان کے ناولوں میں ہے۔

ART AS TECHNIQUE

ان کے ناولوں کی شرح و توضیحی کے قوانین کے ذریعہ ہوتی ہے۔ واقعیت کے
ذریعہ کی تعبیر نہیں ہوتی۔ اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے تو ماشیوں کی اپنے سرور
آرافروں THEMATIC میں کہا کہ واقعیت کے حامل رہا

یہ ان شعروں کوئی فیہریت نہیں ہوتی۔ مگر ان کی شکل اس بات کا اتفاق کرتا ہے کہ
عمدہ کی قوانین کے تحت حقیقت کی تشکیل نو کی جائے۔ تو ماشیوں کی سرور کہہ کر بڑے
اور دھماکے سے اس طرح بات ہوتی ہے کہ یہاں تو ماشیوں کو کہا ہے کہ اس
شے کے بارے میں اس طرح گفتگو کرنا چاہئے کہ وہ ۱۰۰ سالوں سے ہو۔

یہ بات سب سے پہلے مخصوص اور
ایک دنیاوی مضامین ہے۔ مضمون کی بنیاد پر ہر ایک ہمارے یہاں استوار
کو بھی حقیقت گردانتے ہیں۔ مگر ہمارے یہاں استوار سے مستعار بنایا جاتا
اور اصل استوار میں خود حقیقت کے صفات عرض کرنے جاتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو جلد
سوم صفحہ ۱۸۸ تا ۱۸۹) پھر ہر استوار کو حقیقت قرار دے کر پھر کسی یا روکی کو ایک
مضمون درجہ بن لکھا جاتا ہے۔ لہذا مضمون یا مضمون کی بنیاد کو تو ماشیوں کی زبان میں
کہہ سکتے ہیں۔ اس کا
REALISTIC MATERIAL

کہ انجیل کے عمل کے زندہ کے لئے ہر وہ چیز مناسب ہے جس کے ذریعہ انجیل کے
پن اور تار کا لاکھ ہونے کے بقول چرچوں سے فیصلہ کوئی حق حملہ ہے۔ زندہ ہے
کامل ہے۔ لہذا تار کا لاکھ ہونے کے اندر ان خیالوں کو تلاش کرتا ہے جو کوئی کہے
معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کے کامل کہاں اور کس طرح کیا گیا ہے۔ وہ حقیقت انجیل
خبریں ملنے کے کامل ملے۔ (چرچوں کی زبان میں) شاعرانہ عمل کو چاہئے اور اس کی
تعمیل قلم کے مروجہ ہے۔ اور شاعرانہ عمل کی بنیاد حقیقت کو لکھنے ہے۔ بتانی کہ انجیل کا

DIFFERENCE اور فرق SAMENESS

کہ ایک وقت تمام کچھ ایک طرح سے بیان کی ہوئی مگر اصل سے مطابقت بھی کہیں

شب بخون

[illegible]

ہر ایک نو پوج کو بت کہ وہ حق پر ہے، کہ ان کی فکر میں کوئی غلطی نہ ہو۔
 کہ ان میں سے کسی نے یہ بھی، (وہم) پوج نہیں کہ وہ حق پر ہے، اور وہ
 صفہ کہ وہ حق پر ہے، اور وہ حق پر ہے، (وہم) پوج نہیں کہ وہ حق پر ہے، اور وہ
 وہاں میں کی علامت ہے، اور ہمارے یہاں تک وہاں میں کیا جاتا ہے،
 وہی کے صفہ کا التزام پورے شعور میں نہایت میں اور یہ صفہ کے صفہ
 ہے، (کہہ، حق، اور سمجھ،) حق کا صفہ نہایت درجہ ہے، کہ اس کے صفہ
 میں اس میں اور تک کیا ہو سکتی ہے، مثلاً خود میرے کہ ہے
 توج کہ رنگ ہیں یہ کہ کوئی حق بنانا ہے
 حق رکھتے ہیں کہنے شخص تیرے بہا لانی میں
 (دوسری اول)

مستعدوں پر سختی ہے آج کل
شعرا ہفتی سو کس قابل ہے میاں
(دولان دوم)

دہن اس کا نظر آیا نہ مجھے
کھل گئی بیچ مدافعی میری

قلم کے تحت یہ ساری باتیں لکھی گئی ہیں جو اس وقت تک کہیں نہ ہو سکی
 ہیں کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ
 یہ کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ
 کے لئے اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ
 ہیں یہ کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ
 اور اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ
 یہ کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ
 اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ
 اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ اس وقت تک کہ

[illegible]

بچنے والی نہیں، لیکن اس میں ہے۔ دوسری طرف یہ فطرتی ہے کہ جو چیزیں
جہاں کے لطف و رنگ و چہرے کی ضرورت کی گئی تھیں؛ شیش تو ذرا ہی عرب
میں جاتا ہے۔ شیش کی فطرت یہ ہے کہ کچھ خوشہ جہاں کی جہاں کو پانی
نہیے گا انتظام کو کیا دل کو توڑنے والے چہرے بلکہ حسیل کر دے۔ یہ بھی
کاغذ ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ رنگ سے مشوق ہر آدمی ہو، بلکہ کوئی بھی جہاں کو بھی
صاحب اختیار ہو، اور حکم اس کے افسانوں اپنی زبانوں حالی کار کج کر دے، جہاں کو اپنی
اللہ کے خوف کا اظہار کر دے، ان ساقی کی کی رو سے لفظ اور رنگ کی خاص قیمت
جہاں سے ملتا ہے، کہہ سکتے ہیں "غلان شخص غلام کے دامن دولت اور
دولت سے دولت ہے۔ یعنی دماغی میں انحصار اور توسل کا عنصر ہوتا ہے۔

"شیش جہاں دلچسپ ترکیب ہے۔ برکاتی صاحب نے اسے اپنی فرنگ
میں نہیں جہاں کر دیا، نہ یہ بلش اور نور اللغات میں ہے۔ دار مستند لکھ ہے
کہ رنگ دل اور رنگ جہاں کی طرح شیش دل اور شیش جہاں بھی ہے، صاحب
برشش جہاں خود اسرار مشق نیست
تا ہوس شیش است کہ دبا مشق نیست
(برشش جہاں شخص اسرار مشق کا شیر خور
ہوتا۔ تا ہوس وہ شیش (جام) پیماد ہے
جس کا گندہ مشق کی ہر میں نہیں۔)

صاحب کے شعر میں لطف یہ ہے کہ تا ہوس کو شیش سے تشبیہ دینے میں
لیکن صاحب کا لفظ "زین" کی سطح پر ہی رہ گیا ہے، جب کہ میرے معمولی حصوں کو
میں کوئی نہ کرنا ہوتا ہے بہت بلند کر دیا ہے۔

۲۴۱ جہاں کو جان کی طرح تارک کہنے کا حصول میرے غیر ضرور
سے کر بار بار نہ سنے پہلو سے لکھا ہے اس سطر میں بہت سے شعر ہیں
نشاۃ ۱۲۰ ص ۲۲۱، ہر گز رکھے ہیں اس کے باوجود میں نے یہ شعر انتخاب
میں کر لیا ہے، کیونکہ اس میں اسلوب کا غیر معمولی نمونہ ہے۔ پھر اس کے دونوں
معترضے میں اسلوب کا یہ نمونہ ہے اور اسے یہ نمونہ ہے (مثنوی کا جواب مثنوی
سے دیا ہے) کہ شعر میں

TOUR DE FORCE کا لطف

پر ہی ہو گیا ہے۔ مگر جو ذیل نکات پر غور کریں:

(۱) یہ شعر ہے کہ ہر گز میرے میں اس کے بدن کا لطف کیا بیان کروں؟
کس طرح بیان کروں؟ کی افغان اس گڑھ صلیب سے بیان کر دے وہ قیوہ میں
سے گمان ہوتا ہے کہ حکم اس مشوق کے بدلے سے واقف ہے، لیکن اس کے پاس
اس لطف کو بیان کرنے کے لئے افغان نہیں ہوگا اس نے مشوق کے بدن
سے حاصل کیا ہے۔

(۲) لیکن جب ہم دوسرے شعر سے اپنے حقیقی تو معلوم ہوتا ہے کہ حکم کو
شاید اس بدلے سے واقف نہ کریں۔ یہ بھی تو وہ بھی فیض نہیں کر سکتا ہے کہ وہ مجھ
کو محض بیان ہے؟ یعنی کیجئے میں مشوق اس قدر تارک ہے کہ جسم کی جگہ محض جہاں
سالم لطف اور تارک معلوم ہوتا ہے۔ (۳۳۸)

(۳) شعر ثانی میں افغانیہ بیان انتہائی نوعیت لکھ ہے اور علم کا
سول قائم کرتا ہے۔ اس طرح وہ شعر ادنیٰ کا جواب بھی ہے جس میں کہا گیا ہے
کہ لطف اس کے بدن کا کیا کہوں؟ معلوم ہو اس شعر ثانی کا استعمال بھی انتہائی
ہے (ZHETORICAL نہیں) اور اس کا مضمون ہے
کہ میں اس کے بدن کا لطف بیان نہیں کر سکتا۔ دوسرے شعر سے میں اس ناقابل
کی وجہ بیان کی کہ خدا جانتا ہے کہ تارک ہے۔ اسی صورت میں اس کا لطف میرا
کہنے کا سوال کہاں آتا ہے؟

(۴) ممکن ہے شعر ثانی میں اشارہ مشوق کے بدن کی طرف نہیں، بلکہ
خود مشوق کی طرف ہو، اب مثنوی ہوتے کہ جس شخص کے یہ بھی نہیں کہ اس کا
دیکھو جسمانی ہے کہ روحانی اس کے بدن کا لطف کہاں سے بیان ہو۔

(۵) اب خیال کا لطف دیکھیں۔ یہ شعر خود کو لکھی بھی ہو سکتا ہے
اور یہ بھی ممکن ہے کہ مستحکم اور میر جہاں لگ، الگ شخص ہوں اور ایک دوسرے
کے ہمراز ہوں۔

میر نے اس مضمون کو کئی بار لکھا پلٹ کر اس قسم امکا نامے کو قافی فونی
سے بہت لیا کہ جس کے لوگوں کو اسے اپنانے کی ہمت کہ ہوئی۔ مصنف
نے بہت عمدہ شعر کہا جسے ہم شہ ۷۰ پر دیکھ چکے ہیں۔

اقبال متین

ہو ایں تیریں بادل دجلے کس جگہ سرے
 بغیر میرا شاید آج بھی اک بوند کو ترے
 بھری بستی نے دیکھا ہے وہ آیا تو اصری تھا
 مگر کھ لوگ اس کو پوچھتے پھرتے تھے کس دے
 وہ لڑی پھپھ کے آہل سر پہ اوردے بولتی تھی کچھ
 چھبائی عمر بھی اس کی کہو میرے ستم گرس
 بھرم رکھوں میں اس کا بھی وہ جان شعر و غم ہے
 وہ سو پر دوں میں نکلا ہے بجھے لے کوں گھر سے
 وہ جب چلے مراد اسرا پا اڈتھ لیٹا ہے
 وہ جب چلے کرن کی طرح اٹھ جاتا ہے بستر سے
 کھڑا تھا جو بھی اس جا پر سرگرمی باگلی تھی وہ
 اب ہوتا تھا نئے سے نئی تھی چوٹ پھر سے
 متین اقبال اعلیٰ کی زبان اس کو بھی سمجھا دیں
 وہ اکثر ہنس کے ملتا ہے ہمارے دیدہ ترے

اپنے انگلیں میں اپنی پی کو سینے بیٹھی ہے
 لب میں تیرا کیا ہوتا ہوں تو میری کیا ہوتی ہے
 کسی سہانی پھپھ ہے جانا پیرا کھڑا آئینے میں
 تجھ کو کچھ بتا دیکھ کہ تو بھی تیرا ہے، ہنس لیتی ہے
 اک دن اس نے ہاتھ پر میرے ہاتھ رکھا اور سنا
 میں تو مرد وہاں دیدہ ہوں، وہ بھی کسی لڑکی ہے
 اس ندیکے سوکھ جلد سے میرا بھلا کیا رشتہ ہے
 اس منڈوے کی بل نہیں وہ پھر بھی چنبیلی کھتی ہے
 میں نے کب کے اس کی گلی میں آنا جانا چھوڑ دیا
 دل میں چپ کر ادا سی کی میرے غم سے ملتی ہے
 وہ دیکھو وہ آنے والی کوئی ہو اقبال متین
 میں جانوں وہ تو نہیں لیکن کچھ تو تیرے دیکھا ہے

اقبال متین

ہونے پہ آندنا ہے ہیں، کچھ عوں پر بستر رکھ کر
رات ڈھیلے وہ سو جائیں گے پیش میں اپنے سر رکھ کر
ساتھ اگر رہنا ہے تم کو، اتنی بات سمجھ رکھو!
نورنگا روزانہ چہرے میں یہ لہجہ تازہ گئے گئے رکھ کر
تجھ سے روٹھ کے جانے والے جان ہی اپنی ہار گئے
میں بھی دستہ دیکھ رہا ہوں رستے میں بھر رکھ کر
نزدی کناسے پر کھڑے ہیں پھر بھی کڑی انگلیاں
ایک پرندہ سوچ میں ہے کچھ پھٹکیں اپنی ہر رکھ کر
اب کے بھئی بھلا کلابانی بل تھل کر کے سوکھ گیا
خون کے دھبے دھو لیتے تم دامن اپنا تر رکھ کر
اس کی گلی کا چہرہ چہرہ چاہی کی پہچان ہے
میں تو خود کو ڈھونڈ رہا تھا سانس اس کا رکھ کر
تم بھی اٹھو اقبال متین، آئینے سب ٹوٹ گئے
اب دل کا کیا کرتا ہے، سانس یہ منظر رکھ کر

کس کو آتا دیکھ رہا ہوں، کون یہاں پہنچتا تھا
یہ رستہ سناں ہے کب سے میں ہی روز بھٹکتا تھا
آتی جاتی رت کے سلسلے اس کو ٹھونڈتے نکلے ہیں
وہ خود ہی تو ہر موسم میں موسم بن کر بھرتا تھا
میرا پیچھے پوچھنے پر میرا رستہ نکلا ہے
میں سودا کی باد صبا کا پتی پتی چنتا تھا
اتنا تو سو تو ہو لوگو، وہ کب میرا میرت ہوا
میں ہی اس کی دیواروں سے ٹپکیں کو ٹھٹھکتا تھا
میں تو بارود قطروں سے ہی لیتا ہوں بھر بھر کر
وہ بھی میرے اندر رہ کر ہریالی پر چلتا تھا
میں تو آتا جان کے چپ تھا میں اس کا رکھوا ہوں
وہ بھی ایسا ہر جاتی تھا، ہر رہ رو کو نکلتا تھا
بھوٹا ہے یہ اقبال متین، تم سے اس کو اُس نہیں
تم جب رستے میں تھے تھے، وہ بھی خود سے ملتا تھا

صدیقِ محیبی

برزخِ بربزبان رفوہ لوٹنے لگا
میں چپ رہا تو میرا ہو لوٹنے لگا
یارِ بے ہوائے وقت سے دستا کر لگا
اک نائراش بھی مجھے تو بولنے لگا
کس کے ہو کی آگ نے یہ لگا کھلے میں
ہر رنگِ خستہ جاں میں ہو بولنے لگا
موسمِ چمک رہا ہے شجر در شجر تمام
ہر رنگِ خوشِ نواب جو بولنے لگا
اسے فخرِ نشاطِ تری عمر ہو دراز
دستک بہار نے دی سب بولنے لگا
سب رونقیں بھی خوشی کے دم سے تھیں
اک وہ نہیں تو شہر میں ہو بولنے لگا

ہاتھ آتے ہیں گہر ہی نہ صدف کھلتے ہیں
دردِ دولت میں رقیبوں کی طرف کھلتے ہیں
سہل اتنے بھی نہیں ہم کہ کھلیں واعظ سے
نشرِ مے ہو تو ہم جامِ بکف کھلتے ہیں
خواب ہی خواب نہ ہوں خواب کی تعبیر میں بھی
دیکھے ہم سے کب اربابِ کف کھلتے ہیں
فکر و دانش ہو شجاعت ہو، وہ غیرِ کینہیں
جتنے دروازے ہیں سب ہوسے بکف کھلتے ہیں
جب بھی مانگی ہے دعا ہم نے ویلے سے ترے
بابِ اسرار پہ عزمِ شرف کھلتے ہیں
ہو مقابلِ صفِ اعدا تو عیبی بے شک
جو ہر اہل ہنر، اہلِ سلف کھلتے ہیں

صدیق مخمبی

دست و پا دراز ہے، لیکن، اثر کوئی نہیں
 / صبر کی شان جگ گئی اور شر کوئی نہیں
 رشتے بھی پتین کے ٹوٹے ہیں اس طرح کباب
 دم و گمان سے پرے، حد نظر کوئی نہیں
 پھر وہی مرحلہ، وہی پشت پر پشت، بحر میں
 سبھا کے گھر اس کے بعد اور سفر کوئی نہیں
 دولت مشترک ہوئی ایسی تلف کی زندگی
 سارے دوست بے کھڑی صاحب نہ کوئی نہیں
 مذہب و رنگ و نسل سے اونچی ہے رسم عاشقی
 ایسی زمیں کہیں نہیں، ایسی خبر کوئی نہیں
 دھوپ سے جل بھلا ہے دن بیاں بھلائی شام
 ساقی ہیراں کرم، راہ دگر کوئی نہیں

اپنی وحشت ہی سے ایسا کچھ ہے
 سوچتا کچھ ہوں میں تو ناکھ ہے
 ریزہ ریزہ ہیں دعائیں دل میں
 رنگ اشکوں میں ہو کا کچھ ہے
 اسے یقین آج نہ آئے بھٹ پر
 دل کے اندر کہیں تو ناکھ ہے
 خواب سمار ہوئے سب میرے
 اتھ اس میں بھی خدا کا کچھ ہے
 لوح دانش ہوئی گڑ دیو ہے
 مسئلہ اور بھی ابھلا کچھ ہے
 ایک سکتہ سا ہے طاری کچھ ہے
 بولنا کچھ ہے نہ کہنا کچھ ہے

عجب پاگل ہے دل کا وہ چہاں بانی میں رہتا ہے
 خدایا دیکھتا ہے خود بھی میرا نیں رہتا ہے
 میں وہ تویم ہوا تارو، جسے محفل نہ اس آئی
 میں وہ شعلہ جوش بھرا کچھ کے پانی میں رہتا ہے
 غل میں حال پر میرے خدا اور نا خدا دونوں
 میں وہ نکسا ہوں جو اغوش طینانی میں رہتا ہے
 ہزاروں جلیاں توں، نشین بھی جیلے لیکن
 کوئی تو ہے جو اس گھر کی گہائی میں رہتا ہے
 رموز مملکت یا رب خدایے یا تو جانے
 جنوں محمود شوق جاک دامانی میں رہتا ہے
 کوئی ایسا نہیں ملتا جو مجھ میں ڈوب کر دیکھے
 مرے غم کو جو میرے دل کی دیہالی میں رہتا ہے

کاوش بدری

ہو کہ بہت غلیظ شب سے نراس ہم
پہتا رہے ہیں شام کو دن کا پس ہم
چرو ہے ایک، بقیہ مظاہر تو صفویں
دیباچہ حیات بھی ہم، اقتباس ہم
ہے مختلف فنون کا اک اسلاک سا
مغرب، تیز، شعر، قلم کی اساس ہم
ہر شے ہماری روح کو جکڑے ہوئے ہے
باقی ٹٹوتے ہیں کے آس پاس ہم
تمی کو جیسے کرشن نے پودا بنادیا
مناز کو بنائیں گے کاوش کپاس ہم

لبوں کی بھیل میں کیا تیرتے نظموں کی کاپیاں
نظر جس سمت اٹھتی ہے صدائوں کے گلتاں ہیں
پر طاؤس غم سے ڈھا کھٹا جاتا ہوں زخموں کو
لباس ترقی کا معنی کے پیکر پھر بھی حیراں ہیں
کسی کے نرم لب کی کپکپاہٹ ہے لیکر ہیں
مگر رنگوں میں استعمال کے تیور نمایاں ہیں
قرب زندگی سے بعد کے مصداق ہے گویا
تعارف کی حدوں میں غیرت کے ساز و سامان ہیں
نفس لمحات کی نرگوں کو تپے بھی تو کیا تاپے
نظاروں کی کچھ اتنی پھیلتے نظر پریشان ہیں

مفکوش و چمکے ہرگز سادہ کھاد جلے
میں وہ معنی ہیں برآئی کچھ بکھاد جلے
آب و باد خاک و آتش کا سرچشمہ ہیں جہاں
سوتے چاندی کی کوئی پرچھ پکھاد جلے
ایک غزل دکھا تاپے تو کس غزل مارغ
منزل حضور دیکھ سدا گھر و زندہ جلے
دیکھ کر بھی ایسا لگتا ہے کبھی دیکھا نہیں
مجھ سے تو دانت ہے لیکن تپے پھانا دجلے
ہے جلتا میر اساتے معنوی ریوڑ دہلے
کاوشم را تپے جیک اسے پکھاد جلے

کاوش بدری

کافی زمین پر ہے اک کام کا سفر بھی
میرے سلا ہی میں یکساں منزل کی رہگدھی
صدیوں کی زندگی اک پل میں گذردی ہے
کتنی دراز نکلی یہ عمر مختصر بھی !
وہ سوچتا سا چہرہ وہ گنگنا تی پکیں
بھینگی ہوئی فضا میں ہمسار بھی شجر بھی
سر بہر پڑ جیسے اس کے بدن کے صفے
کوئل بھی بڑی تر بھی شاخیں بھی دور تر بھی
جے بھی پہنچتے ہیں کتے بھی نالہ کش ہیں
مسکن مرا سراسر آباد بھی کھنڈر بھی
میں شاعری میں کاوش کیوں احتیلا برتوں
نفاذ چاہتے ہیں کچھ عیب بھی ہنر بھی

ہماری زندگی گذری کر اسے کے مکانوں میں
تھی زیر خاکشت اپنی تو سر تھے آسمانوں میں
ہزاروں تیر پر سلتے سورج نے شاموں میں
فقط پرسان حال اک چاند نکلا ہوا ہوں میں
وہ کوئی میرزاں ہے اور نہ استقبال کو کوئی
ہیں حاصل ہو جام شہادت یہاں ہوں میں
چلے گئے جنگ کو اب بھی صبا سے موسمی نے کر
بھڑے ہیں ناگ ہی تلوار کے بدلے میانوں میں
سان صدق سے جیہ گھٹو کا سلسلہ تعمیر
شمار اپنا بھی ہونے لگا کاوش و دو نو لکھا

خاک ہی کا زرق ہو گا خاک کا پتلا کبھی
ہر مکان سمار ہو گا، ہر کین مردہ کبھی
روح ہی ناکام ہو جائے بدن تو لاش ہے
ہر حقیقت ہی کے رہ جاتی ہے افاد کبھی
بر بروت حد سے بڑھ جاتی ہے جب باخول میں
گھٹو کر رہا ہے مال سے سہٹ کا چکر کبھی
خارج کر چھ رہا ہے آج آنکھوں میں تو کیا
اس کا چہرہ میرے ہاتھوں میں تھا لکڑی بھی
چاندنی ہے رات میں کاوش تو دن میں دھوپ ہے
اس نے اوڑھا ہی نہیں کلمات کا پردہ کبھی

کاوش بدری

کھوکھلے قلم ہی نہیں اندر سے خود ہم ہیں بہت
دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ خسر ہم ہیں بہت
ہوانا غالب تو عالم ہے نہ صوفی ہے کوئی
علم مشت خاک ہے عرفان میں علم ہی بہت
جان پہن آئی تو جان دیکر بچا تا کون ہے
ہم پالہ ہم نوالہ یوں تو ہم ہیں بہت
باطن طاقت بدن میں ہے نہ دولت جس میں
ظاہر آئیے تو ہم بھی بھاری بھر کم ہیں بہت
صوفی و صافی اگر ہے کاوش تو کیا ہوا
اس کے اک اک عیب سے ہم لوگ محرم ہیں بہت

قربت عزت اسد میں رہو
امتحان گاہ ہاد ہو میں رہو
جانے کب موت حملہ آور ہو
روز و شب حالت دھو میں رہو
ساری اشیاء میں منظر اوہام
غرق تنہ من کی آہنجو میں رہو
تم کسی کی بلاتے جاں نہ بنو
عزت نفس آبرو میں رہو
کاوشم خانقاہ میں رہو
کون کہتا ہے کاغذ و کو میں رہو

خار و خس بھی دشت اہم کے بھول ہیں میرے لئے
کھوٹے کے بھی ملیں معقول ہیں میرے لئے
بھول جاتا ہوں کبھی تو یاد کرتا ہوں کبھی
لوگ جو گناہ میں مقبول ہیں میرے لئے
فکر و فن کی سرحدوں میں شجر کینے نہیں
وہ معانی یک قلم بھول ہیں میرے لئے
گرد پاوش تصدق تک رسائی بھی نہ ہو
ایسے زاہد نقش پاکی وصول ہیں میرے لئے
تاہندیدہ ہیں کاوش فہم میں کرتب بازیاں
قلائق فاعل معقول ہیں میرے لئے

کادش بدری

ملحق جلتی ہے مرے یار کی صورت سب سے
 مجھ کو بے جا بھی بھانپا ہے شرافت سب سے
 کوٹھے برسا ڈامری قبر نما بیت پر
 کیا فردی ہے کہ دیری حکایت سب سے
 خاک کو بر نہیں خاک کے پتے سے کبھی
 آخری وقت لگے ملتی ہے ترست سب سے
 سبق آموز بویا باعث تفریح بیتے
 ہم ملتے ہوئے پھرتے ہیں حکایت سب سے
 بھول کر بھی نہ ملو کادش بدری سے کبھی
 اپنی ہی بات کو منواتے ہیں حضرت سب سے

زندگی تھوڑی سی باقی ہے لہر کیسے کہیں
 ایک اک لمحہ کو وقت معتبر کیسے کہیں
 گنگ دل بھی موم ہو جاتا ہے راہ عشق میں
 دوستی بہانہ نہ ہو ہم دل میں لگو کیسے کہیں
 جسم گلی مینٹ ہے تو سانس ہوا عنکبوت
 نزع کے عالم میں شرح الخضر کیسے کہیں
 بند آنکھوں سے نہ ملنے پھر کو بر کھانے مگر
 آنکھ پوٹتی بند لگے تو سفر کیسے کریں
 دینہ دینہ ہو کہ ہم کادش لہر میں بٹ لگے
 اعتبار اک قبر بدری خاص کر کھسے کہیں

ہماری سوچ کا منصب قلم ہے آگے تھا
 ورق ورق بھی ہمارے قدم سے آگے تھا
 قدم تو خیر ہمارے بہت ہی حکم تھے
 مگر وہ رینگنے والا تو ہم سے آگے تھا
 عجیب حال تھا اس کا عجیب تھے آثار
 مزاج یار نواح ارم سے آگے تھا
 ہزار کادش پیہم سے ہاتھ آ نہ سکا
 مقام شعر بہت کادش سے آگے تھا

کاوش بدری

نیش نو صوتیات میں رکھ دو
مغز جہاں بھی دوات میں رکھ دو
نہ ہو تفصیل کی گراں باری
رمزیت واقعات میں رکھ دو
آب کاری ہے داخلی پردہ سے
شعلی بات بات میں رکھ دو
وصف کم مطلق دیک سوئی
اکشاف حیات میں رکھ دو
آنکھ کو میری آنکھ سے جوڑ دو
ہاتھ کو میرے ہاتھ میں رکھ دو
وہ تو سہل الموصول شے ٹھہری
دش کو میری ذات میں رکھ دو
تم پلٹ آؤ غلہ سے کاوش
پاؤں راہ نجات میں رکھ دو

جیسی صورت ہے ایسی رنگ کی سیرت بھی ملے
میرے مولائے بکھر تری طبیعت بھی ملے
مرداروں کی جہالت میں تھکتا ہے بہت
اس قدر جھگڑاؤں کو بہالت بھی ملے
سربازانہ کھڑے ہی کوئی نصرت ملے
یہ فروتنی تو نہیں ہے کوئی اجرت بھی ملے
چشم بریں تو ترا عکس ہے یا سب لیکھا
چشمہ فکر سا کوہ فضیلت بھی ملے
ذمہ داری کا جہاں تو جہاں پھرتے ہیں
دل ملے ہیں تو گنگے غلے کی نصرت بھی ملے
شیخ و محبوب الہی کا کرم ہے بے حد
کیا تجب ہے کہ کاوش کو طاعت بھی ملے

تیر کی پرواز ہے طیکڑہ دل کی طرف
ہو کے گھائل پیر بھی ہم مائل
ہر جگہ حاضر ہوں میں اپنے مثال کی کھاتہ
فاصلہ اہد وقت ہے معنی میں منزل کی طرف
صوت باتوں و جہاز ہواؤں ہو یا گھر
راستہ تک اور جاتے سلاسل کی طرف
جیسے بے حرف و آواز ہے الہامی کتاب
وہ مخاطب ہیں اسی انداز سے دل کی طرف
بانہ قراروں میں بھی ہم کاوش ولی بن کر جئے
رخ ہما ماتھا تصوف کے مسائل کی طرف

کاوش بدلی

میں اجنبی کی طرح تاج کے مکان میں رہوں
یہ آرزو ہے گذرگاہ دشمنان میں رہوں
مٹے نہ تھوڑی سی مہلت کہیں ٹھہرنے کی
بھٹکتی روح کی مانند دستان میں رہوں
ہر اک عروج پہ اک دن زوال آتا ہے
زمین پر رہوں یا سات آسمان میں رہوں
اماں نصیب نہیں مجھ کو درمیانِ حد
میں تیر بن کے نہ کیوں آج کی کہاں میں رہوں
سیاہ کاریاں اک روز رنگ لائیں گی
نماز میں رہوں یا جامِ ارجوان میں رہوں
لعل نہ دیرِ دھرم میں ملی نہ گھبراہٹِ علی
کچھ میں کچھ نہیں آتا کچھ کہاں میں رہوں
تمام عمر کئی نیک و بد میں کاوشیں
خدا ہی جانے طے تنگ یا جتنا میں رہوں

کتنی اولاد ہے کچھ کہتے ہیں مجھ سے کہتے
آؤں کہتے ہیں انسان فرشتے کہتے
ان گنت جہنمے لٹا ہے ہیں قدم پر ہونے
تھمے گن گن کے لٹے یار کے بوسے کہتے
تلخے والے کو خبر اس کی کہاں ہے بلو
سچ بتا تاکہ ترازو کے ہی پلے کہتے
قبر سے میری نکالی گئی مٹی کتنی
دور بھینکے گئے انسان کے ریزے کہتے
گیلی کلڑی کی طرح ہم کو سلگتا ہے بھی
حم سے احباب کو درکار ہے شعلے کہتے
حال اپنا ہے شبِ روزِ درگزر کون کاوش
کس کو معلوم کہ ہمدرد میں اپنے کہتے

گو پذیرائی میسر تھی زمانے بھر میں
ایک فرعون بھی مامور تھا میرے سر میں
روزِ دُشِب صرف تعداد کے کواچھٹائیں
گویا اک غولِ بیاباں ہے ہمارے گھر میں
دیس جیسا ہے اکی بھیس کو اپنا نا ہے
ساری دنیا کا تمدن ہے مرے پیکر میں
تور کی شکل ہے، ہیرت ہے گماں سے بھر
بس ہی نقص نمایاں ہے مرے دلیر میں
کاوشم طاق ہے ہر فن میں مگر کورا ہے
گو اڑان ادنیٰ ہے، طاقت نہیں بالِ چڑیں

کاوش بدی

ہر رخ کے صفات میں کوئی نہیں ہمسرا
خوسر ہے آج تک پھینکا ہوا ہمسرا
ہر سمت سخن ذات میں پھیلے ہوئے ملتے ہیں
بیٹھا ہے تخت فکر پر سمٹا ہوا دلیر مرا
کیا خوش نصیبی ہے مری میں ایک تنہا فوج ہو
جھوٹ اور سچی جنگ میں کام آئی فکر مرا
ماحول سب کا ایک ہے آنکھیں وہی نظریں وہی
سب سے الگ راہیں مری سب سے جدا منظر مرا
اک رنگ استغراق ہے، اک نگہت آوارگی
ظہار ہوا کا گریں ہے بہتا ہوا ساگر مرا
دنیا کہے گی ایک دن اوراق گردانی مری
یاد آئے گا اصحاب کو گنجینہ گو ہر مرا
کوئل نولے نیم لب، گھائل سکوت نیم شب
گویا سر شاخ شجر آؤختہ چسکر مرا
اس سے زیادہ اور کیا حاصل خوشی ہو گی مجھے
مجھ سے زیادہ ان دنوں خوش حال ہے تو کورا
کاوش اتنی قید کے دیوار و درگرنے کو ہیں
اک عالم اصغر میں ہے اک عالم اکبر مرا

آدم آرم نسلا نسلا انسان انسان اصل ہے
ایک خطا تھا ہوا ہوا آدمی تھا تھا ہے
جام و مری گوانامت، نذر نذر کوع و کجود
پینے پلانے میں فوائد نا جائز گو شرعاً ہے
لک رنگ نار رب کار کم آدمی ملک انیس دہ
بھگت چوچوچم مچم دھرم دھرم دھرم دھرم
اپنے آپ سے سچ کہنے کی عادت بھی ہم بھول گئے
اک کج جملہ نازنی ہے بہرہ ہر وہ دین من ہے
منظور مہی داخل رشتے مرہ ملنے شبہ تمام
کاہن جو کچھ ہے نمایاں اور ہی شے وہ منہ ہے
صبح تیری نظروں کا صدقہ رات تری زلفوں کی بیک
ہاؤنڈ لنگلی کا اٹاٹا، نقش کف پا کندہ ہے!
طحا کا بچا بھیل ہلے وقت ہماری مستی کو
آنا فنا جلتے کیا ہے نفس سراپا دشمن ہے!
مہرے تقری راس آئی ہے اپنی انا کو بھول گئے
نزدیکی کر دھن والوں میں ذات ہماری ہو گئی ہے
کاٹھ کا پورا، عقل کا کورا کاوش کی کو جلتے کیا ہے
شیخ فرید نظام الدین کے مجھ سے کیا دین ہے

گردش بدن میں خون کی دل کا طواف ہے
یہ سلسلہ رکا تو دم احکاف ہے
چون و چرا کی فکر میں گناہیں نہیں
توفیق کے بغیر عمل میں شکاف ہے
یہ چشم خون فشاں کا ہے دیا عہد کر
اس مد میں بارہ خون گدہوں آصف ہے
سارا نظام درہم دبرہم ہے زہد کا
بھرے کی رالو سے کئے احکاف ہے
اک شب کی نیر میں کئی صدیاں گزر گئیں
تقریباً ماہ و سال کا مطلع ہی صاف ہے
روٹی کی طرح جس کا بدن پاش پاش ہو
اس تخت ہے امن کو کھن بھی خلاف ہے
کاوش زبان و گوش، یہ تلے لکائیے
گفت و شنید غافلان و گمراہ ہے

رفیق راز

یہ کس روشنی کا ہوں پیکر سیاہ
رقم ہے ہمیں پر مقداریاہ
ابھی تک تو محفوظ سینوں میں ہے
ابھی تک ہوا ہے نہ بد گھریاہ
گئے سال کی روشنی پنی گیا
سے سال کا یہ کلنڈر سیاہ
اجالوں کی تحویل میں آ گیا
وہ مایوس و تنہا صنوبر سیاہ
بڑی پھلی تھی کرن آخری
گئی لکھ کے دہلیز شب پر سیاہ

پہلی ہے راتوں رات محب ابتری سیاہ
گرتے ہی آنکھوں میں ہوئی برف بھی سیاہ
وہ شخص شہر نور کا والی ہے کچھ نہ پوچھ
سچے جس کا پورا نامہ اعمال ہی سیاہ
آنکھوں میں ایک پل کو وہ تصویر بھر گئی
دقت جہل میں پھیل گئی روشنی سیاہ
پہلے چراغ لار امید بجھ گیا
پھر ملوں ہوا کہ بھوم کر بجلی گری سیاہ
آواز العطش تھی صندوق تھی سر بسر
دیریا تک آتے تھے مگر ہو گئی سیاہ
طاری ہوئی ہے فصل انجم پہ خامشی
اب تو ہر یک جرم سے ہو گا بری سیاہ

رفیق راز

راز ہے غل آب پہ اک شعلہ سیاہ
 حیرت میں ڈالتا ہے مجھے قصہ سیاہ
 منظر ہمارے ہونے کا اک کرب لا جورد
 ہم کیا ہیں ایک شعبہ دیدہ سیاہ
 کچھ بھی نہیں ہے رات پہ بس ایک لیلِ رات
 ادراک صلائے ہاں پر موجِ سیاہ
 میرے تفکرات کی تحویل میں رہے
 کچھ دیر اسے خدایہ تراشہ سیاہ
 تم بھی کر دزبانِ تجلی میں ہم سے بات
 ہم بھی اکسین کے طور پہ اک فقرہ سیاہ
 گرنے ہی والی برقی فضا ہے زمین پر
 ہے خمی پاپ مراءِ دقتِ سیاہ
 ہرچہ ہے تابناک ہر آواز کا کرب لا
 ہکا ہے چرخِ تیر کی غلط سیاہ

طسم عنایات موسمِ سیاہ
 ہے برقیے بتوں پر شبنم سیاہ
 فضائے شبستانِ عالم سیاہ
 چراغِ تمنا ہے آدم سیاہ
 منور خیالوں کو ظاہر نہ کر
 ابھی ششِ بہت میں ہے برہنہ سیاہ
 فروغِ تمخیلِ شہدِ با ہے
 شعاعوں کی زخیں ہے پتہ سیاہ
 تری آنکھ میں بھی چمکتا ہے کیا
 شبِ بحر میں خوابِ سا غم سیاہ
 حلی میں ہے اک درجہ نیا
 درجے میں یک آنکھ پر غم سیاہ
 زمین پر ہے نیر ہے صبحِ بلند
 فضا میں ہے آج کل کا پرچم سیاہ

رفیق راز

بے گزر رہے تھے غلو تھا آمد میوں کا
گھر جو رہے تھے عالی موسم تھا چروں کا
تو دستوں میں جلوہ اپنی ہی دستوں کا
میں تو ہوں ایک سایہ چلتے ہوئے پردن کا
محلکے اس سفر میں گھیرا تھا پیاسے جب
جاری ہوا تھا دیا تیری ہی رحمتوں کا
کوئی تو بات ہوگی دل بے قرار کیوں ہے
کوئی سبب تو ہوگا ہے نام انھنوں کا
خوشنوں میں اس کی قسم ہوا کی خوشبو
آنکھوں میں اس کی موسم بے بہرہ بھول کا
سانے میں پڑے کہ ہم قصہ کوئی سنیں
ہو جائیں تو وہ بھی قصہ دیتے ہوئے دنوں کا
مگر انوں کے دل میں ہیں وہی رحمتوں کا
دریا کو بوند کہنا مسلک ہے مصنفوں کا
ماہ تمام ہیں پھر غلتیوں کے سانے
ہو جائے ایک اشارہ رحمت کی انگلیوں کا

منظر تمام اب کے ہیں نایاب شہر میں
آیا ہوا ہے دھند کا سیلاب شہر میں
مٹے کو بس ایک موج کی آوارگی ملی
تم کو ملے خزانہ تہہ آب شہر میں
اترا یہ حکم نیند کی پریوں کے ساتھ ہی
دیکھ داب کی بار کوئی خواب شہر میں
ہر در پہ بادلوں کے سمندر میں موجوں
کس گھر میں چھپ گیا ہے وہ تپا شہر میں
کس کے لئے ہے پانی پہ رستہ بنا ہوا
ہے کس کے انتظار میں گرداب شہر میں
بڑا مال ہے فدا ہے کہنوسے بندھے ہے
کیا کیا ہیں میرے حجر کے اسباب شہر میں

ہم موسم حیرت کے اہل نہ ہوتے تھے
یعنی کہ تیرے چاہنے والے نہ ہوتے تھے
خاموش نگاہوں کی ہلک بول رہی تھی
الفاظ ابھی تم کے شولے نہ ہوتے تھے
گلشن میں حکومت تھی فقط باد صبا کی
یہ بچوں کوڑی دھوپ میں کالے نہ ہوتے تھے
ہم خاک کھ پائے نگار ان تھے بھر شوق
ان تیرے ہواؤں کے حوالے نہ ہوتے تھے
ظاہر نہ ہوئی تھی ابھی موسم کی تڑپ بھی
بچوں پہ رقم ایسے مقابلے نہ ہوتے تھے

راہی فدائی

مار و کتر دم سنگ دلو زینہ و خراس کے خلاف
 پس بھی صاحب فن اہل ہزار اس کے خلاف
 تیز تر ہو گئی تشہیر کی رفا رافعی
 روزا بخار میں پھپھتی ہے خراس کے خلاف
 یہ مسلم ہے وہی اہل شہر، تھر گنہ نسب
 پھر بھی کیوں ہو گئے گل، برگ اشرا کے خلاف
 غیر سے ہڈیا صا دق ہے سراپا اس کا
 دیکھے بوالعجب دشمن شر اس کے خلاف
 قابلیت کو بجا مصلحتا کل کے لئے
 کوئی ہنگامہ بیا آج نہ کہ اس کے خلاف
 سنگ زادوں میں نہیں اس کا مخالف کوئی
 ہیں مگر ابن قمر، بنت گہر اس کے خلاف
 اک غضنفر کی سیادت ہی یہ موقوف نہیں
 دشت منصب کا ہر اک مادہ و نراس کے خلاف
 اس نے ظلمت کے عادات کھولا تھا محاذ
 دفعتاً جاگ اٹھے برق و شر اس کے خلاف
 تھا وہ پروردہ شب اس کا محافظ ظلام
 پر خطر صبح پر آشوب سحر اس کے خلاف
 دوستی اس نے جو کی اپنی "انا" سے راہی
 ہو گئے عقل و خرد، فکر و نظر اس کے خلاف

زمین ہے کیا فلک کا در معاذ اللہ
 سماوی آفتیں گھر گھر معاذ اللہ
 فرشتوں کی جماعت ہو گئی ہے کیوں
 فریب شیطنیت خوگر معاذ اللہ
 خلا اندر خلا ظلمات، نفسانی
 مدار جذبہ خاورد معاذ اللہ
 نسب پر ہم نشینوں میں ہے اتر آتا
 "شجاعت جنگ" کا حجر معاذ اللہ
 مقابل میں فلک زادوں کے قائم ہے
 زمین بوسوں کا کرد و فر معاذ اللہ
 لہوین کرگ دلیہ میں حکمت کے
 رواں کیوں ہے فساد و شر معاذ اللہ
 پرند صبح پر غالب ہے اتوانی!
 طلسم خوبی شہر معاذ اللہ
 بظاہر سادگی کا نقش لاثانی
 یہ باطن خود چمکاں منظر معاذ اللہ
 کلیسا بن گیا ہے حاجب صحر
 قیل میں مسجد و منبر معاذ اللہ
 تقاضا وقت کا دار و غر و غریخ
 بنا ہے خلد کا مظہر معاذ اللہ
 جہنمی کی کھلی جب سے زباں راہی
 شامی ہو گئے مضطر معاذ اللہ

خلد اقبال یاسر

وقت کم تھا اور کلاں دور جانا تھا مجھے
تازہ دم رہو اور چوکی سے ملتا تھا مجھے
بے ریا شہدار کو معذول کرنے کے لئے
شہ کا فرماں وہاں چاکر سنا تھا مجھے
نلادہ میں شہ نے بہرں مطلقا ساتھ کیں
اور رہداری کا پردہ بھی بھیجا تھا مجھے
ہر قدم آسانئیں پاؤں پر کرتی تھیں مرے
جس کھڑی دل اور ایک رستہ دکھاتا تھا مجھے
واپسی پر ناغہ غصت تھی میری منتظر
ایک منزل پہلے دستہ لینے آیا تھا مجھے
باریابی کی اجازت خود طلب کرنے کے بعد
کوئی نفس کو غم سر تسلیم کرنا تھا مجھے

کس طرح گردش سے نکلے پھر بھی مت آتی نہیں
سلطنت کرنے چلے ہیں سلطنت آتی نہیں
زاویہ ایسا ہے یا وہ نقش ہی اتنا ہے بس
سلطنت دوہل میں پوری کیفیت آتی نہیں
کوئی سرسید ہاں پڑنے دے معنی کا یہاں
ایسے نوحہوں کی سنگت جن کو گت آتی نہیں
تخت لے آئے گا رفتہ رفتہ پہچے میں جلال
مارچ ملتے ہی تو جہاں و نمکنت آتی نہیں
فقر یا سر اس قدر روح بس گیا احصاب میں
طبع میں گوشش سے بھی دربارت آتی نہیں

شب مر تو ہوگی مگر نے نہ ہوگی
معنی کی آواز میں لے نہ ہوگی
وہ دست طلب تو بیٹھالے گا لیکن
مرامی میں اک بوند بھی لے نہ ہوگی
جز چہرہ شقی ہوئی جدو لوں کے
خزانے میں باقی کوئی شے نہ ہوگی
وہ ردپوش ہو جائے گا ناشی سے
کبھی واپسی کی گھڑی ملے نہ ہوگی
ریاست سے دوری ہی میں حافیت ہے
کہ شورش فرد ہو سکی ہے ، نہ ہوگی
نہ وہ تخت ہوگا نہ وہ خانانہ وہ
دوبارہ عملداری کے ، نہ ہوگی
رعیت کو اس نے بہت آزمایا
کسی تنگ لب پر کوئی شے نہ ہوگی

سجاد باقر فروری

نمایاں اور بھی رخ تیری بہ رخ میں رہے
پیر و گی کے بھی پہلو کشیدگی میں رہے
نظر اٹھی تو اٹھا شور اک قیامت کا
نہ جانے کھسے یہ ہنگامے خامشی میں رہے
ہوائے شہر غریبی کی کیفیت تھی عجیب
نئے میں رہ کے بھی ہم اپنے آپ ہی میں رہے
پکارتے نہ حکما کیا نہ دل کے دیرانے
ہم ایسے شہر میں ابلے تھے شہر ہی میں رہے
حصار دشت دل سے نکل تو آئے مگر
تمام عمر عجیب سحر آگہی میں رہے
مری وفا کی حقیقت جبار دشت طلب
مری وفا کے فسانے تری گلی میں رہے
انہیں سے ابھری ہیں کتے غلوں کی تصویریں
وہ سائے جو مری آنکھوں کی روشنی میں رہے
کبھی تو کچھ گئی منزل پر سر بلند شوق
اس آسے پر مقامات بندگی میں رہے
ہیں ملاحظہ کشف کائنات پر باقر
ہیں گلی کی طرح دل گر خلی میں رہے

بقدر حوصلہ کوئی کہیں، کوئی کہیں تک ہے
سفر میں راہ و منزل کا تعین بھی نہیں تک ہے
نہ ہوا نکار تو اشبات کا پہلو بھی کیوں نکلے
مرے امرا میں طاقت فقط تیری نہیں تک ہے
اودھ وہ بات خوشبو کی طرح اڑتی تھی گلیوں میں
اودھ میں یہ بھٹاتا تھا کہ میرے ہم نشین تک ہے
ہنسی کو تار و کی کا گلہ اتنا غنیمت ہے
بزنچی ہاتھوں کی انے اسے جب داسے کنگ
میاں کی جلی پھرے گی تو پھر اس کے چھوٹے کی
فلاوہ یہ بھگوداغ زوہلی میں تک ہے
چھ آگے مرے طے ہو رہیں گے بہت حل سے
جہاں تک دشمنی ہے خوف تاریکی وہیں تک ہے
ابھی اٹھ کر کم ہو فضل دونی ہو
کہ باقر کی تو آمد اس کی دل کی تریں تک ہے

آصف فرخی

سہ ہیں، کیا ہو رہا ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ بھی ایک انتظار صاحب لکھ رہا
ہیں، اور ان کے افسانے بہت مختلف ہیں، اتنی پرند و فہ تو ان کے بہت
خلاف ہیں لیکن مجھے بہت پسند ہیں ان کے افسانے۔ تب میں نے ان سے
لے کر کچھ افسانے پڑھے انتظار میں کے۔ تو مجھے واقعی محسوس ہوا کہ یہ مختلف
افسانے ہیں، اور جوان کا لکھنے کا اسلوب تھا، سوچے کا اسلوب تھا، بچوں
کے لکھنے کا اسلوب تھا اسے میں نے بہت کچھ اپنے اندر رہ جانے بسنے کی کوشش
کی تو اس کے کچھ دو چار برس بعد پھر میں نے لکھنا شروع کیا، اس وقت تو
ہماری کوئی خاص پذیرائی نہیں ہوئی تھی، اور افسانے میں قسم کے لکھتے تھے
میں خود نہیں معلوم تھا کہ یہ مختلف ہیں یا نہیں ہیں، بلکہ کوشش یہ تھی کہ جو
مرد و جہ افسانے میں پہلے اس کے معیار کے مطابق ہم کسی طرح سے پہنچ جائیں۔
تو پھر ایک شخص اس وقت اور تھا جو بہت ہی طاقت ور اور پراثر تھا،
بلوچ میں رہا۔ اور اس کی صحبتوں کا اثر تھا۔ اس کی ایک عجیب و غریب قسم کی
انتہی، اور اس کا ایک اپنا انداز تھا جیسے کہ اوپر بات کہنے کا اور ایک خاص
قسم کی غلطی اور غصہ اس کی باتوں میں ہوتا تھا، ہر جگہ کو وہ
کہتا تھا ہم دراصل ایسے سکاروں میں آئے تھے کہ ہر چیز کو
کہتے ہوئے ڈرتے تھے۔ لیکن وہ فوراً NEGATE کرتا تھا۔ تو یہ
سارا سلسلہ ملا کہ اس کی NEGATION انتظار صاحب کا مثیل

آصف فرخی : اردو افسانے میں آپ کا آنا گویا غصب کا آنا
تھا۔ آپ کے دور کے ساتھ اردو افسانے میں تبدیلی کی ایک لہر آئی اور کہانی
ایک نئے ڈھنگ سے لکھی جانے لگی۔ اس تبدیلی کو مختلف نام بھی دیئے گئے
یہ کہ کسی نے اسے ملائی افسانہ کہا، کسی نے تحریری افسانہ کہا، کسی نے استعاراتی
افسانہ کہا، مگر کی اس منزل پر پہنچ کر جب آپ مجھے حرا دیکھتے ہیں تو تبدیلی کا یہ عمل
آپ کو کیا معلوم ہو رہا ہے۔
سریندر پرکاش : دیکھئے جی دراصل یہ تو نہیں میں کہہ سکتا کہ
بڑی ذات سے تبدیلی آئی۔
سوال : آپ ان چند ناموں میں سے میں جن سے
تبدیلی کی کو دانتا کرتا جا رہا ہے۔

سریندر پرکاش : جی واقعی ہوا کہ دیو بندہ رام سے ایک
نو ملاقات ہوئی مختلف قسم کی باتیں ہوتی ہیں اردو افسانے پر بھی بات ہوئی
انوں نے ایک شخص کا نام بیان کیا نام انتظار میں تھا میں نے انتظار میں
کا اس وقت تک کوئی افسانہ نہیں پڑھا تھا۔ اور میں بھی دراصل افسانے لکھ
مجھا نہیں رہا تھا۔ وہ ایک اور غریب قسم کی زندگی تھی میں نے سوچ
پر تھا کہ میرا لکھنے پڑھنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے کوئی بارہ چودہ برس
تو میں دلی پہنچا تھا۔ تو میں نے ان سے سوال کیا تھا کہ کون کون لکھ

اور ان کا سوچنا ڈھنگ اور میرے لپٹے ہوئے انداز سے ان کو ٹھیک کرنا ایک عجیب
و غریب قسم کا کمپیوٹر ہے اور میں نے افادہ کھانا شروع کیا، جس کے پاس میں تھا
آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت افانہ میں تبدیلی آئی، لیکن اس تبدیلی
کا ہمیں اس وقت بالکل اس میں نہیں ہوا کہ ہم کوئی عمل کے کی بات
کہہ رہے ہیں۔

سوال : آپ نے کہا کہ گھٹنے کا جو ڈھنگ بتایا
"دوسرے آدمی کا ڈھنگ روم سے بات شروع کرتے ہیں، تو ان کے گھٹنے
میں واقعیت اس طرح نہیں ہے کہ مجھے مٹوا کر کھانا چننا یا بیدی کے ہاں
ملنے ہے بلکہ کہانی ایک وقت کی سطحوں پر چل رہی ہے اور اس میں تہہ در
تہہ عمل چلا رہا ہے۔ اور بعض دفعہ یہ بھی نہیں معلوم کہ کار کہانی میں کس
نقطے پر موجود ہے، اور اس کا زمانہ کیا ہے یا اس کا مقام کیا ہے۔ وہ کہانی
اپنی گرفت میں بھی رہتی ہے لیکن اس کہانی کے اندر دیا بھیج رہا ہے جو پوری
طرح کھل سکتے نہیں ہیں۔ میں آپ سے کہانی کی اس کیفیت کی ترویج یا بھٹکا
کے لئے تو نہیں کہوں گا، لیکن اس کے حوالے سے آپ سے گفتگو کو آگے بڑھانے
کے لئے ضرور کہوں گا۔

سریندر پرکاش : میں نے کچھ لوگوں کے نام لیے تھے۔ اب
میں پھر ایک اور شخص کا نام لوں گا، جس کا ترجمہ یہ ہوا، حالانکہ اسے
بہت تھوڑے سے افانہ لکھے، اس آدمی کا نام ہے راج ایسے۔ وہ میرے
اور دیو نند رام صاحب کے مشترکہ دوستوں میں سے تھے اور کئی دفعہ میں بہت
بڑے افر تھے، اور کبھی یہ معلوم بھی نہ ہوا کہ یہ شخص بھی افانہ لکھتا ہو گا یا نہیں
ان کے دو تین افانے مجھے "سورلا" میں اور رائے تیز دیوار سے مجھے جب
ہم لوگ ان کو جاکر افانے سنایا کرتے تھے، رائے تو وہ دیکر کہتے تھے افانہ
اچھے ہیں، میرے ہیں یا کیا ہیں اپڑے لکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے افانے کو
لکھے تو ان کے من لوں میں ایک عجیب و غریب فضا ہوا کوئی جیسا تھا ان کا ایک
افانہ تھا "مشبہ صدمہ" تیرہ۔ ایک ان کا افانہ تھا "تصویر پرے انوم
کی" تو مجھے یہ کہنے میں کچھ حار نہیں ہے کہ میں نے اسے یہ چھپا رکھی اور وہ
اس قسم کے آدمی تھے بھی کہ میں سے آپ کا فی دیر بڑھ کر گفتگو بھی کر سکتے

ہیں اور محض سفاد نظر ہی نہیں تھے بلکہ جڑ جڑ کو خوب جاننے تھے۔ تو اس
کے افانوں میں یہ سدا چرتی تھی، تہہ در تہہ، تہہ در تہہ تھیں۔ اور میرے ذہن
میں جو چیز تھی وہ یہ تھی کہ چون کہ ایک دفعہ مجھے پھٹکار دیا گیا تھا میرا ہند
لوگ چھلپتے نہیں تھے اور مجھے افادہ لکھانے کو بھی تیار نہیں تھے اور اس
رسالوں سے واپس آجاتے تھے تو مجھے یہ لگا کہ میں شاید جس قسم کے افانے
لکھتا ہوں وہ افانے درکار نہیں ہیں، کچھ مجھ میں ایسا بات ہے، ایک جہلی
ہوئی صورت حال تو تھی میرے افانے میں، لیکن اس کا کچھ پوری طرح سے
احساس نہیں تھا۔ میرے ذہن میں ایک بات تھی کہ جو تین دو طاقتوں کو گھیر
ہم لے رہا ہے، مٹوا کر کھانا اور بیدی، ان تینوں سے افانہ اگر مختلف ہو گا تو
لوگ اسے پڑھیں گے اور اس کی طرف توجہ نہیں دیں گے، کیونکہ اگر ان کے انداز
کا ہی فضا ہو گا تو لوگ اس کی طرف توجہ نہیں دیں گے، کیوں کہ وہ تو میں
بیدی صاحب سے بہتر جزئیات لکھا رہا کر سکتا ہوں، نہ میں کچھ چننا رہے
اچھی زبان کہہ سکتا ہوں، نہ مٹو سے بہتر کردار لکھا رہا کر سکتا ہوں۔ یہ تینوں
کردار یاں میں نے اپنے اندر محسوس کر لی تھیں، اور میں نے اس میدان میں
قدم ہی نہیں رکھا، اور میں نے اپنے لئے ایک فی فضا، یا میدان تلاش کیا
اور ایسے کردار جو بالکل میرے کی طرح ہوں، ان کے چہرے سے تھوں، ان کے
کچھ نام تہہ در تہہ، لیکن وہ پورے کردار ہونے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں۔
اور اسی فضا میں کچھ وقت نہ ہوا، اور جس کا کوئی ماضی نہ ہو، جس کا کوئی
مستقبل نہ ہو، ایسی فضا قائم کرنا اور چلنے میں اس کا کوئی دعوہ نہ ہو لیکن اپنے
آپ کو ثابت کرنے کی طاقت رکھتی ہو وہ فضا، تو یہ میرے ذہن میں آئیں
ان لوگوں کے ساتھ بڑھ اٹھے کے، پڑھ کے، ان سے دیکھ کے، کہ مختلف ہونی
چاہئے کوئی چیز۔ تو یہ مختلف ہونے کے پھر میں، میں نے اس قسم کے افانے لکھے
خرچہ کئے۔ اور یہ بھی نہیں آپ کو ایک بات بتا دوں کہ یہ ضروری نہیں ہے
کہ جو صورت میرے افانوں کی لوگوں نے بعد میں قائم کی، کہ اس افانے کا
یہ مطلب ہے اور اس میں یہ تہہ در تہہ ہے، وہ میرے ذہن میں بھی اس وقت
ہو۔ وہ ایسی بات نہیں تھی میں تو صرف ایک پہلو تھا جس میں لکھتا تھا، لیکن

ایک PATHOS میری ذات میں تھا۔ وہ PATHOS

ABSTRACTION کی یہ مادی باتیں میں نے ہی بولی تھیں
میں نے انہیں اچھی طرح سمجھا نہیں تھا۔ لیکن جب میں نے یہ افسانہ لکھے
اور لوگوں نے ان پر بات کرنا شروع کی کہ یہ مادی ہیں، تو میں نے بھی ان کو
دوبارہ دیکھا کہ وہ ظاہریت نگاہ میں لے کر یہ باطلات سازی ہو چکی ہے
تو میں نے اس طرح سے کرنا ہے، یہ کیا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی بہت سوجھا
کر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ اپنے آپ ہی ہو گیا ہے، میرا اسٹائل تھا بات کہنے کا، وہ
ایک کہہ گیا میں آپ کو اس سلسلے میں ایک چھوٹا سا واقعہ سنا ہوں۔ رائل
پور میں ہم رہتے تھے اور میری ماں کا انتقال ہو گیا تھا میں جب کوئی دو گھنٹہ
میں کا تھا۔ میرے والد نے اور شاہی کی کچی تھی۔ تو مکان ماں کا جو برتاؤ
تھا وہ بہت اچھا نہیں تھا۔ مکان بھی ہماری کارخانہ بازار میں اور مکان
تھا۔ جھنگ بازار میں تھا، پھر چیمبروٹ بازار کے قریب ہو گیا۔ تو
گھر سے میں جب مکان پر اور مکان سے گھر جاتا تھا تو اپنے آپ سے باتیں
کرنا تھا۔ اور میں تمام مکالمے ادا کرتا تھا جو کہنا چاہتا تھا اور نہیں کہہ پاتا
تھا۔ تو وہ خود کلامی کا ایک عجیب و غریب قسم کا رویہ میرے ہاں پیدا ہو
گیا تھا۔ تو جب میں نے افسانے لکھنے شروع کئے تو مجھے خود کلامی کی جو پرمکش تھی
اس نے میری پوری مدد کی۔ مجھے ایسا لگتا جیسے میں اپنے آپ سے بات کر رہا ہوں
اچھا اور پھر یہ ہے کہ اگر مجھے یہ کہنا ہے کہ ملک تقسیم ہو گیا ہے۔ تو میں نہیں
کہہ سکتا کہ ملک تقسیم ہو گیا ہے۔ میں نے اس کے لئے پہلے ایک کہہ سوجھا تھا،
اس کہہ میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے جو کوئی پھٹی ہے، جس کے کچھ حصے بڑھ
ہیں، کچھ حصے موتور نہیں ہیں، اور کہیں دور طوارہ چل رہا ہے، ایک آڑی
بائیسکل پر سوا ہے اہلہ ہے اور کتا جو کہ رہا ہے اور کتے کو چپ کرنے کے لئے
وہ جوتاؤی ہے وہاں پر اس کے سامنے اور کوئی راستہ نہیں تو وہ اس لگا
کے جسم سے ایک اور ٹکڑا کاٹ کر اس کے کوڑاں دے کر کتا خاموش ہو
جائے۔ تو میں تقسیم کے بارے میں اسی طرح سے سوچتا تھا، یہ برا
سارا ATTITUDE تھا۔ کیوں کہ براہ راست بیان سیر
ہاں تھا ہی نہیں۔ اور اچھی میرے نے افسانے جو میں ان میں تھوڑی سی
DIRECTNESS ہے۔ لیکن اس وقت آئی ہے جب

کہ مجھے یہ چاہئے کہ تحریر میں تہہ در تہہ اب اپنے آپ پر دیکھ لوں گی ہے۔ اب
میرے نے افسانے جو میں اگر صرف انہیں دلتے کے طور پر دیکھا جائے تو
اس میں بھی وہ پورے اثر میں لگے۔ لیکن اگر دلتے سے ہٹ کر ان سے
ہمارے میں سوچا جائے تو وہ تہہ در تہہ وادی بھی ان میں موجود ہوتی ہے
سوال : مگر ان افانوں کی نوعیت پھر بدلی ہوئی ہے
"دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم" سے "برف پر مکالمہ" اور "بازار میں"
تک آتے آتے آپ کی کہانی میں پھر ایک تبدیلی آئی ہے، لیکن اس کے
بارے میں کچھ تفصیل جانا چاہتا ہوں۔

سر سندر پرکاش : کہانی میں تبدیلی آئی ہے تو اس کی دو چیزیں
ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اگر آج سے نہیں، تو کافی عرصے سے نفاذی ثابت
رہا ہے۔ تو جب میں نے افسانے لکھے یا بلاگ نے افسانے لکھے، اور
لوگوں نے اس قسم کے افسانے لکھنے شروع کیے تو ایک رویہ ہی ہو گیا کہ
مکالمہ کی ٹائپ کے افسانے لکھتے چلے جاؤ۔ تو دوسرے افسانے لکھنے کی وجہ سے
یہ ہوا کہ وہ بات، وہ دلچسپی، وہ تہہ در تہہ وادی اور معنی آفرینی تو پیدا نہیں کر پاتے
تھے۔ تو افسانے کے سلسلے میں ایسا لگا کہ اب افسانہ ختم ہو گیا ہے، اب افسانہ
کوئی پڑھتا نہیں ہے اور پھر ایک الزام ہم پر یہ بھی آیا تھا شروع ہوا خاص
طور پر مجھ پر کہ یہ آدمی کہہ دارا افسانہ نہیں لکھ سکتا، یہ آدمی بلاٹ کا افسانہ
نہیں لکھ سکتا، یہ آدمی اپنا دوسرا ہی چکر چلاتا ہے اور یہ اپنی کڑیوں کو
چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تو کچھ میرے ذہن میں یہ بھی تھا کہ میں بتا دوں
کہ بلاٹ کا افسانہ بھی لکھ سکتا ہوں، میں کہہ دارا افسانہ بھی لکھ سکتا ہوں۔
واقعے پر بھی افسانہ لکھ سکتا ہوں، یہ سب کچھ کر سکتا ہوں۔ لیکن مجھے یہ اسٹائل
پسند نہیں۔ وہ جو دیو لالائی اسٹائل ہے، اس کا انت نہیں ہے کوئی وہ بہت
بڑا سمندر ہے۔ اس کے آگے یہ اسٹائل بہت چھٹی چھٹی باتیں ہیں۔ تو اس
وجہ سے میں نے جان بوجھ کر بھی اپنے اندر تبدیلی لانے کی کوشش کی۔
اچھا، پھر ایک اور چیز یہ ہوئی کہ ایک تحریک ہمارے ہاں یہ چلی کہ ۶۰ء کے
بعد کا جو افسانہ نگار آیا ہے، وہ افسانے کو اس کی تحریک پھر اپنی صورت میں
لے کے آیا ہے جب کہ سر سندر پرکاش اور اس قماش کے لوگوں نے افسانے

ہر گھنٹہ ہر منٹ پر اس میں ہر لمحہ میں شاعری اور فانی نہ تھا میں
 آہی اپنے آپ سے باتیں کر سکتا ہے۔ اچھے نکلے دنوں ایک صاحب سے کچھ
 بات ہو گئی۔ میں نے ان سے کہا کہ دیکھنے صاحب میرے لئے یہ رنگ بہت
 ہے۔ یہی رنگ میرا AUDIENCE ہے۔ یہی میرا
 ہے۔ میں اس جگہ پہنچے اپنے آپ سے باتیں کرتا رہتا ہوں جو باتیں ہوتی
 ہیں ان سے غلط ہو جاتا ہوں فتح باب ہو کر اس لیے کچھ کوئی نئی راہ
 ہے۔ تو یہ ساری چیزیں فردوسی ہیں۔ زندگی، خون کے رشتے، دوستوں کے
 اہل کے رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں۔ آپ ایک ایسے آدمی کو چاہئے کہ
 تے میں جس کو آپ نے کبھی دیکھا ہی نہیں ہے۔ آپ ایک ایسے آدمی کی بات
 اگر قرار ہو جاتے ہیں صرف اس کی تحریر سے۔ میں عبداللہ حسین کا بہت گریو
 ان ایسا کبھی اندر سے طاری نہیں ہوں۔ قرۃ العین حیدر کو بہت پسند کرتا ہوں
 "کہا کچھ بعد میں پتہ چلا کہ انتہائی بد صورت عورت ہیں۔ میں بہت گھبرایا۔
 ملنے سوچا ہوا تھا کہ اتنی اچھی تحریر کھنے والی عورت بہت سی خصوصیت ہوگی
 ش یہ عورت نہ ہوتی تو زمین میں جو ایک بات اتنی قحی حاشی کی ہے۔ آتی۔
 نچندر گھبرائے بہت پسند تھے اپنی زبان کا دورے۔ مگر وہ زبان آج نہیں
 ہے۔ کیوں کہ کچھ بعد میں محسوس ہوا کہ اس زبان میں تہذیب واری تہذوری
 میں ہے۔ حق آفرینی نہیں ہے۔ ہم نے بعد میں ایسی زبان لکھنے کی کوشش کی۔
 : سکتا ہے کہ یہ دین کوشا چندر کی ہی ہو کر اس نے میں اتنی زبان دی
 میں اتنا نہیں دی اور اتنا ڈالنے کی ذمہ داری میں دے دی مجھے شک
 'حب کی کہانیاں اچھی لگتی ہیں لیکن اس اگست سے کہیں کہیں وہ اپنے آپ
 دہرے ہیں۔ ایک بار ہی کہانی کو بار بار لکھتے ہیں۔ تو ظاہر ہے وہ چیزیں
 ہم سے نکالنی پڑتی ہیں، افراق کی شاعری کی طرح سے کہ خوش شاعری پسند ہیں
 ہے اسے نکال دیجئے۔ تو اس قسم کا رویہ پانا پڑتا ہے اور یہ رویہ صرف
 'ہے نہیں ملتا صرف علم اس کی رہ نمائی نہیں کرتا۔ زندگی اس کی رہ نمائی
 رہی ہے جس طرح آدمی زندگی کو جیتا ہے، زندگی کی تکلیفیں ہوتی ہیں تو
 ہے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں، اس سے کیا آرام ملتا ہے اور
 باطل ہوتی ہے، تو یہ ساری چیزیں سکھاتی ہیں۔

سوال : گھنٹوں کے دوران آپ نے کہانی کا صورت کے
 حوالے سے کہا تھا کہ تعدادوں غما میں ایسے معنی تلاش کر لے جو اس
 وقت آپ کے دہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔ کیا یہ بات آپ دوسرے آدمی کا
 ڈرائنگ روم کے حوالے سے کہہ رہے ہیں؟

سریندر پرکاش : دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم کے حوالے سے
 بھی، مگر اس میں وقت یکہ ہے کہ ایک ایک کہانی کے کئی کہانیاں مل رہی ہیں
 ظاہر ہے لکھنے والے کے ذہن میں ساری کہانیاں انہیں ہوتیں، دوسرے
 آدمی کا ڈرائنگ روم، جو کہانی ہے تو یہ سب کئی بات تھی میرے ذہن میں کہ جس
 طرح سے ہم تہذیب میں آگے بڑھتے اور آگے نکلتے تو ہم نے سب کچھ حاصل
 کر لیا لیکن ایک دن اپنے ہی گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے میں یہ
 محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا گھر نہیں ہو سکتا کچھ لوگوں نے تو یہ معنی لئے، کچھ لوگ
 نے کچھ اور معنی نکالے شروع کر کے انہیں یہ حق بھی ہے، تمام پڑھنے
 والوں کو، کہ وہ اپنے تجربے سے اس کہانی کے معنی نکالیں۔ کوئی
 حرج نہیں ہے اس میں۔

سوال : اس ضمن میں کچھ رابرٹ فراسٹ کی یہ بات
 یاد آتی ہے جو اس نے کہی تو اپنی شاعری کے حوالے سے ہے مگر آپ کے افسانوں
 پر بھی صادق آتی ہے کہ

A POET IS ENTITLED TO ALL

THE MEANINGS THAT CAN BE HAD IN A POEM

خلا آپ کی کہانی 'تلفار' میں ہے جو میرے خیال میں آپ کی بہت تہذیب دار
 کہانی ہے۔ اس کی کئی تاویلات کی گئی ہے، میں، خالصتاً سیاسی سے لے کر
 جدید انسان کی ابتداء تک کہانی ان تمام تاویلات پر حاوی ہونے کے
 ساتھ ساتھ ان سے وسیع تر ہے۔ میرا مطلب ہے کہ تمام تاویلات مل کر بھی
 اس ایک کہانی کے مطالبہ کو EXHAUST نہیں کر
 سکتیں۔

سریندر پرکاش : جی بالکل، کئی تاویلات ہو سکتی ہیں۔ ہمارے
 دراصل کیا ہے، ایک دور تھا جب تجربے کے جارہے تھے اور دانے نہیں

حقیقت کو جاننے کے تجربے کے، تو میرے پاس ایک ہی تجربہ کرنا ہے
میں کوئی نیا اسٹاپ نہ کرنا ہوا اور بلا ہر ایک کے دوسرے طبقے سے تعلق نہ ہو
لیکن ایک رابطہ بھی ہوا اور بے محنت نہ ہو بلکہ اس کے کچھ معنی بھی ہوں، اور
ایک سے زیادہ معنی اس کے نکلے جاسکتے ہوں۔ یہ اس قسم کا تجربہ تھا جو بہت
شعوری طور پر میں نے کیا تھا۔ میں اسے اپنی باقی جو تحریریں ہیں، اس کی طرح
نہیں کہہ سکتا کیوں کہ جو زیادہ تر تحریریں ہیں میری، ان میں میرے شعور کو
کام کر رہا ہے۔ ان کو لکھتے ہوئے میری ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ مجھے اپنے آپ
پر بالکل یقین نہیں ہے، اور میں کیا کہنا چاہتا ہوں، یہ مجھے پتہ نہیں ہے
لیکن جب وہ تحریر مکمل ہو جاتی ہے تو اس وقت میں جب اسے دیکھتا ہوں
تو لگتا ہے کہ کوئی مکمل بات شاید میں نے کہہ دی ہے۔ یہ ایک ایسا بارے
میں نہ لکھنے کا PROCESS ہے، اور یہ بڑا عجیب مسئلہ ہے۔
سوال : تقدیر کے مقابلے میں، رونے کی آواز،
اور بدوشک کا موت، میں تمہاری بھی زیادہ ہے، اگرچہ ممکن ہے کہ تجربہ کی
شعوری کاوش آپ کے ذہن میں نہ رہی ہو۔

سریندر پرکاش : ہاں ایسے ہیں جن میں عرض کیا ہوں کہ
تقدیر میں، جو ہے، وہ بڑی شعوری کوشش ہے۔ اور ہوتی نہیں چاہئے ایسی
شعوری کوشش۔ بعد میں مجھے احساس ہوا۔

سوال : دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم، دلے
جو میں جتنی تہ دار رہی ہوں اور کچھ لسانی کہانیاں نظر آتی ہیں تو ہون
پر مکالمے باز کوئی شک ہے کہ آتے ہی تہ داری کم ہو جاتی ہے۔ کیا آپ کو
پری اس بات سے اتفاق ہے؟

سریندر پرکاش : میرے پر مکالمے میں جو کہانیاں ہیں وہ
اس زیادہ تر اس دور کی ہیں، کچھ تو دلی میں لکھیں، ایسے ہیں جیسی آگیا
تھا، تو اس وقت یہ کہانی کہانیاں لکھیں، جیسی ایک ایک طرح و غریب قسم
کی STRUGGLE مجھے کرتا رہی یہاں تو کون میں ایک عجیب
قسم کی جلی جلی ہے، مجھے کام چھوٹے کا جو سارا مسئلہ تھا، نظم کا حلقہ
فاس میں داخل ہونا چاہتا تھا اور یہی لوگ طرح طرح سے اس کے

خوش ہونے کے لیے حلقہ میں رہے، تو زیادہ کہانیاں میں نے لکھی ہیں
لکھی ہیں، حالانکہ بہت نہیں ہیں کہ میں پر کہانی لکھی ہے، لیکن ان کے لکھنے کا
ان کے رویے، یہ چیزیں میرے سامنے تھیں۔ تو جو سکتا ہے اس وجہ سے
کچھ اس قسم کے بات آگئی ہو کہ تہ داری کم ہو اور
DIRECTNESS زیادہ ہو۔

سوال : آپ کی اس دور کی کہانیوں کو زیادہ
شہرت ملی اور ان کا خوب چرچا رہا، مثلاً 'باز گوئی' اور 'مکھو کا' جب
کہ دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم، ان کہانیاں کہیں زیادہ تہ
در تھیں۔

سریندر پرکاش : لیکن کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ جو
میری پہلی کہانیاں میں ہیں ان میں پکا تھا، وہ ان کہانیوں میں نہیں بہت
بات کرنے میں ایک MATURITY آگئی ہے۔

سوال : کیا آپ کس چیز کو کہہ رہے ہیں وہاں
کہانیاں میں جو زمانہ و مکان کم والی کیفیت تھی، پھر بہت اچھی تھی
ہے۔

سریندر پرکاش : وہ زمانہ و مکان کم والی کیفیت تو قریب
لیکن ان میں ایک بات تھی وہ یہ کہ کہانی کہنے والا جو ہے وہ خود تذبذب
میں ہے۔ ان کہانیوں میں تذبذب نہیں ہے بلکہ اس میں COMMENT
ہے، اس سے شعور اس فرق پر لگتا ہے۔ کیوں کہ عمر کے اور تجربے کے ساتھ
ساتھ آدمی ایک ایسے اسٹیج پر پہنچ جاتا ہے جب وہ COMMENT
کرسکتا ہے پوری جو پیش پر۔ ان پرانی کہانیوں میں جو تھیں پر
کرتے والی بات نہیں ہے۔

سوال : آپ سے شعور اس اختلاف کرنے کی جرات
کروں گا۔ جو پیش پر COMMENT ہے، یہ کہ وہ کہانی کے
اندہ ہے۔ جب کہ باز گوئی میں کہانی لکھنے والا شعور میں آتا ہے اور شعور میں
خود نکل کر سامنے آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے پچھتاوا میں غلط نہیں ہوں،
میں دھکا نہیں ہوں۔ جب کہ ہم اسے کہانی کے ان مضامین پر پہنچاؤں گے

یہ ہیں کہ حکومت کے سامنے یہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔

سری لنڈ پر کش: STATEMENTS
۱۔ ایک STATEMENT OF FACT جو ہے
 اس کا ہر ایک ہے اس کہانی میں۔ اب یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ اچھا تھا
 یا بُرا تھا، ایک شخص کے پاس اس کے ساتھ آج اپنے بارے میں پوچھتا ہے اس
 سے پہلے کے حوالے نہیں ہوتی کہنے کی۔ اور وہاں اگر کچھ رنگا کہیں کہ کہ
 کچھ اور کسی کو پیش ہے۔ وہ ہے خوشی کا جو دور تھا، اس میں سے
 کچھ کے لئے جو کہنا نہیں گئی تھیں، وہ بات اس کے لئے ہے اور یہ بھی ہو سکتا
 ہے کہ کئی باتوں کو وہ پہلے دانی کہا نہیں پڑا تھا، یہ باتیں ذرا کچی
 خوشی کا تھا کہ یہ ہو سکتا ہے۔

سوال: میں خاص طور پر ان کہانیوں کے حوالے
 سے بات کہہ رہا ہوں جن میں حکومت کے ذریعہ سے ایک سیاسی تہوہ کیا
 گیا ہے۔ یوں تو ہمارے کوئی اور نہ تھا، اس میں سیاسی کیا گیا ہے، مگر ایسا تو
 ہے اور خاص طور پر اس میں تو علامت خاصی اگہری اور
 معلوم ہوتی ہے۔

سری لنڈ پر کش: یہی ایک چیز تھی، بالکل کچھ ایسی تھی اس
 وقت کہ ہم نے ساتھ زندگی میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، اور ہماری زندگی کی
 یہ چیزیں ہیں اس کے ذریعہ ہماری سیاست دان ہیں، جو کہ اس میں
 نے یہ بات کہنے کی کوشش کی تھی کہ جب آپ پورا اقتدار کسی ایک آدمی کے
 ہاتھ میں دے دیں گے تو ہر ہے کہ وہ آدمی اس صورت حال کا احوال
 کہے گا یہ

STATEMENT OF FACT تو ہے
 اس میں ہے کہ نہیں؟

سوال: کیا بالکل۔
سری لنڈ پر کش: اچھا، یہ بات اس میں ہے۔ آپ نے
 دیکھ کر کہنے کی کہیں؟
CUT OUT لگا رہا ہے وہ
 صحت کا کہہ رہا ہے جو ٹرٹل کے کہی ہے، ہر دو سال میں ہر دو سال

یہ ہیں کہ حکومت کے سامنے یہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔
 اس کی وجہ سے جو کہ یہی تھی کہ لوگوں کو یہی طور پر بیان کیا گیا
 تو یہ ساری باتیں تھیں۔ یہاں یہ سیاست دانوں کے خلاف فرد ایک زیر
 میرے اندر میری تھا۔ اسی تکلیف میں نے اپنی زندگی میں اٹھائیں، اور کبھی
 کبھی کچھ یہ اس میں ہوتا تھا کہ اگر سیاست دانوں اس طرح سے نہ سوچتے؟
 میں جس طرح سے انھوں نے سوچا تھا تو آج مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی
 میں نے برس برس اس میں ایک اپنے چروں سے الگ رہا کیوں کہ مجھے ٹرولنگ سیز
 تھا کہ کام کرنا پڑتا تھا۔ اچھا میں نے رتوران کھولے، میں نے سائیکل کرش
 چلائی، میں نے ٹرانسپورٹ کے کوٹھوں پر باندھے، یہ ساری زندگی جو میں نے گزاری
 اور جب مجھے پوچھا گیا کہ یہ سب خدانے ہمارے ساتھ نہیں کیا تھا، یہ ہمارے
 سیاست دانوں نے کیا تھا، اور ان کے اپنے جوزم میں تھے ان کی وجہ سے کتنی
 زندگی میں جنہوں نے دکھ اٹھا یا ہے، جو بے گھر ہوئے ہیں، جو قتل ہوئے
 ہیں، تو ان کے خلاف ایک زیر میرے اندر جمع ہو گیا تھا۔ اور اس کو اگلا
 فرد تھا، اس کے لئے میں نے اس کی ہے۔ اور آج مجھے جیسے میں بڑھتا
 جا رہا ہوں، یہی شور اور بڑھتا جا رہا ہے۔ ابھی مجھے دنوں جو کہانی میں نے
 کہی ہے، وہ سیدھی سیدھی کرپشن کے خلاف کہانی ہے۔ اور معمولی سی بات ہے
 کہ ایک آدمی گاڑی سے شہر آیا ہے اور ان لوگوں کو ڈھونڈ رہا ہے جو کبھی اس
 گاڑی میں چور کر رہے تھے۔ اچھا، وہاں میں نے پہلے سے طے کر لیا کہ چوٹی
 چھوٹی کرپشن ہم لوگوں میں پہلے سے ہو تو وہ، ہم لوگ جو گاڑی چور کر رہے
 آگئے ہیں۔ اس کہانی کے آخر میں وہ شخص ہر جگہ ہے جو کرپشن کے خلاف مدد
 مانگتے آ رہا ہے اور اس کی لاش جلانے کے لئے اس پورے لئے پہچاننے سے
 اٹھ کر دیتے ہیں تو جو آدمی بنانا ہے کہ آیا ہے، وہ کہتا ہے کہ اب میں
 حسن پور ڈھونڈتا ہوں گا جہاں ہم اسے جلا سکیں، کیوں کہ حسن پور اس کے
 خون میں درج ہے۔ تو یہ کرپشن کے خلاف کہانی ہے۔ یہ کچھ اب کیا کیا
 مجھ میں دھماکا ہے اور میں کوٹرول نہیں کر سکتا اپنے آپ کو، میں نے آپ کو
 سمجھا بھی نہیں سکا کہ اس قسم کی کہانی لکھنی چاہئے اس میں اس قسم کی کہانی نہیں
 لکھنی چاہئے۔ کیوں کہ میری کہانی لکھنے کا جو PROCESS ہے

مذہب کے لئے اس قسم کے اندیشہ کو اپنی بات میں ضرورت ہے
کہانی ہے کہ یہ مسئلہ جو رہا ہے اس کی کہانی یہ ہے۔

سوال : آپ کہہ رہے تھے کہ آپ نے سیکھا کے
بعد کہانیوں پر توجہ کم دی ہے۔ اور ایک ناول پر کام کر رہے ہیں اس ناول
کے بارے میں کچھ بتائیے۔

سریندر پرکاش : ناول جو ہے، وہ بنیادی طور پر یہ ہے کہ جو

MIXED کلچر کا ہے اس کے ہندو مسلم کلچر کا ہونا چاہیے اس
تقسیم سے بچے جو خود اس کے بارے میں کہانی ہے کہ کس طرح مختلف آدمیتیں
اس سطح میں جمع ہو گئی تھیں اور ان کا آپسی تعلق کیا تھا۔ میں دودھ توں کی
کہانی سے وہ ناول شروع کرتا ہے۔ ایک کام اقبال ہے اور دوسرے کا
ہم شوکت۔ اقبال ہندو ہے، شوکت مسلمان ہے۔ دونوں لاٹھیا بٹنی کے
گورنمنٹ کالج میں پڑھتے ہیں اور یہ طے کرتے ہیں کہ گریجویٹ کی پھیٹیوں میں
ایک دوسرے کے گھر چلیں گے۔ ہوش میں دونوں ایک ہی کرتے ہیں رہتے
تھے اور بڑی محنت کرتے تھے ایک دوسرے سے، لیکن جب ایک دوست
دوسرے کے گھر پہنچا ہے تو اسے لگتا ہے کہ ہم لوگ تعلق ہیں اس لحاظ سے
اپنے گھر میں نہیں بنایا کہ اس کا دوست مسلمان ہے لیکن اس کا باپ ہاتھ
دھوتے ہوئے درخت پر لٹا ہے کہ اور کہتا ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ یہ مسلمان ملاؤں
کا گھر ہاتھ دھو رہا ہے، ہندو اور یہ پانی پی لے جاتا ہے جب کہ یہ پانی
چٹے اور بے جا ہوتا تھا اس طرح سے کہانی چلتی ہے۔ بہت لمبی چوڑی
کہانی ہے یہ کہانی تقریباً دو جلدوں کا جو پورا پورا ہے، اس میں کچھ ایسی کہانی
ہے۔ تو بہت لمبا چورا کا کام ہے۔ اس کے لیے میں نے تقریباً بیسیت جمع کی ہے
اور اس پر کام کر رہا ہوں۔

سوال : یہ چیز میرے ناول میں بار بار آتی ہے کہ
جو کلچر اس پر تقسیم ہے کہی افلات پرکاش شکاری فرقہ کشن محمد کے آگے
کا رہا اور عبداللہ حسین کے پاس نہیں ہیں۔ آگے ایک طریقے سے ہی
ایک مسئلے سے بہتر انداز ہونے کی کوشش کی گئی ہے۔ تو انگریزوں کیوں ناول
میں محرم ہے کہ کہانی ایک موضوع بار بار کیوں آجاتا ہے؟ انگریزوں کی

ہندو مت کا HAUNT کرنا چاہیے؟
کہانی بنی ہے؟

سریندر پرکاش : میں کہتا ہوں کہ یہ ہندی طرح کی کہانی
ہے کہ ہم اس نوعیت کے تعلق میں پارہ۔ اسے آپ ہندی طرح کی کہانی
اسے ہندی کا قصہ کہیں۔ جو ہندی کے دانی میں ہے، انہیں اس کہانی
اس میں نہیں ہے وہ کہانی کا جو کہ ہے اس سے دو چار گزنی اور اس
ہم لوگ کہنے کے اس کہ ہے دو چار پورے۔

سوال : میرا خیال ہے کہ میں نے سوال غلط طرح
سے پوچھا میں دوبارہ اس طرح سے پوچھتا ہوں کہ وہ دانی کا کہانی
اور اسی موضوع کو بھرتی ہوئی ہے کہ اس کے لئے کہانی کے ٹکڑے؟

سریندر پرکاش : نہیں، میری کتاب جو ہے وہ تقسیم پر نہایت
نہیں ہے۔ اس کا زیادہ بڑا حصہ یہ کہ تقسیم کے بعد جو ایک فرد ہوتا
میں آگے اور میں نے اپنا سب کچھ کو دیا تھا اس میں بہت کچھ ہے، وہ
یہی کہ اس طرح ADJUST کرتا ہے اس کے ساتھ زندگی
کیا سلوک کرتا ہے۔ یہ ۱۹۹۰ء تک کے حالات ہیں کہانی میں ہم
کہتے ہیں کہ اس کی کہ کہ وہ کس طرح GROW کرتا ہے اور
وہ کہ کہ اس کے ہر طرف کے اثر کو پہنچا ہے اس کے ساتھ یہ کہانی ہے کہ اس
یہ دونوں ناول ہیں کہ آپ نے ذکر کیا ہے۔ دونوں ناول بہت بڑے تھے ہیں۔

عبداللہ حسین کا ناول میں لکھا ہے کہ آگے کا ہے یہ ہے۔ اس میں
MATERIAL بہت زیادہ ہے جب کہ آگے کا ہے اس میں
MATERIAL کہ ہے۔ باقی سب زیادہ دانی میں ہے
مسئلہ ہے جو کہ میں نے کافی زیادہ کی ہے اور ان کی پوری کہیں
کو کہنے کے بارے میں POWERFUL کہ ہے۔

اچھا ایک بات اور ہے کہ ہماری IDENTIFICATION
نیم سے زیادہ ہوتی ہے۔ آگے کا ہے اس میں کچھ تو پر اس ناول کو
ختم کر دیا ہے۔

سوال : نیم لکھنے IDENTIFICATION

IDENTIFICATION

سورنڈر پرکاشی : میرے
اس نے میری زندگی کو جس طرح سے داغ دکھا بارش پارک کے خیمے کے
ہونے کی وجہ سے پاکستان میں یہ اس طرح سے لکھنے کے بارے میں پوچھ
دھنے کے ہم بھی ہر سند سے سوچیں گے کہ اس خیمے کی ہی آگ لگی تھی، ہم نے
داغ کے بارے میں ایک دوسرے کو CROSS کیا ہے اور اپنے
کے ہونے یا نہیں سے ایک دوسرے کو سلام بھی کیا ہے۔ میرا یہ باتوں کی
کے ہونے یا نہ ہونے کا کہانی ہے۔

سوال : ایک آخری سوال۔ آپ نے اپنی زندگی
کے جو حالات اور واقعات اس انداز کے دوران بتائے، ان میں لکھنے
کے جوشیم کا ذکر بھی ہوا ہے۔ تو آپ یہ بتائیے کہ آپ کو افسانہ لکھنے کی خواہش
کبھی ہوئی؟

سورنڈر پرکاشی : جیسے کہ اگر آپ نے کبھی لائل پور دیکھا ہے
تو... لائل میں آپ کبھی لائل پور؟
سوال : جی ہاں۔

لائل پور کے کرکٹس گھٹے تھے اور اس کے
ارگردار آٹھ یا ناریں۔ تو کارخانہ دارانہ کے گولہ بھاری دکان تھی سو ڈاٹر
کی اور ہمارے گھر کا فاصلہ وہاں سے دس یا بارہ گز کا تھا۔ مجھے اکتھب
گھر میں ہوتا تھا تو گھٹے گھر کے کچھ میں سے گزرتا تھا۔ اب تو شاید وہاں
بھاگتی ہیں، مجھے نہیں پتہ کہ جگہ ہے گورنمنٹ کی کہ نہیں، لیکن اس وقت وہاں
لائل گھر ہوا تھا، گورنمنٹ کے بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ وہاں پر ایک آوی
دھیرے کے وقت داستان بنایا کرتا تھا۔ اس کا داستان سنانے کا طریقہ یہ تھا
کہ اس کے پاس ایک اکٹھا تھا، اور وہ اس اکٹھے کے کچھ پر داستان
جو نہیں ہوتی تھی، لکھتا تھا، اور ساتھ ساتھ دیکھتا تھا اور اس قسم کے
تاثر کا ذکر داستان میں ہے، مثلاً بادشاہ کا ذکر ہے، تو کہہ دے کہ لکھنے کا
لکھ کا ذکر ہے تو وہ اسی طرح سے لکھنے کو کہہ دیتے کہ کتنی عجیب میں اکثر
جاتے ہوئے وہاں جگہ جگہ کرتا تھا اور اس کی داستان سناتا تھا۔ اس کا

کہ تھا اور ان سے بھی بات کرتے تھے، مگر وہی کہ ایک آدمی اپنی
کہانی سن کر لوگوں کو لکھنے دو گھنٹے کے لئے باندھ کر بٹھا سکتا ہے۔ پھر اس
میں کیا ہے؟ اور یہ آدمی کو کتنا ہے جو بالکل اللہ ہے۔ یہ جو داستان
سناتا ہے، اس میں زبان ہے، انداز ہے، اسٹائل ہے اور اس کے پاس آواز
ہے۔ تو ساری چیزیں میرے ذہن میں آگئی ہو گئیں، کہ گزشتہ ان کہانی ہے تو اس
میں کتنا بھی ضرورت چاہئے، اس میں آہنگ کا ہونا بھی بہت ضروری ہے
اس میں حال کا ہونا بھی بہت ضروری ہے، اس کے بیان میں ایک تاریخی غزلی
ہے۔ یہ ساری باتیں میرے ذہن میں تھیں، لیکن میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ
میں افسانہ نگاروں کا لیکن جب میں نے افسانہ نگاری شروع کی تو وہ شخص
مجھے یاد آیا کہ ایک تو اس کی داستان میں سے داستان نکلتی تھی، اور واقعی
اس کے ہاں وقت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ہزاروں سالوں میں لکھی
ہوئی داستانیں ہوتی تھیں اس کی۔ دیکھا جائے تو وہ میرا گروہ ہے جس سے
میں نے کہانی کہنا سیکھا ہے۔ آج بھی اگر آپ محسوس کریں، میری تحریر میں
تو آپ کو لگے گا کہ اس میں ایک تال، ایک آہنگ ہے، اکٹھے کی آواز
پاؤں کی تھا ہے اور ایک لہو کا ہوا شملہ پگڑی کا۔ جو وہ بانہٹا تھا، اور
اس کی لنگی اور پیرے میں اس کی لنگی کا گھماؤ، اور اس کے ہاتھ، اس کے
ہونٹ اور اس کی آنکھیں، وہ ساری چیزیں کہیں نہ کہیں میری کہانیوں
میں آپ کو نظر آئیں گی۔

فلش کی دنیا میں ایک اضافہ
آخری داستان گو (ٹی اف ایلیا)
مظہر الزماں خاں
تخلیق کار بی بی کیش سنٹر فرارش خانہ
دھلی

شوکت حیات

بہت پہلے اس سفر کی زندگی میں ایک موقع آیا تھا بڑی بڑی عمارتیں مائل ہو کر
 لڑکھڑکھ کر رہ گئی تھیں۔ مائوں میں جیسے تھے، وہ سب گھونسلوں کے ٹکڑوں کی طرح خستہ ہو
 گئے۔ وہ ایک سے تنگ بٹھکا ہوا تھا۔ اسی انتظار کے دوران اس کے زہری دور ہونے کا
 بھی کئی گول مسلتھا تھا۔ رفتاری رشتوں کے درمیان پڑھتی تھی۔ غیبوں کو پانے کے لئے ہلکا
 اور سحر مار خوں کی حرکت کو لے کر بڑھاتے ہوئے اس کے پاؤں ابولہاں ہو گئے تھے
 زندگی کے ایک حادثہ کی نظر سے اس صحت خرابی کی تھی کہ اس کی ہاں ہونا ہی تھیں
 پر تنہا کسی طائفے میں کچھ دیر کے لئے لگا تھی اور کھانے کھانے جاں بحق ہو گئی تھی۔
 "ماں.... ہونا کیا ہے؟" "ماں.... کھانے ہوئے تھاری
 موت کا کس قدر بھی ایک ارہی ہوگی؟"

وہ بہلایا۔ اس فعل کی دلیل ملے سفر نے اسے چونک کر دیکھا۔

"بھائی صاحب.... آپ زندہ سر ہر ملتا رہے تھے.... کوئی برا

خوب کرکے ہے تھے شاید....!"

"ہی.... ہی.... برے خوب ہی تو قدر میں بننا... بہانے خوب

تو جلتے ہو گئے۔ اب تو ایک دھوکے سے زندگی میں آئی.... بس خفگی

کا عالم تھی رہتا ہے.... اور کیا ایک خوب دلالت ہے؟....!"

"سناؤ مجھے.... میں نے آپ کو کوا.... اصل میں آپ بہت دلتے

ہوئے تھے۔ یہ سنا ہے آپ تھے.... میرے نقل میں میرے راز میرے بوجھ سے

چاروں طرف گزرا رہی ہے
 اچانک گاڑی کے راستے کی طرف مڑ گئی ہے۔ ناہوار راستے پر ڈرنا دوس
 کو تیز رفتاری سے آگے بڑھا رہا ہے۔ اس کی گہری اور پریشان آنکھیں سامنے کے مناظر
 کا جائزہ لے رہی ہیں۔ ڈرائیور کی بیوی کو شش ہے کہ موقع آئے سے پہلے وہ کسی کو
 کسی مناسب پڑاؤ تک پہنچا دے۔

کچھ ہی دیر پہلے کٹر کٹنے کاٹنے کا سفر طرہ کر رہا ہے۔ گاڑی کے راستے
 بدلنے سے وہ جو کھڑا ہے۔ اس کے اگر ڈرائیور کی مثل یہ دیکھ لے۔ ڈالنے سے
 جگہ پر لے کر ہم سے باہر کر رہا ہے۔ سامنے سفر کر رہے ہیں۔ دور آسمان میں کوا
 پکھلیوں کی آوازیں مشابہ ہیں۔ فضا کا رنگ بدلتا جا رہا ہے۔ گرم فضا کی لڑائی کی
 بے شمارانہ کے پوشیدہ ہونے کا پورا امکان ہے۔

بیوی اس سفر میں سے بھری ہے۔ کہیں کوئی سیٹ خالی نہیں ہے۔ موقع ہر
 ہاتھ کے خوف میں مگر نہ ہونے سے اس سفر کے دوران ایک ایسا سفر ہے جو ہم کو ان
 تبدیلی اور کالی حالت سے بالکل بے نیاز ہے۔ شاید کئی اور موقع ایسے سے جن میں کوئی
 ہے یہ سفر ان میں سے صرف ایک ہے۔ جیسا کہ حیرت سے نہ ہوا اور ان کی کھلی ہوئی کھلی
 اسے اس سے ہوا ہے۔ اسے جوں ہی ایک آنچلے میں کی ایک بات کہ کھوسا لاری
 اس کی ہر ایک چیز کے لئے وہ اس میں سفر کر رہا ہے۔ بدلنے میں ملنے کی باتیں
 اس کی حالت کے باوجود اس نے بہت نہیں بدلتی ہے۔

پریشان ہو رہا تھا۔۔۔۔۔

ابن کے سامنے ایک بڑا بڑا شہر تھا۔ اس شہر کا نام تھا کہ وہ ایک شہر تھا۔
کا نام تھا کہ وہ ایک شہر تھا۔

”بھائی صاحب۔۔۔۔۔ لوگوں کا تعلق ہے کہ کوئی شخصانے اپنے دل سے
ڈرنا شروع کیا ہے۔ یہ شہر تو بڑا ہے۔ اس کے شہر کا نام ہے۔
راستہ پر گئے۔ یہ شہر تو بڑا ہے۔ اس کے شہر کا نام ہے۔
طوفان آنے سے پہلے ہی اس کو کھینچ لے گا۔۔۔۔۔ خود تو۔ کوئی شخصانے
لے گا وہ ہم لوگوں کو۔۔۔۔۔ آپ دیکھ رہے ہیں دونوں طرف کتنی ہی خوفناک
ہیں۔۔۔۔۔“

”اے۔۔۔۔۔ جناب میں دراصل ایک دوسرے ہی طوفان میں گھرا ہوا
تھا۔۔۔۔۔ مجھے تو اس کا ہوش ہی نہیں کہ وہ کس طرح ہل رہا ہے۔۔۔۔۔“
صاف پھر بادلوں میں گم ہو گیا ہے۔ اسے سفر کی بدولت بہت گراں
گزر رہی ہے۔ اس نے انکھیں بند کر لی ہیں اسے محسوس ہو رہا ہے کہ انکھیں بند کرتے ہی
وہ اسی طرح اپنے آپ سے کہیں کہیں بہت سے طرح زمین دوز ہونے کی حالت
میں اپنے دشمنوں کا نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

”معلوم ہیں کہ طوفان نے والا پتہ سمجھ گیا ہے یا نہیں۔۔۔۔۔ کیا وہ مجھے پہچان
لے گی۔۔۔۔۔ اتنے برسوں بعد میں بھی شاید اس کی شناخت نہ کر پاؤں۔۔۔۔۔ اب
تو کافی بڑی ہو گئی ہوگی۔۔۔۔۔ حالات غصے کی شادی کے رانوں کو جلانے کیسے
بھانکنا تیرے دودھ چا کر رہا ہوگا۔

ناگاہ ایک بے حد بڑی آواز آئی۔ اس کی آواز کی تیز آواز اس کے ذہن کے منہ
پر ابھری۔ اسے لگا کہ اس میں کئی موت ڈوبتی ہوئی اپنے ہاتھ پاؤں چلا رہی ہے
پھر صرف اس کی ہی آواز تھی۔ اس کا دل ہل گیا۔ اس کی صورت کی طرح کے ساتھ ڈوبا
چکی ہے۔

”مہنی۔۔۔۔۔ مہنی۔۔۔۔۔“ انکھیں بند کر کے وہ چیخ پڑا۔
بغل والے نے اسے پھر لٹکا دیا۔

”بھائی صاحب۔۔۔۔۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔۔۔ بڑا ڈر آپ کا
ذاتی معاملہ ہیں کیا کہہ سکتا ہوں۔۔۔۔۔ لیکن میرے آپ مجھے پر گرسے چلے

کچھ نہیں۔۔۔۔۔

اس کی انکھیں بیک گئیں۔ اس نے اس کے سامنے کھینچا۔ اس کے سامنے کھینچا۔
گس رہا ہے۔ پھر یہ اس کی آنکھیں ہل رہی ہیں۔ اس کی آنکھیں ہل رہی ہیں۔ اس کی
دھڑکنے والے کے انکھوں اندر تو اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے
کا نام ہے۔ اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے
ہو کر خوفناک۔ اسے کچھ نہیں ہے۔ اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے
تھی۔ مگر آج۔۔۔۔۔ اس وقت خوفناک ہے کہ اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے
ہوئے ہمارے کچھ نہیں ہے۔ اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے
بغل والا اسے مسلسل گھور رہا ہے۔ وہ خود کو بہت کٹا کٹا محسوس
ک رہا ہے۔

”میں نے پھر ایک موڑ لیا ہے۔ اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے
تاریک رات میں کہے کہ اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے
طوفان اس علاقے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کئی کئی گھنٹے پہلے ہی اس کے سامنے
پچھنے سے دروازہ کھولا ہے۔ چوراہٹ کی عجیب سی اداس اور پر بار بار آواز پیدا
ہوئی ہے۔

پچھلے گھور رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں کوئی سوال نہیں ہے۔ کوئی
استعجاب کوئی حرکت نہیں ہے۔ صرف ایک بے نام گہری اداسی ہے جسے آنے
والے سے کوئی پتا نہیں ہے۔

صاف سوچ رہا ہے کہ غالباً یہ اس کا بھائی ہے۔ اس کے سامنے اس کے سامنے
کی نظری محسوس نہیں ہے۔ اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے اس کے سامنے
اس نے کچھ کہنے کو گود میں اٹھایا ہے۔

”یہ۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ میں تمہارا ماں ہوں۔ یہ۔۔۔۔۔“

دروازہ پر کھڑی صورت زور زور سے رونے لگی ہے۔ بے اختیار ہاتھ
اٹھی ہے۔ بھائی سے لپٹ کر انکھوں سے دیر پاہنے لگی ہے۔ اس پاس کچھ
کے دروازہ کھل گئے ہیں۔

لاٹین کی کمر روٹی میں بھائی ہیں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں غائب
انکھوں سے دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں انکھوں سے غائب

تبدیل گویا اور دیگران

تم نے جانتے لوگوں کی صحبت میں بڑا کرگم و غائب ہوا تھا

لو دیا تھا۔ اس پر دھت کو مظلوم کہنے کی دہرائی میں تم ہم لوگوں سے اتنے دور ہو گئے

تجہ کہ کبھی کسی انور کے اندر سے جس آتے تھا اور ہم ہونے سے پہلے ہی روانہ ہو

جانتے تھے.... سب کے تو ختم ہو گئے.... کیسی آندھی تھامے دماغ میں

سماں کی تھی بھیا کہ گھر کے نوک تم سے بھڑک گئے۔۔۔ اور تم اپنی دھماکیاں پھیل

انقلابی ہے۔۔۔۔۔!

بھائی اپنے بائیں ہاتھ کی تمثیلی پرواہنے ہاتھ کی انگلیاں پھیرتا

ہے۔ اس سے ان خاموش سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہی پڑ رہا ہے۔ اس کی بجائی

ہوئی آئیں خیر اندر دوسری ہیں۔

بجائی لوگوں کو دے دیجئے گا ہم یہی ہے۔
 میرا ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول کے ساتھ ہیں

تھیں۔ دیکھو وہ تو یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہم نے کبھی کسی کو مارا اور نہ ہی کسی کو مارا۔

آپ کا جواب ”نہیں“

”بیٹی... بیٹی مجھے معاف کر دو...“

اس کی آواز اندر ہی اندر گھٹ گئی ہے۔ یہاں تو جی کہ کیفیت یہی تھی

ایک جگہ میں تبدیل ہو گئی ہے اور اسے لکھتے ہیں کہ وہ مذکورہ لئے منتخب رہی ہو۔

ہم اپنے بھٹے ہونے آچکے ہیں تاکہ پونچھ رہا ہے۔

اچانک ہیں کی نظر اس کی علی ہوئی، تھیلی پر پڑتی ہے۔ چونک کر

فاسق انسان سے تعلیموں کی بابت پرستی ہے۔ وہ گہری اداسی کے ساتھ

جواب دیتا ہے۔

یہاں تک کہ وہ اپنے لیے ایک جگہ مارنے لگے۔

اس کا جواب ہے کہ کوئی اور اس کا جواب نہیں دے سکتا۔

کو غور سے دیکھا۔

"... تمہاری تعلیموں پر تو کوئی کھلم کھلا ہونے میں آ"

ہاں بیٹے یہ سچول ہی ہیں۔۔۔ انکاروں نے انہیں پھوٹیں

طلب الطالب

کی پالی برسی پر بطور خراج عقیدت

خصوصی نمبر

پیش کرتا ہے۔

قیمت ۱۵۰ روپے صفحات ۱۴۸۰
ملنے کا پتہ

پیشتر زاینده اید و رمانند رہے۔ ۴۰ کشتن نگر دی ۵۱

ہر تپال سنگھ بیتاب

ہب دیکھتے ہیں بھڑ میں قحط الرجال ہم
دیوار در سے پوچھتے ہیں اپنا حال ہم
سستی کی جتوں میں جو کم ہو گئے انھیں
بے سود دھونڈتے ہیں جنوب و شمال ہم
اونچا پہاڑ دیکھتا ہوا گہری کھائی میں
خاموش دیکھتے رہے اپنا زوال ہم
کچھ دیروہ پرندہ اڑاتا رہا ہمیں
پھر یوں ہوا کہ بھول گئے اپنی چال ہم
سوداگروں کے بیچ ٹھہرنا محال تھا
سستے میں بھی بیک آئے وہاں اپنا مال ہم
بیتاب جب جواب کسی کا نہ مل پڑا
ایسا کیا کہ بھول گئے ہر سوال ہم

پڑھتے رہے ہیرو پرانی کتاب ہم
اور دھونڈتے رہے میں نیا کوئی باب ہم
سیلاب نے بہا یا ہمیں غار و غس کے ساتھ
مشہور اک جہان میں تھے آشاب ہم
انور سجالے بہتے ہیں بستر پہ یککٹس
باہر کشاں کہتے ہیں تازہ گلاب ہم
دھوپ اور چھاؤں شاد بٹاندے تھے عطر
اچھے برے دونوں کا رکھیں کیا حساب ہم
رشتوں کی توڑ پھوڑ تو ہوتی نہیں قبول
اور چاہتے ہیں کوئی بڑا انقلاب ہم
بیتاب سب وہ موصوفہ و تکالم میں ہر گئے
لائے تھے ساتھ تھے ہر سروں کے خواب ہم

پرتپال سنگھ بیتاب

مٹی کے ساتھ رشتے ہمارے قدیم تھے
یہاں دنوں کی بات ہے جب ہم تھے
پگڑیوں کے جال نے الجھا دیا ہیں
وہ راستے کہاں گئے جو مستقیم تھے
ہم بس گئے وہاں مگر آباد ہو دیے
کچھ شہر وہ جدید تھا کہ ہم قدیم تھے
حلاوی تصورات پر ہجرت تھی بے طرح
اور اپنے غموں میں ہم سب غم تھے
بیتاب اپنی بڑی باتیں دے گئی دغا
اشک کیا بلند و نیم و شمع تھے

ٹوٹا ہوا ستارہ بڑا کام کر رہی
اس رات کی سیاہی میں کچھ رنگ بھر گیا
سورجوں کے ساتھ دو بہت پرگے تھے ہم
پھر چلے کب چلے ہوا دور یا اتر گیا
دیوار دور کھڑے ہے باہر اسی طرح
اور زلزلہ مکان کے اندر اتر گیا
کچھ حاشیہ بنا لے لے ہر جگہ ادھر
پتھر جو تھا وہ جھیل کے اندر اتر گیا
بیتاب کھو گئے تھے کوئی دیکھ نہیں ہم
آنکھوں کے سامنے وہ دھواں ہی بکھڑ گیا

پرتپال سنگھ بیتاب

مہرور چار سمت تھی جب انتہا مری
میں سوچتا تھا ہو بھی چکے ابتدا مری
اس نے بدل کے رکھ دیا نقشہ مراسم
سب ہو چکا تو پوچھ رہا ہے رضا مری
آئی تھی ایک رات مرے گھر میں تیرگی
اور پھر چرلکے لے گئی ساری مینا مری
کشتی شکستہ اور بھڑوہ ہاتھوں دور
بیتاب ہو رہی ہے مخالف ہوا مری

راستہ جو بھی ہے قضا کا ہے
گھٹنا جھگڑ مری اتنا کا ہے
سامنا دیگ زیر پا کا ہے
یہ سفر اپنے ارتقا کا ہے
مرد و برکس کو زیر کرتا ہے
یہ کہاں ایک نقش پا کا ہے
پاؤں میسے بھی ہیں بہت مضبوط
ملک پھیلا ہوا خدا کا ہے
میں مذہب کی انتہا پر ہوں
سلسلہ یہ اک ابتدا کا ہے
مجھ کو جینا نہیں ہے کچھ مشکل
مثلہ تو مری بقا کا ہے
اس کی خاموش جھیل میں بیتاب
ایک پتھر مری صدا کا ہے

صدقِ عالم

ہائیل : گرنے تو میرے دل کی دھڑکنوں کی آواز اس کی لرزش میں سنی دے
اور میرا قدم مجھے اندسے کو ہٹا چلا جائے اور میرے ہونٹوں میں اس ہجر کو
لپٹا چلا جائے۔ اور یہ تم ہی منکھا ہے جب۔۔۔

ہائیل : ... ہماری خاموشی ارباب کے غول میں مولد در
سورخ ڈال سکے۔ میرا خیال ہے کہ میں وکٹ سے گریز کرنا چاہئے۔ محنت کو
جلنے کے لئے ضروری ہے کہ میں اس کی جنس سے سفر شروع کیا جائے، مگر
اس کی جنس کا خیال اگرچہ دل سے نکال دیں تو میں ڈر ہے کہ یہ سفر میں جنس
پر ختم نہ ہو تبھی کچھ حد تک اسی طرح جو کس نہ بنے اور کس نہ بنے جانے لگے
صدا ہے کہ میں کہ تمہیں اگر کئی دن پر غور کرو تو یہ ذہنی سطح پر ختم ہو جاتی ہے
اسے INTUITIVE اور INSTINCTIVE کے ساتھ

ساتھ لاشعوری بھی ہوتا چلائے، بلکہ تنقید کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی
اموی فیصلے پر پہنچے کا جرم نہ لے، خار دار تاروں کا کوئی گھیرا ہوا صفحہ وفاق
کے گرد و کھڑا کرنے کی حماقت اور اس کے لئے تو شاید انتہائی لازماً ہے
کہ باہر پرانگی ہی نہ بنے ورنہ وہ راستے سے ہٹ جانے کا رول ادا کرتا شروع
کر دے گا۔

قاسمیل : (مزید چلائے گا آؤ دیکھتے ہوئے) اس کے مالک
کے لئے کچھ تو INCENTIVE رہنا چاہئے۔ اسے سامنے
حفاظتِ احوال اور مال دار کچھ اور بل دلائے، یہ غرض کہ کچھ ہو سکے،

ہائیل : کلکتہ کی سڑکوں پر پہلی ہوائی موج گذشتہ مہینوں کی طرح
ہی ہے مئی وہ حالت سے گمراہ ہوتی ہے۔ شکایات جاتے ہوئے مارا ہوا
ہا کر کام سے گریز کرینگے پھر جن کے کلاس خالی جاتے ہیں ٹیلیوں سے بچتے
ہوئے مزدوروں کی آنکھوں نے کبھی چرچا کے کنگوروں پر ہنستے ہوئے گوبر نہیں
دیکھے اور ٹرام کار کے جھنجھلائے پیٹے۔۔۔

قاسمیل : کیا یہ سب کچھ ضروری ہے جب کہ آنا کچھ کہے بغیر بھی
بات دیکھ سکتی ہے۔۔۔ اصل میں ہم اپنے ماحول کو اپنے آپ سے الگ نہ
کرنا کہ نہ پاس کے تخلیق کا جرم کہتے ہیں۔ میں یہاں بیٹھ کر ڈائریکٹوٹس کی
چلنے پناہاؤں، اپنے آپ میں اتنا متنی نہیں رکھتا جتنا یہ کہہ کر میں نے اپنا
کیا کچھ چلنے کی اس پیمانی میں اندیشے کی کوشش کی ہے۔

ہائیل : (دکھوت) تم کچھ وکٹ کی یاد دلا رہے ہو جس نے ایک
جس واقعہ کارہ جس نے وکٹ سے کچھ نظروں کے قریب کی اچھی کی تھی

LITERATURE FOR UNWORD کے لئے اپنی خواہش کا
اظہار کیا تھا۔

قاسمیل : لیکن وکٹ کی تقدیر میں کچھ تھا کہ وہ اتفاق کی طرف
کے لئے لاف ظہیر کی طرف اٹان ہرے۔ ہاں میں اپنی چلنے کی اس پیمانی
میں جیتے ہونا چاہتا ہوں میں آنکھوں کے راستے کلکتہ کی کوٹھ بھری ہوائوں
میں خشک ہونا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ میرے تاج کی رطوبت جب

RECOGNITION

کونیکہ کہتے ہوئے ابداد و شرف کی حالت کو قرار دیتا ہے۔ غیر عاقل
یکم کہتے ہیں۔ ادب کو اپنی پہچان ہی جانتا ہے جس میں عوام ادب سے
کٹ کر رہی سے جڑ چکے ہیں۔

بائیل : اگلی بار عوام کا ذکر کرنے سے قبل مجھے بتا دیتا میں زندگی
سے محروم کا۔ عوام کا درد کہنے والوں نے ادب کے ساتھ ادب کی پوزیٹنگ
میں جو دراصل اس کی پوزیٹنگ ہی تھی اس طرح سے سمجھا کر دیا گیا کہ اس کا درد
کیا ہو گیا ہے؟ اور جب یہ لفظ کی جو درہی، جب یہ جملے خود سے افسردہ
سے کہنے لگے۔

قائیل : وہاں کے افسردہ سے روکتے ہوئے ایک ہی جگہ تو
مجھ سے نہیں کہ ادب کو عوام کی ناک کے اٹنے اندر محسوس کیا جائے کہ یہ محروم
اس کے لئے صحیح ہے۔ نہ ہی یہ کہ جب لوگ یہ لفظ کو کہیں تو ہم اس کی طرف
بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں ان کی اذیت سے اپنی کیفیت
کی حالت بکھرتا ہے اس کا افسردہ لگتا ہے۔ ادب تو ہم کی خاطر ہر کاری نہیں کرتا
حاکم انوکھ کے جو توں میں اس کے ساتھ ہر کار رنگ خوردہ کہلیں
موجود ہیں۔

بائیل : مگر ایک بات تو ہے کہ عوام کی ذہنی سطح بہت ہر
جگہ ہے۔ انھیں پکا پکایا کھانا چاہئے ان کے اندر کھانا پکانے کی صلاحیت
سب سے محروم ہے جو کہ ہے۔ بلکہ تو کہہ سکتے ہیں کہ تمام حالت یا تو
ادب اس میں نہیں ہے کہ کسی ملحد، کالی کے عمل پر کہیں یا ان کے صورت
سجھنے سے کہیں۔ انھیں تو کہی ہوئی، لفظوں کی تلاش چاہئے ہم عام طور پر
وطنوں کو پیش کرتے ہیں تاکہ ان کے صورت پر جو نہ بے ادبی کی
دولت کو ہی تمام دے رہی ہے۔ بلکہ موقع غنیمت جانا کہ ہم نے دنیا کو تر
فریادوں میں ادب، شاعر ادیب کا خیال لگا کر اپنی اپنی ہوتی فضاؤں کا
نظر سے لے کر رہی کے کھنکھ میں جا چکے ہیں۔ خاصہ یہ کہ انہوں نے ادب
بہت زیادہ کے ارتقا میں ایک لام رطاب دیکھا ہے اب ان کے ساتھ کھلے
عام ادب بہت ہے۔ اگر اردو زبان کا ادب کو ان کے ساتھ سے جانا ہے تو میرا

کہاں ہے کہ ان میں سے کسی نے اپنے لئے اپنے دلی کھنکھ اور محسوسات کے ساتھ
سے ہر گز دل نہ بٹا کر دیکھا ہے وہ ہم نے اپنا وہ کھنکھ ہم کو کھنکھ دیا
نہیں ٹھہرا سکتے۔

قائیل : کہیں ہماری تہذیب و تمدن کا زریہ نہیں اور ان
وجود ناگزیر ہے وہ عکاسیت کا ایک اہم شعبہ تاکہ ہو جائے کہ ان کی
جس سے کہیں لوگ بہ کار ہو جائیں گے۔ اس لئے کہیں کی افراطی اور
کامیاب دونوں لازم و ملزوم ہیں جیسا کہ ان کی پہلی ہوتی خلافت کے لئے
نیکو آقا ہم ایسے مصلحت سے ہیں انہیں سرکاری میڈیا سے اپنی جو روکر
کے ذریعہ DISCREDIT کرنے کا قسم اور ان کے لئے ہے۔ حکومت

کسی سے اتنا نہیں ڈرتی جتنی ان کے لئے اس کے لئے ان کے لئے ان کے لئے ان کے لئے
کی سازش کرتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ تمام
کو بھٹا دیا جائے جو چلے خود ادب کی کوشش کو کھنکھ کر رہے ہیں۔ کیا
سرکاری اداروں اور سرکاری خواتین خانوں کے سامنے اس کا گدائی تمام
جو یہ چیز پیش ہوتی ہے، بلکہ یہ کہ بہت بڑا کار کا پیش ہے۔ تو یہ محض ان کا
نہیں ہے۔ صابری شاعر اور ادیب محض ان کی پیداوار نہیں ہیں۔ بلکہ ان
قدیم کہ ہم کو یہ لفظ پر آئے ہیں جو ہماری کڑی ثابت کرتی ہے کہ وہ
ہم انہیں کوٹنے کے پاس لٹ جائیں۔

بائیل : یا اسے بانی پاس کر کے ہم سارے کو پاس بھی تو جانا
ہیں میں نے سامع کی طرح کے INSTITUTION
محض وابستہ ہونے کے کہیں۔ کیا ہم سرکاری خواتین خانوں سے گزرنے کے
جراثیم نہیں پیدا کر سکتے۔ ادب ایک کی طرح پر عوامی ہے۔ عوامی ان محض
میں آئے ہیں کہ اسے حکومت و قسٹ کے لئے جو جرم عوام اپنے آپ کو ہمارے
تصور کرتی ہے، عوام کی ناک بنا ڈالیں۔ بلکہ عوامی ان محض میں کہ ہم ان کے
ذہن و دل میں انہوں سے۔ کاش ہم عوام پر ہر دورہ کر پاتے۔ عوام اور اس
تازہ درجہ کیا ہیں؟

قائیل : یا پھر اس میں بھی مجھے کی کوشش کرتے ہیں کہ
ادیب کے پاس عوام کا کیا تصور تھا۔ ان کے پاس عوام کے لئے ایک

ہو تو میری دلدادہ نورجیو کو کوئی کام خیال نہ ہو تاہم کس کس کو اس کی
 لے لڑائی میں اس وقت تک بلند باغیچے میں چلا جاؤ یوں گا ہر ایک
 مجھے کوئی زہار دی جانے کہ تم کو کیا راست سے ملو کہنے کی قسط کی
 گئی تو اس کا نظریاتی خلافت میں غرق ہو جا تا لاری ہے۔

ہائیل : ایک بھائی بھر کم تر کم جس کی تپ ناپکی اولی کے کرکار کو
چیل کے لافانی ہے۔ مگر تم خود اپنی ضمیر پیش کر رہے ہو مواد یہ تضاد
تمہاری تقدیر ہے۔

قابل : اور یہ تمام دانشوروں کی تحقیر و دانشور سے
سب سے اچھے معنوں میں غیبی اور سب سے برے معنوں میں کیونٹ
قرار دیا جاتا ہے۔

ہائیل : دانشور اسب سے پہلے ہم یہ طے کریں کہ دانشور
 تو ہمہدیٰ مراد کیا ہے؟ اگر اس کی اصطلاح اس پر لاگو کریں تو اسے

HIGH BROW ہیں یا پر EGG-HEAD

میرا خیال ہے کہ ان الفاظ کا تسخیر فرمودی ہے یہاں میں عوام کے
اس رویے کا دستور کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں جو ہر ملک میں رائج
ہے۔ دراصل اس کو کہہ سکتے ہیں دستوروں کے خلاف ایک تحریک، ایک زبردست
تحریک بلا ہی رہا ہے اور یہ تحریک کسی حد تک حاکمگیر بھی ہے اور کچھ
لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ دستوروں کے خلاف اس تحریک میں ایسی بے شمار
باتیں بھی غور و مل نہیں ممکن ہیں خود بھی دستور کا رد دیتے ہیں۔ مثلاً
مٹھے، پیرکس، ڈی ایچ، لارنس، ارنلڈ، ہینکوک وغیرہ اگرچہ ان
کے گھر سے معاملے سے اس نتیجے پر آجاتا ہے کہ ان میں بھی بلکہ ناگزیر ہے کہ در
اصل ہر لوگ دستوروں کے خلاف دیتے ہیں بلکہ ان کے کام ملک تھا انسانی

ANTI RATIONALISM

1

ایک سو سال کا کیمون کہ RATIONALISM انسان
کے ذہنی جہازوں اور اس کی فطرت کی پیروی سے عقلی طور پر بنا کر دیا
تھا۔ بعد میں اس میں باقی رواجوں کی فحش کی غیور توبہ اور عقلی فطرت

قائیل : اتنا کہہ کر آپ سرف ایک چیز ثابت کیجیے
کہ آپ کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں سوائے بازگشت کے۔ کیا ہم
اسے ایک چھارہ دو داخلہ کی کا قحمان میں یا ایک گدھے کی
سرور غنوں پر کار کھوں کو بھیے کامل یقین ہے کہ آپ بالکل گدھے میں
ہائیل : دیشیو، دیشیو، دیشیو۔؟

قائِل : اور جب میں کہوں کہ آپ گدھے ہیں تو اس نے
 مجھے گدھے کی توہین قطعی تصور نہیں کی۔ گھصا تو کہہ کر پناہ مانگا ہے وہ کوئی
 کسی طرح رینک کر کہہ رہا ہے کیوں کہ وہ گدھوں سے ہی مخاطب ہے۔
 مگر تم بھول رہے ہو تم مخاطب اہلوم احسان سے ہو گئے گدھے نہیں۔ اور
 گدھے یہ کہہ کر اہل تن کی سانس خور ہیں گئے۔

بائیل : گندہ کے خط میں تمہارا تعجب میری نگاہ سے باہر ہے
 وہ بھی ایک ایک ایسے جانور کے تئیں جو اپنی مداخلت کرنے سے محذور
 ہے۔ میں گندہ کے معاملہ میں کھڑا ہونے کے لئے تیار ہوں۔ اگر وہ گنا
 خدا کی کھینچی ہے۔ بلکہ اس کے پاس تو ایک دم گھبراہٹ سے ہم انگ
 قوم پر ہونے لگی ہیں۔

ایہل : گناہ و عیوب آدم۔ اتنی بھی رسی تم نے کہی

جس کی خدمت میں ملے تھا

قابیل : گہرے صحت کے معنی میں ہیں بشرط کہ پیر کی
ہر تین تین ... یعنی آپ پر ہر دو دن صاحب کا غسل بھی لگ سکتا ہے
ہائیل : میں وہاں آ رہا ہوں لیکن اس سے پہلے میں سامان
ردوں کو اکثر غلطی کا شرم نہیں کرتے ہیں غلطی کر جاتے ہیں ایک بہت ہی
شہو طلب اور غیر باصلاح مردوں کی اہل کانے والے اہل درجے کے معارف کا
دانش کا درجہ جو اس سے کہتے ہیں INTELLIGENT ہیں
INTELLECTUAL نہیں۔ اس کا یہ سہلے اس لئے ضروری
تھا کہ عوام اور دانشور کے درمیان جو بڑا ہی کم سے پھر رہے ہیں یہ غور کا گنڈ
بزرگ نہ جائے۔ تو میں ایک EGG - HEAD کا ذکر ہاتھ انداز
مہرب ہے کہ جب ہم ہندوستان یا برصغیر کے حدود داروں میں گذر کر کہنے والے
دانشوروں کی طرف تھم کر پہنچیں تو یہ بھی تسلیم کریں کہ عوام نے انھیں کی
تالی کے بغیر اور بلاوجہ رد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ
ANTI RATIONALISM کی ہر در اصل حالی صورت
میں مضائقہ کی ہے۔ اور پھر آگے قدم بڑھائیں۔

ہائیل : لیکن کیا ادب کا سلسلہ برقی ہے جو اور دوسری صفی
کلمہ۔ بلکہ مجھے تو سہلہ کہ ادبی دکان دیتا ہے۔ یعنی پہلے وقت کے مزاج
کے ساتھ چوں کہ قلم کے رواج کو بھی اپنے اندر تبدیلیاں لاتی پڑی ہیں اس لئے
ان کی احوال سے اب انہیں استفادہ کرنے سے منکر ہے۔ جب کہ نئی مہسوی یا کوئی
کے لئے یہ جدید ذرائع عام مبادی ثابت ہوئے ہیں ادب اور قلم کے لئے ان کی
ہر افروزی حقیر کے سبب ... مجھے تو یہ ہے میں کدور پڑ رہا ہوں۔

قابیل : پھر بھی میں یہ تسلیم نہیں کرتا آپ حقیقی فدا حسین کو
ٹی وی کے ذریعہ سمجھ نہیں سکتے۔ نہ ہی ہم سبھی جو شوقی کو۔
ہائیل : تو یہ ایک ہاری ہوئی ٹوائی ہے۔

قابیل : قطعی نہیں۔ اس میدان میں ہمارا دوریت کا اہم
کی اور ہی انتہا سے اٹھنا تا چاہئے جو پہلے اردو کا دسترس سے جینا
اور قلم اور گروہ کی تہائی میں اس امر نے انھیں ضرور پریشان کر رکھا

مگر وہ صحت کو ادب کا درجہ کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ دراصل یہ تو دنیا ہوا
صحت اور نہیں رہا ہے جس کا ہندوستان کے حاضر عرصوں میں بظاہر محسوس ہو
رہا ہے ہم کرناوش پر کرنا کرنا کرنا کی ہر پیمائش کے علاوہ ہر آگے بڑھنے
ہیں اور میں نے ہر پاروں سے تاریکی دکھائی دے رہی ہے۔ پشیمان ہوئے
تارے بھی کتنا قصور دیتی ہیں ہم کہہ دیکھ نہیں پاتے۔ دراصل قلم کے رواج تبدیل
ہوتے ہی ہم میں اور دانشور کے درمیان کتنا بڑا ہی دور پر دوڑے ہیں تو بالکل
ہی نہیں ہیں اور اگر ہم یہ سامان میں کہ یہ واقعی متبادل ثابت ہو سکتے ہیں تو میں
یہ بھی نہیں دیکھتا کہ ان کی فون کے ذریعہ اور فرائض میں مل سکتا ہے۔ لیکن ایک پل
کے لئے ہم ادب کے اس مسئلے کو ادبی اور ہر بھی حل کرنے کی کیوں نہ کوشش کریں
کوئی بھی فی پادہ ضروری طور پر اگر عوام قلم کریں تو ہمارا چوکنا ہو جانا ناگزیر ہے
کیوں کہ دراصل یہ نہیں ہوا اس شخص کا کہ باقی عوام کا اپنا کھانا ہوا ہے جسے
عوام کی خدمت کے نام سے باہر لے کر ان کی کوشش کر رہے ہیں اس شخص کا کہ
اندہ ہمت نہیں ہوتی یہاں اس نے سچائی کا سودا کر لیا ہے عوام کے فوری جملے
سے میل کی ہے اور ادب کے کاروبار میں صرف ایک ایچہ سلسلے میں کاروں
اد کیا ہے اور اسی حد تک اس کی پذیرائی ہوئی چاہئے کہ ہم اسے پالیں

ہندوستان کی صورت کے پرورد کریں۔

ہائیل : کیا ایچہ سلسلے میں ہوتا میری بات ہے؟

قابیل : ہاں ایچہ سلسلے میں ہوتا میری بات ہے کہ کچھ کچھ ایچہ
کے سلسلے میں میرا دعویٰ ہے کہ وہ ایچہ سلسلے میں ہوتی نہیں سکتا۔ اس کے
پاس اس کا مزاج ہے اس کی شخصیت۔ پھر بھی اس کی چیز میں ہاتھوں ہاتھ
ہک جاتی ہیں تو یہ خوش بھی عوام کی ہے، ادیب کی نہیں، اگر کچھ حقیقی فدا
حسین میں اتنی ہی جہان پر ایک ایچہ شخصیت ہے تو یہ قبول فدا حسین کے لئے
حکمران ہونے کی بات نہیں دراصل یہ دنیا کے عوام کے لئے فکر گذار ہونے کا لمحہ
ہے کہ انھوں نے اپنی خوش نصیبی سے حقیقی فدا حسین کو دریا نشا کیل ہے۔ مگر مجھے
دوسرے میں اس بات کا ہر زیادہ بگڑ والا ادیب یا شخص کا خود اپنی ہیبت اختیار
کے نہیں ہونے کا راز شروع کرنے کا۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے
مجھے تا قریب کوشش کیا جائے۔

رفیقہ شبنم علی

پہلے شوق مشیر ہوا
خود اپنے میں اسیر ہوا
اگل بھی ڈر کر بھاگ گئی
آئی جس دم دیر ہوا
پہلے بدن پر چھتا ہے
اب کے میں یہ تیر ہوا
پانی بادل کا درد
کوہ کی ہے جاگیر ہوا
مٹی جیسا سبب نصیب
اور تیسری مقدم ہوا
آتے جاتے موسم کی
غصہ اور مشیر ہوا
کتنے مظہر کاٹ گئی
اب یوں مشیر ہوا
اتنی خود سیر اور مفرد
ہے کس کی تصویر ہوا
گود میں غنیمت پائی کی
شبنم سے بھی امیر ہوا

بن کر ماں کی گالی دھپ
شہر میں آئی کالی دھپ
کتنے موسم کھا بیٹھی
آتے جاتے ہلی دھپ
روز جو آئی تھی بھٹک رہی
کہیں گئی وہ نکلی دھپ
دھونڈ رہی ہے مائے گریہ
ہائے رستہ پہلے جان دھپ
شبنم کیوں رہی دھپ
کی پھول دھپ کالی دھپ

رفیعہ شبیم جلدی

گلف، سمندر، پانی، مٹی
سب ہیں پر جا، رانی مٹی
مٹی کا پیاسا ہے پانی
پانی کی دیوانی مٹی
تجسس کہیں مٹی ہے پرائی
یہ جانی پہچانی مٹی
ابھی ابھی تو ہاتھ دھوئے تھے
پھر کیوں تم نے سانی مٹی
کالے شہر میں یاد آتی ہے
اپنے گاؤں کی دھانی مٹی
مٹی کے بھر روپ نرلم
ایرانی تورانی مٹی
سب نے اسی سے ماد بھڑا
سجھ، شبیم پانی، مٹی

آگے پیچھے، سر پر آگ
گھر کے اندر باہر آگ
بھاگ بھاگ تو بھاگ کل
روک نہ لے کہیں بھاگ آگ
پانی آگ کا انت ہی
پانی سے ہے بہتر آگ
گس نے تیل بکھیرا تھا
اپنی سات سمندر آگ
اس کے گھر بھی آگ کے
اس نے لگائی گھر گھر آگ
ریت یہ کیا منظر تھا
غیر، بچے، بستر، آگ
روز ہی شبیم روتی ہے
دیوہ کے منظر منظر آگ

ساگر، ندیا، بھرنا پانی
رکتا، چڑھتا، بہتا پانی
سورج سورج پاس کے نیوہ
کل شبیم خشک پانی
پتوں پر کیوں چھائے باطل
انکھوں میں کیوں ٹھہرا پانی
سردہ پر کج جگ ہے جانی
میرا، پانی تیسرا پانی
سجائی اس کی باتوں میں
کس ریت پر سٹ پانی
پانی تیسرے روپ ہیں کتنے
شبیم پانی، دریا پانی

ارشاد عبد الحمید

اس رات کو پہنائیں کوئی چادر کریں
 ہیں یاد کو غلو کا استعارہ کریں
 ہمارے خلق کے شراب پر وہ اتارے
 ہوس چاہیں ہم اس کی نظر اتار کریں
 بلا کی تیرگی ہے چشم ماہ کو سوجھیں
 شعلہ خواب طرح دار کو ستارہ کریں
 بہک رقیں کی بلاتے قصوف کی طرف
 نیلے تار مگر اور ہی اشارہ کریں
 غواں کے دل اک پیٹے پہاڑ جیسے دل
 شگفتہ گل تری امید پہ گھٹارا کریں

گھٹائیں گوتی ہیں جلی کوک کے گتے ہے
 یہ کون پڑا ہے جو بے سار پیرتی ہے
 ہم ایسے دھندلے دھندلے کوکوں کے گتے ہے
 نظر تو آئیں کی آئینوں پہ گرتی ہے
 عجیب شہر ملا ہے آوی بی آئینا
 ہوا جی دھندلے دل کو چھپاتے ہو قی ہے
 سیٹھ لیتی ہے ہر شے کو اپنے پیکر میں
 شبید کسی کی ہے تو بتلیوں میں پھرتی ہے

کبھی نئے سنا ہوں کبھی آنسو بہانا ہوں
 خوشی اور غم یہ کس کے ہیں میں کس کو سنا ہوں
 مرنے والی تھے ہر دن کو میں ہی سیک دیتے ہیں
 مری یہ سادگی کے عروس ہر دن کوٹ آتا ہوں
 مہرے کالج میں ہر جانب قراہی ہم گھسا ہے
 تجھے ہی پڑھنے جاتا ہوں تجھے ہی پڑھنے کے آتا ہوں
 دھن ہے، دھن پانی ہے، کوئی پاک ہے راشد
 یہ کیسی پیاس ہے مری یہ عرق کیوں بناتا ہوں

حامد مجاز

کیا ہے کیا نہیں ہے	ہزاروں آنکھوں خوابوں کے	ہماری منہ نہ تیر
کوئی واقعہ کہاں ہے	جیڑاں دیر پڑاں	ماتے نیکوں کے
یہاں پر دل کے	خود اپنے ہی	پارہاں ہیں
دیا نہیں میں	گلی کوچوں میں	نہیں تار ہیں
کوئی کیوں ہاتھ دھوئے	مرد و شب جگتے ہیں	انہاں کہہ رانی
دھواں آہ دیا آگ	خود اپنے ہی	یہاں اس کے کا
دھیرے دھیرے	ٹھکانوں میں	کہاؤں میں ہے
گنڈی جلتا ہے	حارح جسم شقی ہے	اس کی کہ
حالات چھاؤں میں	بچے خواب ہر تہ میں	وہ آتھ وہی
مظلوم اس کا ہے	نرہ دھڑوں میں	رہ نرہ آگ میں

حاجیاز

میں مدد و مدد نہیں ہوتا

مگر رہی ہے —

کیا شکر رہی ہے؟

یہیں پوچھتا ہوں

اس سے

جو فوٹوں کے داتاؤں کے درمیان سے

خوف کا سم

مسلل بہ رہا ہے

میں پوچھتا ہوں

کیا لکھنا کا لکھنا

نہیں نہیں

گفتگو کے مضمون سے

ہوئیں وہاں ہی گئی ہیں

کس نے بائیں کوٹھیں میں ہکاڑا کھا ہے

برہی آنکھیں

آگ تپ رہی ہیں!

دکھ رہا ہے

جو سبز نہ رہا ہے

مسلل لکھیں تو اشد رہا ہے

اور میں صدمہ نہیں ہوتا

گر دھک

وہ ہر دم

گھومتا رہتا تھا

بہنے ہی

گھر پر

جب غیر مسلل تھی

میں خوب

بہاؤٹے

تو گردش

قسم کی اس کی

تنویر سامانی

ہم اپنی ذات کی ہر خوبی پر ڈھب ہوتا ہوں
تو خود کو شعر کہنے کے لئے محبوب پاتا ہوں
ہوئی ہے طریں جب سے آتش عشق کے روشن
زباں پر کچھ کہے عرف کے بغیر جلاتا ہوں
غلامی و مستیوں کو کھو اناؤں تو ہے لیکن
چلو کچھ اپنے بال و پر کی قوت آزماتا ہوں
سفرِ ہوائی ہے لیکن کچھ طیر کی نہیں طبعی
کہاں سے آیا ہوں اور میں کس صفت ہوں
یہ آئینہ بھی حیرت میں لٹکے ڈال دیتا ہے
وہ مجھ میں ہے لیکن کب ہم پہچان پاتا ہوں
میں دشتِ غریب کا کوئی ٹھکانا لگتا ہوں
جہاں سایہ نظر آتا ہے تنک کو ٹھہرا ہوں
مرنگی پتھروں سے واسطہ تنویر ہوتا ہے
جو شے کہ نکال ہر سنگریں بناتا ہوں

اس درجہ خشک و بدلتا فم کس طرح ہوتے
ہاں جو گھر کے آگے تھے کس طرح ہوتے
مٹی پر کوئی نقش ابھرتا ہے کس طرح
مٹی میں اتنے رنگ ہم کس طرح ہوتے
دیکھا جو ہر رومہ کو حسرت ہوئی یہاں
دنیا میں ایسے کارا ہم کس طرح ہوتے
دشتِ سخن میں تنہا ہواؤں کے باوجود
روشن وہ قدم بقدم کس طرح ہوتے
تسویرِ کائنات کو کس طرح تھے جو وہ لوگ
دشتِ جہاں سے ہم کو کس طرح ہوتے

معصومِ نظر

سمتِ مقص

سفر کرتی ہوئی
ریل کے ڈنوں کا گھر گھروں سے
جھاگتی ہوئی خواہش

اتری ہیں
مٹی ہیں
کسی ایشیہ
ایک دوسرے کا
تعارف کرانی ہوئی

مشتوں کے
میں ہوں میں
ڈوبی ہوئی نگاہیں
دکھتی ہیں ریل کو

ریل
توجہ کی طرح
بستی جاگ

اشارہ کرتی ہے

دھندلے کا

لوہی کو پکارتے کا

میں ایک

پہنچے کا

پڑا ہوں خاک میں پتلے کا پتہ ہنر بھی دے
قریب آؤں میں کیسے تو وہ گزر بھی دے
دکھائی دے کوئی منزل تو میں ٹھہر جاؤں
شب سیاہ گراں ہے ذرا عمر بھی ملے
پڑی کٹھن مالت ہے مستقل رہ نہی
فلک سکوں میں ازیت سے وہ سفر بھی دے
مقام دفت ہے صدیوں سے شکستہ تیرا
جسے دیکھ کی نصرتِ نئی خبر بھی دے

سوچتا ہوں جگہ تاروں سہانا آئے گا
گھپ اندھیری راہ میں کوئی ٹھکانا آئے گا
کیا کبھی کم ہو سکیں گے درمیانی فاصلے
سکرا کر بات کرنے کا زمانہ آئے گا
آج اپنے دل کا درد ان کھٹا دکھاتا دیا
یاد رکھ تم کو دھندلے غم پرانا آئے گا
بات کہنے کا سلیقہ جو کبھی رکھا نہیں
کیا کبھی اس کو کسی سے دل لگا آئے گا
جب کبھی انا کی طبیعت میں رونا آئے گی
پھر بلا دے گا کبھی کوئی بھانا آئے گا

ساقی فاروقی انگریزی نگاروں کی ایک نئی نسل کی ادبیات کے
میں شامل ہونے سے انگریزوں میں مدہ مشرقی تہذیبوں اور قصوات میں چلنا
نیک میں طبع خیال کی کوکھ سے نکلنے والی شری پیکر میں دھنکی ہیں ان
لہجہ مغربی شری روایات کی آغوش میں جوتا ہے۔

تخلیق و دسانیت ایک ہی زبان میں کہ جانے والے تخلیقاتی قلم سے
ذکر و تذکرہ کا وہ کم باب ہے۔ یہ تو ہر حال ایک نیک بات ہے کہ کوئی شاعر
فاروقی زبان میں جتنے بھی ڈرامے لکھیں ہر زمانے میں چند ایسے فرمولوں
ایک ہی ہوتے ہیں جن کا ہر طرح سے دوسرا طریقہ اختیار کرنا آسان ہوتا ہے
ہاں ہم فرمولہ دہرائی میں اس حد تک کامیاب نہ ہونے کے اندر ہرگز نہیں جیسے
روایتی یا اردو فاروقی زبانوں میں جتنا ایسی زبانوں میں جن کی
نہی و نہی میں جہاں جہاں۔ دو باغی شاعر اور افسانہ نگار برصغیر میں
رہی کے نروال اور انگریزی زبان کے مروج ہونے کے نکلنے ہی سے
قابلہ کم کم ہی ہیں۔ سن کو اقبال اور ندیم جیسے شعراء بھی جو انگریزی پر
بہت نمایاں طور پر دستگیر حاصل تھا، انہوں نے بھی انگریزی نظم یا نثر
بہت کم لکھی ہے۔ افسانہ نگاروں میں پروفیسر احمد علی کا ایک قابل کاغذ
نظم کا طرز پر شمار کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے انگریز طبعہ فاروقی زبانوں
میں ہی لکھیں کہ دونوں زبانوں کے خیلا نثر نگاروں کا کام رہا ہے۔

ہمارے یہاں ایسے بہت شعراء ہوتے ہیں جنہوں نے فاروقی انگریزی

لے دو زبانوں کا جانے والا اور باغی و دسانیت

BILINGUAL BILINGUALISM

کو تخلیق انہوں نے کئے ہر گز انہوں میں صرف چند ہی ایسے ہیں جو دونوں
کو مستقل حد تک پہنچے ہوتے ہیں۔ ہم ہمارے سوسائٹی کا تہذیبی طور پر
دوسروں میں روٹ جانا ایک طرف تو مغربی رنگ میں رنگے ہوئے لوگوں کا ایک
طبعہ طبعہ اور دوسری طرف جس سے زیادہ قوی رنگ میں رنگی ہوتی
پسند اور ان دونوں کے درمیان شاید ہی کوئی رابطہ جو اس کی وجہ سے
اعلیٰ حد تک تخلیقی نگارشات کا کام کی انسانی زبان میں کہ کوئی ہر زیادہ
سے زیادہ مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں لوگ ایک ہی
تعداد کو ان پڑھ دیکھا گیا ہوتا ہے تاہم ہر چہ لکھے لوگوں کے دو نسل بننے
برقی جانے والی ایک یاد دہانی اور ان کے معاملے میں ان پڑھ ہوں،
دوسرا نسل کا تصور کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ تہذیبی ہم آہنگی کا تصور کرنا
شاید کسی بڑے زمانے کے بعد جو میں کہے بہر حال جب تک یہ بڑا ہے
ہیں ایسے انگلیز کی بھی ایک بڑی تعداد پیدا کر لے جو ان تہذیبی روایات
سے بھی واقف ہو اور ساتھ ہی قصوات کی زبان الا تواری آپ دہرے ہی۔

اس معاملے میں شاعر یا نثر نگار اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی
سطح پر ایک دو باغی و دسانیت پیدا کرنے کی شہنشاہی کرے اور
حادث بھی ڈرامے اس کی وجہ سے ان کی جڑیں اپنے معاشرے میں مضبوطی
سے گڑھی رہیں گے اور سو دھندلانی اثرات کے لئے ان کا نہیں بھی کھلا
رہے گا۔ ہر حال ان وقت ایسے لوگوں کی کمی ہے۔ ایسے تخلیق نگاروں کا
عیار انگریزی میں بھی نظم لکھ سکتے ہیں اور اردو میں بھی ان کی تعداد
بہت کم ہے۔ بلاشبہ ساقی فاروقی کا شمار ان میں نہیں ہے۔ بنیادی طور
پر وہ اپنی فاروقی نظموں کی وجہ سے جانے جاتے ہیں اور ساتھ ہی
ساتھ ساتھ پڑھنے کے ذمہ داری انہوں کی وجہ سے بھی۔ وہ روایتی
بھی بڑی کامیابی کے ساتھ لکھتے ہیں جیسے وہ اپنی حروت طبع کی ایک

نئی ہیں کہتے ہیں۔ زندہ باقی تھا ان کی اردو منظومات کا مجموعہ ہے اور شاید ۱۹۹۰ء سے شروع ہونے والے دہر میں شائع ہونے والی جدید شاعری کی ایک بہترین مثال ہے۔ ان کی اردو نظموں کا انگریزی ترجمہ امریکی ماہر اردو و فرانسس ویلیو پریٹ نے کیا اور لوک اپا پریس لندن نے اس کو شائع کیا۔ برطانوی شاعر ایڈرین ہنری نے اس کام پر مہم کر کے ہوسے کہا تھا۔ ”نئی ہیئتیں اور الفاظ جو بدلی بھی ہیں اور نئی بھی“ اس کی وجہ سے مغربی دنیا میں متعارف ہوئے ہیں۔

یہی بات NAILING DARK STORMS کے تعلق سے بھی ٹھیک طور سے کہی جاسکتی ہے۔ ہندو منظومات پر مشتمل یہ ایک بستی کی کتاب ہے جو ساقی فاروقی نے انگریزی میں لکھی تھی۔ یہاں تک نفاذ انگلستان کے تعلق ہے یہ ان کی بعض بہترین اردو نظموں سے مشابہت رکھتی ہیں لیکن یہ پاکستان میں لکھی ہوئی انگریزی نظموں کے عام رنگ و ہنگ ہے اسی قدر مختلف ہیں جس قدر مقامی انتہا پسندوں کے جدیدیت کے اسالیب سے ان کی اردو شاعری مختلف ہے۔ برطانیہ میں تیس سال سے زیادہ زندگی گزارنے کے باوجود ساقی فاروقی کی شاعری کیوں ہی کسی نازک وطن کی شاعری کے ذریعے میں نہیں رکھا جاسکتا اسی طرح ان کی انگریزی نظمیں بھی دولت مشترکہ کی اوجیاہ کے ذریعے میں شامل ہونے کے گریز نہیں ہیں۔ وہ مشرقی ہیئتوں اور تصورات میں دلچسپی ضرور ہیں۔ لیکن جس طرح خیال کی کوکھ میں جنم لے کر وہ شعری پیکر میں دھنسی ہیں ان کا یہ عمل جدید مغربی شعری روایات کی آغوش میں ہوتا ہے۔

یہ عمل مطلقاً بے دھڑک ہوتا ہے اور ایک میلان خود نمائی لے ہوئے خشک اور درآنائی پرستگاری اظہار کے ساتھ ایک عتا مار تخیل کو بیخ و بنا ہوا معروض اظہار میں آتا ہے اور اس کی وضاحت کرتا ہے کہ انسان کی جبلتی خیر اور بدیت کیلئے یہ ساقی کی شگفتہ و مافی اورد تخیلی توانائی کی کھلی علامتیں ہیں۔

ایک کبوتر پر وگرا کر اکرک مشیت سے لازم ساقی لندن کے نئے انگریز

شعرا کے ایک میٹر و لریٹین اسکول سے وابستہ ہیں۔ ان ہندو نظموں میں سے بہتر اس طبقے میں پڑھی گئی تھیں اور ان پر پھر پورہ مٹا ہوا تھا۔ پھر کبھی وہ نکالیں طور پر ایک میں سوئی ہونے کی صنگ منفر ہیں۔ اردو میں انہوں نے ہر کچھ کہا ہے اس کے برعکس ان کی انگریزی نظموں کی مقدار کچھ زیادہ نہیں ہے غالباً ان کو اس کا احساس ہے کہ ان کی اردو شاعری زیادہ دونوں صنگ باقی رہے گی۔ جب کہ ان انگریزی منظومات ”دولت مشترکہ کے جنگل میں کھوکھو کر رہ جائیں گی۔ عام اس سے کہ وہ ڈیرک واکسٹ اور یوٹوٹوٹو کی طرح اس طرف زیادہ توجہ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو انہیں چاہئے ہوں تو یہی اندیشہ بڑی کا الزام نہیں لگا چاہئے۔ ایک دو باخشی شاعر ہوا مشکل کام ہے کہ شاید ان کو کہ وہ دونوں زبانوں میں یکساں ہمارت اور بصیرت حاصل کریں۔ غالب اور اقبال کے لئے قطعی طور پر یہ بات آسان تھی کہ اردو اور فارسی دونوں ہم سایہ زبانوں کے ماہر تھے۔ آج کا شاعر جسے ہمارے زمانے کی ایسی دونوں زبانوں میں ایسی ہی صحت پہنچا ہوں کہ درمیان خلیج و بین تر ہو کہ کوئی جوئے خیر لانے کے مترادف ہوگی

(انگریزی سے ترجمہ - ڈاکٹر منیا الدین شکیب)

شمس الرحمن فاروقی کی نئی کتاب

شعر شور انگیز

جلد چہارم

ترقی اردو یونیورسٹی دہلی سے شائع ہونے والی ہے

رابطہ

شب خون کتاب گھر، ۳۱۳/۲ رانی منڈی۔ الہ آباد

کہتی ہے خالق خدا

شمارہ ۱۰ کے تحت اٹھارکھانہ کے لئے ایک نئی مینول بنانا جو جب صابر مینول
نے جانے میں اس کا کافی تجربہ ہوا۔ اس کے مستقل نئی مینول رکھنا یا مینول
کرنی ہیں۔ اس مسئلہ پر جی کو دو ہزار نوں کے لئے اٹھارکھو۔

المؤرخ ۸۱۹۰۱۰۲ کے بارے میں میر تقی
 ہے کہ اسے ذکر ہی ملا جاتا ہے۔ یعنی کہ یہ عکس فیہ ہے۔ یہ قطعی مؤلف ہے۔
 اس میں اشتباہ ہے۔

منصور اشرف کو قاضی میں نے میں ہی شروع کیا تھا لیکن وہ آگے بڑھ کر خود دہلی
 جیسے بڑی جیتنا پورا نواح پر چڑھ گیا۔ افغان بہت در چل پ ہے۔ اس میں کوکر اور مظہر ہے اس کی
 دلو میں دی جا سکتی۔ زبان و بیان اور لکھنے کا طوطا ہے اسے حیدر در چل پ اور ناکا کاٹھا
 بنا رہا ہے۔

مخلوقات میں خالق صاحب کی غزل کی کئی اشعار بہت پسند آئے۔ جو کہ شعر میں
 شہنشاہ کا خلیفہ بہت ہی نادر اور اچھا ہے۔ اس کاغذ کی جو عکسی ہے شعر جگمگا اٹھتا ہے۔
 پھر میں اس جو غلطی کا عین رکھی میں ان کی وجہ سے شعر اور اوبرا تھ گیا ہے۔ اسی
 شعر کی غیب ہے۔ مگر ہم کی پہلی دو غزلیں پسند آئیں اس حرکت خطیبی فیضی کی پہلی
 غزل نے بہت تیرا اور بگینی کی وجہ سے بہت متاثر کیا۔ ویسے ان کی بھی غزلیں اسنادا
 شان رکھتی ہیں۔ پہلا محمد زیدی کی بھی غزلیں پسند آئیں۔

تبصرہ اس مرتبہ دو جہیں میں کیا گیا ہے۔ دو نونوں کے ارد گرد مٹی کا قلعہ ہے۔
 اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ تمام کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ تمام شدہ کتبوں کے
 پڑھنے کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے۔ بہر حال بحیثیت مجموعی یہ شمارہ کچھ اپنی مثال
 آپ ہے۔

خاروق شفق

كلية

● حبیہ خوں کے دونوں شانوں نے ایک دوسرے کے باوجود فوار ہوئے ہیں اپنے مشروبات کے اعتبار سے جو حد واقع ہیں۔ خصوصاً غار کی صاحب کی تفسیلی بحث سے یہ استفادہ کر رہا ہوں۔ گرمی یا دھوپ میں اس المیہ کے متحمل بھی ادا کیا جھوٹے ادب پر مبنی ہوتے ہیں اس کی ساری چیزوں سے لطف اندوز ہو رہا ہیں۔ لیکن کس کیفیت و طبعیات کی

● شبِ غیبی بہت خوش نما تبدیلیاں دلاتے ہوئے ہیں۔ ایک ایک
ان تبدیلیوں کے لئے غیبی فیضانِ برزائی خوالہ بہکے محسوس ہو رہا ہے۔
صاحبِ ذات پہ کچھ ادا کیا ہو انھیں۔ شبِ غیبی میں غائب نہیں کیا جا سکتا
کمالِ انصاف کہ کرتے ہیں ذات پر عملِ نادر کرتے ہیں۔ روحانیت میں انصاف
کے لئے حقِ انصاف نہیں دیتے۔

جموں پر تپاں سنگھ بھٹنا

● شمارہ نمبر ۱۷ : صاحب موعول : شمارہ کی نہایت دلچسپ و دلوانی نگاہ
 رنگ ہے۔ میرے خیال کے مطابق شہر آشوب اس قدر مطلوب و محبوب ہے۔
 اللہ کا فضل : شہر آشوب پر جو عرصہ متعلق مقامی روز گار : اگر بہل اندر کر کے نہ پڑ
 گواہ کر کے پتہ کی گاہ ہوا ؟ اب اگر میرے اس ایک خط میں شہر آشوب کو کون سا قہر خود
 ملتا ہے کہ پہلے نظر آتا ہے تو اس کا جواب میں کہاں ہے ناٹوں ؟ رہی بات شہر آشوب پر
 شب بخون میں دوبارہ تبصرہ ملنے کرنے کی تو اس مسئلے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں
 کیوں کہ آپ نے نوٹ میں اس کے ساتھ ساتھ کہا تھا کہ وہ ہے۔

مطلوبہ علم و ترقی اس ترہ و جذبہ میں حاصل ہوا ہے کہ انھوں نے بہت سے مصلحتی اور
نہیں اس وقت نظر ثبات و دیباہ اس میں کام نہیں لیکن ایک ایک طرح کے نیکو کاموں میں
الہ کے بتائے ہوئے مسیحی سے اتفاق نہیں۔ مثلاً شمار نمبر ۲۶ کے تحت انھوں نے علامہ
اشک جانا کے جو مسیحی بتائے ہیں ان سے میری کوئی واقفیت نہیں۔ جب جانا حقیقہً بھولنا
بند ہو جانا خدا کی ہونا و بیوقوفی کے معنی یہ علامہ البتہ مستقل ہے مثلاً کے طور پر خود سامنے
نظر دیکھئے۔

(۱) میرے دیکھ دیکھتے بستی کی گنتی ہی لوکیں نہ کریں۔ ایک غریب مسکاکے ہی ہاتھ پیٹے نہیں جوتے۔

(۲۵) اس کی طویل بیماری میں گھر کا تمام اثاثہ اونے پونے (۱۷) ہوں بھگیا

(۳) اس نے پانی پانی جو کر جو کر قمیٹی کشادی کے لئے جمع کی تھی وہ جوی

کاجیاری پرانہ گئی۔

(۴) کافی حد تک ہو گئی اب جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہزار اسی کی ہو گا۔

نقصات الہی تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں ہوتی ہے۔

● جنوری کا شب خون بچا سمندر پر زلزلہ صحرے غلغلہ کثرت اور جانے کی وجہ سے
 عیشہ پور غلغلہ ناشی
 اشعار کا ذکر کرنا ہوگا

کیا ڈوبا تو بیٹھ گیا سگر چپ چپ
 بس اندر خاموشی میں سب باہر چپ چپ

ان کی جگہ

میں ڈوبا تو بیٹھ گیا سگر چپ چپ
 سب اندر خاموشی میں سب باہر چپ چپ
 ہونا چاہئے تھا۔

روح غزل پر جس چابک دستی کے ساتھ خبر غزل کیا ہے وہ صرف آپ ہی کا
 ہے۔ خدا کے نظر میں صاحب کوا ساس شرمندگی ہو اور وہ آئینہ اس دور پر غیر
 معجز شہری انتہا کی قربت سے تو یہ کہیں درد ان کا شعری قطعی خلک ہو جائے گا
 ان کا شعری شعری ادب کا مطالعہ کس قدر درد اور کھردر ہے آپ کے حق کو تھمے
 ہے معلوم ہو گیا ایسے کیسے درد ادب دشمنوں کی بھر پور مذمت ہوتی چاہے؟

پشیمان کوٹ پروین کا رنگ

● شب خون نمبر ۱۱۱ میں مولوی کی دوسری غزل پر تڑپ کا لمحہ کو نہ ہے
 خوشبو کا سہ بہتر نہیں ہو سکتی ہے۔ غزل کے تہ سرے اور چوٹے شعری ہر
 دولایت ہے۔ خوشبو کا پیرے پھیل اور چم شبنم میں وہ آنا اور بعد میں کرناں کا خوشبو کو
 پہنچانے کے قلعہ منان گئے ہیں۔ اس طرح مچول اور کیا پائے چہرے کے دار دکھائی
 دیتے ہیں یہاں سے ایک خوشبو کو چاک کرنے والا اور دوسرا اس کو سینے والا ہے
 جو تھکا آسمان کے حوالے سے غزلوں کی شاعری پر اسی شعلے میں چوہی ہیں بغیر
 کے ہر مغز میں نے مولوی کی خوشبو گھنے میں مولوی، غزل اقبال کی خوبصورت غزلیں
 بھی پڑھیں ان کی دوسری غزل میں انہیں سے کہہ کر کو دیکھنے اور پکھنے کے لئے
 کوشش کی گئی ہے اسی غزل کے چوتھے شعر میں سمندر کی ماری کو پھلی اور پھیرے کی
 ماری سے الگ کر کے شعر کے معنوی امکانات اور متذکرہ پہلوؤں کے تسکات
 میں بہت ہی پر لطف اضافہ کیا گیا ہے۔ لطف الرحمن اور فاروقی شعلہ بھی لطف

ہیں۔ لطف الرحمن کی دوسری غزل اور شعر اور شعلہ کی پہلی غزل کا پہلا شعر لطف خاص
 پہنچا گیا اس شعر میں کی خوشبو غزل کو تھامے جہاں ان کی سیر کرتی ہیں۔ ان غزلوں کی سیر
 غزل کی غضا بہت ہی پر اسرار ہے۔ سرشار ہونے شری نے سب غزل کی چوڑائی کو
 گردوں سے کم کر کے انچل میں بدل دیا ہے۔ لیکن اس کی بجائی کو میلوں تک پہنچانے سے
 باز نہ رہ سکے۔

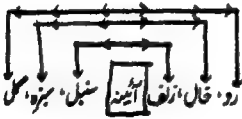
شعر شراغ کے ۲۴ کے پہلے شعر کے گوش الرحمن فاروقی نے غیر مرتب
 دفتر گر دھڑپے۔ میرے غزل میں یہ صنعت کس کی خوبصورت مثال ہے۔ غالب کا شعر
 دو ذرا کھلنے کا شائد کا کیا یہ رنگ

کہ ہو گئے سرے دو ذرا دور ۱۶ و دیوار

جیسی اسی تھیل سے تعلق رکھتا ہے اس میں دیوار دور دور منکس ہو کر دور دیوار تو
 یہ جانتے ہیں لیکن اپنی اصل ہیئت میں جبکہ میر کے شعر میں اشیاء
 METAMORPHOSIS کے عمل سے گذر کر کلیب ہیئت
 سے بھی دوچار ہو جاتے ہیں۔ شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ "آئینہ" کی وجہ سے اس
 کو واضح طور پر صفت عکس کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً آئینے میں اشیاء
 اس طرح عکس ہوتی گی۔



اور METAMORPHOSIS کے بعد ان کی حالت
 یہ ہو گی۔



گویا کہ رو، خال، سبزہ، زلف، سنبل بن جائے گا۔ اس کا تعریفی برہان
 قاطع سے ملے گا۔ "نیرنگ" کے معنی خود و ساری سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی یہ جسم اس
 سے دنیا ہی م لوے سکتے ہیں اور عشق بھی، اس جادوئی آئینہ ہے جو کہ ہم دنیا کے
 لئے شکر اور زندہ تھیں بہت فرام کر سکتا ہے۔ یہی وہ حالت ہے جس کے بارے میں
 یوڈا نے لکھا ہے۔ ہمہ اشائے عالم اپنی صحت سے بے اوقات دوسری صورتوں میں
 منتقل ہو جاتی ہیں۔ میر کا شعر صحیح معنوں میں بقول شمس الرحمن فاروقی اچھا خاصا

قسم ہے۔

شمارے میں شامل ہیں جو محض معاصیہ کے محبوب نے اس بحرِ بحرِ کجی میں ڈال دیے ہیں کہ جیسے بزرگ شعرا اس طرح اپنی ان کے ہر جملے کے ساتھ کچھ اور لکھتے ہیں۔ احمد بخش کا خطبہ کریمندہ جو ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۰۔ اس ہر خلف اطراف سے شعری داد دی بدوینائی کا تاثر دیا گیا ہے اب وہ رد عمل کے طور پر ایسا ہی تاثر صرف ہول کے حلقی اور نقاد پر دینے ناممکن جیسے لوگوں کے بارے میں دے کر اپنا سزا کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔

(ب) اسی رد عمل میں (یا بعض جگہاں میں) انھوں نے اپنا رسالہ جاری کیا تاکہ ادبی سیاسی اقتدار پر قابض ہو سکیں۔ یہی نہیں فرمایا کہ انھوں نے تقریباً حاصل کیا یا بھیجی ہوگی دودھ میں ہیں۔ گناہ ہے کہ ابھی اس سے محروم ہی ہیں کیونکہ ان کا قصداً بھی تک برقرار ہے۔

(ج) انھیں اپنے ساتھی محمولوں کو نظر آتے ہیں لیکن اگر دوسروں کو کوئی اور چیزوں نظر آتے تو اسے الٹی اہم تصور کرتے ہیں۔ ہر چند کہ لفظ سچی کی صفات نہیں کی گئی ہے۔ کسی کو بددیانت، کسی کو ذہنی غلام، کسی کو ظلم کو کسی کو چالاک کو انوکھتہ ہیں پھر بھی اس قماش کے لوگوں سے اپنی ادبی حیثیت کی تعمیر کے طلب گار ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے انھیں اپنی ناک سے آگے کچھ بھائی ہی نہیں دیتا۔ مجموعی طور پر ان کا خطبہ ٹھیکہ کر دکھ اور افسوس ہوا۔

(۶)

شب خون بزمِ امیں دیو ندر اس کے محمول میں اب کے بدلے لکھا
کامل تجویز کیا گیا ہے۔ محمول بڑی عرق ریزی اور محنت سے تیار کیا گیا ہے جس کے لئے مصنف مبارک دم کا سختی ہیں۔ دیکھنا ہے کہ احساسِ کجی کی کڑویں اور نفسی اصول چیزیں آئیں گی۔ یہ بھی پوچھنا ہے کہ اتنے ہیوت کا احساس بھی ہر جاہل کا احمد نوادگی طویل نظم شمار کیے گی جان ہے۔ نظم میں ہر تے گانہ اور استعاراتی اور علاقائی نظام نے اس کو چڑھنے کے لئے بار بار شہ دیا۔ محبت کی لاشِ محبت کے حوالے سے نظم کا آخری حصہ کہاں کہاں ہے۔ اس سے کو چڑھ کر علامہ اقبال کی نظم محبت اور بیانی کی شاعری یاد آتی ہے۔ نظم کی بلند آہستگی نے اس کے من

میں حیرت انگیز اور کچھ بھی بلند آہستگی ریاض الحیف کی نظم آخری بانگ سیم کی سانی دیتی ہے۔ البتہ احمد خواہی کی نظم سے استادی کی خوشبوئی آ رہی ہے۔ آشفہ پختی کی نظمیں احمدی انہی کا قوس ہیں۔ ان کی دوسری نظم میں تین ہری الفاظ کلیدی سمیت کے حامل ہیں۔ ان کو دیو بکری رسم خاص ہیں ہی لکھا احمدی تھا کیوں کہ پہلے

CONSONANT CLUSTERS

اور دوسرے لفظ میں معنی خوشی

والے حروف ہیں اور خوشیوں والے معنی ہندی میں ہیں اور دوسری نہیں اسی طرح دوسرے لفظ میں کوڑی لون (جسٹ) بھی اردو میں استعمال نہیں ہوتا۔ نظم گوگر ہندوستان کے سیاسی حالات، انعم اور کشمیر کے حالات، انصاف میں ہیں، کچھ کچھ جملے تو کتب خانہ کے نقاب کشی کی ہوئی ہے۔ شفق سوپوری اور مشتاق احمدی کی نظمیں بھی خوب ہیں۔ البتہ شفق سوپوری کی دوسری نظم میں "اور عورتیں! اپنے شوہر کو گوگرد میں کرنا یا ہادی دودھ پلائی ہیں" لکھتے ہیں۔ اگر شوہروں کے بدلے شوہروں ہوتا تو بات سمجھ میں آتی نظم میں شعریات کے ساتھ کہانی پن کی خوبصورت آمیزش ہے۔ فرید پوری، عبید مصطفیٰ اور ذکا الدین شایان نے بھی ستار کیا۔ رشید اعجاز کی غزل کا قطعہ بطور خاص پسند آیا۔ مسکرت اور چھٹی نظموں کے ترجمہ شب خون کی روایت کے شایان شان ہیں۔ اوپر دیکھا تھا اشک کا افادہ "اگر" اور کرشن بدلیو دید کا افادہ رات کی سر پہ بھی ستار کر کے میں کامیاب رہے۔ کرشن بدلیو دید کے افادے میں حس نہایت موضوع کو چابک و سنی کے ساتھ قلبیہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر ارجل جلی، ڈاکٹر مشتاق احمد، جناب کامل قریشی اور جناب قمر باقی

کے انتقال کی خبریں پڑھ کر رنج ہوا۔ اللہ انھیں اپنی رحمتوں میں جگہ دے

کوئی بلوادم کشمیری

نذیر آزاد

● شب خون کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ یہ جان کر افسوس ہوا کہ خورشید

عالم کا افادہ محمدی ہری کرشن کوں کے کشمیری افادہ کا لفظ یہ لفظ تو بچہ ہے۔

آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ افادہ محمدی کے عنوان سے اوراقِ ادب

ماہ اپریل ۱۹۸۶ میں پچھ چکا ہے۔

ہمد کامیثیری

سری نگر

● جناب مدحت اختر، راشد فضل، عبید مصطفیٰ، رشید اعجاز اور بیانی

شب خون

فی خرمین محبوب بن پند تائیں۔ نثری صبر بھی خوب ہے

کریم مگر

حفظہ انجم

● آپ کے ساتویں ہوں۔ آپ کی علی غریبات کا دل سے معزنی ہوں۔

آپ پر کبھی سیارا تا ہے کبھی شدید مٹھلا ہٹا بھی ہوتی ہے۔ شعر و شاعری سے دینا ہے شعر و ادب کو ناز ہے والا جو اپنی غریبات پر انتخاب میں بلا کا مالک رکھتا ہے جانے شب خون کے صفات پر انتخاب شعریں اپنا اعتبار کون نیلام کر رہتا ہے کیا باقر ہمدانی سے آپ بھی غافل ہیں کہ ان کی کالی منزل اتنے ابھام سے شب بھی ۱۷ اس پر چھاپ دی باقر میر سے دوست ہیں۔ ان کی شخصیت متنازعہ ہونے کے باوجود مجھے عزیز ہے۔ وہ مجھے کئی دین کے یہ بھی محسن محکم ہے کچھ مجھے "نقو غیر کہہ کر خوش ہیں کہ وہ ہم جیسوں کو گھاس نہیں ڈالتا بہر حال یہ میر ان کا معاملہ ہے لیکن میر نے خیال میں تو وہ اور نظر قبیل دونوں ہی آپ کی عطا کی ہوئی بلندی پر فائز ہیں۔ آپ نے شب خون (۱۳۶۹) میں غفر اقبال کی "گو کا گے گا جیسی کرتب بازیوں کو بھی ابھام سے بچا پاتا انھیں دونوں جید شاعروں کے اس دور میں معنی تبسم، غیر ملوی، غفر کو کہجوری، عبداللہ یونانی، عبدالاحد رضا اور رونی غیر کہیں بھی ہوں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں محبت کی کوئی عینک ان کی شعری تخلیقات کے آئنے کا نام نہیں دیتی بہر حال یہ آپ کا سہارا لیکن آپ یوں بھولتے ہیں کہ شمس الرحمن فاروقی اب صرف آپ کے اپنے نہیں رہے شب خون کے آفٹ میں جو جانے پر دی مبارک بلا بھول کچھ ہے۔

شب خون ۱۷ میں احمد رضا کی اور عبدالاحد رضا نے دل کو بار بار چھوایا۔

شمس الرحمن فاروقی نے کلاسیک غزل کی شعریات سے زمین و دل کے درمیان پھوڑا کچھ جو بھدی ابن الفخر کی شب خون سے واسطی مسرت بخش ہے۔

اقبال مبین

حیدر آباد

● شب خون کے سربا سے پر جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں وہ ہمیشہ ٹپٹی اور کاہت ہو جاتے ہیں، جن کے لئے کم از کم میں آپ کا خون مبارک میں شاعرانہ غمیرا، ایتلیا نے ام جعفر صادق کا ایک قول درج کیا ہے، جو کہ مجھے اپنے جیسے میں ڈال گیا ہے۔ اول تو میر جان نہ کر سکا یہ عبارت کہاں سے اقتدی گئی ہے، دوسرے یہ کہ امام حسن کے وقت تک عالم اسلامی پر فلاطون کے شعری نظریات واضح نہیں ہوئے تھے۔ امام جعفر انتہائی پڑھے لکھے تھے، اور اصل غامی گھر امام ہمدانی اسلام میں

سلم و مگر کہ بلندیوں پر تھا اور کم از کم مدین میں اس خاندان کی علمی غلو بیت سب پر دیا کرتی لیکن جو کوئی بھی ابتدائی اسلام کی تاریخ، فلسفے اور تصورات سے بخورا بہت واقف ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اس وقت تک عربوں پر فلاطون اور ارسطو کے افکار واضح نہ ہو سکے تھے، بلکہ ایک عربی تک فلاطون اور ارسطو کے افکار عالم اسلامی میں ایک جیسے تکیم کے جاتے رہے۔ یہ تو بعد کے نقلی جیسے کہ افکار الہی روفا: ۲۳۹ ۵۰۰ تھے جنھوں نے صرف فلاطون کے افکار کو گھا ۱۱ اور اس کی بابت بتایا یہ دعویٰ کرنا کہ دوسری صدی ہجری کے پہلے جسے میں فلاطون کے شعری نظریات عالم اسلامی پر واضح ہو چکے تھے سراسر غلط محسوس ہوتے ہیں اور اس لئے میرا یہ خیال ہے کہ آپ نے جہاں سے یہ عبارت لے لی اس کی صحت قطعی طور پر مشتبہ ہے۔

آپ احمد رشید دوسرے دعویٰ کر رہے ہیں کہ علی علم لسانیات کی بہت سی باتیں اسلامی دنیا پر بہت پہلے واضح ہو چکی تھیں شعر و شاعری کی تدریج جلد میں آپ کے دعوے کھل کر سامنے آتے ہیں ان میں بہت حد تک صداقت ہے، لیکن اگر آپ ذرا گہرائی میں جا کر تو یہ ظاہر ہو گا کہ ابتدائی عربی ماہرین خود قواعد یونانی روایتیں کے انکار سے زبردست طور پر متاثر ہوئے تھے۔ اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ صحابیات کے سلسلے میں انھوں نے دنیا کے انکار سے بہت کچھ سیکھا تھا، جو کہ عربوں کے عراق و مصر و شام پہنچے سے پہلے معمولی طور پر وہاں کی مقامی زبانوں پر اثر انداز تھے۔ اگر آپ چاہیں اور مجھے فرصت نصیب ہوئی تو میں اس سلسلے میں چند باتیں عرض کر سکتا ہوں۔

پوسا بہار

حبیب حق

● امام جعفر صادق کا انتہا پس مولانا محمد باقر عواری کے ایک ترجمے سے لیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ فارسی زبان سے ہے اصل فارسی رسالہ امام کے اقوال کی تلخیص پر مبنی ہے چنانچہ اطلاع کے مطابق فارسی رسالہ میں عربی خطوط پر مبنی ہے اس کی صحت میں کلام نہیں۔ امام جعفر صادق کے افکار پر ایک بین الاقوامی سیمینار کوئی پندرہ سال ہوئے فرانس میں منعقد ہوا تھا اس سیمینار میں وہ عربی خطوط غلط بھی زیر بحث آئے تھا جس پر مبنی فارسی رسالے کے ترجمے کا انتہا پس ہم نے بخش کیا ہے۔

میں مندرجہ ذیل اطلاعات کتاب زیر مصحوت حاصل ہوئی ہیں۔ خود ہمارا خیال ہے کہ یونانیوں کے افکار عبد عباسی کے آغاز بلکہ عبد بنو امیہ کے دواختر سے عربیوں میں عام ہونا شروع ہوئے تھے۔ اس سوال عربوں کی لسانیاتی فکر پر یونانیوں کا اثر تو

مواہب الملک کا یہ نام اب تو ہم مغربی لوگ متفقین کو خلافتِ ملتان اور علمِ اسلام اور
 فخرِ اہلِ اسلام کے اہستہ سرِ سرِ اہلِ کفر کے خیالاتِ تفریقِ مذہب کے سب طبع زاد لو تانہیں دے
 بہت مختلف اور بعض معاملات میں آج کے بہت سے قصور و ارتکاب کے پیش
 آ رہے ہیں۔

شب خون الہ آباد

ابتداء میں غروت صحن کی غزلیں بیسے میدھے ساوے انداز کی ہوتی تھیں
ماہنامہ اردو زبان (شمارہ ۷۸) ۱۹۶۹ء میں ان کی دو غزلیں شائع ہوئی
تھیں ان کے دو اشعار اسے ان کے ساوے ایجوکاتڈہ لگایا جاسکتا ہے

اب کسی بات پہ چونکا نہ کرو

لیکن ہر بات میں پندرہ دیکھا

شب تیرہ شمارہ۔ ایں آٹھ کتابوں پر پھر سے شامل ہیں جن میں سنا
کہ پورے سال کے لیے ایک سو دو ہوش مند اور
بے گنسہ پانچ سو ساڑھے نو درجہ تعویذ میں جو ملے۔

تمیز: ۱۔ میں ہی منظر عاشق ہر کافری صاحب کا خطا علیٰ ہوا ہے

انھوں نے غلیل ماحول توئیر کا نام لیا ہے اس نام کا کوئی شاعر اردو میں تو توہر نہیں۔ غلیل ماحول جنگلور میں رہتے ہیں ماحول خاک و غلیل توئیر اوسے پڑوس رہتا ہے

● شب جو نغمہ اے! میں احمد شوقی کی غزلیں سہرا لٹھی گیس اس کے آگے۔
غزلیں جو کایے اب تک اور اس مدت سے چلی ہیں کہ ان سے رشتہ قائم ہونے میں ذرا بڑھ
ویر نہیں لگتی۔ ساقی تاروقی کی غزلیں اور پھر جمال حقان چمک زئی سے ان کا سوال
یہ انداز کہ ان ہی کا حصہ ہے۔ منظر نامہ صاحب کی سنبھلی ہوئی سنجیدہ پروہ قاضی
اور عرفان صدیقی کی غزلوں کا کلاسیک رنگ اس بار شعری حصے کی خاص
چیز رہی ہیں۔

طویل التوا کے بعد صرف اس بابت چند صفحات پر محیط ہیں۔ شبِ نوائے
تہجد پہ پہلے عام رسالوں میں شائع ہونے والے علاقائی تبصرے نہ بہر کتاب نے
حقیقی معیار و مروج سے واقف کرنے کا کام کرتے تھے مگر اس بار کے تبصرے اس ظرف
سے چوک گئے۔

کسیکے دھوئیں میں جیسے تارے جاس اٹوں گی سوسا، نہ بڑا سدا ہے
 میں اس فکر کے شعریں نہیں دیکھیں گی اسی قدر اشرم تک ادیب کے لئے کوئی فکر
 الٰہ نہیں۔

ساحل احمد کے محوئے موسم : ہران کا تہوہ کچھ مختلف طرح ہے اور اچھا
 بی ہے مگر نام کوئی کی تھیں کی بات گلے سے نہیں اتارنی ساحل احمد کو زیادہ سے زیادہ
 ام کو بھی اس کیلئے سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ نام کوئی کی شاعری کی زیریں اب ایک
 پرکوت الیاتی خضابے جبکہ ساحل احمد زندگی کے الیاتی عنصروں کے ساتھ ایک
 PLAYFUL رویہ اختیار کرتے ہیں اور وہی رویہ ان کی شاعری
 کی شناخت ہے۔

راہنچی پرکاش فکری

● عہدہ نمبر ۱ کے ابتدائی شرہ کار کو ادبی اخلاصیت ملے۔ اور حقیقی
کی پہلی نظم منظر عام کی دونوں طرف کان صدیقی کی پانچوں اور عبداللہ اور سائیکو کو
غریب صیاری ہیں۔ سانی عمار دو کی اکثر کمال انشراح ساری نظمیں پندرہ میں بدلتی
صاحب کا ۸ صحنیاتی مقامی مری راے میں تعریف و تشہیر سے بے نیاز ہے۔
جناب عبداللہ قدوسی و خوشی کا تصدیق کی جانب اور چوبی ایمن انگریز
تمام تبصرے ایماندارانہ مگر ہمدردانہ پہلوئے ہوتے ہیں ایک افغانی مجروح
سمیت چار شہری مجروحوں پر مصروف مؤخر نے ہمہ دل و جان کے عنوانات کا جزو
اعظم و مستحسن ہے میں اردو زبان کی دشمن پر بھی بڑا گزرت کا ثبوت فراہم کیا ہے
جلوں کی یکسانیت اور نگرار الفاظ سے مجھے لگاؤ بخش ہیں وہ پوری طرح
سے ہمدرد ہوئے ہیں۔

برکاش نگر کی صاحب کے پہلے خط صفحہ ۷۲ پر شمارہ نمبر ۱۶۹ کی جگہ پر
۱۹ چھپ گیا ہے اور اسی میں آگے چل کر "وفا و نفا" اسعدۃ دو دن ایک
ساتھ چھپا ہے جو میری رائے میں عمل نظر ہے۔ طباعت کا سیدہ رتو قیمت بڑھا
ہے مگر اجابت کی مخالفا اور اس میں بہرے والی "شتر گئی" ہنوز بہاری دوسری
ہے۔ زرارہ حسین کا مروتی ملک اور تعارف اچھا لگا ہے۔ انگریزی کی افلاک کی
خطیاں اور ان کو ٹانپ کر کے چپکانے میں کوتاہیاں شمارہ نمبر ۷۱ سے برابر ہو
کر کرکری ملی ہیں جس میں سلسلے میں احتیاط و توجہ کی ضرورت ہے۔ فارسی میں

۱۰۰
۱۰۱
۱۰۲
۱۰۳
۱۰۴
۱۰۵
۱۰۶
۱۰۷
۱۰۸
۱۰۹
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰

● شب خون کا شمار غیر اہم اصول ہوا۔ آخرت کی کائنات اور جملات
شب خون کو کسی خاصے کہیں کہیں کائنات کی غلطی بہت کشتنی ہے۔ دراصل
میں میرا نام یہ رکھ کر کہ اگر میرا عود جس کو دے اس طرح کی غلطیاں مچائی ہوئی
رہا کہ نے ٹھیک نہیں۔ رحمت میں تصور اس اضافہ پر اجنبی ہے۔
اس بارچے میں کوئی کہانی نہیں۔ جبکہ ایک مختصر کہانی کی شکل لکھ سکتی تھی ایک
صفحہ پر ایک مختصر نظم، غزل اور پورا قصہ مراد آپ دو تین غزلیں نظمیں ایک صفحہ پر لکھ
سے دے سکتے ہیں۔ نظمیں اور غزلوں کے حصوں میں کائنات دو طرح کی ہے۔ یہ معمولی
معمولی قافیاں اسبب کے آپ کی نظر میں ہوں گی۔

مجموعی سید محمد حسن

● شب خون شماره ۱۷ میں جناب جمال اویسی صاحب دورِ بعدِ کم نے
اقبال کرشن صاحب کی فریل کے نعرہوں کے تعلق سے دیکھا ہے کہ وہ مفتعلن
فاصلی افاضلان پر نہیں اتر رہے ہیں علان کہ ایسی بات نہیں ہے اویسی صاحب
نے جلدی میں غمدا کیا ہے۔ زیرِ بحث تمام مصرعے مفتعلن فاضل افاضلان پر
ملج ہیں

الحمد لله
حسن رضا

● سال پہلے آپ کو ایک کتاب (مرآت حق) تحریر کے لئے ارسال کی تھی اس پر تحریر کا انکار کیا تھا۔ دینیہ شب بخون خورڈیہ و عثمانیہ میں جل رہا ہے یعنی ایک ایک فقرہ پر لکھتے ہیں سو عثمانیہ چھپنا نہ ہو سکا ہے اب عثمانیہ ہی چھپ سکے ہیں اس طرح اگرچہ جواب دہی چھپ جائے تو اس بارہ سال پہلے کا چھپا ہوا اٹھا جائے گا۔

علامہ امین الدین کا ایک غزل کے عنوان کا شعر دو چھپا ہے۔ اس کا شعر اولیٰ نظر سے نہیں گزرا کہ اس کے یہی غزل کو ابی القاسم جوہر (مال) عثمانیہ فرمائیے کہ شعر اولیٰ کا غزل کے عنوان کا کس شمار میں چھپا ہے۔

علی گڑھ رئیس نعمانی

۱۔ حصہ اول کے لئے "شعر شہزادہ انیس" جلد سوم ملاحظہ ہو اور

● احمد علی کی موت کے ساتھ اردو ادیبوں کی ایک توانا دافن ہو گئی اور موثر نسل کا آخری فروغ ختم ہو گیا۔ یہ نسل قریب آزادی کے دہائیہ انگیزوں میں پروان چڑھی تھی۔ اس کے زیادہ تر افراد نے مغرب میں تعلیم پائی تھی لیکن مشرقی، خاص کر فارسی اور اردو ادب سے ان کی واقفیت گہری زخمہ اور متحرک تھی۔ احمد علی کی شخصیت اس زبردست قوت مند نسل میں بھی نمایاں تھی کہ وہ انگریزی لکھنے پر غلافانہ قدرت رکھتے تھے اور بلا تخرہ اردو کے ان چند ادیبوں میں نمایاں مقام کے حامل قرار دیئے گئے جن کی شہرت اردو کے علاوہ کسی اور زبان مثلاً انگریزی ہندی میں بھی اتنی ہی وسیع اور پستی تھی جتنی خود اردو میں بلکہ احمد علی کے بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کہ ۱۹۳۲ء میں ”انگلہ رس“ کی اشاعت نے اردو ادیبوں میں انہیں شہرت سے زیادہ بڑی دلوائی تھی، لیکن ۱۹۴۰ء میں ان کے ناول TWILIGHT IN DELHI کی اشاعت نے انہیں جدید انگریزی ناول نگاروں کی صف اول میں لاکھڑا کیا۔ ”انگلہ رس“ کو کافی بہت اعلیٰ درجے کی کتاب نہیں، لیکن اس کی بہت اس لئے بہت ہوئی کہ اس کو فنش قرار دے کر مضبوط کر لیا گیا تھا۔ ”انگلہ رس“ میں احمد علی کے وہی افسانے تھے لیکن ایک افسانہ واقعی خاصا واضح بھی رنگ کا تھا۔ ہر حال ”انگلہ رس“ کی شہرت نے احمد علی کا نام اردو میں بہت دیر تک تازہ رکھا۔ احمد علی نے انگریزی میں بہت کچھ لکھا۔ اردو کی کلیسیا کی شاعری کے انتخاب، تعارف اور انگریزی ترجمے پر مبنی ان کی کتاب THE GOLDEN TRADITION بہت مشہور ہوئی آخری زمانے میں انھوں نے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اگرچہ وہ عربی نہ جانتے تھے لیکن انگریزی پران کی قدرت اور قرآن کے مطالب سے ان کے شغف کے باعث یہ ترجمہ بھی قبول ہوا۔ اب ایسے لوگ ہم میں نہیں رہ گئے جو مختلف ہندوؤں پر اس خوبی سے عادی ہوں۔ انتقال کے وقت ان کی عمر تراسی برس کی تھی۔

●● بے منویت کے ڈرائے کا خان اور اس کا سب سے بڑا انگریز دوست

● ساقی فاروقی کا انگریزی نظموں کا مجموعہ ”نیلنگ ڈارک اسٹارم“ حال ہی میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے انگریزی ترجمے کا اردو ترجمہ اسی شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔
● شمس الرحمن فاروقی: فارسی کلام کے ”انگریزی ترجمے کا ایک مجموعہ روپا اینڈ کمپنی کلکتہ سے مغرب شائع ہو چکا۔
● پرتیبال سنگھ تیتاب کے کلام کا ”میسورہ“ ”خود رنگ“ ”جلدی شائع ہو چکا

گزشتہ دنوں پیرس میں ایک ایسی برس کی عمر میں چل بسا آؤٹسکو دراصل روڈائیہ کا رہنے والا تھا۔ اس کی ماں فرانسیسی تھی۔ باپ نے اس سے طلاق اختیار کر لی تھی تو آؤٹسکو دوبارہ پیرس چلا آ گیا اور بالکل اتفاق سے انگریزی زبان سیکھنے سیکھتے ڈراما نگار بن گیا۔ ۱۹۵۰ء جولائی ۱۰ء کی دہائیوں میں آؤٹسکو کا نام بچے کی زبان پر تھا۔ رشب خون نے بھی اس کی کئی چیزیں شائع کیں۔ (بے منویت کا ڈراما THE THEATURE OF

THE ABSURD انسانی صورت حال میں غمزدہ نظارہ پر مبنی نا معنویت، انحراف، بے چوہن، انسان کی بے بسی اور دہرہ دہرہ گم ہونے کی اسرار کا ڈرامائی گویاں کرتا ہے۔ بیکیت کا ڈرامہ ”گود کا انتظار“ اس کا ترجمہ کرشن چندر نے کیا (مطبوعہ شب خون)۔ خود آؤٹسکو کے کئی ڈرائے مثلاً ”گینڈا“ اور ”کوسیاں“ ڈرامے کا ڈراما ”باگنی“ اور ”ایڈمانف کا ڈراما“ پر مبنی ”بلان“ وغیرہ بے منویت کے ڈرائے کی مزاح کہے جاسکتے ہیں۔ فرانس اور برطانیہ میں ڈرائے کی چوٹی لہرائی (۱۹۵۰-۱۹۵۰) اس کی ایک وجہ آؤٹسکو کا ڈراما بھی ہے اس کا بھلا ڈراما THE BALD PRIMA DONNA ۱۹۴۸ء میں منظر عام پر آیا۔ آؤٹسکو نایت

اور آخر اکیت دونوں سے یکساں طور پر متاثر تھا اور اس کے ڈرائے میں ABSURD کا عنصر غالباً اسی وجہ سے درآیا کہ وہ ان دونوں ہی نظریات کو تسلیم کرتے کیساں طور پر ہر ملک قرار دیتا تھا۔

شب خون

فرائض میں لاشکیل کی مقبلیت

پہلی بات تو یہ ہے کہ ۱۶۶۵ء کے آس پاس جب لاشکیل کا ظہور ہوا، فرائض کی جامعیت میں فی معمولی درجے کی تنگ خیالی اور قدامت پرستی کا وہ دورہ تھا۔ ادبی تاریخ اور سوانح کا جو رنگ و مہنچ انیسویں صدی سے شروع ہوا تھا، تمام جگہ اس کی عمل داری تھی۔ انگلستان اور امریکہ میں نظریات و عقائد پر براہِ عمل پھیل گزشتہ چالیس برسوں میں ہوئی تھی۔ اس کا اثر جو بھی فرانسیسی اعلیٰ تعلیم کے مقلدوں تک نہ پہنچا تھا۔ مسانیات میں بھی سوسیدہ کے نظریات اور انگلستان اور امریکہ میں دنیائی مسانیات کو جنم دیا تھا۔ لیکن اس کا ہلکا سا بھی اثر اس قدامت پرستانہ علم الانسان پر نہ پڑا تھا جس کا فرانسیسی جامعیت مسانیاتی مطالعات میں بول بالا تھا۔ (ایک زبردست ستم ظریفی یہ ہے کہ اگرچہ اب فرائض میں شخص سوسیدہ کا حوالہ دیتا ہے، لیکن فرائض دلتے اس منت کو اب بھی نہیں دیتے کہ سوسیدہ کی تصویروں نے انگریزی دلتے والی دنیا میں کئی دہائی پہلے مسانیات میں دور رس تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں، سوسیدہ کے انکار کو دوسری جگہوں پر زیادہ تر نظر انداز ہی کیا جا رہا تھا) قدامت پسندی کا یہ دور جو ظاہر ہے کہ نفس اس وجہ سے دھماکہ فرائض لہزائی انقباض سے پھپھڑے ہوئے تھے۔ کوئی لگ بھگ اس قدر پسماندہ ہو اس کا وہ یہ ادبی اور انسانی مطالعات کی طرف بہت زیادہ مڑا اور قطعاً ہڑپا تھا۔ فرائض کا معاملہ ہی تھا۔ فرائض کے علاوہ کسی بھی جگہ قدامت پرستانہ ادبی تاریخ اور سوانح اس قدر مضبوط اور مجرمانہ تھی اور طالب علموں کو ہر پٹھایا تھا اس میں تقلیدیت فرائض میں جس قدر نمایاں تھی اور کہیں نہ تھی....

ایسے ماحول میں لاشکیل مصنف کو واحد وسطی، باہر سے حاصل کی ہوئی تعبیر و رائے کو اپنی تنقید و استہزا کا نشانہ بنانے میں کوئی مشکل نہ تھی۔ اس بات سے یہ تو ثابت ہوتا ہی ہے کہ باہر سے حاصل کی ہوئی تعبیر و رائے کی اہمیت لاشکیل کے لئے بہت زیادہ ہے (کیونکہ ایسی رائیں نہ ہوں تو لاشکیل کس چیز کی ہو گا لیکن اس سے یہ تشریف نامک بات بھی کھل جاتی ہے کہ ہمارا معاملہ جس شے سے ہے وہ ایک غیر ترقی یافتہ ذہنی صورت حال پر دبیش خود کار سادہ عمل ہے اور وہ پیچیدہ اور نفیس نظریہ نہیں جو لاشکیل کا دعویٰ ہے۔

دوسری بات فرانسیسی دانشوری کی ایک بہت نمایاں صفت ہے جسے لیر برسانی LEO BERSANI نے رعونت پسند، غیر جمیدگی (ARROGANT FRIVOLITY) کا مناسب نام دیا ہے۔ رعونت اس لئے کہ فرانسیسی دانش و ادب اپنا شخص اس برتری کے احساس سے متعین تھے جس جو انہیں ہمارے الگ کرتی ہے اور جس کی وجہ ان کے نفس ترا تدار و ادراکات ہیں۔ غیر جمیدگی اس وجہ سے کہ یہ دانش دہنئے کو نکال دے والے پکھانے قسم کے طور طریقوں کے ذریعہ (بورژوا) لوگوں کو شک پہنچانا اور آشفہ کرنا پسند کرتے ہیں۔

جان ایم۔ الیس (JOHN M. ELLIS)

(۱۹۸۹ء)



جون - جولائی ۱۹۹۳ء

مدیر پرنٹریبلشٹری: عقیلہ شاہین	ٹیل فون نمبر: ۴۲۳۳۲۷۲۳۵۳۷ ۴۲۳۳۹۳	جلد: ۲۸ شمار: ۱۷۵
مطبع: آج آفٹ پریس۔ الہ آباد	سرورق: زوار حسین	خطاط: قربان علی، سید احمد عباس
بارہ شمار ہے: ستور روپے	فی شمار: نو روپے	دفتر: ۳۱۳۔ رانی منڈی۔ الہ آباد

فرانس میں لاشکیل کی مقبولیت

۳۳	مظہر الزماں خاں ، پاؤں	۳	حب فاروقی ، سخن سنجی کا تجزیہ
۳۶	فاطمہ حسن ، نظمیں	۱۳	صلاح الدین محمود ، نظمیں
۴۷	آشفہ بیگمیری ، غزلیں	۱۵	وزیر آغا ، غزلیں
۴۸	غضنفر ، غزلیں	۱۸	شان الحق حق ، غزلیں
۴۹	شاہد عزیز ، نظمیں	۱۹	عادل منصوری ، نظم / غزلیں
۵۱	صفدر امام قادری ، نظمیں	۲۱	کرشن بلدیوید ، لاپتہ
۵۲	پرسکاش تیواری ، عادل اسیر ، نظمیں	۲۷	فضا ابن فیضی ، غزلیں
۵۳	شمس الرحمن فاروقی ، تہذیب کا شمع	۲۸	شمیم حنفی ، غزلیں
۷۳	کھنکھ خلی عدا	۳۱	پریم کمار نظر ، غزلیں
۸۰	اخبار وادکار اس بزم میں	۳۳	غلام حسین ساجد ، غزلیں

سب ابوالکلام قاسمی ، جدید غزل کے صورت حال ۳۵

تہذیب و تہذیب

شمس الرحمن فاروقی

محب عارفی

مصنف سنجی کا تجزیہ

غم سستی کا سرکہ کہ سے ہونے ترک ملاج
شع ہر رنگ میں جلتی ہے جو ہونے تک

ایک ہی احساس میں دونوں شعروں کا جو کہ ہے اس احساس کی حقیقت و
شدت میں دونوں شعروں میں ایک ہی ہی محسوس ہوتی ہے۔ پھر بھی یہ دونوں شعریں
قاریں کے نزدیک، مجبوری محسوس میں برابر نہ ہوں گے۔ وہ قاریوں کے نزدیک، مجبوری
مدح کی کا جو حسی تشبیہ شعرا کے دور فطرتی سے دیکھتے ہیں کہ شعر ۱۰ پر ترجیح دیں گے
مجبوری مدح کی کا یہ فرق ظاہر ہے کہ طرز ادا کے فرق و ملکی کا نتیجہ ہے۔ تشبیہ کی
بڑھتی ہے جب کہ شعر ۲ میں ہے اسی وجہ سے شعر ۱۰ کی شعور میں ملنے سے

نیلے خود خود گلشن نہ زبیر در اصاب

چوں زندہ خود مالد خطبات نفس کے یاد

یو محلی تشبیہ کے سوا طرز ادا کی اور کوئی قابل لحاظ خوبی نہ شعر ۲ میں ہے نظر آتی
ہے نہ شعر ۲ میں یعنی میں میں کا کوئی شعر دوسرے پر طرز ادا کے اعتبار سے
لورقت نہیں رکھتا لیکن انھیں حقیقت میں بھی شاید ہی کوئی اہلیت توفیق تمام تر قرار
دے۔ وجہ؟ وہ تخلیق دیگر احساس جو شعر ۲۰ کا جو کہ ہے اس سے واضح ہے
جو شعر ۲۰ کا جو کہ ہے (شعر ۳۰ تشبیہ میں رکات قرار دے لیکن اگر یہ مکان
بھی ہوئی تھی اگر شائبہ کہا جاتا کہ اپنے آپ کو گدگدائے سے ہی نہیں آتی جب
بھی یہ شعر ۲۰ سے فرد تری رہتا۔

۱۱) محرک تخلیق اور طرز ادا : شاعر کو اختیار ہے کہ اپنے تخلیق
ایک احساس میں باہلیت قاریوں کی کیف دیگر شرکت میں تیسروں سے چاہے حال
کہے۔ لیکن ان تیسروں کا سیدم در واسطہ ہم حال ہوں تو ان کا کام ہوگا: ہنوزوں
کلام تخلیق دیگر احساس کے اطلاع کا شعری سیدم ہے۔ گو بس سیدم ہی ہے۔ اور
کلام ہا ہنوم حیات۔ لہذا شاعر کی عنانہ زندگی کو اس وقت تک شکوکے نہ
دوڑے غافل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) محرک تخلیق یعنی شاعر کا تخلیق دیگر
اس اس اور ۲۰) اس احساس کی پیدا کردہ تخلیق یعنی شاعر میں وصلے کا فن
یعنی طرز ادا۔ یہ گویا دو حصے ہیں درق شعر کے۔ کوئی ایک حصہ اپنی ذات سے
جروا بھی درق نہیں ہوتا لیکن درق اپنے دونوں محمولہ سے عبارت ہوتا ہے:
پاس بھانے کی قابلیت نہ ایک بھی میں ہوتی ہے نہ باہر درق میں لیکن وہ چیز
جس سے پاس بھائی جاسکتی ہے اپنی حضوروں کے باجم مل کر ایک ہو جاتے
وہ جو میں آتی ہے۔ باہلیت قاریوں کا نام شعری کا شعری محسوس کی شخصیت
کہلے۔ تاہم حق شای کا نہیں شاعر کے مذکورہ دونوں پہلوؤں کی نسبت نہ
انرا ادبی رائے ضرور کارفرما ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ کچھ وضاحت "ایک پیر گزار
سے شاید ہو جائے۔ غالب کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں سو

تجید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک میں

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

۴۱) ان خالص سے دو تہائی حصہ ہوتی ہیں، اگر دوسروں کے
خلق تخلیق بہترین توں میں کا وہ شعری حیثیت سے زیادہ ہو گا
کی طرز از زیادہ دلکش ہے (۴۲) اگر دوسروں کا دلکشی میں برابر ہیں توں
میں کا وہ شعری حیثیت سے زیادہ ہو گا جس کا شعر کا دلکشی زیادہ دلچسپ ہے
ان خالص کے لئے ایسے شمار تلاش کیے گئے ہیں کہ طرز از دلکشی و شعر
تخلیق کی قدر و قیمت کے الگ الگ انداز سے ذرا آسانی سے لگانے یا نہیں
عموماً فیصلہ کن سخت دشوار ہوتا ہے کہ شعر کی عمومی معیار میں کتنا حصہ شعر
تخلیق کا ہے اور کتنا طرز از کا (۴۳)

۴۴) طرز از کی دلکشی کیا ہوتی ہے؟ طرز از ایسا کہ عرض کیا جا چکا
ہے تخلیق اگر احساس میں باہلیت قارئین کی کیف دیگر شرکت حاصل کرنے کا
تخلیق بے چینی کو شعریں ڈھلنے کا فن ہے۔ لہذا طرز از کا اصل فرض
منصوبی ESSENTIAL FUNCTION ہے شاعر کے

تخلیق اگر احساس اور اس احساس کی پیدا کردہ تخلیق ہے چینی صاف
شدید ہوگی۔ اس اطلاق کو صرف تقویت دیتی ہیں وہ طرح طرح
کی اضافی خوبیاں ہیں سے طرز از کو شاعر کے لئے تخلیق مالا مال کرنے میں
شاعر کا تخلیق اگر احساس اور اس کی پیدا کردہ تخلیق ہے چینی صاف
شدید ہوگی ہے ان صلاقت و وحدت کا قراہی و بلاغ اتنا ہی کیف
انگیز ہوگا۔ یہی بلاغ کی کیف انگیزی ہے جسے طرز از کی دلکشی یعنی شعری
شعوریت کہتے ہیں۔ یہ طوفان ہے کہ ہم گفتگو شاعر کی فنی جاندار شاعری کے بارے
میں کر رہے ہیں بالیہ بے کیف کلام کے بارے میں نہیں کر رہے ہیں جو
موزوں طبع افراد تخلیق بے چینی میں مبتلا ہوئے بغیر موزوں کر سکتے اور
کرتے، رہتے ہیں۔ اس موزوں کلام ہمارے تجربے کی روشنی سے شاعری
نہ ہوگا منظوم مضمون نگاری ہوگا جس سے اس مضمون کو سرد کار نہیں۔

۵) شعری شعوریت کا شناخت کرنا یعنی شعوریت کا مضمون کرنا ذہانت و
علیت کا نہیں، جمالی باہلیت کی اس شاعر کا کام ہے تو ذوق شعری کا
جوہر ہوتی ہے۔ تفصیل شعوریت میں ذہانت اور علیت جمالی جلیت (شعری
شاخ) کی معاون ضرور ہوتی ہیں لیکن بس معاون ہی ہوتی ہیں۔

۱) ایک شعری شعوریت اور شعری فنی کی ایک ہی حیثیت کے تحت نہیں
ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ برابر کی شعوریت رکھنے والے شعرا شعری حیثیت سے ایک
دوسرے کے برابر نہ ہوں۔ ایسے شمار کا فرق مراتب کا ہے کہ نتیجہ ہو گا ان
احساس کے فرق مراتب کا جو ان شعرا کے شعر اسامات کے موجب ہوتے ہیں
موجبات احساس اس کے فرق مراتب سے میری مراد یہ ہے اس کی وضاحت کے
پہل کر ہو جائے گی۔ یہاں وہ ایک اشارہ کافی ہوگا کہ لکھنؤ والوں کو گروہ
دیکھ کر بچے عموماً کھلونے لینے کے لئے سخت بے چینی بعض اوقات ریاضی کی
بعض کیفیتوں سے دوچار ہو کر ان کیفیتوں کے حل کے لئے بعض ریاضی داں
بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ ریاضی داں ان احساس اور وہ بچوں کا احساس، اگر کمال
تحتک صاف و شدید ہوں تو اس کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ یہ دونوں احساس
قدر و قیمت میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

(۲) تخلیق انگیز احساس کے موجبات اور مضمون چینی:

۱۔ فرض کیجئے ایسی دو لڑائی ریتا تصویریں میرے پیش نظر ہیں جو ایک
دوسرے کے کمال فن کے نونے ہیں، ایک تصویر میری ہے، دوسری چینی کی کسی
پر شکل و صورت اور ضد وخال کے اعتبار سے مجھے کوئی فوقیت حاصل نہیں۔
کیا میرے نزدیک یہ دونوں تصویریں متعدد و قیمت میں برابر ہوں گی؟ اس انہی
سے جو ایک تصویر کا مالا مال ہے، قاضی کے مجھے اتنا لگاؤ نہیں ہو سکتا جتنا آپ
آپ سے ہے۔ یہ لگاؤ فنی تصویر کشی کے برکے کی صلاحیت کا کوئی ذلتی جز نہیں
پھر بھی مفروضہ تصویروں کا فرق قدر و قیمت مضمون کرے جس اس لگاؤ کا اثر
اندازہ ہوتے دیر میرے لئے ممکن نہ ہوگا۔ اگر میں فنی تصویر کشی کے فن و تبحر
پہچاننے کی پوری باہلیت رکھتا ہوں تو یہ تو پہچان لوں گا کہ دونوں تصویریں
میں ایک ہی دوسرے کا کمال فن کا قریب ہے، لیکن میری نظر میں یہ حیثیت شعری
اس تصویر کی قدر و قیمت تقریباً زیادہ ہوگی جس کا ماڈل میں خود ہوں۔ اسی
طرح شاعر کے تخلیق انگیز احساس کے موجبات سے باہلیت قاری کو لگاؤ
ہوگا اسے شعری فنی قدر و قیمت پر اثر انداز نہ ہونے دینا اس قاری کے
بس کی بات نہ ہوگی اس لگاؤ کی نوعیت و وحدت مختصر اس پر نہ ہوگی کہ اس
قاری کے ذوق شعری کا شعوریت شمس پہلو یعنی اس کے ذوق شعری کی تہ

اسی نوعیت کے تاثرات کی طرف مائل ہو گا اور اسی تاثرات کی بدولت اس قاری کا ذوق شعری شوخی شوخی ہو گا اور اس کی فکر کی کیفیت کی قدر و قیمت ہی کہہ سکا۔

(۳۶) سخن سنجی کا یہ بیان: (۳۶) سخن سنجی نام ہے یہ شخص کہنے کا شعور و حیثیت کا معنی ہے یعنی کہنے کا شعور کا امتداد اور کنٹرول قی ہے۔ شعور کو نامعلوم ہے یعنی اس کی طرز ادا کے دائرہ بقا و خیریت کی رکنی زور دہ ہے، یہ معنی کرتا: ذوق شعری کے شعوریت شس پہلو کا کام ہے جسے ہم نے جمالی جہلت کی شعری شاخ کہا ہے جو ذوق شعری کی گویا جان ہوتی ہے۔ اور یہ جان کہ شعور کنٹرول قی ہے یعنی یہ کہ شعور کے تخلیق انگیز احساس کے موجدات کس مرتبے کے ہیں ذوق شعری کے اس دوسرے پہلو کا کام ہے جسے ہم نے تحت شاس پہلو کہا ہے اور جو ذوق شعری کے ان قوی ترین اجزائے ترکیبی سے عبارت ہوتا ہے جو جمالی جہلت (شعری شاخ) کے مساوی ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر اس تجربے کے مطابق سخن سنجی یا اہلیت قاریوں کے ذوق شعری کا ارتقا و ذوق شعری کا منصوبہ ہے۔ ذہانیت اور طبعیت سخن سنجی میں ذوق شعری کی معاونت ہی ضرور کرتی ہے لیکن اس معاونت ہی کرتی ہیں۔ وہ دماغی جو ہم اسے بیشتر مشاہیر نقادوں کی طرح، جاندار ذوق شعری سے عاری ہیں، سمجھتی تو کر سکتے ہیں، سخن سنجی نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ اپنی ذہانیت و طبعیت کے مدد سے سخن سنجوں کے لئے، نہایت ضروری قیمتی معلومات فراہم کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ: غلاں شعور کن کا مفہا ہم کا حامل ہے؟ غلاں شعور غلاں شاعر کا نہیں، غلاں شاعر کہے؟ غلاں شعور کہے؟ اور کس میں غلاں کہا گیا، غلاں شاعر کہے؟ اور کہاں پیدا ہوا اور کہاں فوت ہوا؟ کن کن معلوم پر مبنی رکھتا تھا کہاں کہاں اور کن کن مجتہدوں میں رہا زندگی کن حالات میں اور کن کن مشاغل میں بسر کی، وغیرہ وغیرہ یہ نہایت اہم معلومات بڑی افادیت رکھتی ہیں، لیکن ان کا ہم غرضاً سخن سنجی نہیں ہے۔ سخن سنجی ذوق شعری کا کام ہے جو ایک ذوق شعور ہے جس کی ترتیب تو ذہانیت و طبعیت ہی سے ہوتی ہے لیکن اگر غلط

کی طرف سے دو طبعیت نہ ہو تو ذہانیت کی طبعیت کا مدد سے پیدا نہیں کیا جاسکتی۔

۱۱۔ ذوق شعری، پسہ و تاجہ کے لئے کی کسی صلاحیت ہے جو منطق یا ریاضی کی پابندی نہیں ہوتی۔ لہذا، اہلیت قاریوں کے ذوق شعری ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں، بلکہ عموماً ہوتے ہیں اور کوئی غلط اور ایسا وضع نہیں کیا جاسکتا جس کے مدد سے ذوق شعری کے فصول کی سمجھ و عدم سمجھ جاہلی جہل کے ذوق معاملات کی یہ ایک فطری خوبی ہے جس سے محقق نہیں ہاں اگر خود ذوق شعری کی درجہ بندی کی کوئی صورت نکل سکتی ہو تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ کی شعور کا صحیح مرتبہ نہیں اس سے ہو گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ کتنے وضع ذوق شعری کے لئے کتنا ایک انگ ہے

(۲۱)

ذوق شعری اور سخن سنجی

(۳۷) ذوق شعری: احساساتی بطبعیت کا ایک مخفف: ۱۲۔ میں قدرت کی طرف سے جہتیں، نمود پر زنجوں کی شکل میں دیتا ہوں ہیں: بنی بنائی نہیں ملتیں، ان کی نمودنا، ایک پیچیدہ عمل ہوتی ہے جبلی و حقانیت، بیرونی اثرات کی فضا میں سانس لیتے ہوئے اپنی بہداشتی قوتوں کے تناسب سے، ایک دوسرے کی نمودنا میں شریک ہوتے ہیں، ہر نمودنا یا فضا جہلت پر دوسری طرف جہلتوں کی تقبی چھاپ ہوتی ہے، بیرونی اثرات کے گہی، اس نامیاتی عمل سے جو مرکب تیار ہوتا ہے، اسے شخصی نظام شعور دلا شعور کہا جاسکتا ہے۔ اس نظام کا ظاہری پہلو ہے جسے شخصیت یا میرت کہتے ہیں جس کا کام کلی زندگی کے تقاضوں سے منجھے رہنا ہے۔ شخصی نظام شعور و لا شعور کا باہمی پہلو ہو گا۔ احساسات و جذباتات کی آما جگہ ہوتا ہے ہم اسے احساساتی بطبعیت کہیں گے۔ زباندار شاعری اگر اسے احساسات و جذباتات پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لئے شعوبات، شخصی نظام شعور و لا شعور کے پہلو ہے۔ بطبعیت ہی سے سرور کا رکھتا ہے۔ یہ بطبعیت کوئی غیر نامیاتی مادہ کی نہیں ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی الگ الگ کئے جانے پر اپنی انفرادیتیں برقرار رکھ سکیں یہ جہل کی جن سادہ گوئیوں سے عبارت ہوتی ہے وہ الگ الگ صرف تصور

کہا کہ میں اس اسلامی عظمت ایک ناقابل فہم و حدت ہوتا ہے
جہتیں اس وحدت کے قلم و طبع میں ہیں۔

۱۳۔ جمالی جملہ شعری صنائع کو ایک شعاع ہے جو نور و روش
نہیں ہوتی لیکن متعلقہ اسلامی عظمت کے ان اجزائے تنہی کا جو جمالی
جملہ کے مساویں روشنی اور کس پر زور دیتی ہے۔ ان میں کے کسی جزو
میں اتنی یکجہ برابری اور اس کے مکمل کارنگ کنٹاشورج ہوگا یا اس جزو
کا ذوق قوت و زینت پر موقوف ہوگا۔ ان اجزاء کی قوتوں کا اختلاف صرف
بطینت میں نظر آئے گا یا حساب ہوگا یا حساب سے ان اجزاء کے مکمل ہلکے یا
گہرے ہونے اور ان مکملوں کے رنگ پھیلنے یا ختم ہونے کے۔ انہی
رنگانگ مکملوں سے وہ صہک ترکیب پائی ہے جسے ذوق شعری کہتے
ہیں۔ جمالی جملہ (شعری صنائع) ذوق شعری کے رنگ و چہرے میں جمالی
و سادگی ہوتی ہے لیکن ہند و نور ذوق شعری نہیں ہوتی۔ ذوق شعری
گویا جمالی جملہ (شعری صنائع) کے محاسب آئینے میں پوری اسلامی
بطینت کے غیر جمالی صہک ایک نصف پر نور ہو رہا ہے۔ اس نصف میں وہ
جہتیں نمایاں رہیں گے جو یہی صہا بطینت کے جوئے غلاب ہیں
گے۔ زیادہ تخفیف و جزو تخفیف کی تندر ہو جائیں گے اور ان کی حیثیت
ذوق شعری کے اجزائے تنہی میں صہک کے برابر ہوگی۔

(۱۵) ذوق شعری کی درجہ بندی کے مینواری اصول:

۱۳۔ تقسیماتی تفصیل بلاتے ہوئے ذوق شعری کا درجہ بندی کے
یہ دو اصول اخذ کیے جاسکتے ہیں:

۱۱۔ ذوق شعری کا صہک اپنی ساخت میں متعلقہ اسلامی بطینت
کے غیر جمالی ہونے کا ایک نصف اولیہ ہے جو ہر کا اعتبار اس بطینت
کے جمالی ہونے کا ایک شعاعی عمل کا حاصل ہوتا ہے۔ شعاع شعری
ہوگا صہک شعری وحدت میں ہوگی شعاع ہے جو ان روشنی و صہک
ہوگی ہی نہیں۔ چنانچہ اگر دو صاحبان ذوق کی اسلامی بطینتیں اپنے
غیر جمالی ہونوں کا صہک فی ہلکے میں ہوں تو ذوق شعری ان میں سے
اس صاحب ذوق کا جمالی ہوگا جو قوی تر جمالی جملہ (شعری صنائع) کا

کلمہ ہے۔

۱۲۔ فرض کیجئے عالی جملہ (شعری صنائع) جس قوت کا آپ کی اسلامی
بطینت میں کارفرما ہے اس قوت کی پوری اسلامی بطینت میں لگے ہوئے ہو سکتا ہے
کی اسلامی بطینت کا غیر جمالی پہلوئی بلکہ ذوق نہ ہے میری اسلامی
بطینت کے غیر جمالی پہلوئے۔ یہ صورت ہو تو آپ کا ذوق شعری واقعی نہ ہے
میرے ذوق شعری سے۔

۱۵۔ اب دیکھئے کا بلکہ صرف یہ اٹھ جاتی ہے کہ یہ جہتیں کس کی عقل
بنیاد پر ہو سکتی ہے کہ یہ حیثیت شعری کس اسلامی بطینت کے غیر جمالی پہلو کا
کیا نہ ہے؟ اس مسئلہ کا وہ جہتیں ہیں: ذوق شعری کی ساخت: یعنی وہ جہتیں
کتنی دیکھیں ہیں جو متعلقہ اسلامی بطینت کے غیر جمالی صہک کے اجزائے غلاب
ہیں اور ذوق شعری کی سطح یعنی صاحب ذوق کا صہک جہتیں؟

(۱۶) ذوق شعری کی ساخت: (۱۷) فرض کیجئے آپ کے پاس

CONTAINER OF

دو بیڈ یوسٹ میں ایک بیڈ کا ظرف

INSTRUMENTS

جو ہر بات کا بنانا ہوتا ہے جسے غلاب
کا خمر کہیں کی آواز میں بھی آپ بے شکل ہی پاتے ہیں۔ دوسرے بیڈ کا ظرف
معمول پلاسٹک وغیرہ کا بنا ہوتا ہے جس سے بہت دور کی خمر کہیں کی آواز میں
بھی آپ کو بہت صاف سنائی دیتی ہے۔ سنان آواز کی کی حیثیت سے ظاہر ہے کہ
بقابل دوسرے بیڈ کے یہ بیڈ سنان بہت زیادہ گراں قدر مانا جائے گا لیکن
یہ حیثیت بیڈ یوسٹ کے! ریڈ یوسٹ ہوتا تو ایک طرح کا صند ہوتا ہی ہے
لیکن صند و قیاس اس کا امتیازی وصف نہیں۔ اس کا امتیازی وصف وہ
کی خمر کہیں سے نغمہ آوازوں کو سامعین کے لئے قابل سماعت بنا
دیتا ہے۔ یہ امتیازی وصف جس ریڈ یوسٹ میں جس درجے کا ہوگا اس
ریڈ یوسٹ کا بہ نسبت ریڈ یوسٹ کے، وہی درجہ ہوگا۔ ریڈ یوسٹ میں
اور بھی اوصاف ہوتے ہیں لیکن وہ اوصاف ریڈ یوسٹ کے امتیازی
اوصاف نہیں ہوتے۔ ان غیر امتیازی اوصاف کی بنا پر کہ ریڈ یوسٹ کا کون
بہ نسبت ریڈ یوسٹ کے صہک کی ناقصی و مقصیت دیکھو گا۔ ہر شے اپنے امتیازی
اوصاف سے پہچانی جاتی ہے، ہر شے کا درجہ کمال اس کے امتیازی اوصاف

کے دیکھ کمال سے متعین ہوتا ہے۔

۱۶۔ جس طرح یہ ریوسٹ ایک صندوق ہوتا ہے جس میں کھانسی کی
صفت صندوق دینی ہیں، اچھا اور بے ای طرح انسان بھی ایک تجربہ سے کنی
اس کا استادی وصف جو انست نہیں کچھ اور ہے۔ انسان کی حیوانیت کیلئے ہے
الطریقہ جی جنوں کی کلیت جو انسان کی انفرادیت و نوعی بقائے حیات کے عناصر
ہوتے ہیں اور وہ سب کو نوع غالی نہیں ہوئی لیکن انسانی فطرے کے اجزاء
نیکوئی کم از کم تین جماعتیں ملی گئی مثال میں تو دوسرے حیوانات میں دو ہونے
کے برابر ہی انھی کے متواتر مسلسل آسمانی پھر انفرادی یا نوعی بقائے حیات کا
دار و مدار نہیں ہے، جمالی جمالت، تحقیقی جمالت، اخلاقی جمالت، اگر یہ پوچھا
جائے کہ کیا خاص انسانی جمالتیں آخر میں قدرت کے شرکوں و دیوتا
کی ہیں یعنی ان کا حیاتی صرف کیلئے، تو اصل تو یہ ہو گا کہ یہ کیسے ضرور ہے
کہ ہر وجود کی خلقت کے لئے کچھ ضروری ہو؟ لیکن قیاس آرہی ہے چیلوں کی جاسکتی
ہے؛ جس طرح نوع غالی کا معنی ہم پر جو جانا اس بات کا ماننا ہے کہ
انفرادی و نوعی بقائے حیات کے عملی تھا ہے انسانی فطرت کے لازمی اجزاء
ترکیبی ضروریں اور پیشہ سے ہیں اسی طرح قانون ارتقاء میں شاید یہ اشارہ
موجود ہے کہ نئے و بالائی انسانی منزل کی کشش بھی انسانی فطرت کے عملی تھا ضروری
میں ضرور شامل ہوگی اور کیا جب کہ مذکورہ خاص انسانی جمالتیں اسی ارتقائی
کشش کی نشاندہی کر رہی ہیں یا یہ قیاس آرہا تو درست ہو یا نہ ہو یہ تو ایک واضح
حقیقت ہے کہ یہ خاص انسانی جمالتیں نوع غالی کے امتیازی اوصاف
ہیں۔ چنانچہ انہی اوصاف کے کواں سے وہ کمالات حاصل ہوں گے جو
نوع انسان سے مخصوص ہیں اور ہم یہ کیسے قائم کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ
انسان کے جس شخصی نظام شعور و دانشور کی عظمت پر خاص انسانی جمالتوں کا مظاہرہ
ہو گا وہ ہماری لادنیع تر ہوگی اس بلطیت سے جس پر ظہیر عام حیوانی
جمالتوں کا ہے۔

(خاص انسانی جبلتوں میں تحقیقی جبلت کا مقام)

۱۸۔ کسی ملامتی بلطیت کی ساخت، بحیثیت عمومی کس مرتبہ کی ہے اور کتنا ہے اس سے ہوگا کہ اس بلطیت میں خاص ملامتی جانوروں کی کلیت

کس پائے کی ہے۔ لیکن جہاں تک ذوقِ شعری کا تعلق ہے سب خاص انسانی
جہتیں کی گہریت میں رکتیں۔ جمالی جہتِ ذوقِ شعری کے لئے بنیادی
حیثیتِ رکھتی ہے۔ ذوقِ شعری کو اگر ایک ذی روح حمد و سحر کا کہنا جائے تو
جمالی جہتِ حمد کی ساخت کا کوئی جز نہ ہوگا بلکہ روح کا طرح اس
ساخت کے ہر جز میں حلول کے ہوئے ہوگی۔ ذوقِ شعری کی بہت ترکیبی
تصور قائم کرنے کے لئے ہم نے باذوقِ احساساتیِ بطنیت کی ناقابلِ تفہیم صورت
کے دو حصے تصور کیے ہیں (۱) جمالی جہت (شعری طابع) اور (۲) باقی ماندہ غیر
جمالی جہتوں کا مرکب۔ اور ہمارے تجزیے کے مطابق ذوقِ شعری جمالی جہت
(شعری طابع) کے حسبِ آئینے ہیں۔ باذوقِ احساساتیِ بطنیت کے مقصورہ غیر جمالی
حصے کا ایک مخفف پر تو ہے۔ بالاصل ہم ذوقِ شعری کی درجہ بندی کے اصل دریافت
کرنے کی کوشش ہے۔ باذوقِ احساساتیِ بطنیت کے مقصورہ غیر جمالی حصے کی ساخت
کا جائزہ لے رہے ہیں اس واسطے کہ اسی ساخت کا مخفف پر تو ہے جس نے ذوقِ
شعری کی ساخت کو قرار دے دیا ہے۔ لہذا اس جائزہ کو سرکارِ جمالی جہت
سے نہیں ہے، باذوقِ احساساتیِ بطنیت کے ان اجزاء کو کیسی ہے جو جمالی
جہت کے ماحول میں اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان کلمات کے قیود کے لئے جو پوزن
انسانی سے مخصوص ہیں خاص انسانی جہتیں، عام جوانی جہتوں پر فضیلتِ انسانی
ہیں جس کے معنی ہمارے موجودہ جائزہ کے لئے یہ ہوں کہ جس ذوقِ شعری
کے غیر جمالی حصے پر خاص انسانی جہتوں یعنی تحقیقی و اخلاقی جہتوں کا مظاہرہ ہوگا
وہ ترجیح تر ہوگا۔ اس ذوقِ شعری کے غیر جمالی حصے سے جس پر تجزیہ

وہ دبیح تر ہوگا۔ اس ذوق شعری کے غیر عجمانی حصے سے جس پر تجنیت جیسی عام عربی جہلتوں کا غلبہ ہے اب دیکھنے کی بات ہے کہ شعریت کے نقطہ نظر سے تحقیق جہلت زیادہ دبیح ہے یا اخلاقی جہلت؟

۱۹۔ شعور نام نہاد اور دشواری سے واقف ہونے کا ہمارا دشواری کا طلب ہے
جائے طلب واقفیت کا روح جب غالب شوخ و طعنے ہو جاتی ہے تو وہ
روحانی رونما ہوتا ہے جسے تحقیق جلیت

DRIVE

کتاب ہے یہاں شعور کے محدود معنی مراد ہیں

یہی خصوصیتوں کے اور ایک کی صلاحیت جو نوع انسانی میں بمقام دیگر انواع حیوانی کے متغیر زیادہ ہے کہ ایسے نوع انسانی کا ایک امتیازی وصف قرار

دینے میں ہم حقیقی حجاب ہوں گے۔ چنانچہ شوری کی اہمیت سے جتنا قوی ہوگا،
 تحقیقی جہالت کا سہ اتنی ہی اور جہالت کا نہیں ہے۔ اپنی اہمیت کے اعتبار
 سے تحقیقی جہالت شوری ہی کی ہے ایک تقریباً فائدہ منہج ہے۔ اور شوری کی
 ایک کوشش آفرینی ہے۔ دھیرے دھیرے ہم شاعری کہتے ہیں۔ شاعر کا تخلیق کردہ اس کا
 جو تخلیقی شعور کا باعث ہوتا ہے۔ شاعر کے نظام شعور و لا شعور کے اسلامی باطن
 یعنی شعور (احساس) کی ایک حالت ہے۔ اس احساس کی پیدائش اگر وہ جتنی بھی
 شعور میں کی گویا تعمیم ہوتا ہے، شاعر کی ایک شوری حالت ہی ہے اور شعور کا شعور
 ہونا جس چیز پر موقوف ہے وہ باہمیت قاری کے ذوق شعری کے لئے شعور کا
 کیف انگیز ہونا ہے اور یہ کیف اندرونی قاری کے نظام شعور و لا شعور کے
 احساساتی بلکہ یعنی قاری کے شعور احساس کی ایک حالت ہے۔ غرض
 شاعری از اول تا آخر شعور کا اور فضا شعور کا ایک کھیل ہے۔ بلند اشعار پر اس کے
 نقطہ نظر سے خاص اسلامی جہالتوں کی جس کلیت میں تحقیقی جہالت جتنی زیادہ قوی
 ہوگی اس کلیت کی ساخت اتنی ہی زیادہ وسیع ہوگی یعنی اگر شاعر عارف کی حالت
 بحقیقت میں تحقیقی جہالت، بمقابلہ سلیم کی بحلیت کے، اور سلیم کی بحلیت میں
 اخلاقی جہالت، بمقابلہ عارف کی بحلیت کے زیادہ زور دار ہو تو شعور
 کی نظریں مسافت کے اعتبار سے عارف کی احساساتی بحلیت، سلیم کی بحلیت
 کے مقابلے میں زیادہ وسیع قرار پائے گی۔ بشرطیکہ اور ہر اعتبار سے یہ دونوں
 بحلیتیں ہم درجہ ہوں۔

۲۰۔ مثال بالا کے عارف اور سلیم دونوں کی نظریں اگر یہ دونوں ملی
 دلی حالات حاضر سے پوری طرح باخبر اور حسی درجے کی ذہانت کے مالک
 ہوں، ہمارے زمانے کی انتہائی اہم حقیقت، غالباً وہ سائنسی شکافتات
 دل لگے جنہوں نے ہمارے بنیادی تصورات حقیقت کو پٹ کر کے
 رکھ دیا ہے۔ ان میں سے بعض اکتشافات اپنے اندر انور انسان کی لئے
 بلکہ کئی کئی اور ظاہر کے بھی بے پناہ امکانات رکھتے ہیں۔ ان امکانات
 سلیم کی قوی تر اخلاقی جہالت کو جتنا گہرا لگاؤ ہوگا، اتنا گہرا لگاؤ عارف کی
 بے کردار اخلاقی جہالت کو خراب ہے کہ نہ ہوگا۔ اس لگاؤ کا پیدا کردہ کئی
 نامر کا تخلیق کردہ اس میں جا بجا اشارہ کرنا ہم سے گناہ اعقاب ہے کہ

سلیم کے ذوق شعری کے لئے زیادہ وسیع ہیں گے، برابر کی شوری نہ رکھنے والے
 وہ شخص ہے جس کا تہمیں کی اور نوعیت کا لگاؤ کا کارفرما ہے۔
 ۲۱۔ یہ طلاق سلیم کے گمان غالب ہے کہ عارف کی قوی تر تحقیقی
 جہالت اور حصار کے اہم ترین سائنسی استنتاجات نے کچھ اس طرح کی نگرانی
 الجھنوں میں مبتلا کر دیا ہوگا۔

۱۱۔ میرے لئے اہم ترین حقیقت میری اپنی ہی ہے اور میری اپنی ہے کیا
 وقت کے دریا کی گویا ایک موج، چنانچہ اگر وقت کوئی مستقل حقیقت نہ ہو تو یہ
 اپنی ایک دم کے سوا کچھ نہ جانے گی، اور ہم حصار کی طبیعتات نے یہ ثابت
 کر دیا ہے کہ وقت کوئی مستقل حقیقت نہیں ہے۔ وہ وقت جس میں پہل میں
 اپنی اپنی کا بزم خود ناقابل تردید ثبوت دے جا رہا ہوں، بعض علاقہ پہلے
 کائنات کے سب سے قریب، وقت پیمایا۔ آہوں کے حساب سے اربوں سال
 بعد معرض وجود میں آئے گا اور بعض دوسرے علاقہ پہلے کائنات کے ایسے
 ہی بے قریب وقت پیمائوں کے حساب سے اربوں سال پہلے پہلے گزر چکا ہے۔
 یعنی یہ کائنات کہ اگر میں نہیں تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، ایسی کائنات
 میں ایسے علاقے بھی موجود ہیں جن کے لئے وہ وقت موجود ہی نہیں ہے میری
 غرض کا ایک جڑ ہے، دراصل عارف کی تحقیقی جہالت وقت کے حوالے سے
 ایک سنگین الجھن میں پہلے ہی سے مبتلا ہوئی۔ وقت آنے کا کیا ہوا؟ پس ماضی،
 مستقبل (حال فقط ایک نقطہ انھما ہے، ماضی و مستقبل کا جبکہ نقطے کا
 موجود ہونا ایک مسلمہ ہے)۔ ماضی کیا ہے؟ وہ وقت چاہا نہیں ہے۔ اور
 مستقبل؟ وہ وقت جو ابھی نہیں ہے۔ ماضی، ماضی، ماضی، ماضی، ماضی، ماضی
 کہ ماضی ہوگا۔ وقت کی حقیقت یہ ہے کہ تو میری اہم ترین حقیقت، میری
 اپنی میری فکر کہ وقت ہی کی روائی کا ایک کوشش ہے، کیا حقیقت رکھتی ہے
 میرے ہی قوائے فہم میں جو مجھے نہی محض ثابت کر رہے ہیں، پھر وہ کوئی
 قوت ہے جو مجھے میری اپنی کا مسخر نہیں ہونے دیتی اور مجھے اس شورش میں
 مبتلا رکھتی ہے کہ مجھے بالآخر مدوم ہونا ہے؟

(۲۲) جدید طبیعیاتی تحقیق کی روش مادی کائنات میں تو انسانی کے سوا
 کچھ موجود نہیں ہے جبکہ کوئی انسانی نام ہے صلاحیت حرکت آفرینی کا۔ یہ صلاحیت

ایسا جو اپنے حامل ذی صلاحیت کے بغیر کیوں کر قائم رکھے ہوئے ہے؟
 ۱۱۔ مادی کائنات کی حالت انہی اشیائوں سے بنی ہوئی ہے۔ کسی
 مادی جسم کی مجال نہیں کہ طبعی قوانین کو جسے سرموا خلاف کر سکے۔
 اور ان قوانین میں جو کہلے ہوئے نہیں نکالے جاسکتے؟ ہر اشیاء ایک خاص گاہ
 ہے جس میں چند برقی پائے، بعض دوسرے برقی پاروں کے گرد گھومتی
 کئے جا رہے ہیں اور یہ اشیاء کی قانون کا پابند نہیں ہے۔ طبعی قوانین کا تابع
 ہوں نہ ہوں انوشان ہے ارادی حرکت کی! تو کیا یہ ناقص برقی پائے سے
 کسی قوت ارادی کی نشاندہی کر رہے ہیں؟

(۴) جینیات GENETICS کی تحقیقات
 کاروسے ذی حیات موجودات کا ہر جزو تخم ہر جین
 گویا ایک غم مخصوص ہوتا ہے کسی عضو یا جزو عضو یا متعلقہ عضو کے
 کسی وصف کے وجود میں لانے کا کسی عضو یا جزو کے بغیر کسی عضو یا
 ہونا چہ تو وارد؟

(۵) عضویات PHYSIOLOGY کی تحقیقات
 کی رو سے رنگ روپ، نئی نئی سرودی گہری، تلخی، شیرینی، شور و غم،
 خوشبو بدبو وغیرہ یعنی تمام کوئی وصفاتی جن سے ہماری خارجی کائنات
 عبارت ہے، ہمارے ذہن کی تخلیقات ہیں اور ہمارے ذہن سے باہر
 موجود نہیں ہیں۔ پھر کس بنا پر ہم بتی ہمارے سائنسی قوائے ادراک یہ
 ملنے کے لئے روادار نہیں کہ عالم تمام حلقہ و دام خیال ہے؟

(۶) انبیات کی تحقیقات کی رو سے اپنی حرکات و سکنات اور
 انہی نفسی کیفیات کا نقطہ ایک مجموعہ ہیں یعنی اپنے اوصاف کے سوا
 کچھ نہیں ہیں۔ کوئی وصف یا صفت اپنے موصوف کے بغیر کیوں کر
 موجود ہو سکتی ہے؟

اس نوع کی کچھ الجھنوں کا پیدا کردہ کسی شاعر کا تخلیق انگیز
 احساس میں جاندار اشعار کو جنم دے گا وہ گمان غالب ہے کہ مخالف
 کے ذوق شعری کے لئے زیادہ وسیع ہوں گے، برابر کی شعوریت رکھنے
 والے ان اشعار سے جن کی محرک تخلیق ہے یعنی کے موجدات کی اور

نوعیت کے ہیں۔

(۷) ذوق شعری کی سطح: صاحب ذوق کی ذہانت:

۱۲۔ شعور نام ہے محاورہ خود کے ادراک کا مجموعہ قوائے ادراک

ہر ذی شعور نوع میں ہوتے ہیں، گو نوعیت ادراک کر دیکھ کے اعتبار سے عورت

قوائے ادراک سب انواع میں یکساں نہیں ہوتے، البتہ ہمارے معنی

قوائے ادراک یعنی وہ قوائے شعور کی براہ راست گرفت میں آنے والے

(صورتی) مولو شعور کے مضمرات کا ادراک کرتے ہیں معنوی ذی شعور انواع

کے مقابلے میں اتنے زیادہ تیز اور درجہ میں کہ انھیں ہم اپنا ایک امتیازی

وصف قرار دیتے ہیں حتیٰ حجاب ہوں گے معنوی قوائے ادراک کی کلیت

کو ہم ذہانت کہیں گے۔ ایک ہی قسم کے حالات میں ایک ہی نوعیت کے

صورتی موارد شعور سے ایک ہی درجے کی کاوش ہے ایک ہی ایضاً طبع

کے مختلف افراد انسانی مختلف گہرائیوں کی صداقتوں کا سراغ لگاسکتے ہیں

اور لگاتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر مختلف افراد میں ذہانت (معنی کی کھلا

مختلف درجوں کی ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے اب چوں کہ شعور نام ہے واقف

ہونے کا اور مندرجہ ادراک گویا نوع انسانی سے مخصوص ہے، اس لئے

اگر مثلاً ذکی اور صنی کے ذوق شعری ہم ساختہ ہیں (یعنی اگر ان کو اسسانی

بطولتوں میں مختلف جہتوں کی قوتیں بھی ایک سی ہیں اور ان قوتوں کا باہمی

تناسب بھی) اور دونوں کے ذوق شعری ایک ہی سی قوت کی جملہ جہات

(شعری شاع کے پروردہ ہیں، لیکن ذکی زیادہ ذہین ہے صفی سے تو بہت

صفی کے ذکی بلند تر سطح کے ذوق شعری کا واقع تر ذوق شعری کا مالک ہے

۱۳۔ فرض کیجئے جلد محمد اور احمد کی احساساتی جہاتیں راست

کے اعتبار سے یکساں ہیں اور ایک ہی سی قوت کی اخلاقی جہات ان

جہاتوں کا جزو اعظم ہے نیز یہ کہ ان تینوں کے ذوق شعری ایک ہی

قوت کی جمالی جہات (شعری شاع کے پروردہ ہیں۔ جلد سے اپنے

ہم جنسوں کی معاشی زبوں حالی انہیں دیکھی جاتی، غمناک ہیں کی حالت

پروردہ، دل سے، درمے، ہمہ وقت کمر بستہ رہتا ہے۔ اس کا یہ رویہ اگر

منفلاً جاری ہے تو بالآخر نتیجہ کیا ہوگا؟ غمناک ہیں کی حالت جوں

کی توں رہے گی اس جہان کے ذرے میں حاملہ غریبی مثال ہو جائے گی
بہت سے جنہوں کے افلاں پر ترس کھانا ان کا شریک غم ہوتا تھا۔ قدح سے
بے نیلا ہو کر ان کے لئے اپنا سب کچھ نکالنا دینا، انفرادی غریب پروری
کے یہ دھانات حاملہ کے نزدیک انتہائی قابل قدر ہوں گے۔ چنانچہ
ان رجحانوں کی پیدا کردہ کسی شاعر کی تخلیقی بے جانی میں جاندار
شعروں کی محرک ہوئی، گمان غالب ہے کہ وہ اشعار حاملہ کے ذوق
شعری کے لئے وضع تھے نہ ہوں گے، برابر کی شعوریت رکھنے والے ان
اشعار سے جن کی محرک تخلیق بے جانی کسی اور قبیل کے دھانات کی پیدا
کردہ ہے۔

۲۴۔ محمود کو بھی اپنے ہم جنموں کی معاشی بد حالیوں کا غم ایسی
طرح کھانے جاتا ہے جیسے حاملہ کو۔ لیکن ڈوہڑوں کو پہلنے کے لئے وہ
حمود اس بخجوریں حاملہ کی طرح کو نہیں پڑتا جس سے دوسروں کو باہر
نکلانا، انفرادی گیرائی کے اس کی بات نہیں۔ محمود یہ پتہ لگانے کی کوشش
کرتا ہے کہ ان بد حالیوں کا سبب کیل ہے اور اس سبب کو رفع کیلئے کیا
جاسکتا ہے۔ اس کے نتیجے تک پہنچتا ہے، "اباب معاش" صرف انسانی
محنت سے پیدا ہوتے ہیں، اس لئے اصولاً مشترکہ محنت کی پیداوار میں
صرف محنت کشوں کا حق ہے اور ہر محنت کش کا حق اس کی محنت
کے قدر ہے، جب تک محنت کش طبقے خود وسائل پیداوار کے مشترک
مالک نہ بن جائیں گے نہ مشترک پیداوار کی منصفانہ تقسیم کا حصول ممکن
ہو پائے گا۔ نہ وسائل پیداوار کے پورے امکانات کو بروئے کار لا کر
پیداوار میں ممکنہ اضافہ کیا جاسکے گا، انفرادی غریب پروری نہیں
نفاذ، اشتراکیت عالم گیر معاشی زبوں حالیوں کا علاج ہے، یوں تو
نظام سرمایہ داری کے ذاتی تضادات کے برابر معاشی ارتقائے خود منزل
اشتراکیت کی جانب رواں دواں ہیں لیکن پیشینہ ارتقاء کی رفتار کو محنت
کش طبقوں کی جدوجہد تیز کر سکتی ہے۔ اس نصب العین سے محمود
کوئی الجملہ شایلاں ہی نگاہ دہو گا جیسا مثلاً شہر سے اُڑ روئے
روایت فرما دے گا تھا۔ وہ مسائل تو اس جہد کردہ کوئی سے متعلق ہوں گے

حمود کے لئے ہم ترین مسائل ہوں گے۔ چنانچہ ان مسائل کی پیدا کردہ کسی
شاعری کی تخلیق بے جانی سے جو جاندار اشعار نظم لیں گے وہ مطلب ہے کہ
حمود کے ذوق شعری کے لئے دیکھ کر ہوں گے، برابر کی شعوریت رکھنے والے
ان اشعار سے جن کی محرک تخلیق بے جانی کے موجد کسی اور قبیل کے
مسائل ہیں۔

۲۵۔ احمد کو بھی اپنے ہم جنموں سے ویسے ہی ہمدردی سے جیسی
حاملہ کو ہے۔ اشتراکیت معاشی بیاریوں کے لئے آپ حیات کا حکم رکھتی
ہے۔ احمد کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن اس کی نظر اس پر بھی ہے کہ اس
آپ حیات تک پہنچنے کے لئے، محنت ظلمات کو پار کرنا ضروری ہے۔ وہ طبقے
جو وسائل پیداوار کی اکثریت کے اجارہ دار ہیں، ہوس زر کے بندے
ہونے کے ساتھ ساتھ، بلا کے زیرک بھی ہیں، ان کی زیر کاری نے وسائل
پیداوار ہی کی نہیں، طبعیات کی عظیم ترین دریافت۔

اُتوانائی، مقدار مادہ، رفتار نور، رفتار نور |
کے ہلاکت آفریں امکانات کی اکثریت پر بھی اجارہ داری قائم کر چکی ہے۔
بے شک ان امکانات کا ایک معتد بہ جہان معاشرہ کے پاس بھی ہے
جو سرمایہ داری و اشتراکیت کی متوقع عالم گیر جنگ میں شاید اشتراکیت کے
طرفدار ہوں لیکن اس صورت سے متوقع جنگ کی یوں کی گئی نہیں برحق ہے
چنانچہ احمد کی نظر میں ہمد حاضر کے لئے نفاذ اشتراکیت سے زیادہ اہم وہ
توہمات و خدشات ہیں جو طبعیات کے فادو لائے مذکور سے پیدا کئے
ہیں۔ عالمگیر لاطبقائیت کی منزل پر پہنچ کر پوری نوع انسانی کو جو معاشی
خوش حالی نصیب ہو سکتی ہے تقریباً ایسی ہی معاشی خوش حالی اس منزل
تک پہنچنے بغیر اس نوع کے ادنیٰ ترین طبقے کو مذکورہ فادو لے کے حاصل کرنا
کو بروئے کار لا کر، بہم پہنچائی جاسکتی ہے، یہی نہیں اس فادو لے کی برکت
سے یہ بھی ممکن ہے کہ نوع انسانی نہ صرف معاشی زبوں حالیوں سے بلکہ ہر
طرح کے دکھ درد سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جائے، یعنی نیست و نابود ہو جائے۔

ملہ یہ جنموں روں کے ذوال اشتراکیت سے بہت پہلے کھایا تھا۔

۳۶۔ وہ مسائل جو خلاوت سے خارج نہ ہو سکیں وہ گہرے انداز میں نظر آتے ہیں۔
 نئی نوعیت سے متعلق ہیں، غالباً ہے کہ ان کی نظر میں، وقیع کے علم میں
 مسائل ہوں گے جن پر ان مسائل کی پیدا کردہ کسی شاعر کی تخلیق کی گئی ہو
 جن کا اندازہ ان کا ذکر ہم دے گی، اغلب ہے کہ ان کے ذوق شعری کے
 لئے وہ اشعار زیادہ واضح ہوں گے، یا ان کی شعوریت رکھنے والے ان اشعار
 سے ان کی فکر تخلیق کی گئی ہو، ان کے موجد کی اور ان کے مسائل ہیں۔
 ۳۷۔ ایک ہی قوت کی اخلاقی جبلت کا اندازہ ان کے شعری انداز سے
 ہر دور کی ان کے لئے ان امور کو جو ان کے انداز اشاعت کی حدود سے متعلق
 ہیں اور ان کے لئے ان نوعیت اور اندازوں کو جو مادہ و توانائی کی طبیعیاتی
 مبادیات کے پیدا کردہ ہیں، اہم ترین حقیقت بنا رہی ہے۔ اس لئے انہیں
 کی مبادیات ان نوعیتوں سے ان نوعیت میں ایک ہی ہے اور ایک ہی سی
 قوت کی مبادیات (شعری شاعری) سے ان نوعیتوں کے ذوق شعری بھی
 پروان چڑھے ہیں۔ پھر وہ کیا شے ہے جس کی بدولت ان صاحبان
 ذوق ہیں، ایک ہی قوت کی اخلاقی جبلت نے مختلف نوعیتوں کی مبادیات
 (شعری اور شعور) ہے، ایک ہی دماغ کا گہرا پیدا کردہ ہے وہ شے
 ذہانت کا فرق ہے۔ ان نوعیتوں صاحبان کی اخلاقی جبلت کا اسلوب
 ایک ہی ہے، نوع انسانی کی خوش حالی، اس مطلوب کے حصول کے لئے
 مبادیاتوں کی اول اندازہ کوئی افلاک نہیں رکھتی، مبادیہ نہیں بھاتا
 غائی اندازہ کو مبادیات سے آواز نہ کرے کہ مبادیاتیں ہیں زیادہ اہم ہیں،
 یہ بات محدود کی سمجھ میں نہیں آتی، لہذا مقبولیت کے نزدیک، مبادیہ کو سمجھ
 اور مقابلہ مبادیہ کو محدود، بلکہ ترسیل کی اس مبادیہ لطیفیت ہی وقیع تر ذوق
 شعری کا مالک ہے۔

(۸) ذوق شعری کے مراتب کا بس ایک اندازہ لگایا جاسکتا ہے :

۳۸۔ کن کن پہلوؤں سے اور کس کس طرح ذوق شعری کے مراتب

متعلق مانے قائم کی جاسکتی ہے، اس کی بابت میں نے طویلہ بالا میں اپنی
 تجویز پیش کر دی ہے۔ یہ تجویز مل کر کوئی منطقی ناز و نایب نہیں
 کی مدد سے کسی ذوق شعری کے مرتبہ کا چنا لانا نہیں کیا جاسکے ان تجویزوں کی

۳۹۔ وہ مسائل جو خلاوت سے خارج نہ ہو سکیں وہ گہرے انداز میں نظر آتے ہیں۔
 نئی نوعیت سے متعلق ہیں، غالباً ہے کہ ان کی نظر میں، وقیع کے علم میں
 مسائل ہوں گے جن پر ان مسائل کی پیدا کردہ کسی شاعر کی تخلیق کی گئی ہو
 جن کا اندازہ ان کا ذکر ہم دے گی، اغلب ہے کہ ان کے ذوق شعری کے
 لئے وہ اشعار زیادہ واضح ہوں گے، یا ان کی شعوریت رکھنے والے ان اشعار
 سے ان کی فکر تخلیق کی گئی ہو، ان کے موجد کی اور ان کے مسائل ہیں۔

۳۹۔ ہر دور کا علم کے دیلے سے قلوب سے تخلیق ان مسائل میں باہلیت تائین
 کی کیفیات حرکت حاصل کرے، شاعری کا نام ہے، شاعر کی کیفیات اس
 میں سے کیفیات حرکت حاصل ہوگی غالباً ہے کہ وہ کیفیات اس
 کس نوعیت اور کس مرتبہ کا ہے، چنانچہ کوئی شاعر کی جاندار اور کس نوعیت ہے، اس کا اندازہ
 باہلیت تائین کے ذوق شعری کی کیفیات میں ان کے فطری ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں
 اور اگر ہوتے ہیں، یہ مختلف اختلافات سے شعری ذوق شعری کی بنیاد مبادیات جبلت ہوتی
 ہوتی ہے اور بدلتی جبلت خود ان کے اندازہ بنانے کے لئے ایک صلاحیت کا نام ہے۔ ہم
 اس کا قافیہ سے یہ اندازہ نہیں لے سکتے کہ نوع کی شاعری کے بارے میں ہر قبول کے قافیہ
 کی رائے کیا دن رکھے گی، سختی کے لئے کوئی منطقی غار و انہیں مشق کیا
 جاسکتا ہے کہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ذوق شعری کے فرق مراتب کا اندازہ کچھ نہ کچھ
 لگایا جاسکتا ہے، کسی شاعر کی نسبت رائے لے کر دے دلا صرف اس شاعر
 کے بارے میں رائے کا اعلان نہیں کرتا، اپنے ذوق شعری کی نوعیت اور مرتبہ
 کا انکشاف بھی کر رہا ہے، مقبولیت کی نظر میں کسی شاعر کا صحیح مرتبہ متعین اس
 سے ہوگا کہ وہ زیادہ سے زیادہ کتنے وقیع ذوق شعری کے لئے لکھ سکتا ہے، کیفیات
 ہے یعنی تائین کا وہ طبقہ جو اعلیٰ ترین ذوق شعری کا مالک ہے، اس شاعر
 کا جو مرتبہ متعین کرے گا، مقبولیت کی نظر میں اس شاعر کی صلاحیت مرتبہ
 ہوگا: عام قافیہ کی انفرادی رائے، اگر کچھ اور ہوں گی تو ان میں سے ختم
 کو ایک دیکھ دن سر تسلیم کرنا پڑے گا، آج تک یہی ہوتا رہا ہے، کوئی
 دہ نہیں کہ آئندہ بھی یہی ہوتا رہا ہے۔

کیا میری پوچھیں وہ سیاہی میں، میرے درد و غم (یہے ہی ہیں) جیسے کہ اس بدنامی میں

صلاح الدین محمود

رات کو بننے دن دیکھا

اور دن کو بننے رات

سودج دکھا ہمارا ہر

اور چاند کو کرتے مات

پھول بھی سو گئے نرم نرم

اور گرم گرم رخسار

ہونٹ بھی چمکے پانی جیسے

سودج دو دو بار

ہوا بھی دیکھی رات کو چلتی

پانی کی رفتار

دھوپ بھی دیکھی، دن بھر چلتی

دلیاؤں کے ہار

بدن بھی دیکھا، پتا میرا

آئینے کے اندر

ہونٹ بھی اپنے چمک کر دیکھے

اجلا ایک سمندر

اگ بھی دیکھی آئینوں کی

گہرائی میں جلتی

باہر ایک سیاہی جیسے

پتہ پتہ چلتی

ظاہر دیکھے دنگ ہوا میں

اپنی آنکھیں کھولے

ہوا کے اندر پتائی کے

لہنے ہوتے شعلے

عمر بھی دیکھے اندھا رس میں

تاروں کے رکھوالے

پتوں کے اندر اک بالک

اپنا آپ پھیلے

بالک کو روتا بھی دیکھا

بارش کی بوندوں میں

روئے کو پھر منسا پایا

جلی کی کوندوں میں

ناری ایک ہمیشہ دیکھی

کلے اک جنگل میں

ظاہر ساکت اڑتے دیکھے

بالک کے آنچل میں

ٹھنڈی چھاؤں کسی نہ پائی

اپنے ہی سلسلے میں

اگ سے جل کر اگ کو پایا

پانی سے جاتے میں

صلاح الدین محمود

نور کی فسفی پر موت کا سوال

دن اور رات کے باہر نکلو	ہر بل میں دو چہرے	بید اسری
دیکھو انگ بیٹا ہے	طاثر بھی یاں ساکت اٹھتے	کھوٹا پانی بدن سے میرے
دھلا ہوا دہری رنگت سے	دو سمتوں میں میرے	کھوٹا میرا طاثر
آسمان اک دل ہے	چہرے بارش کی رنگت میں	کھوٹی رات ہول کے اندر
ایک بے سورج آئینے میں	آئینہ دریا ہے	غیب کا کھوٹا فابری
ایک سیاہ زندہ ہے	دن اور رات کے باہر نکلو	کالا سورج اُدھنے ہوئے
چاند بھی چھب بچہ کو نکلتا ہے	دیکھو ہر شے زندہ	دریاؤں میں اب بہتا
ایک زباں کی جلت ہے	ٹوٹا ہوا چہرہ بنتا	چاند کناروں کی مٹی میں
نر آئینے میں جلتا ہے	پرانی کا بندہ	ذرا ذرا رہتا
باہر تار ہوا ہے	دن اور رات کے باہر آکر	ہو بہا اب ساگر میں
دن اور رات سے باہر نکلو	میں اور میری باد	جیسے ہو آبِ ساجی
نہ پاں نور نہ کانک	ہر پتے کو چھو کر نکلتیں	سباہ ہواؤں کی شعلی سے
نور کی چاک اندھی پڑیا	ہم بھی جن کرباد	کبھی نہ بارش چھائی
رات کی چاک باک	تاراک نکلتا ہے	اک سے پانی مجھے پلاؤں
دو دروازے ہیں ہر جل میں	آسمان اب دل ہے	سیر کھوئے ہاتھ
		دور سے گزریں اوجھے اوجھے
		اسپ سیاہ ہر رات

وزیر آغا

اے مری آنکھ کے ستارے بول
 دُور نہیں مجھ سے، غم کے مارے بول
 سیل غم تو نے سہ لیا چپ چاپ
 اب تو ٹوٹے ہوئے کنارے بول
 آنکھ چمکی، سکی نے لب کھولے
 تو بھی اے صبح کے شرارے بول
 چھیڑ ملہا نرم بوندوں کی
 اپنی بولی میں ابر پارے بول
 دھند کے چاک سے مجھے پہچان
 آنسوؤں میں نہ کر اشارے بول
 تیسرے تلوار ایسا ستارہ
 اور سب سے ہوئے ہمارے بول
 پھول، شبنم، ستارہ، جگنو سب
 مجھ سے کہتے ہیں: تو بھی پیارے بول

وزیر آغا

کتنی بار پکارا میں
 اک بھٹا انگارا میں
 تن مورت اک مٹی کی
 اور پانی سادھا را میں
 آگ لگی تو رکھ ہوئے
 بن 'بنی' بنجارا میں
 کردہم اور اق مرے
 ہو گیا پارہ پارہ میں
 ایک ہی پھول کی خوشبو کو
 کب تک کر دوں گوارا میں
 کیس انوکھی جنگ ہوئی
 جیتا میں اور ہارا میں
 اس کی باتیں پتھر سی
 اور شیشہ بے چارہ میں
 پہلے بے گیس پلین مری
 بیگ گیا پھر سا را میں
 آگ بھرا اک دزیا تو
 ٹھنڈا شمار کنا را میں

غزل

وزیر آغا

اتنے چپ چاپ کبھی رات کے تارے بھی نہ تھے
اور یوں ہر باب زخیم ہمارے بھی نہ تھے
کیسی جھلکتی ہیں کیا اپنوں نے اقرار شکست
ہم ابھی پوری طرح جنگ تو ہمارے بھی نہ تھے
کالج کی نادستی منہ جاہ میں دم توڑ گئی
پاس پتوار بھی تھے دور کنارے بھی نہ تھے
رات تھی، ریت تھی بے نور سفر تھا اور ہم
سمت ناپید تھی گردوں سے اشارے بھی نہ تھے
کیوں زمانے نے ہدف ہم کو بنایا تھا کہ ہم
خاک زادے بھی نہ تھے طبع دلارے بھی نہ تھے
آگے مگر چیاں پھولوں کی لئے آج وہ پھر
ہم نے احسان ابھی ان کے اتارے بھی نہ تھے

شان الہی صحتی

شعلہ سا جیسے ساغرے سے نکلا اٹھا
بھڑکی وہ دل کی بیاس کہ ہوا چمک اٹھا
نظریں پڑیں تو رخ پر پسینہ دھک اٹھا
نگہ نگ سے افق پہ ستارا چمک اٹھا
یوں دل میں جھللائی فضا اس دیار کی
نظر دیکھ جیسے تیرا ہی آپنل جھلک اٹھا
کیا خون ناب کی سی روانی ہے ساز میں
اک رند غمخوار تھا کہہ کر چمک اٹھا
اپنے ہی ذوق نغمہ کا پھونکا ہوا ہے دل
بھد کر کسی کی یاد کا شعلہ بھڑک اٹھا
سافر ہوں مگر کلام تری دکھتی ہیں ہو
اتنی ہی بس غلش ہے کہیں دل میں ملکا اٹھا
اس طرح آئی بیہوش کے صبح پر غروش
مدد نگاہ تک خط ساحل چمک اٹھا
تنگے ابھی جڑے بھی نہ تھے آتش نے کے
لہرائی سر پہ برق تو بادل کو ٹپک اٹھا
آزار عشق میں بھی ہے اک لطف کی کوسہ
آوارہ دل رخصت زمانے سے رک اٹھا
نظروں کو میری اس گل بوئی کی بے تلاش
ہر صبح جس کی یاد میں غلش چمک اٹھا
صحتی مجھے بود کھانوہ شاعر محض مکن
ہاتھ خورش خاک پہ پتھر کر رک اٹھا

اگر چہ ہے تمہیں اپنے ہر اک بیاس سے گریز
کہو مجھے قول سے نظروں کے کس زباں سے گریز
وہیں چھپے نہ ہوں لے دل حقیقتوں کے نشان
مری نظر نے کیا ہے جہاں جہاں سے گریز
یہ قدر شوق تھی تمہید مدعا لیکن
کوئی مقام نہ سوچا کہ ہو کہاں سے گریز
شروع راہ و فاصلے ابھی تو دیکھے سکا
کوئی یہاں سے کہے گا کوئی وہاں سے گریز
بڑی حسین ہے یہ کیفیت قبول و فنا
کہ دل سے سیکڑوں اقرار اور زباں سے گریز
کے فناء ہستی کی ابتدا معلوم
جزایں قدر کہ ہوا دل کی داستان سے گریز
ہے یہ بھی تاب تھا فضا کا امتحاں شاید
وگر نہ کیوں ہو انہیں دل کا امتحاں سے گریز
فناء کیسا کہ جب گردش شوق ہی نہ رہا
کیا فناء نے لطف فناء خواں سے گریز
فشار و تنگی آغوش زمست کھیلوں ہے کہ
کہ جیسے تیر کو کرنا پڑے کہاں سے گریز
کھی تھیں دل کے تقدیر میں الجھیں وہ نہ
مری وفائے تو چاہا اٹھا ہر گماں سے گریز

رات کے ڈیرے پر اک آخری شب خوں مارو

عادل منصوری

وقت کی چاپ سالی نہیں دیتی لیکن
زرد آنکھوں میں کسی خواب کا امکان بھی نہیں
اتھ مفلوج مفر آئینہ حیراں بھی نہیں
ان سے برسوں کی شناسائی کا انجام ضرر
یاد کی چلنیں خاموش ہیں کب سے بولیں
آہنکے میں بھجے چراغوں کا دھواں ہے دیکھو
منتظر کس کی ہے عصور پرانی دتی
مجدد بلے سے اٹھتی ہیں کراہیں کیسی
تپتے صواریں پگھل جاتی ہیں راہیں کیسی
رات کے ڈیرے پر اک آخری شب خوں مارو
تیرگی ٹوٹے افق پر کوئی مسورج ابھرے
پھر کون پہونے اگسی ہونٹ کی مرنی کھجے

عادل محمودی

موت نگاہ پر کھڑی ہے دیکھو
راہ میں بھیڑ لگی ہے دیکھو
بند دروازوں پر آواز نہ دو
بقی خاموش پڑی ہے دیکھو
دست چھپیں ہے ہولناک زیدہ
یا یہ بے بنیاد کی غمی ہے دیکھو
گہری خاموش اندھیری شب میں
اک لکڑی کا ڈھونڈ رہی ہے دیکھو
چار جانب ہے پہاڑی دشمن
یہاں اک شرف ندی ہے دیکھو
خواب خاموش خرابہ خستہ
شعب بھی ساتھ بھی ہے دیکھو
شہر کے مڑے ہوئے بلے میں
بقی کیا دھونڈ رہی ہے دیکھو
سانس لینا تو کوئی جسم نہیں
جاں پہ پھر کیسی بنی ہے دیکھو
شہر تو راکھ ہو چکا کب کا
ایک دیوار بچی ہے دیکھو
خالی خاموش اندھیرا گھر میں
لاش آنگن میں پڑی ہے دیکھو
وہ روشن ہوئی صبح کلاب
رات دم توڑ رہی ہے دیکھو

دو جہول میں

(خود کلائی)

گھوڑا کیا ہے کیے کتے
سو گھٹنا کیا ہے کیے کتے
چاند کا ڈھ سونگھی بستی
جاگتا کیا ہے کیے کتے
شب کی خاموشی میں کیے کتے
بھونکتا کیا ہے کیے کتے
یہ تو تیری ہی اپنی ہڈی ہے
چاٹتا کیا ہے کیے کتے
غیر کا عکس آئینے میں کہا
نوچتا کیا ہے کیے کتے
تیرے سائے کا چھپاؤں پڑا
کاتتا کیا ہے کیے کتے
تیری منزل ہنوز کوسوں دو
اپنتا کیا ہے کیے کتے
سامنا کر تمام دنیا کا
بھاگتا کیا ہے کیے کتے
سوچنے کا کوئی طالع نہیں
سوچتا کیا ہے کیے کتے
دیکھ ساری خدائی جاگ اٹھی
اوٹھتا کیا ہے کیے کتے

کرشن بلدیو وید

وہ لپٹے چلتے ہیں غلوں سے لاپتہ ہے۔ اہ اس کے فریالیں جو ہمارا ہوا
تی ایک اور لاپتہ ہونے ایک امر ہو چلا ہے۔ یہ وہ تھا تو اس کے خلاف
"انکھتیں ہوا کرتی تھیں اپنی اہل بے ترقی اور دوسری کئی بیماریوں کا
تصور اس کے سرخوین رہتا تھا۔ لیکن ان چالیس دنوں میں کوئی اپنی حالت
خیال آتے ہی محسوس ہوتا ہے کہ اگر وہ نہیں لٹا تو اس کی گھل گھل کوہ چلنے کا
دن تو جیسے تیسے گھسیٹ لے جاتا ہیں۔ لیکن رات اترتے ہی محسوس ہوتا
ہے کہ گلیاں کبھی حرکت میں جلا چکا ہو۔ ایسے ایسے غوغا کا خواب دکھائی
پتھر میں کھسکتے ساتھ ساتھ ہلکے ہلکے کوہ چلا کرتی رہتی ہے اور جیسے
تو اس کی صورت تک سے ہر طرف ہونے لگی ہے۔ ہر صبح یوں محسوس ہوتا ہے کہ
جیسے معمولی رات کی پیرت سے کئی لوگ گردازی ہو۔

جس دن سے وہ غائب ہوا ہے اس دن سے میں نے سادھنا کو بھرا
لیا میں اور وہ ہر وقت کی مدت ماضی یا مستقبل کی طرح میرے ارد گرد اتراتی
رہتی ہے۔ ایسی ہی محسوس دنگا ہونے سے مجھے فوجی ہے کہ میں اپنے غوغا کو
چھپا نہیں پاسا۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا جوا لکھ کر آگ میں بھونک
یا اپنی جینک لٹا کر لوہا پر رے ماروں۔ اپنی اس پھری ہونے سے فوجی پر
حیرانی ہوتی ہے کہ میں اس سے پہلے سادھنا کی دیر تک اتنی طاقتور
وہ مطلوب محسوس نہیں ہوتی۔ ہاں ان لڑتے ہوئے بے لیا غلوں کی حالت
تک ہے جی میں ایسی ہی کے زیر اثری مجھے ہر حرکت اور سن میں غصوں

دکھائی دینے لگتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے وہ پائی لاپتہ بھی تو نہیں ہوا۔ اس
ان کے چٹے کی گشت کی کاٹھے فائدہ اٹھاتا چلے تھا اور ہر دم سادھنا میں ہی
فرق رہتا چلے تھا صرف سادھنا میں اس لئے کہ اب کئی صورت کا پتہ چھا
کرتے کا خواہش اور جیت نہیں رہی۔ جب وہ ساتھ رہتا ہے تو میں کوئی بھی
کام یا کھیتی میں ڈھیل نہیں پائی بلکہ اس میں کوشش کرنے کے لئے بلائے خوب
کرنے کے لئے اکثر اپنے پرش کو قہا میں لکھنا پڑتا ہے۔ ہر عمل سے بھائی
کا پہلو کہنا پڑتا ہے۔ یا کسی بھی ہر عالم سے یکساں طور پر ملنے ہونے کا چیک
اس پر میری اس کوشش یا قریب کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کہیں کہ وہ مجھے دوامند
تک جاتا ہے۔ اور جب وہ نہ چلتے کہاں جا رہا ہے میں اپنی آزادی کا
استعمال کرنے کے چلتے یوں بیٹھ جھک گیا میں میرے کوئی غصوں کی ہو۔
مجھے واقعی کئی کیا ہوگا!

مجھے یہ غلوں بلکہ قہا ہے کہ وہ خوب جاتا ہے کہ میں اس کی طر حاضری
سے کتنا پریشان ہوں۔ یعنی وہ ہر ماں بھی چھپا بیٹھا ہے وہاں سے مجھے جھکا
ہے میری ہر سوچ اور سانس کو تن رہا ہے۔ اگر میں سمجھتا ہوں تو شاید
جی پاگن ہو جائوں گا کہ میں کوئی بار یہاں تک سوچ جاتا ہوں کہ وہ کہیں گیا یا آگم
نہیں ہوا۔ بلکہ صرف غائب ہی ہوا ہے۔ یعنی مجھے دکھائی نہیں دے رہا۔ لیکن
میں کہیں شاید کسی کمرے میں اس وقت میں اس خیال پر کانپ رہا
ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ اگر وہ واقعی اس پاس ہی ہے اور میری ہے چارنگ

اس کے طالب ہونے سے پہلے اس شام سادھنا کو گھر سے
جرحہت ہوئی اس کا خیال ہی آیا ہے سادھنا کے کرم و فوکل
بناؤں میں اس کے چکر میں اس کا ہر جوش کی جڑ ہے اور اس
اس کے ساتھ فوکل کے ساتھ اس کے ساتھ اس کے ساتھ
ہی جرحہت ہے جس سے اس کے ساتھ اس کے ساتھ
نیا سادھنا ہے اس کے ساتھ اس کے ساتھ
موسلا اس کے ساتھ اس کے ساتھ
اس کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے اس کے ساتھ
میں ہو چکا ہوں اور اب یہاں سے پہلے اس کے ساتھ
کے ساتھ اس کے ساتھ اس کے ساتھ
کے ساتھ اس کے ساتھ اس کے ساتھ
میں ہو چکا ہوں اور اب یہاں سے پہلے اس کے ساتھ
کے ساتھ اس کے ساتھ اس کے ساتھ

اہم بیانات نہیں کروہ خود گاہے ماہے سادھنا پر ماضی میں نہر جاتا
 رہا ہو۔ بلائی گئے جسمانی طور پر تو پسند ہی تھی، لیکن وہ ملاکو کی بجائے
 پسند نہیں تھا۔ اس لئے بھی ان دونوں کی باہمی ان بنی ان کو ملک دینی رہی۔ وہ
 پہلے حصے ہی ملاکو کا گھرانے اور مجھے اس سے رہائی دلانے کی ہمیں جٹ
 گئے تھا۔ اور دوسرا حصہ بھی پہلے ہی دن ان کے منہ سے دیا تھا کہ وہ رہے گا
 تو وہ مجھ پر چڑھانے لگے لیکن سادھنا سے اس کا رشتہ کچھ اور تھا ہے کیا۔
 وہ مجھے تو ہر شے پر رونا رہا کی ہوئی تھی اس پر ہوا تھا اس کے بچے پڑا
 اپنا چھانڈ لگی رکھائی دے جاتا تھا اور مجھے مجھ پر ہوا تھا جب تک
 سادھنا کو صحت اور خوش حالت تھی یہاں تک کوئی شے نہ تھی۔ ایک دور میں
 تو سادھنا کے کئی آدمی ہر چہ میں ایک ہی برس میں سونے کے تھے شاید وہی
 ظالم تھے کہ اتنا سہرا ہو کر کہی دینی بعد وہ اتنا بے قرار ہو اٹھا تھا کہ میری
 نیند عام ہو گئی تھی۔

ہر حال میں ہم اس شخص کے خلاف میں سے اس شخص کی بدولت
فیہر ہو چکا کہ اگر اس شخص کی طرف سے تو وہ خود کو کسی بھی چیز سے
اس شخص پر ہونا چاہیے۔ اس نے ہمیں سے قرب دیا تھا اس سادہ سادہ
کسی بھی کو ضرور دیتا ہیں، ایک تہیہ کی طرح اس میں ڈھب نہیں رہ جاتا کہ
میں سے اس سے بے نیاز ہوں جبکہ تم جب اس میں ہوتے ہو تو میں
نظر آتے ہو جیسے دہل میں دھنسا ہوا کوئی لڑکی یا لڑکا اس میں
ہوا کو لکڑا، اس کی تعظیم افلا آتی ہیں، ایک اس کی بات سے ملتی ملتی
میں لڑا ہوا ہر گت اس میں اور مجھ میں ایک تفریق شدید ہے کہ
وہ جب چاہے مجھ سے اوپر پہنچ کر اپنے عقائد سے کوئی فرقہ کی بات
یوں کہ دے گا کہ سننے والا ہم جائے، یہ نیازی کے دھمپا تو مجھ میں ہوگا
کہتا ہے، میں نہیں جانتا، لیکن میں اس کے ساتھ چل رہا ہے تو مجھ میں اس
موجہ ہی ہو سکتا ہوں اس کی نقل میں ہے نیاز ہو جانے کے گوشہ نہیں کر سکتا
دہی اس کو شش میں اپنی ہر شئی کو ہلکا کر سکتا ہوں، میں اس کو دیکھ چکا ہوں۔
اس کی سی اونچائی اگر وہ بھی لوں کہ مجھے دھوکا نہیں دے رہا۔ یہی سچ ہے
پرسہ ہے، چہرہ اگر ایسا تھلک سے سوچوں تو یہ قبول کرنا پڑے گا کہ اس کے
کو اپنے سے ہر چیز باہر میں اس نے سمجھ آتا ہوں کہ وہ ابھی کسی کی صورت یا وحش
سے نہیں ہو سکا، ہر کائنات میں سے سانپ کی طرح صاف سچ پھیل
جاتا رہا ہے۔

ہمدی اس آخری بحث کے خاتمے پر اس نے یہی اچھا تھا۔ اب تو جان لی، تمہارے بچاؤ کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ تم کسی روز یہاں سے اچانک غائب ہو جاؤ اور تب تک لوگوں میں جب تک میری ہی طرح تپا نہیں جلتے۔ تمہاری فیر حاضر میں سادھنا اور تمہارے دوسرے سداے سداے کو میں خیال لوں گا تمہاری بلکہ تمہاری نوکر کی جس سے تم جانتے ہو جو مجھے کتنی غصہ ہے، ا کی رحمت بھی اٹھاؤں گا۔ بلو کو کیا خیال ہے؟

میں اس کی کئی تھوڑے دیر سے کچا بار جب میں آپکا ہوں لیکن اس حد تک نہیں اس کی اس مقام پر کانی دیر سے ایک پتلی سے خانے میں بیٹھے ہوئے تھے کھڑے کھڑے نادانوں سے ٹکرے ہوئے۔ ہماری صورتوں میں غم

[illegible]

ہر شخص کو اس کے ہر چھلکے میں خود بخود اپنے لیے ایک سانس کی سی سی
قسم کے حقدوں کا ایک گھر سا ہونا چاہیے۔ بچے میں سوچ کا تھکا کر دہ
کے مات کھلانے کے لیے اس قسم کا اور بھی بڑا دانا بن جائے۔ خواہش کی بڑی
قوتی کہ اس کی ہر ہونٹ میں اس کا غضب بھر دے کہ وہ اس کے لیے نہیں آتا تھا
کیا ہے یہ عین ہونہ ہے کہ کنگدین سمجھنا چاہا کہ ہے۔ لیکن دھرم کافی
موج سے بچے نہیں سہا ہو چلا ہے کہ وہ عوام کو مسخ ہو گیا غلطیہ یہاں نہیں
کہ اس کا چہرہ خراب تو ہے بے نقاب ہے۔ دوسری میں ایک بار میری اس کے کپڑے
میں اپنے بارے میں اس کے ساتھ اپنے اس عیب پر فتنے کے بارے میں تھے
دوئی کہا جا سکتا ہے کہ دھرمی اس کی متواتر کھینچیں کے بارے میں، سادھنا
سے اس کے پرہیز کے بارے میں اس کی اہلیت پائنگ تجھو دس کے بارے میں
بے بنیاد ہو کر آہوں، گھس میں نہیں آتا کہ گزری حال بانو میر کی ہو گا۔

پھر وہ دھڑکے میں ہلکے سے چلنے کے لئے کمر دیا تھا تب سادھنا نے کمر کرتے ہی صبح کی آواز کو سنا تھا کہ اسے سادھنا کو کچھ وقت اور مل جائے تو وہ حقیناس ٹھیکٹ کا نہ رقی کو اشتیاق میں بدل ڈالے گی۔ اس کی اس بات سے میرے من میں یہ شبہ اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ کہیں دراصل وہ اسی شیطان کی شیرداری تو نہیں۔ میرا ہی شبہ میرے من میں ایک بار بار کے بارے میں بھی اٹھاتا تھا۔ حالانکہ وہ شیرداری کچھ پرچی بند اس پر۔ اسے صرف دنیا داری اور دکھاوے سے ہی پیار تھا۔ سادھنا مالک کے حوالے میں بھی اور سیدھی ہے۔ مجھے اس کی بے عدم موجودگی کا اندازہ اٹھانا چاہئے کیوں کہ کوش اور جذبے کا یہ آخری دو چار زیادہ دیر تک نہیں رہے گا۔ وہ جس بہن میں بھی کیوں نہ جا چھا پوچھے چلائے کہ اسے بھول کر اس وقت کے فائدہ اٹھاؤں اور بے لگام ہو کر سادھنا کی بھوت کا مزہ لگی۔

لیکن انہوں نے کہا میں نہیں پارہا۔ محسوس ہے کہ میرا سر کٹ گیا ہے۔ سو میں نے یہ چاہیں دن اسی کی تلاش میں جا رہا کہ دینے ہیں اس مکان کا کوڑا کوڑہ جانے کتنی بار دیکھا ہوں گا۔ سادھنا کہتی ہے کہ وہ آڑی ہے سوئی یا سناپ نہیں کہ نظر آئے۔ سادھنا اگر اتنی سیدھی نہ ہوتی تو اب تک آس قین ہو چکا ہوتا کہ میرا داخل ہل گیا ہے۔ لیکن شاید وہ اتنی سیدھی نہیں سمجھنا ہے اور سوچتی ہے کہ میری یہ دیوانگی بھی وقت پا کر لپٹے آپ دور ہو جائے گی۔ اسی لئے شاید وہ میری ہاں ہاں ملاتی مانتی ہے اور مجھے تسلیاں دیتی رہتی ہے کہ جوں ہی اس سوڈی کی جھین خالی ہوں گی اس کا تاجیا ٹوٹا جائے گا۔ اسے معلوم نہیں کہ وہ حرا ہی ہوا تھا کہ اور پانی کی کڑھی منہ نہ مل سکتا ہے کہ جب تک وہ ٹوٹتا ہی رہتا نہیں ہی اسی طرح عمر بہا رہوں گا کہ ماضیے یا بے پوشی میں کچھ ہی کیوں نہ کہ ہلک لوں، میرا بال بال اس سے ندھا ہوا ہے کہ جب تک میں اس سے اندرونی طور پر آزاد نہیں ہو جاتا یا تک اسے پوری طرح بھول سکتا ہوں نہ قبول کر سکتا ہوں لیکن اب یہ وہ یہ سب بھی جانتی ہو اور مجھے یہ کہانے کے لئے یا یہ اس رکھنے کے لئے مجھے دھوکا دینا چاہیے کہ وہ میری رہتی ہو کچھ نہیں آتا۔

اور میری سوچ نے ایک اور کھٹ لے لی ہے۔ اور میں نے کچھ کھٹنا شروع کر دیا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو کھانا شروع کر دیا ہے کہ مالا سے کتنی پالنے کے بعد یہ میرا کھانا استعمال ہے اور میں کوڑا کر لے گیا ہوں۔ جو ہوا ہے اس کے لئے سادھنا کو کیا ہے آپ کو کتنا ڈرنے کے بجائے اگر مردانگی سے کام لیں تو کھسا ہو۔ پھر اندر سے آواز آئی ہے کہ اس میں تو چاہیے اپنی تمام تنقید کو بھٹک نہیں سکتا تھا کہ مجھے اس وقت تک تنہا چھٹتا رہے نہ کے لئے تیار رہنا چاہئے جب تک یا تو وہ درود بخور نہیں لوٹ آتا یا اس کی موت کی خبر مجھے نہیں ملتی یا میں خود خود اس کے سے اور اس کی یاد سے آزاد نہیں ہو جاتا، یا پھر میرا اپنا دم کل نہیں جاتا۔

دوسرے عقلموں میں بھی کہیں نے یہ قبول کرنا شروع کر دیا ہے کہ مجھے جی میں اس کے ساتھ اپنے رشتوں کی سرنگ میں بھٹکنا بند نہیں کر سکتی گا سادھنا بتاتی ہے کہ رات کو کئی کئی بار ہڈی ٹڑکڑھٹھتا ہوں اور درونوں ہاتھ اور چھت کی طرف اٹھا کر پکمانے لگتا ہوں۔ میرا کیا ہوگا۔ وہ بتاتی ہے کہ میری آواز ہنسا دینے کی حد تک بھگی اور خرابی ہوتی ہے۔ اسے ڈر ہے کہ کسی رات اس بے چاری کی کمی حرکت ہے۔ میں اپنی پکاس کے پنجوں بچ جگ گیا تو برا ہوگا۔ اس نے کہیں پڑھا ہے کہ نیند میں بڑبڑانے یا چل پھر با آؤ گی اٹھ چک جگ جائے تو اس کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ جب میں اسے سمجھا تا ہوں کہ میرا دماغ تو شاید کبھی درست نہ تھا ہی نہیں تو وہ مجھے ہلہلنے کی کوششوں میں جٹ جاتی ہے۔ اس کی انگلیاں ہوا کی طرح میرے جسم کے رگستان پر برساتا ہوا کر دیتی ہیں، اس کی زبان میرے ہر رنگ کے اشارے پر محسوس محسوس جاتی ہے اور میں سوچنے لگتا ہوں کہ میں اس صورت کا تحمل نہیں، کہ اس بے چاری کا میرے بعد کیا ہوگا۔ جب وہ میرے مردے میں جان ڈالنے کے لئے اپنے ہر انگ اور ہنر کا استعمال کر رہی ہوتی ہے تو میں یہ سوچ رہا ہوتا ہوں کہ وہ حرا ہی اس وقت نہ جائے کہاں ہے، کس کے ساتھ ہے، کیا کر رہا ہے، میرے پاس میں سوچ رہا ہے کہ نہیں۔ اور اسی لئے سادھنا کی تمام کوششوں کے باوجود میں بے جان پڑا رہتا ہوں۔ وہ پھر بھی ہاتھ اور ہونٹ نہیں ہٹاتی۔ کبھی کہتی ہے، چھتاہ کہ وہ مرد پر جب دوسرے ہاؤ بڑھ جائے ہیں تو وہ کچھ

کے لئے بہرہ ہو چاہئے، دیکھی کی دقت وہ کی بھی نہ ملے گا، ابھی سے
 لپٹے آپ اچانک۔ اٹھ کھڑی ہو سکتا ہے۔
 کبھی بھی سادھنا ناقابل برداشت حد تک بے حیا اور باسی ہو
 جاتی ہے۔

اس کے لاپتہ ہونے سے پہلے کے کچھ دنوں کے دوران پہلی اس
 کے ساتھ ہر بات میں کئی بارن ہی میں بھان بن کر چکا ہوں، یہ سمجھ کر
 کہ شاید ان باتوں میں ہی کہیں اس کے پنے کا سراغ مل جائے۔
 سادھنا ایک دوبارہ دہائی زبان سے یہ سمجھا چکی ہے کہ شاید اس
 نے خود کشتی کر لی ہو یا یوں ہی مر کر گیا ہو لیکن مجھے یقین ہے وہ دہائی
 زندہ ہے۔

میں کئی تیسرے سے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا
 جب سے اس کی واپسی کی امید مدہم ہونے لگی ہے، کئی کام میں میرا
 نہیں لگتا۔ اب میں کہیں آتا جاتا بھی نہیں۔ سادھنا کو حکم دے رکھا ہے
 کہ وہ کسی بات کے لئے منہ نہ کھولے۔ اس کی صورت تک سب مٹا کر
 ہے نہیں دیکھتا۔

مجھے کچھ دنوں سے اس الو کے رستہ میں اکیلا سو رہا ہوں۔ نیند تو
 کچھ کہہ ہی جاتی ہے، لیکن عجیب و غریب خواب اس نیند کو لوچتے رہتے
 ہیں۔ ان میں سے اکثر تو دوسرے دن دھند میں بدل کر جاتے ہیں
 لیکن کچھ کے لئے پیچھے پرزے ذہن میں پھڑپھڑاتے رہتے ہیں۔ اور جب
 انھیں پاک کر کسی "پرچر" میں رکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو ایک کتابی ہی
 تصویر ابھرنے لگتی ہے، جس کی سچائی پر خود مجھے شک ہو جاتا ہے۔ دیکھتا ہوں
 کہ اندر میں ہے، خاموشی ہے، نگاہ کی بیخ کنی کا لاکھڑے ہم دونوں
 کمر تک اس کچھ میں دھنسنے ہوئے ہیں، مجھے اس کی شکل دکھائی نہیں
 دیتی لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے کتنے فاصلے پر ہے، اور جب
 میں اسے آواز دینے کے لئے منہ کھولتا ہوں تو کوئی آواز پیدا نہیں ہوتی
 اور دوسرے دھیرے دھیرے پھر سب دھند میں بدل کر جاتا ہے۔

ایک روز سوچا تھا کہ پولس والوں سے پوچھوں کہ مجھے کیا کرنا

چاہئے۔ لیکن پھر خیال آیا تھا کہ وہ لوگ چھوٹے ہی پوچھیں گے کہ وہ میرا
 گھبراہٹ ہے، اس کا حل یہ دیکھ کر ہے، اور نہ جانے اور کیسے کے سوال جن کے
 جواب میں کہ وہ لوگ یا تو ہنسنے ہنسنے لگیں گے، یا مجھے کسی پگھل جانے
 کا پتہ بنا کر چلتا کریں گے۔

میں جانتا ہوں کہ وہ صرف میرا امتحان لینے کے لئے ہی غائب ہوا
 ہے۔ میں بھی جانتا ہوں کہ میں اس امتحان میں بری طرح ناکام ہو چکا ہوں
 لیکن یہ تو اس عالم کو معلوم ہی ہونا چاہئے تھا۔

شاید مجھے اصلی رخ ہی ہو کر وہ محض لاپتہ ہو جانے کے بجائے مر
 گئے ہوں، میں جانتا ہوں کہ وہ مر نہیں کیوں کہ اگر وہ مر گیا ہو تو میری یہ
 حالت نہ ہوتی اس نرک سے نکلنا تو دور رہتا

شاید مجھے اصلی انداز ہی ہو کر وہ کسی دن خود مار ہو جانے کا اور
 اس کا نور اتنا زیادہ ہو چکا ہو گا کہ میں شاید ہی اس کا سامنا کر سکوں۔
 شاید میری بہتری میں ہی ہے کہ وہ جب تک نہیں آتا میں اپنے ڈھنگ
 سے جیسے تیسے جیتا رہوں۔

لیکن میرا اچھا ڈھنگ کیا ہے یا تھا! میں اب نہیں جانتا میں اس
 کی واپسی تک نہ جی سکتا ہوں، نہ مر سکتا ہوں۔ میں اس کی واپسی کی کڑی
 کا انتظار کروں گا۔ چپ چاپ۔



خامہ در خامہ
 حلیم صبا نویدی کی غزلوں کا جائزہ
 مرتبہ : محمد علی اثر
 قیمت : اتنی روپے
 محل ناڈار دوہ جلی کیشنز مونٹ روڈ مدراس ۲

نفا بن فیضی

بلغ رمز حسین استعارہ ہے میرا
وہ سر سے تابہ قدم فکر پارہ ہے میرا
بدن کی جھوک ہو اس بدن کو رخ کھینچا
اس کا خدا پہ ازل سے گزارہ ہے میرا
اللہ کے پاؤں پر کتنی دینیں ڈال گئیں
یہ کس بلندی پہ قائم ستارہ ہے میرا
میں اک جمیدہ آشوب ذات ہوں یعنی
یہ کائنات ابھی پہلا شمارہ ہے میرا
صاحب مگر گشتہ کہاں کہاں گشتا
بی جمع و فوج نفس گو شمارہ ہے میرا
نظر کر، جو کبھی اچھیاں جلا بیٹھوں
کہ ہر چراغ کی لو پر اجارہ ہے میرا
بجا کہ تو ہے شہناز اس کے گلہ میں کچھ
وہ آج بوجہ سنہرے کنارہ ہے میرا
درد درد پہ سلگے گلہ ہے میرا
نظر کسی کی ہو زخم نگارہ ہے میرا
طلبہ کچھ کو قلم فرد جرم کی صورت
یہاں جو لٹے ہے سب کا اشارہ ہے میرا
ہو دیکھنا تو نے رون کے درتے کھل
تسلیات پہ طلوع دوبارہ ہے میرا
ہزار رون و ہنر ایک اس کی بے ہنری
لفظانہ جلے کہ صریح اشارہ ہے میرا

دل جی، نظر خالی
کیسے ہنر خالی
رخ بے دماغی کیا
خوش ہیں لے کے سر خالی
کیا بہار ہے یہی
برگ سے شجر خالی
غم ہوئے ہرن سب کے
دشت دشت، گھر خالی
دُھند، گرد، ویرانی
بچھر بھی رہ گزر خالی
آفتاب کے ہوتے
خیمہ سحر خالی
شخصیت بڑی بھرپور
اندروں، صفر خالی
سب کے پاؤں کی زیریر
خاست کا سفر خالی
آنکھ تھی کہ بھر آئی
دل رہے منہ خالی
وہ نہیں، تو گتے ہیں
سارے بام و در خالی
ہر طرف ہے سناٹا
ہاتھ ہیں اگر خالی
وہ گلاس بھر لبریز
میں ہوں پیاس بھر خالی
اے نفا ہیں دکھ اپنا
حرف معتبر خالی

راز مرست جو تھا حرف و گز کا نہ کھلا
مجھ سے یہ عقدہ خدا ہے ہی ہنر کا نہ کھلا
مستقل جس میں ڈوب بار بار ہوسم اب کے
بارش سنگ میں اک زخم بھی سر کا نہ کھلا
زندگی کا سفر آخر ہوا لیکن ہم پر
بھید کچھ گرد سر راہ گور کا نہ کھلا
وہی بستر ہے وہی جاگتی آنکھوں کی ٹھکن
سلسلہ کیا ہے یہ خوابوں کے سفر کا نہ کھلا
سلاپے ہیں تھوڑے تھے مچکتی ہوئی دھوپ
اس حوالے سے بھی کچھ حال خبر کا نہ کھلا
اپنی شمع میں بھی تھے چند لہو کے یا قوت
کرتے کیا ہم بھی کہ نہ کیسے نہ رکھ کا نہ کھلا
وہی حرفوں کی گھنٹی دھند میں لپٹے میں نفا
حال کیسا ہے یہاں اہل نظر کا نہ کھلا

شمیم حنفی

بہت اچال ہے مدت سے ۲ ستاد شب
سائیں گے نہ کسی کو کبھی فساد شب
سمیٹ لے گیا ساتھ اپنے رونقیں ماری
دکھائی دیتا ہے خالی بہت خزاں شب
کہو یہ چاند ستاروں سے کہ درازک جائیں
بہی متاع گریزاں ہے اب دوانہ شب
بس ایک چپ کی قیامت پہلے چاروں طرف
نہ وہ سرودشانہ نہ وہ سرائے شب
یہ کیسے لوگ ہیں کیسا عجیب شہر ہے یہ
گھڑی ہے دن کی مگر سر پہ ستارے شب

لو ہم نے دامن بھاڑ دیا، لوجہام اللہ سے دیتے ہیں
سب قرض ادھار جو باقی ہے، ہم آج کھلے دیتے ہیں
ہیں شعر و نثر سے کیا مطلب، ہم ہیں یہ ہنر پہلے تھا ناب
بس بھولے تھے جہیزوں کا اک جال پھاسے دیتے ہیں
دنیا بھی کتنی تھی ہم بھی، اتنا کہہ دینا کافی ہے
کچھ بھی بچھا لیتے ہیں، کچھ بھی بٹلے دیتے ہیں
جانے کی گھڑی اب دو گئیں، جو دیر سویرا ہوئی سویرائی
کھڑک ہو بھلا رکھا تھا، اب سٹلے دیتے ہیں

ع فیض احمد فیض

شمیم حقی

کیسے کیسے خواب دیکھے اور ہم زندہ ہے
 مگر بھر آنکھوں کی اس دلت پر شرمندہ ہے
 بھولی بھری اک کہانی کا تماشا تھا کہ رات
 کچھ سانسے مجھ گئے نس پر بھی تابندہ ہے
 کون سی آنکھیں تھی جس نے اس قدر بلانچا تھا نہ
 کہیں بگولے دیر تک سینے میں رخصت نہ ہے
 حال سے اپنا تعلق بس برائے نام تھا
 یا تو ہم ماضی رہے یا حرف آئندہ رہے
 اپنا بس چلتا تو عالم ادھر کچھ ہوتا یہاں
 کچھ نہیں معلوم ہم کس کے نمائندہ ہے

یہ پچھلے دنوں کا قصہ ہے جب لفظ تلخے کرتے تھے
 سب شہر سکوت کے یا شعلے آواز سے بعد ڈرتے تھے
 جب ہر قسمی ہمدرد تھی ہر دیر انداز اک۔ مستی تھا
 جب سینوں کے سانس میں آواز سے شہلاتے تھے
 اک موج ہوا کی سرگوشی کیا قہر بپا کر جاتی تھی
 پتھر جیسے مضبوط بدن ذروں کی طرح بکھرتے تھے
 اک ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح کب کوئی بٹکھا پھرتا تھا
 اک شہری ہوئی دنیا تھی جہاں سب جیتے تھے نہ تھے
 دن رات کا آنا جانا بھی اک بے سید بھرا افسانہ تھا
 ہاں جن کے بلاولے آتے تھے بے شک وہ لوگ گزرتے تھے
 رقبوں کے سید آئیے یہ وہ جادو کون جگاتا تھا
 کیا چمن رہی نہ موت تھا۔ کیا چہرے نگ نکھرتے تھے
 جس روز سے یہ دنیا تباہی حشری صاحب ہوئے بیرنگی
 یہ ٹھیک نہیں تو پھر کب تھا اسے دیکھ کے تین بہرے تھے

داتا کا ذکر کیا کوئی کہا فی تک نہیں
مغل شب کیا ہے شیشوں میں پانی تک نہیں
جو جوہر منہ لگائے تھے اب ان کی شان پر
پھول کیا آئیں گے جب پوچھا کہ حال تک نہیں
ایک سا دسم دی بے چہرہ وہ بے نام سا
دشت جہاں میں اک ہلے گہا فی تک نہیں
اب بلائیں تو کسے جائیں تو کس کے پاس جائیں
بے صدا بھنگل ہیں، دریا میں روانی تک نہیں
ایک پل کے واسطے بھی چپہ نہیں دکھا اے
ہم نے لیکن ایک پل کی بات ہائی تک نہیں
آسمانوں سے، اتروں گے صحیفے اب کبھی
مدتوں سے کوئی پیغام زبانی تک نہیں

ایسے کئی سوال ہیں جن کا جواب کچھ نہیں
حرف و صدا فضول سب لوح و کتاب کچھ نہیں
ان سے کہو کہ اس طرح آنکھوں سے بگلاں نہیں
یہ بھی ایب لوگ ہیں کہتے ہیں خواب کچھ نہیں
بیٹھے بھلے دل یونہی خود سے اچاٹ ہو گیا
انجمن عوام میں دیسے خراب کچھ نہیں
فرق بہت نہیں یہاں غم و سحر کے درمیان
پیراس اگر دبی رہے اب دوسرا کچھ نہیں
جاں کا پس ایک قرض ہے وہ بھی اتنی جلد نکلا
اور کسی عزیز کا ہم پہ حساب کچھ نہیں

پریم کما نظر

ہم کو وہ ملا ہے جو دھیت میں نہیں تھا
سب جھوٹ کر انصاف عدالت میں نہیں تھا
جس شہر طلسمات میں آئیے بہت تھے
صد جیف وہاں بھی کوئی حیرت میں نہیں تھا
ہر چند کہ اس کو چے کی تھی خاک بھی سرمہ
جب کھف ہی کچھ اپنی بھیرت میں نہیں تھا
ہم خاک نشینوں کو فقیری ہے امیری
ریج و صبح کا یہ ہن کا سہ شہرت میں نہیں تھا
کیا رخت سفر باندھ کے خوابوں کے سہاے
اس شہر کو جلتے جو حقیقت میں نہیں تھا
اے نقشہ لبی نیمہ احباب سے آگے
پانی جو میسر تھا وہ کثرت میں نہیں تھا
اب تم ہی کہو کون سی منزل پہ رکے گا
مجھ ایسا مافر جو مسافت میں نہیں تھا

میں نظر سے ایک انداز نظر ہوتا ہوا
کون ہے دن رات مجھ میں بے خبر ہوتا ہوا
کھلنا جانا ہے سندر بادیاں در بادیاں
میں سفر کرتا ہوا مجھ سے سفر ہوتا ہوا
ایک دھت آسمان در آسمان بھتی ہوئی
اک پرندہ بال در میں تر بر ہوتا ہوا
ایک ہنسی مکان سے لے لکھن ہوئی ہوئی
ایک لمحہ مختصر سے مختصر ہوتا ہوا
کھینچ لی کس نے طباب خیمہ صدق و صفا
کون ہے دشت عمل میں بے ہر ہوتا ہوا
مرحلہ ہر چند تھا اپنی انا کے رو برو
اور بھی لیکن تھا کوئی مغیر ہوتا ہوا
ایک انگڑائی سے سارے شہر کو نیند آگئی
یہ تماشا میں نے دیکھا بام پر ہوتا ہوا
قطرہ قطرہ رات کی چادر شب تاپ پر
لمحہ لمحہ میں نے بھی دیکھا گہرا ہوتا ہوا
باد ہوب کیا کریں واماندگی، واماندگی
ہر طرف ہے جذبہ دل بے اثر ہوتا ہوا

ہیرم کمار نظر

جہاں مجھ محبت کا کاروبار کیا
 جنوں تو ہم نے بہت بعد اختیار کیا
 جو اپنے آپ میں دنیا بوائے بیٹھا ہے
 کہیں اسے بھی زمان و مکان شمار کیا
 سفر تمام ہوا بار آب بھی نہ اٹھا
 جہاں پہ خشک تھا دریاں اب سے پل کیا
 سربل شمع ہے جس کو ستارہ کہتے ہیں
 یہ راز گردش و دوراں نے آشکار کیا
 حباب کرنے لگے جب تمام تو یہ کھلا
 ہمارے نام پہ اس نے بھی کچھ اٹھا کر کیا
 ہمارے شعروں کا کچھ اور تو اثر نہ ہوا
 بس اک حلقہ سے چہرے کو سوا کر کیا

وہ کیا گلی ہے جہاں ڈرتے ڈرتے جاتے ہیں
 گزرتے بھی نہیں لیکن گزرتے جاتے ہیں
 بس اب تو اگلا سفر خشکیوں کا آتا ہے
 ہماری راہ کے دریا اترتے جاتے ہیں
 تمام شہر تو آشوب و غم کا ہے بشکار
 نہ جانے کس کے لئے ہم سنوڑتے جاتے ہیں
 یہ کیسا ہم کو اشارہ ہے پار اترنے کا
 وہ دیکھو! لہروں میں کچھ ہاتھ ابھرتے جاتے ہیں
 عجب نظام فنا و بقا کا ہے کہ یہاں
 وہ بھی ٹھیں گے دوبارہ جو مرنے جاتے ہیں
 جہاں میں کچھ نہیں ہوتا کسی کے کرنے سے
 یہ لوگ پھر بھی کوئی کام کرتے جاتے ہیں
 بھڑکیں دھند سے سارے ٹکڑی دلیہیں
 نظر میں جھکنوی جھکنو اترتے جاتے ہیں

غلام حسین ساجد

معتز ہو رہے ہیں اس طرح انہیں اس پانی سے
کہ پیسے بھیجک جاتا ہے کہ قرعہ اس پانی سے
میں اس کی سطح کو اب آنسوؤں سے صاف کیا ہیں
کہ بڑھ جاتی ہے میرے آنسوؤں کی پانی سے
مرا نعم البدل اس کے لئے ہے مگر ہی میرا
ہوا ہے میرے ہونے کا اسے اس پانی سے
ابھی تک قہر دریا سے نہیں کی سطح بہت ہے
صدائیں دے رہا ہے کچھ ایسا پانی سے
نہیں مگر گزرا رہی رحمت کا سورے گھر میں
اگرچہ میں بھی رکھتا ہوں خدا ہی اس پانی سے
اگر گل ہو گئی شعلہ صحرے طیب تارے کی
نکل آئیں گے آدھی رات کو خفا اس پانی سے
مجھے ساجد ضرورت ہے ابھی تک ایک باطل کی
کہ اب بھی دور ہوتا ہے ہوا و اس پانی سے

ٹپے گی وصل کے لمحوں میں جدت مسیحے پانی کی
نہ کم ہوگی ترے طے سے دخت مسیحے پانی کی
طے کا کس لئے وہ دوسری دنیا کے دھارے میں
بہت ہے میری دنیا میں بھی عزت مسیحے پانی کی
میں چلا جاؤں گا اس روشنی کی آخری حد تک
جہاں بھی ختم ہوتی ہے ریاست مسیحے پانی کی
منہ مکر رہتے ہیں دم آئینہ سے اب بھی
بڑھی ہے میرے خوش ہونے سے لذت میرے پانی کی
بھی سبیل چیزوں کو روانی را سس آتی ہے
بھوک اٹھتی ہے رکے سے طبیعت میرے پانی کی
کمی مدت کے پرانے کو مزہ شاید نہ آئے گا
مگر لب ہی تو سکتی ہے ملاوت مسیحے پانی کی
میں اپنے حال پر خوش تھا میں اپنے حال پر خوش ہوں
میرے صحنے میں آئی ہے قناعت مسیحے پانی کی
شعق سے رات بھر ساجد یہ کیسے فعل بہتہ میں
بدل جاتی ہے دن ڈھلنے ہی رنگت میرے پانی کی

غلام حسین ساجد

نہیں اب روک پائی تھیل شہر پانی کو
بہاڑے جارہی ہے روشنی کی لہر پانی کو
مجھے بھی سرخ کرتی ہے یہ چٹائی آنکھوں کی
کہ جیسے بڑکرتا ہے ضیا کا حصر پانی کو
کسی بے نام سیالے باب بھی ابڑھایا ہے
ترستا ہے کئی دن سے اگرچہ دہر پانی کو
بہت اترارہی ہے موج محراب سے ہونے پر
رواں رکھتی ہو جیسے آج بھی یہ نہر پانی کو
لکھنا پتا ہوتا ہے قید سے جیسے حثیت کی
پند آیا نہیں ہے اسمانی قہر پانی کو
اسے وہ راکھ کرنے کے لئے تیار ہے ملہ
مقیمہ دی نہ رکھے گا فقط یہ شہر پانی کو

خوش نہیں راحت نایاب مرے پانی کو
قید رکھتا ہے مرا خواب مرے پانی کو
اک عجب شان سے انگڑائی لیا کرتی ہے
دیکھ کر دور سے عذاب مرے پانی کو
عکس بنتے ہیں، بگڑتے ہیں، بکھر جاتے ہیں
ایک آئینہ ہے مہتاب مرے پانی کو
پھر رواں خاک ہوتی میرے گلی کو بچوں میں
کاٹ دیتا ہے یہ زہر آب مرے پانی کو
آج بھی دور سے آتی ہیں صدائیں اس کی
یادیں شہر کے آداب مرے پانی کو
ایک بے ہر کی آنکھوں میں، ٹھہرنے کے لئے
ساتھ بے جا ہے ماسیاب مرے پانی کو
کس لئے ڈھونڈتا ہے تارہوں کی ملکہ کو میں
راس ہے ہر جہاں تاب مرے پانی کو

جدید غزل کی صورت حال

ابوالکلام قاسمی

غزل، اردو شاعری کی تمام اصناف میں اس اعتبار سے ایک قلعہ اور ممتاز صنف محض ہے کہ غزل کی قدر و قیمت کا تعین صرف اس کے موضوع اور مواد کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ غزل کے علاوہ شاعری کی دوسری اصناف میں موضوع کی مرکزیت اور خیال کے تسلسل کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ حقیقت اور تکنیک کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ جاتی ہے۔ غزل کی صنف کا بنیادی انحصار یوں کہ ایک مخصوص اور متعین ہیئت پر ہوتا ہے اس لئے غزل کے شعروں کے موضوعات بھی ہیئت کے تابع ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں کسی خاص فکری رجحان کی نشان دہی کے سلسلے میں غزل کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں کیا جاسکتا جو شاعری کی دوسری اصناف، بالخصوص نظم کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔

برصغیر میں غزل اور اردو غزل کی روایت کی صدیوں کو محیط ہے۔ اس پورے عرصے میں زبان و بیان کے شیعہ طریق کار کے ساتھ ساتھ غزل کی شاعری میں فکری اور موضوعاتی تنوع کو بھی خاصا دخل رہا ہے۔ تاہم اس تنوع کو ہم کسی مخصوص مقام اور علاقے سے وابستگی کے نقطہ نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔ غزل ایران میں بھی لگی گئی اور برصغیر کے دوسرے ادبی مراکز میں بھی، مگر فنی اور فکری اعتبار سے غزل کی پوری تاریخ میں ایک ایسا تسلسل ملتا ہے جس سے اس صنف سخن

کی تہذیبی اور ثقافتی مرکزیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اس میں منظر میں شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ مقامی اور جغرافیائی عواملوں سے غزل کی شاعری کا کوئی جائزہ غزل کے بنیادی مزاج کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اس وقت غزل کی شاعری ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ دنیا کے متعدد علاقوں میں کی جا رہی ہے۔ ان علاقوں میں امریکہ اور یورپ کے بعض ممالک اور مشرق وسطیٰ کے ممالک، بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اگر کڑھا جاتا ہے کہ جغرافیائی اور علاقائی وسعت کے باعث غزل میں کسی اور فکری رجحان کا احاذ ہوا ہو یا نہ ہو، ہجرت اور غریب الوطنی کے جذباتی حوالے غزل کے اشعار میں کثرت سے آئے لگے ہیں۔ اگر اس مفروضے کو درست مان لیا جائے تو ہمیں اس سوال کا بھی جواب دینا ہوگا کہ پھر ہندوستان اور پاکستان کی موجودہ غزل میں بھی یہ رجحان کیوں نمایاں ہے؟ ہاں اگر اس رجحان کو ایک اور زاویہ نظر سے دیکھیں تو بات تریا دہ اہم واضح ہو سکتی ہے کہ آج کی غریب الوطنی اور ہجرت ہماری اپنی اختیار کردہ ہے۔ اس میں حالات کے اس سبب کہ کوئی دخل نہیں جس کی وجہ سے ہجرت ایک فوجی اور روحانی تجزیے کے طور پر غزل کی روایت کا حصہ رہی ہے۔ یہی سبب ہے کہ موجودہ غزل میں ہجرت کے موضوع کو مذہبی پس منظر سے جاری دکھایا گیا ہے، اور ہجرت کے پیچھے مادی ضرورت کی کارفرمائی

کو عقیدہ کا مفاد بنا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غریب و ملول
شاعروں کی ہجرت کسی مخصوص جغرافیائی فاصلے کو ظاہر نہیں کر پاتی۔
اس لئے آج کی غزل کے فنی اور فکری رجحانات کو جغرافیائی عوامل
سے بلند ہو کر دیکھنا زیادہ مناسب بھی ہے اور غزل کی ہستی پہچان
کے منافی بھی نہیں۔

جدید شاعروں کی وہ نسل جس نے بھیجی اور سآویں دہائی
میں اپنی پہچان متعین کر لی تھی اس کی غزل گوئی کو بالعموم ہندو پاک
کی آزادی اور آزادی سے کہیں زیادہ تقسیم ملک کے پس منظر میں دیکھا
گیا ہے۔ تقسیم کے نتیجے میں رونما ہونے والے فرقہ وارانہ رویے اور
شنت و بربریت کے مظاہرے نے غزل کے شاعر کو ایک ایسا
زادہ نظر دیا جس کے باعث اقتدار کی شکست و رجحان کا احساس عام
ہو گیا۔ میر تقی میر کی بازیافت کی کوشش کی گئی اور اپنے عہد کے تسلیم شدہ
سماجی اور تہذیبی تصورات پر سواہر دھان قائم کیا گیا۔ چون کہ زمانہ ہجرتی
اعتبار سے تقسیم ہند کے بعد کا زمانہ تھا اور ادنیٰ اعتبار سے ترقی پسند
تحریک کی مالا دھاتی کا اس لئے اس دور کی غزل میں ایک طرف انسانی
رشتوں پرستے سرے سے غور و فوض کا رجحان نمایاں ہو کر سامنے آیا اور
دوسری طرف ترقی پسند شاعری کے بر خلاف، براہ راست بات کہنے کے
روعمل میں استعاراتی اور ملامتی اظہار کو اہمیت حاصل ہوئی یہ وہی
زادہ تھا جب نام کا لہجہ نہ کہا تھا کہ

کیا قیامت ہے کہ بے ایام گل
ہٹینوں کے ہاتھ پیلے ہو گئے

اور غلیل الرحمن عظمیٰ نے اپنی نارسائی کو صرف اپنے آپ یا اپنے محبوب
تک محدود نہ رکھ کر زمانے کی تند و تیز آندھی کی استعاراتی تہذیبی کے
دیلے سے بچنے کی کوشش کی تھی۔

شب گزشتہ بہت تیز جل رہی تھی ہوا
مدا تو دی ہے کہاں تک تھکھا جوتے

نام کاغذی اور غلیل الرحمن عظمیٰ کے اس لب و لہجہ میں جہاں

گود و جوش کے حالات سے بے اطلاع علی ظاہر ہوئی ہے وہیں انسان
کی یہ سی اور شکست خوردگی کا بھی اتنا ذہن لگا یا جاسکتا ہے۔ یہ وہ اتلا
فکر تھا جس کے باعث غزل کے بندے نئے موضوعات میں بھی نئی مہمات
کا اضافہ ہوا اور ان مہمات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے جدید
شاعروں نے اپنے اسالیب اظہار میں بھی تبدیلی پیدا کی صورت و مٹی
کی یہ تبدیلی ایک ایسے دھماکے کی شکل اختیار کرنے لگی جسے جدیدیت
کے زیر اثر ہر دہائی جڑھنے والے دھماکے کا نام دے دیا گیا۔ اب صورت
پیدا ہوئی کہ سماجی اور تمدنی اتری کے نتیجے میں ابصرے والے شعری
تجربے دھجادی اتلا دھجوں ڈھلنے لگے۔ اور نئے مسلمات اور ان کے
دست بردار ہونے کے احساس نے بے یقینی، تفلک، تنہائی اور اداسی
کے رویوں کو جنم دیا۔ اب ہم ان رویوں کو اس عہد کے دیگر کاغذی طرزنگی
کے خلاف رد عمل کا نام دیں یا انسانی رشتوں اور اخلاقی قدروں سے
عروجی کا، لیکن جدید غزل نے کسی دسی شکل میں ان رویوں کی نمائندگی
فرد کی اس طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بھیجی اور سآویں دہائی میں بھرنے
والے اس دھجادی رجحان کا سلسلہ آٹھویں دہائی تک کے وسط تک قائم
رہا۔ اس رجحان کی جھلکیاں مندرجہ ذیل اشعار میں دیکھی جا
سکتی ہیں۔

لوگ ہی آن کے کچا بچھ کرے ہیں، کہ میں
ریت کی طرح بکھر جاتا ہوں تنہائی میں

د شاعر ہیں د شجر جانے کس لئے شب بھر
خواب کے خواب دکھاتی رہی ہوا بچھ کو

میں آسنا بھی، کٹھن بھی، مگر تم کون میرے
میں آپ اپنا خنہیب خود اپنا خنہیب میں

اس جہاں میں میرے ہونے کی گواہی کون دے
اگر جہاں میں جہم معتر کوئی نہیں

دیں کا نام ہے کوئی دہن کی شکل ہے کوئی
کون ایسی شے کا کیوں ہیں ازل سے انکار ہے

شب بخون

ہم ان اشعار میں تہائی لے یعنی، ناقذی اور خوفِ حیرس کی بھی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں اس کیفیت کو شعری زبان کی گوشت میں بچنے کے لئے نئی تعلیقات کا سہارا بھی لیا گیا ہے اور ان تعلیقات کو نئی انجیری کی تخلیق کا وسیلہ بنایا گیا ہے۔ ان شعروں میں ریت، شجر، قنول، ہجوم اور چشمِ مجرّمیے الفاظ کا کو بالکل نئے مقام و باق میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ الفاظ نہ صرف یہ کہ نظموں کی سطح سے بلند ہو کر استعاروں کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، بلکہ بعض ٹھوس پیکروں کی تخلیق بھی کرتے ہیں۔ جدید فن میں نظموں کے اس نئے برتاؤ اور اپنے کی رنگارنگی کے سبب جس نے ڈالنے کا اضافہ ہوا اس نے مدنی فن کے مقابلے میں جدید فن کو سامانی اور اسلوبیاتی سطح پر نہ لے آ نکات کی بشارت دی۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہوا جدید فن کے موضوعاتی اور اسلوبیاتی امکانات سے بہت جلد ایک ٹھہری ہوئی رفتار کا انداز اختیار کر لیا جس کا نتیجہ نگاروں کی تخلیق، نئی، الہامی اور تہائی جیسے موضوعات کو نئی فن کی سک جہد و پیکار کی حیثیت حاصل ہو گئی، اور پختہ اور خام کار فن کو نے ان موضوعات کو کثرت اور تکرار کے ساتھ دہرا شروع کر دیا۔ چند مخصوص قسم کے موضوعات اور انداز انہماک کو اتنا فروغ ملا کہ انھوں نے دہائی میں اس یکسانیت سے نجات حاصل کرنا سب سے بڑا ادبی چیلنج بن کر سامنے آیا۔ یکسانیت سے نجات حاصل کرنے کے عمل کو تو شاید ایک شعوری کوشش کا نام دیا جاسکتا تھا مگر اس صورت حال کے رد عمل کو کسی شعوری کوشش سے تعبیر کرنا مشکل تھا جو سماجی اور تہذیبی سطح پر ہندوستان اور پاکستان میں ابھری تھی یعنی یہ کہ امتدادِ وقت کے ساتھ ساتھ دونوں ملکوں میں تہذیبی استحکام کا عمل بھی شروع ہوا اور بے تعلقی کے جملے یقیناً اور عدم تحفظ کے جملے روحانی تحفظ کا احساس بھی عام ہونے لگا۔ تنگنیک سے یقیناً اور خوفِ ہراس سے روحانی ہمارے کی جو تنگنیک کا بڑا آٹھویں دہائی کے آخر میں فن کے ایک بالکل نئے انداز و اسلوب کا حصہ بننے لگا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ زاویہ نگار اور شعری اسلوب

۱۳ جون ۱۹۴۷ء جولائی ۱۹۴۷ء

کی یہ تبدیلی صرف تنگنیک کے شعروں کی خفوں میں نہیں پیدا ہوئی بلکہ بعض ایسے جدید شاعروں کے کلام میں بھی اس تبدیلی کے آثار پیدا ہوئے جی کی فریسی جیٹی اور انویں دہائی کے وجودی رویے سے پہچانی جاتی تھیں اس تبدیل شدہ رویے کو جدید فن کے متوازن اسلوب کا بھی نام دیا جاسکتا ہے مگر رویے کو سماجی ایتری اور اخلاقی عمل کے بعد کی حیدرے کسی مادائی قوت یا کسی دھڑائی تجربے میں پناہ لینے سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

چھپا کے رکھ دیا پھر آگہی کے شیشے کو
اس آئینے میں تو پھرے بگڑتے جلتے تھے
کشور ناہید

اتار پھینکو بدن سے پھٹی پرانی قیض
بدن قیض سے بڑھ کر کٹا پھٹا دکھوں
محمد طلوی

ہر تے درد کی پوچھا کہ ہن لی میں نے
جاں ہند بڑ ہوئی میں تھا برہنہ ایسا
ساقی ماروقی

شام تک کھینچنے لے پھر تیں اس دنیا کے قم
مجھ تک خورشِ ندامت پر بڑا رہتا ہوں میں
احمد رضا قی

عادت ہی بنائی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس شہر میں بھی رہنا اکتائے ہوئے ہونا
منیر نزاری

ان شعروں میں اگر کسی قدر مشترک کی تلاش کی جائے تو اسے اور اتنی بچے کے علاوہ اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ وہ احصاء کی سزا ہے جہاں سے احتساب اور وجدان کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایک شاعر اپنی حد سے ٹپسی ہوئی آگاہی اور دفاعی کو انسانی رشتوں کے درمیان مائل قرار دیتا ہے تو دوسرا اپنی اطلاقی پہلی

کو چھپانے میں اپنے ناکام ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ کمی شاعر کے لئے صبح سے شام تک کی دنیا داری کی قیمت تمام سے صبح تک کی شرمساری سے ادا کرتا سب سے بڑا مسئلہ بن جاتا ہے تو کسی اور کے یہاں شہر میں جینے کی شرطیں اتنی ناقابل قبول ہیں کہ وہ دنیا داری کا حصہ بننے سے انکار کر دیتا ہے۔ ان شعروں میں دو اقدار اور عقائد سے غمزدی کا اندازہ اور تشکیک کی کیفیت۔ ان میں احتساب یا احترام کا وہ بوجہ ملتا ہے جس کی مدد سے مادی بہادری کے بجائے روحانی رشتوں کی بازیافت آسان ہو جاتی ہے۔ بہت اگر صرف ان شعروں تک محدود رہتی تو اسے مغرب بھی قرار دیا جا سکتا تھا، مگر جب ہماری نگاہ سے جدید شاعروں کی اسی نسل کے مندرجہ ذیل اشعار گزرتے ہیں تو ہم آسانی سے اسے مغرب قرار دے کر آگے نہیں بڑھ سکتے اس لئے کہ ان اشعار میں اقدار کی بازیافت کی کوشش بھی نمایاں ہے اور کمی داری قوت کے وجود کا احساس بھی:۔

نئی ہوا میں مہلک ہے پرانے پتوں کی
جو خاک ہو گئے پر شاخ سے جلائے ہوئے

ظفر اقبال
مکھاب ٹہنی سے ٹوٹا زمین پر نہ گرا
کرتھے تیز ہوا کے سمجھ سے باہر ہیں

شہر یار
گئے تھے لوگ تو دیوار قبرہ کی طرف
مگر یہ شور مسلسل ہے کیسا رونے کا

شہر یار
شاید کوئی چھپا ہوا سایہ نکل پڑے
اجڑے ہوئے بدن میں صدا تو لگائے
عادل منصوری

تین مکہ خوش ہوتا تھا ادیب کی روانی دیکھ کر
کاتب اللہ ہن گئی کوچوں میں پانی دیکھ کر

شہزاد احمد

میز اس شہر پر آئیں کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ گردش تیز تر ہے، اور سفر آہستہ آہستہ

مغیر نازی

رات میں نے ایک غمزدی کو دیکھا ہے زیب
اپنے چہرے کے اچالے میں رو کر کہتے ہوئے

زیب غوری

ان شعروں میں صرف بدلا ہوا طرز احساس ہی نہیں ملتا بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عقائد و اقدار سے محروم غزل کے جدید ہونے نے ایک ایسی کرکٹ لی ہے جسے روحانی تعمس کے آہنگ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ اشعار ان شاعروں کے ہیں جن کی غزل کا غالب رجحان ان کے وجودی رویوں سے تشکیل یافتہ رہا ہے۔ ان اشعار میں پرانی قدروں کی بازیافت تیز ہوا کے کرتھے میں غزلی قوت کی بلا دہی کا احترام اور موجودہ انسان میں زمانہ قدیم کے انسان کی موجودگی کا احساس جدید شاعروں کی نسل کے رویے میں تبدیلی دراصل ذاتی عوامل سے کائنات کو دیکھنے کی اہم پاندی کے رد عمل میں پیدا ہوئی ہے۔ اب بھی شاعر محولہ بالا اشعار میں کائنات کو روحانی حوالوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان شاعروں کو پہلے خوف، ان کی دور تشکیک کے عناصر سے بچنا جانا تھا۔ اب ہم ان کی بعد کی غزلوں میں یقین اور حیدرے کی لے کو بہت نمایاں طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گزشتہ دس پندرہ برس میں جدیدیت کے زیر اثر پروردان چڑھنے والے شاعروں کو ماضی میں بھی تبدیلی آئی ہے اور ان کے اعزاز و بیان میں بھی استقامت اور استحکام پیدا ہوا ہے۔ ظفر اقبال کے شعروں پرانے پتوں کا

شب خون

جو استقامتی پیکر بنا ہے وہ پہلی اقدار اور ان اقدار سے وابستہ احساس
کی تصویر ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے۔ ان قدروں کے حوالے سے درجہ
اور اخلاقی سہارے پر ان کے اعتماد کی مراجعت کو غرضی محسوس کیا
جاسکتا ہے۔ مینر نازی، ظفر اقبال اور شہر یار ہیں یا فخر زاد صریح
غوری، ان سب نے اپنے نسبتاً بعد کے زمانے کی غزلوں میں مادی
اور دنیاوی بیساکھیوں پر اعتماد کرنا گھوڑ روایہ اور اپنی شاعری کو
موضعاتی اور سانی سطروں پر ایک ایسے جدید ترہجے سے ہم آہنگ
کرنے کی کوشش کی ہے جو جدید غزل کے بعد کا مخصوص شعری تہجک
ہے۔ یہ وہی آہنگ ہے جس کی غزلیت سے بعد کی نسل کے شعری غزل
میں ایک نئے رجحان کی تشکیل ہوئی ہے۔ اس رجحان کے بکھرے پڑے
نقوش ابھی ہم ان شاعروں کے یہاں دیکھ چکے ہیں جو بنیادی طور پر عقیدہ
کے پراثر بدوان پر محضنے والے وجودی رویوں کے شاعر تسلیم کئے جاتے
ہیں۔ آٹھویں اور نویں دہائی میں سامنے آنے والے شاعروں کے یہاں
اعتقاد یقین، عقیدے اور اقدار کی شکست کا رجحان نہیں ملتا۔ ان
کی غزلوں کے اشعار کھلیے دجرائی تجربے کا حصہ معلوم ہوتے ہیں
جس میں اقدار کے حوالے سے ماضی کی طرف مراجعت اور روحانی نشوونما
کی بازیافت کی کوشش نمایاں ہے۔ غزل گوئی کی پوری روایت کے پس
منظر میں ماضی کی طرف مراجعت اور روحانی سہارے کی اس غزوت
کو ایک طرح کے صوفیاد رویے سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ماضی کا
روحانیت کی بازیافت کے اس صوفیاد رویہ کی تشکیل میں تاریخ کے
دیلے سے تعلیمات اور مذہبی واقعات کی مدد سے تصدیق کی جاتا آفریدی
نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے زیادہ مناسب ہوگا کہ روحانی
اور دجرائی تجربے کی مختلف جہات کو نظر انداز کر کے بغیر معاصر غزل کا
مطالعہ کیا جائے۔ موجودہ غزل میں روحانی اور دجرائی تجربے کا
موجودہ رجحان کو نہتہ بڑوں میں عام پھیل چکا ہے اس میں مذہب کے مخصوص
قدس کے پس منظر میں آج کی ہجرت کی حدود و قیود متعین کرنے کو بلا
کے تلازمات کو آج کی صورت حال سے ہم آہنگ کر کے دیکھئے اور

انسان کو مکانی ابعاد کے تناظر کا محسوس ہی نہیں، بلکہ زمانی تسلسل
کاتین کرنے والی مخلوق تسلیم کرنے، جیسے دھماکات کو ٹکڑی بہت خارج
طریقہ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

اتل، اید مرے دنیا کے دو کنارے ہیں
میں ایک رابطہ دونوں کے درمیان ٹھہرا
خاور اچاز

پانی سے ابلتے ہوئے انسان کا یہ شور
اس پار بھی ہوگا مگر اس پار بہت ہے

فرقت احساس
اپنے دیہات میں اب اپنا اگدارہ مشکل
اور ترے شہر کے آتے نہیں آکھ مجھے

شریف منور
خیال آتا ہے وہ کہ لوٹ جائے گا
سفر سے پہلے میں اپنے گھر ملانے تھے
آصفہ جیگری

شکم کی آگ لٹچر رہی ہے شہر بہ شہر
سگ زمانہ ہیں، ہم کیا، ہماری ہجرت کیا

افتخار صاف
مٹی کی محبت میں ہم آشفٹ سروں نے
وہ قرض اتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

افتخار صاف
ان شعروں میں محض ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل
ہونے کا مسئلہ زیر بحث نہیں آیا، بلکہ مکانی فاصلوں کے بالکل حوالہ
زمانی اور کائناتی سفر میں بھی انسان کی حیثیت متعین کرنے کی کوشش
بھی نمایاں ہے۔ یہاں ماضی اور حال ایک تسلسل کا حصہ بن گئے
ہیں اور آج کے انسان کا رشتہ قابل تائید شک کے حمد سے قائم
ہوتا نظر آتا ہے۔ اس انداز فکر کو اس نے بھی بہت اہمیت حاصل ہے

نام نہیں دیا جاسکتا اس لئے کہ ماضی اور تاریخ کے اس باقی و
 رہائے میں آج کے انسانی کی روحانی بڑی کی زیادہ واضح تصویر
 آتی ہے اور اسی میں مغربی صدی بڑی ہوئی مادیت کے نتیجے
 پیدا ہونے والے اخلاقی حوالے کا نقشہ بھی انکھوں کے سامنے آجاتا ہے
 آئیے اس لئے کو جدید تر عقل کے چند شعروں کی مدد سے سمجھیں۔

وجود پر انحصار میں سے نہیں کیا تھا

کہ خاک کا اعتبار میں نے نہیں کیا تھا

محمد اظہار الٰہی

جد کر کے نہیں مجھ کو آسمان سے اول سے

یہ کیسے سلسلے گندم کے دانوں میں بنے ہیں

محمد اظہار الٰہی

اگر دھت نہ دینے دشت جاں کے علاقے کو

تو پھر آزادی زنجیر پائے سے کچھ نہیں ہوتا

عزیز صدیقی

دنیا کے طریقے ہمیں اچھے نہیں لگتے

نادان اگر ہم ہیں تو نادان رہیں گے

ہمتا حمید نقوی

کسی نے بے سر دپائی کے باوجود مجھے

زمین سجدہ و ارض قیام پر رکھا

احمد جاوید

وجود پر انحصار و خاک کا اعتبار نہ کرنے کے نتیجے میں انسان

کو جو ملکوتی ارتقا حاصل ہوتا ہے اس کی جہاں تک مادی رشتوں کے

جملے جذباتی اور روحانی حوالوں سے رسائی حاصل ہوتی ہے جو

دور ہے آسمان اور ممالک کے استعارے بالترتیب روحانیت اور

بے لوث جذبات کی نشاندہی کرتے ہیں اور شاعر دردی روح کی تازہ

میں روحانی اور جذباتی ہماروں سے محروم ہو جانے کے کرب میں

دکھائی دیتا ہے اسی طرح دوسرے شعراء میں دھت جاں انکھوں کو

شب خون

کہانی سے کٹ کر انسان کی حیثیت کو تو کیا اس کی حرکات و سکنات
 کی نوعیت کو بھی نہیں سمجھا جاسکتا سو وہ عقل و ادھر سے انکھوں میں
 جدید تر عقل میں ماضی اور تاریخ کے حوالے سے آج کے انسان کی
 کوشش حوالہ اور حوالہ کے قہر کا اندازہ لگائے ہوئے ہے۔ موجودہ
 عقل میں ماضی کی بازیافت کی بجز حقیقت کے طور پر نہیں بلکہ ماضی
 کے دھیلے سے اقتدار و عقائد کے اچھا کاروبار ملتا ہے۔ چند جہز و
 اشعار میں ماضی کا ذکر بعض جگہ براہ راست انداز میں لگایا ہے، لیکن
 بیش تر اشعار میں ماضی کی مدد سے اخلاقی اقتدار کی شوکت کو مذہبی
 اور روحانی بنیادوں پر مستحکم دکھایا گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ماضی ہر
 سے متعلق تلازمات کے ذکر میں استعارہ سازی اور پیکر کشی بھی اپنا
 کوئی نہ کوئی روحانی حوالہ ضرور رکھتی ہے۔

میں اپنی کھوئی ہوئی لوح کی تلاش میں ہوں

کوئی ظلم مجھے چار سو بکا داتا ہے

عزیز صدیقی

مرے وجود میں زندہ ہے شوکت ماضی

میں ایک ستون ہوں گزرے ہوئے زمانے کا

غادر اعجاز

مجھ میں اب کیا رہ گیا ہے میرے ماضی کے سوا

دیئے ماضی کے سوا میں کچھ بھی تھا ہی نہیں

حب عارفی

وہ نمازیں کہ ادا ہو د سکیں

اب بھی محسوس میں دھوب لیتا ہے

نیم صدیقی

اے زین مجھ کو یا زبر ہے کہ میرے اجداد

بھوڑ کر تھرے لئے کو چہ دلدور آئے

سلیم کوثر

ماضی اور تاریخ کی اس بازگشت کو عرف ماضی کی بازگشت کا

روح مستور یا تھیں سجدہ اور افسانہ قیام جیسے الفاظ ہمیں ایک
 دل اپنے نقوی منی و غریب کی ادائیگی کرتے ہیں وہیں استعاراتی طرح
 پر ہی الفاظ زیادہ وسیع مذہبی اور مادیاتی فضا کی تخلیق بھی کرتے
 ہیں پکٹی اور سائیں دہائی کی غزلوں میں حقیقت اور قلب کے
 تضاد میں کیا کافی طرز زندگی کے خلاف جس رد عمل اور تہائی میراوری
 اور تنگی کے نتیجے میں ابھرنے والے عدم تحفظ اور اداسی کا اندازہ ہوتا تھا
 اس نے صرف غزل کے موضوعات کی حد تک اپنا دائرہ کار محدود نہیں
 رکھا بلکہ ان موضوعات کے اظہار میں بھی شمولیت نصرت نے اسالیب
 کا اضافہ کیا تھا۔ طنز و لب و لہجہ اور تضحیک کے قدرے غیر عادی آہنگ
 کے علاوہ بے تکلفی، خود کلامی اور سرگوشی کے لہجہ ہی اسالیب کے
 خلاف پہلے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غزل کی روایتی فضا میں
 جدید اسالیب کی آمد سے وسعت بھی پیدا ہوئی اور ان اسالیب ہی
 کی مدد سے زبان کے بہت سے نئے امکانات بھی سامنے آئے تھے
 — جدید غزل کے متنوع اسالیب کے بعض عناصر تو غزل کے مضامین
 مزاج سے ہم آہنگ ہو سکتے تھے سو ہم آہنگ ہو کر جدید غزل کی
 روایت کا حصہ بن گئے، مگر انہی غزل کے تجربے یا قسم آخر غیر تجربہ
 لب و لہجہ جیسے عناصر میں روایت کا حصہ بھی سکے چنانچہ جدید غزل
 میں اس قسم کی کسی بھی افراط و تفریط کا سلسلہ قائم دورہ سکھا اور گرفت
 دس پندرہ برسوں کی جدید غزل نے زبان و بیان کے سامنے مثال
 قبول اسالیب کو اپنانے کے باوجود رسانی اور اسلوبیاتی سطح پر بھی متحرک
 اور تازگی کی راہ منتخب کی۔ جدید غزل کے لیے میں یہ اعلا زایک تو
 جدیدیت کے زیر اثر سامنے آنے والی غزل کی تجرباتی اہتمام بندی کے
 رد عمل میں پورا ہوا ہے اور دوسرے یہ کہ گزشتہ برسوں میں تکنیک
 کے جاتے بھٹان، خوف کے جاتے اعتماد اور مادی صلاحیتوں
 کے جھلنے والی سہاروں کی تلاش و جستجو کے موضوعات نے
 بھی عناصر غزل کے لیے اور آہنگ میں ایک قسم کا ٹھہراؤ اور استحکام
 پیدا کیا۔

۱۵ جون، جولائی ۱۹۸۵

مذہبی اور دہائی سہاروں پر نقیہ اور مادی حقیقتوں کو
 جس دہائی نقطہ نظر سے دیکھنے کے باعث زبان و مکان کی کجبری
 ہوئی گویا کیوں کر ایک مرکزی سلسلے کا حصہ بن جاتی ہیں اس کی
 مثالیں متذکرہ بالا شعروں میں یہ آسانی تلاش کی جا سکتی ہیں
 اب ذرا یہ دیکھئے کہ آج کی غزل میں مذہبی استعاروں کی
 مدد سے کائنات کی مختلف حقیقتیں ایک مرکزی نقطے پر کیسے
 مرکوز ہو گئی ہیں

یہ کس نے دست بریدہ کی فصل بولی تھی
 تمام خیر میں دست دعا کل آئے

عزیز احمد نقوی

آتے ہیں برگ و بار دختروں کے جسم ہر

تم بھی اٹھاؤ ہاتھ کو موسم دعا کا ہے

اسعد بدایونی

میں اپنی رات کو تاریک تر بناتا ہوں

پھر لے چراغ تجھے معتبر بناتا ہوں

اسعد بدایونی

ایک نہیں ہیں اور دھک کتے دروازوں پر دہوں

نقصی لہجہ پر ہے سجدہ ایک پریشانی کرے

ہر تاب جدید نقوی

جلنے کس سجدہ کی صورت بن ہی قلب میں

جلنے کون سجدہ کی آہستہ لہجہ پریشانی ہے

فرحت امین

تمام وسعت محلے نعلی میری

تمام سلسلہ دجلہ و فرات مرا

حضرت نضر

کسی صحاب نے پوچھا نعلی کا حراج

گھٹا کے دھپ ہی بری مری دعا مجھ پر

حضرت نضر

اسی جہزہ جائے نماز پر فروت
نواد ہو گیا دست دعا بلند کے

ثروت سین

ان اشعار سے جس شعری منظر نامے کی تشکیل ہوتی ہے
اس میں عقیدے کی بازیافت کے رویے اور دعا اور انجما کے بیچ
کو مشترک قدر کی حیثیت حاصل ہے۔ تمام شعروں میں مذہبی
استعاروں سے محکم ہیکر بھی تراشے گئے ہیں اور وجدانی تقابلی
تیار کی گئی ہے۔ ان دعا و نغموں میں عقیدے کی ضرورت کے
ساحس کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ عقیدے کی ضرورت
وہی احساس ہے جس سے عروسی نے جدید غزل میں
ماوی رشتوں سے کٹا ہٹ اور قدروں کے اشتراک کی کیفیت پیدا
کی تھی ان اشعار کی روحانی فضا میں بعض مذہبی تصورات کی
کار فرمائی نہیں ملتی بلکہ ایک نیا صوفیانہ آہنگ بھی ملتا ہے
اس لئے اگر غزل کے جدید تر منظر نامے کو مذہبی حیدت، صوفیانہ
آہنگ اور ماحی کے جلوہ سے کھڑے ہوئے روحانی رشتوں کی
بازیافت پر مبنی قرار دیا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔ موجودہ غزل
کے اس منظر نامے کی تشکیل میں نسبتاً پرانی نسل کے جدید شاعروں
کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا گزشتہ دس پندرہ برسوں میں سامنے
سامنے آنے والے نوجوان شعرا کا یہ بات البتہ اپنی جگہ اب
بھی درست ہے کہ موجودہ غزل کے خصوصیات اور انجمن میں مذہبی
حیثیت کے علاوہ بھی بعض روحانات کی نشان دہی کی جاسکتی
ہے ایسی یہ حقیقت اپنی جگہ قرار دیتی ہے کہ مذہبی حیدت کے
نتیجہ میں ابھرنے والا صوفیانہ آہنگ آج کی غزل میں غالب
ترین روحان بن کر نمودار ہوا ہے۔

اقبال انسٹی ٹیوٹ کثیر لیبیریٹری سہی نگر فہرست کتب

- ۱۔ اقبال کی عملی اور نظری شعریات۔ پروفیسر محمد حسین خاں۔ ۱۲ روپے
- ۲۔ اقبال اور مغرب۔ مرتبہ پروفیسر اکل احمد سرور۔ ۱۵ روپے
- ۳۔ اقبال کے مطالعے کے تناظرات۔ " ۲ روپے
- ۴۔ اقبال اور اردو نظم۔ مرتبہ " ۳۶ روپے
- ۵۔ اقبال اور غزل۔ ایم۔ اے۔ انندیانی۔ ۴ روپے
- ۶۔ اقبال اور مغربی فکر۔ پروفیسر وحید الدین۔ ۶ روپے
- ۷۔ اقبال اور تصوف۔ مرتبہ آل احمد سرور۔ ۲۱ روپے
- ۸۔ اردو شعریات۔ " ۴۰ روپے
- ۹۔ جدیدیت اور اقبال۔ " ۱۸ روپے
- ۱۰۔ تفکر اقبال۔ سید وحید الدین۔ ۱۰ روپے
- ۱۱۔ ہندوستان میں تصوف۔ مرتبہ پروفیسر اکل احمد سرور۔ ۳۰ روپے
- ۱۲۔ خطبات اقبال پر ایک نظر۔ مولانا سید محمد اکبر آبادی۔ ۱۰ روپے
- ۱۳۔ ہماری تعلیمی صورتحال۔ آل احمد سرور۔ ۴ روپے
- ۱۴۔ حکمت گوشتے اور فکر اقبال۔ پروفیسر وحید الدین۔ ۴ روپے
- ۱۵۔ شخص کی تلاش کا سلسلہ اور اقبال۔ آل احمد سرور۔ ۲۰ روپے
- ۱۶۔ جدیدیت یا سن۔ رسائل اور مکاتبات۔ جرنل احمد سرور۔ ۴ روپے
- ۱۷۔ محمد اقبال۔ میر ہدیر بیگ، مسیح کبیر احمد عاظمی۔ ۱۸ روپے
- ۱۸۔ علامہ اقبال (مصلح قرن آخر) ڈاکٹر علی شیر علی (مترجم)۔ ۱۲ روپے
- ۱۹۔ ہندوستان میں اقبالیات۔ جگن ناتھ آزاد۔ ۴۰ روپے
- ۲۰۔ اقبال کی لغاری فارسی۔ مرتبہ محمد امین انندیانی۔ ۳۰ روپے
- ۲۱۔ اقبال۔ خطبات اور شاعری۔ " ۲۰ روپے
- ۲۲۔ سرود مکر آفرین از خلام رسول ملک۔ ۵ روپے
- ۲۳۔ اقبال اور قرآن۔ مرتبہ پروفیسر محمد امین انندیانی۔ ۴۰ روپے

مظہر الزماں خاں

صبح جب وہ سوکر اٹھے تو ہر طرف ایک شور مچا تھا کہ شہر کے سب سے معروف ترین چیلہ پر چلنے چلنے ایک شخص اچانک غمزدہ ہو گیا ہے کہ اس چیلہ پر وہ ایک غمزدہ کر رہ گیا ہے اور اس عظیم اور عجیب و غریب واقعہ کو دیکھنے کے لیے سارا شہر اندر پڑا ہے۔ پتھر پتھر میرے اندر یہ نفس جاگا کہ میں بھی جلد سے جلد جا کر اس شخص کو دیکھ آؤں جو چلنے چلنے اچانک غمزدہ ہو گیا ہے۔ لہذا میں جلدی سے تیار ہو گیا اور جس انہی کو دیکھنے کے لیے جب اپنے گھر کی دہلیز پر پھانسی توڑنا نے آکر کچھ پر کچھ ٹھہر کر دیکھ کر دہلیز پر آکر کچھ قدم اٹھائے گا کہ آج کل چلنے چلنے لوگ غمزدہ ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ اب زمین کا بھر و سر ہانہ پاؤں کا اور دستوں کا کہ سب کے سب بے اعتبار ہو گئے ہیں کہ ہر چیز غمزدہ ہوتی چلی جا رہی ہے۔ لیکن کل یا شاید پرچوں رات کی بات ہے کہ میں نے ایک بڑا عجیب و غریب خواب دیکھا کہ ایک بڑی لمبی قطار آسمانی بلند پہاڑی چوٹی پر چڑھ رہی تھی کہ اچانک ان کے پاؤں طائب ہو گئے تھے اور وہ سب کے سب گر گئے تھے۔ میرے ہمتیوں میں پہنچ گئے تھے کہ اب تو پہاڑ پر چڑھنا ناممکن ہو کر رہ گیا ہے لیکن لوگ دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پہنچ جایا کرتے تھے لیکن آج کل جھپٹی چھوٹی لنگریاں بلند ہیں پر پہنچ رہی ہیں اور بڑے بڑے پتھر لٹک لٹک کر پھرتے آ رہے ہیں۔ بہر حال اب میں روزانہ یہی خواب دیکھ رہا ہوں جس کا کوئی مقام ہے اور نہ کوئی منزل میری ہیسی ہے۔ کہا۔ آج زمین کے کسی بھی مقام پر سونے ہوئے جیسے ہی خواب نظر آئے ہیں جن کی تصویریں سوچ سوچ کر مجھے خوف ہوتے

لگتا ہے کہ تصویریں بھی پاؤں کی طرح غمزدہ ہوتی جا چکی ہیں کہ اب مجھ پر یہا نہیں ہو رہے ہیں۔ تو میں کو قتل کرنے والے ہر پیرٹ سے نکل کر رہے ہیں۔ لہذا آپ بھی بہت احتیاط سے پاؤں کو زمین پر رکھنے کا احتیاط سے چلنے والے پاؤں محفوظ رہتے ہیں بلکہ آپ تلواروں سے زمین کو پکڑ پکڑ کر چلا کیجئے کہ وہ پاؤں کے نیچے سے نکل کر فزادہ ہو جائے کہ اس یک ہیں زمین پر روں کے نیچے سے نکلتی چلی جا رہی ہے۔ ٹھیک کہتی ہوئے ہیں نہ کہا۔ کبھی کبھی میرے دماغ میں اچانک یہ خیال آتا ہے کہ میں فٹ پاؤں بھڑک کر رگڑ کے بیچ دو چھ چلوں اور کسی چیز سے ٹکرا جاؤں باہر چلنے چلنے بھٹک جاؤں۔ ہمارے پاؤں بڑے عجیب ہو گئے ہیں کہ اکثر اس قدر چڑھ جاتے ہیں کہ عورتوں کے اندر سماتے ہی ہیں اور بعض وقت اسٹے پھوٹے ہو جاتے ہیں کہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔

آج کل کسی بھی چیز کا اعتبار نہیں رہا؛ بیوی نے کہا۔ اب چلنے پر یہ کہہ کر بیوی نے ایک مرتبہ چھ پر اور میرے پاؤں پر چھو کر انہوں نے آکر اپنے اپنے رضا میرے جسم پر گر گئے ہوتے کہا۔ سہلی آئے گا پچا اور آتے وقت ہمارے سارے چلنے والی لڑکیاں ضرور نے آئے کہ تمام کھلونوں کے پاؤں آپ ہی۔ آپ ٹوٹ گئے ہیں اور ان کے اعضاء اور دھڑک رہے ہیں کہ کھلونے خود خود ٹوٹتے چلے جا رہے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ منہ کے گٹھے کا پاؤں بھڑک سے بھٹس کر لڑا اور ٹوٹ گیا۔ پچا فرم میں نے چوک سے وعدہ کیا کہ لیگاں کے پاؤں والے ایسے کھلونے لے آؤں گا جن کے پاؤں مضبوط اور با اعتبار ہوں گے۔ اور پھر اس سہلی کے عجیب و غریب

واقعہ کو دیکھنے کے لئے میں گھر سے نکل گیا اور پھر کچھ دیر کی مسافت طے کرنے کے بعد مقام وارڈن پر پہنچا تو دیکھا کہ چولہے پر ایک دھوم ہے اور شخص مجھ پر چلنے والے لکڑی کے ستون کی شکل کو کہتا ہے اور اس شخص کوئی کساؤ پر اقام کے پرندے مثلاً لارہ ہے۔
 میں اور پولس اس کے چاروں طرف حلقہ بنائے کھڑی ہے چنانچہ بڑی جلد بہرہ کے بعد جب میں جمع کو حیر کر اندر پہنچا تو حیرت سے میری آنکھیں پھیل گئی تھیں کہ وہ ایسے خاموش کھڑا تھا جسے زمین نے اس کے دونوں پاؤں کو چھوٹی سے جکڑ لیا ہے کہ وہ بالکل چھتر کے ایک ترانے ہوئے جسم کی طرح ہو کر رہ گیا تھا۔
 ”یکے اور کب ہو اچھا؟“ میں نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک بچی آنکھوں والے شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔ تو وہ بولا۔ ”یہ نہیں کہہ سکتوں ہو گیا اور پھر اپنے پاؤں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”سنا ہے کہ رات وہ شکر پیار تھا کہ اچانک پاؤں ہم کر رہ گئے اور رات اسے اب تک وہی طرح ساکت کھڑا ہے کہ کئی گنے چھو اسک نہیں چنا چنے اس کے ہاتھ پر بانٹا ہوا جو قدیم گڑھی ہے وہ بھی جوں کی توں محفوظ اور متحرک ہے البتہ کہتے ہیں کہ یہ بین رکھے ہوئے کچھ کا غذات دوا کی چون گویاں اور ایک کا غرض پر شاید اس کا نام اور پتہ کھا ہوا تھا کہتے ہیں کہ وہ پسینے سے بھیگ چکا تھا اور درخشانی پھیل جاتے کی وجہ سے اس کا نام دیر نہ مٹ گئے تھے۔ پولس حاصل کر چکی ہے اور سنا ہے کہ ایک اور زرد رنگ کا کاغذ بھی تھا جس میں ران گنت دائرے سے ہوئے تھے اور ان دائروں کے اوپر کہتے ہیں کہ ایک کو سے کی تصویر تھی پس میں نے جو کچھ سنا تھا تمہیں سنا دیا۔ ہمیر سے قریب کھڑے ہوئے بچی آنکھوں والے نے کہا۔

”اس کے آگے چلے کوئی تھا یا وہ اکیلا ہی تھا؟“ میں نے کہا۔
 وہ بولا۔ ”یوں لگتا ہے کہ اس کے آگے چلے بہت کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں تھا۔ ہو سکا ہے کہ اس کے اندر بہت کچھ ہو گا یعنی بہت سی کہانیاں بہت سے واقعات ان گنت سوالات بہر حال چلتے چلتے جب وہاں تک نہ ہو گیا تھا تو کہتے ہیں کہ بے شمار سواریاں اس کو چھانے کے لئے ایک دوسرے سے ٹکرائی تھیں۔

”کیا اس سے پہلے بھی کسی ایسے واقعات اس آپ کے سر پہ چلتے چلتے

پاؤں اچانک نہ ٹکرائے ہوئے ہیں؟“ میں نے کہا۔ وہ بولا۔ ”بھائی آدم صرف اس کے پاؤں نہ ٹکرائے ہوئے ہیں بلکہ وہ بھی پوری طرح بند ہو کر رہ گیا ہے۔ بالکل ہمگی طرح اور اس سے پہلے بھی کوئی ایسا واقعہ ہوا یا نہیں اس سے کم از کم میں تو واقف نہیں ہوں ہو سکتا ہے کہ ایسے ہی گنت واقعات یا حادثات ہو چکے ہوں یا ہو سکتا ہے کہ انہیں بھی ہوئے ہوں۔ لیکن اتنا یاد رکھیے کہ اب ہمارے پاؤں کی بھی وقت اور کی بھی چلتے چلتے اچانک کسی موڑ پر کسی راستے پر کسی شکر یا کسی چولہے پر ٹکڑ ہو سکتے ہیں کہ اب میں اپنے پاؤں پر اعتبار کرنا نہیں چاہتا۔“

”اعتبار تو اب میں کسی چیز پر نہیں کرنا چاہتا کہ تمام چیزیں بلا اعتبار ہو گئی ہیں۔ ابھی چند روز پہلے کی بات ہے کہ میرے پڑوس میں ایک گھر کھن کے لئے اجنبی ہو گیا تھا۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو کہ اب کسی بھی چیز کا اعتبار نہیں رہا۔ ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے کہ ہم لوگ سفر کر رہے تھے اور جس راستے سے میں اپنی منزل پر پہنچنا تھا وہ کوئٹہ کی ایک طویل سڑک تھی جو ہمیں ہماری منزل تک لے جاتی تھی کہ اچانک کوئٹہ کی وہ سڑک اب ہی آپ سانپ کی طرح مڑ گئی تھی۔ چنانچہ ہم اس سڑک کو چھوڑ کر دوسری سڑک پر چلے آئے لیکن کچھ راستہ طے کرنے کے بعد وہ سڑک بھی دوسری طرف مڑ گئی تھی لہذا ہم مجبور ہو کر جب اپنے گھر پہنچے تو وہاں ہمارا گھر ہی نہیں تھا کہ آج کل کئی بھی راستے یا سڑک پر ہم اپنی مرضی سے چل نہیں سکتے کہ تمام راستے اور سڑکیں اپنی اپنی مرضی پر چل رہے ہیں اور پھر ہم تو کئی تو اپنی مرضی کے مطابق نہیں رہے کہ اب ہماری کوئی مرضی باقی نہیں رہی اور ہم بھی ان اہم باتوں پر غور کرتے ہی نہیں کہ غور و فکر کرنے والے کی وہ بے شاشی لوگ تو گئے ہو سوں گے ساتھ ہی تاریخ بن گئے ہیں اور ہم بے تاریخ دے اعتبار کو نہ پہنچا لی لوگ جو دراصل کبار لڑکی کو دکھان میں پڑے ہوئے ہیں۔ اپنے اپنے سہول کو کھولیں لیکن کہہ کر زمین کے اندر میرے پی رہے ہیں کہ اب ہم میں جگنو دینے کی صلاحیت بھی باقی نہیں رہی کہ ہمارے چاروں طرف گڑھی کی سڑکیں سے بھل بھل کر گرتے ہوئے سیاہ پٹان لے ساہیل کو دکھائی ہوئی آسیب زدہ دھوپ پاؤں کو کھڑائی ہوئی سڑکیں بارود کی زمیں پر آوازوں کا جوم بھٹکتے بھٹکتے ہوئے کم قند

اور جو کہ وہی جہتی ہوئی تھی کہ لوگوں نے گھر رکھا ہے اور پہلے بتا دیں کہ وہیں پر
مدریں کا ہونا تھا۔ یہاں پہلے ہوا ہے کہ آہستہ آہستہ گورنر صاحب نے بتا دیے
وہاں اور غریبوں کو بھی اس میں سمجھواتے رہتے ہیں جو جتنی بھی ہوتی، انھیں
کی اوروں کو ٹھیک سے ریفورم نہیں کر سکتے۔ تم دیکھو گے کہ ایک دن ہم سب کے
سب اس آٹھ کی طرح ایک ایک کر کے منظر ہو جائیں گے اور پھر... دفعتاً
نئی پولس نے ملنے کا وارنٹ کیا کہ اب اس منظر آٹھ کی کو یہاں سے ہٹایا جا رہا ہے۔
لہذا آپ بھی اس سے گزراؤ۔ کیا جاتی ہے کہ اپنے اپنے گھر کو لوٹ جائیں
کہ اب تمہارے گھر میں اس کا وارنٹ ہے۔ یہ ہے اور یہاں کی آٹھ کی وارنٹیں ایک
کیا اس منظر آٹھ کی کو یہاں سے ہٹایا جا رہا ہے۔ "بیک وقت ہزاروں
آٹھوں نے کہا۔

"ہاں! یہاں سے ہٹایا جا رہا ہے کہ راستہ JAM پکے
رہ گیا ہے۔"

"اس سگت آٹھ کی نہیں رکھتا ہوں گا کہ یہ آٹھ کی اس تیر تیر صدی کی
تاریخ ہے لہذا اس تاریخ کو دوری ہاتھوں کی طرح ادھر ادھر نہیں کیا جا
سکتا کہ تم لوگ تاریخ کو تبدیل کر دینے میں ماہر ہو۔ یہ عجم نے کہا۔

"یہاں اس آٹھ کی کو رکھا نہیں جا سکتا کہ یہاں سب سے مصروف تھا
ہو رہا ہے اور پھر پہلے اہم مقام پر صرف یہی قسم کے لوگوں کے جلسے ہی منعقد
کئے جاسکتے ہیں۔ ایسے یہ کہارے نام اہم سے شافقت آدمیوں کے نہیں پولس
کے افریوے تو عجم نے منع کر کہا۔ جب تک کہ اس منظر آٹھ کی کے چاروں
طرف زنجیروں کے بار لگا کر محفوظ نہیں کیا جاتا اس وقت تک ہم یہاں سے
بٹیں گے نہیں، چنانچہ پولس اور فہر کے بڑے بڑے لوگوں نے ہر طرح
کی کوشش کی تاہم عجم ابھرتا تھا کہ اسے اس مقام پر رکھا جائے۔ لہذا
ادھر سے چند پرندے غلطوے کر گئے کہ اس آٹھ کی کو دینے رکھا جائے
کہ یہ اس صدی کا سب سے عجیب و غریب حادثہ پایا ہے۔"

سب سے پہلے ان کے منظر کے چاروں طرف اور اس کی زور دینا دینا وہ
دو دن تک چلی ہوئی تھیں اور تمام پرندے اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف
لوٹ رہے تھے اور چند زور دینا دینا اس منظر آٹھ کی کے چاروں طرف چلی ہوئی

تاریخیں لکھا ہے کہ اور جب وہ تاریخوں کی باز لگا چکے تو ایک سنگ توڑ
آکر پھر ہر تاریخ کو دے لگا کر یہ اس تیر تیر صدی کا ایک ایسا آدمی ہے
جو چلتے چلتے اس پہاڑ پر جا چکا تھا کہ ہو گیا تھا "سنگ توڑ" جب پھر ہر
تاریخ کنہ کر چکا تو سورج پوری طرح ڈوب چکا تھا اور وہ سب کے
سب اپنے اپنے پاؤں کو دیکھتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ
رہے تھے لیکن چلتے وقت انھیں ایوں لگ رہا تھا کہ کسی ان کی ایڑیاں سننے
آئی ہیں تو کبھی بچے ویجھے جا رہے ہیں۔

دقار خلیل کا مجموعہ کلام

حق

قیمت : تیس روپے
ملاحظہ : شب خون کتاب گھر
۳۳ رانی منڈی الر آباد

میدان فکرت کا مجموعہ کلام

خودرو

قیمت : اسی روپے
ناشر : مکتبہ اشعر و حکمت
۱۲-۴۵۹-۳-۴ سائین
کپاڑیہ لین
حیدر آباد

فاطمہ صحن

وہ ایک لمحہ

بیت گمے ہیں کتنے دن
جب تم نے یہ مجھ سے کہا تھا
”تم مجھ کو ابھی لگتی ہو“
اور میرے ہاتھوں پر تم نے
ایک وہ لمحہ چھوڑ دیا تھا
وہ لمحہ جو ان دیکھی زنجیر کی صورت
روح سے لپٹا، دل میں اترا
خون میں تیر گئی
آج اس لمحے کو بھلے
کھڑی ہوئی ہوں برسرِ مری پر

مگر

ایک مکان اور بستر سے
اور برق سے
کیا مگر بٹا ہے
مگر بٹا ہے تم سے
تم جو ہنستے رہتے ہو
ہنستا ہے مگر بھی
روٹھو گئے جو تم
تور وٹھے گی ہر چیز
چیزوں میں ہو جاؤں گی تبدیل
بسترِ ابد برق کی طرح
بتر یا برق سے
کیا مگر بٹا ہے
مگر بٹا ہے تم سے

ہفتہ چنگیزی

برامت جان اتنا حوصلہ اچھا نہیں لگتا
یہ اٹھتے بٹھتے ذکر وفا اچھا نہیں لگتا
جہاں لے جاتا ہے جلے لڑکے جیسے ہیں
کہ ہر دم کا تھکا ہوا اچھا نہیں لگتا
بچھ میں کچھ نہیں اتنا سمندر جب بلا تلبے
کسی ساحل کا کوئی مشورہ اچھا نہیں لگتا
جو ہونہ ہے کو دو دنوں چلتے ہیں پھر نکلتا کیا
یہ بے مصرف خطوں کا سلسلہ اچھا نہیں لگتا
اب ایسے ہونے کو باتیں تو ایسی روز ہوتی ہیں
کوئی جو دوسرا بوسے ذرا اچھا نہیں لگتا
ہمیشہ نہیں نہیں سکتے یہ تو ہم بھی سمجھتے ہیں
ہر اک محفل میں منہ دکھا ہوا اچھا نہیں لگتا

دور تک پھیلا سمندر مجھ پر ساحل ہو گیا
لوٹ کر جانا یہاں سے اور مشکل ہو گیا
داخلہ ممنوع لکھا تھا فحیل شہر پر
پڑھ تو میں نے بھی یا تھا پھر بھی داخل ہو گیا
ایک موقع کیا ملا خوش فہمیاں بیٹھیں
راستہ اتنا پند آیا کہ منزل ہو گیا
پہلے بھی یہ سب مناظر دیکھے تھے اس دفعہ
ایسا کیا دیکھا کہ تجھ سے اور غافل ہو گیا
خوب بھی باتاں میں مل جاتے ہیں تبیر بھی
پہلے لوگوں سے نہ تھا آج قابل ہو گیا
اس دھوم بیکلا سے بھاگ کے جانا کہاں
تم نے روکا تو بہت تھا میں ہی مثال ہو گیا
اھر کیا دیتا ہلاک نور دی کا خراج
تو چھا تھا سب کے تو بھی نذر عمل ہو گیا

غصہ

پھر یقین آج دھند پر کر لوں
اپنی آنکھوں کو بے نظر کر لوں
کیا پتہ عید کب چلی جائے
غصہ خواب کا سفر کر لوں
ذہن دل سوپ دوں مقدر کو
اور باقیوں کو بے ہنر کر لوں
آج بھی یاد کوئی آ جائے
آج کی رات بھی بسر کر لوں
سگ آئے سے پیشتر ہی میں
کیوں نہ پیروں کو بے فکر کر لوں
یہ بھی قیمت نہیں کہ میں اپنا
غصہ عمر غصہ کر لوں

جس دن تم آنکھیں کھولو گے دنیا کو جب دیکھو گے
تیر کی میں نور کا منظر سورج میں شب دیکھو گے
دھبے دھبے ہر جانب ساٹا سا چھا جائے گا
سو جائیں گی رفتہ رفتہ آوازیں سب دیکھو گے
کھینچے سارے ٹوٹ چکے ہیں پھیر گرنے والے
بنیادوں پر جیسے والو اوپر کو کب دیکھو گے
شاید تم بھی میرے جیسے ہو جاؤ گے آنکھوں سے
سننے پہرے لنگ زبانیں زرد بدل جائیں گے
کل تک جو شفاف تھے پہرے تھویروں سے غالی تھے
آؤی تیر بھی زرد دیکھیں ان پر بھی اب دیکھو گے
بانس ابھی تو کاڑھے ہیں، رسی بھی پھر تانیں گے
صبر کر دو کچھ اور بھی بچوں گے کرب دیکھو گے

شاہد عزیز

پرندے

پرندے جب کبھی
اوجھی اڑانوں پر بھٹکتے ہیں
مگر سورج کے ڈھلنے تک بھی جب
واپس نہیں آتے
تو پھر یہ شام کے منظر
انہیں آواز دیتے ہیں
درختوں میں ہوائیں دیر تک
بے چین رہتی ہیں
تو اپنے آپ سے گھبرا کے منظر
ڈوب جاتے ہیں
انڈھیرے پھیل جاتے ہیں

زندگی

بہت دیر تک
آسمانوں میں
سورج بھٹکتا رہا
میں تاریکیوں میں
سلگتا رہا
زمین اپنے محور سے
ہنسی رہی
ساطوں پہ
سمندر پکا رہا کئے
کہ اب ریت مجھ میں
سا جائے گی
یہ آب رواں
خشک ہو جائے گی

شاہد عزیز

”دیوانہ“

دور کی کھڑکی سے کوئی
جھانک رہا ہے
گھر کے سونے آئین میں
نیم کا سایہ اونگھ رہا ہے
اور صدائیں
کانوں سے ٹکراتی ہیں
سب دروازے
بند پڑے ہیں
اک دروازہ
کھلا ہوا ہے

بیٹھ گیا ہے ٹھک کر کیوں
پیر دں میں ہے چکر کیوں
اس کی کھڑکی پر اب تک
پھینک رہا ہے پتھر کیوں
سورج اپنے ساتھ لئے
ڈوب رہا ہے منظر کیوں
جس کی ایک حویلی تھی
پھر تباہ ہے وہ درد کیوں
ان اجڑی تہذیبوں کا
بوجھ ہے تیرے سر پر کیوں

صدر امام قادری

(۱)
کبھی کسی پر غم نہ ہوتا ہے
کہ زندگی سارا درد و جدوجہد کی شے ہے
کوئی بات کو کچھ درد پہنچتا ہے
یا کہ شاید بہت بڑا

(۲)
زندگی میں شخصی جواب دہی کی
جتنی بڑی ہریت
لگتی ہے
اس کی ادھنگلی میں ہی

(۳)
اکیلے پن کے خوف
اور ساتھ کے دکھ

کچھ
زندگی گزارنے کی صورت حال
اور بیک در بیک کے لاکھ عمل میں کیا ہوا
وہ ایسا آؤنگی ہے
میں کے اندر باہر
خود خود ٹوٹنے اور بکھرنے کی
صفتیں رکھتی ہیں۔!

پرکاش تیواری

بدلتے منظر

عادل اسیر

اے

اب ندی میں خون ہے پانی نہیں ہے	میں چلتا تھا	چمکتا
اب پرندے اس طرف آتے نہیں ہیں	منظر حسین تھا کتنا	جون کا سورج
ساحلوں پر،	اب ماں	جب آسمانے سروں پر
سبز پیڑوں کی جگہ اب سرخ آندھی خمیر زن ہے	ہاتھ میرا تھا ہے	توڑ میں
جو مسلسل،	جب چلتی ہے پگ پگ	لاوا اگلتی ہے
ان کی دہشت میں اضافہ کر رہا ہے	روح میری	امادس کا اندھیرا
	کانپ اٹھتی ہے	بڑھے جب لگتا ہے
	نئے منظر کا	تب ننھے دیئے کی لو
	چہرہ دیکھ کر	رزنے لگتی ہے
	اک اور	دہشت سے
	یگیتا	مجھ کو یاد ہے
	۔۔	جب ہاتھ ماں کا تھا مگر

شمس الرحمن فاروقی

ادبیات مطالعات کے سلسلے میں "تیسرے" کا لفظ اردو میں کم ہی استعمال ہوتا ہے۔ خواب کی تعبیر، تو عام اور متسلّم فرمے، لیکن (مثلاً) "سید قرطبی کی تعبیر"، "توبہ النصوح کی تعبیر" "بیراقی کی تعبیر" جیسے فقرے کم سننے میں آتے ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں تیسرے تعبیر کہتے ہیں ابھی اردو کے ادبی مطالعات میں عام نہیں ہوئی ہے؟ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں تیسرے کہتے ہیں وہ جاسے یہاں کسی اور نام سے یا مختلف ناموں سے معروف ہے؟ اگر ہم یہ کہیں کہ "تیسرے" اردو میں عام نہیں ہوئی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شرح، تفسیر، تفسیم، تشریح، اظہار خیال سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو "تیسرے" سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر یہ سوال ابھی اٹھ سکتا ہے کہ شرح، تفسیر، تفسیم، تشریح، اظہار خیال یہ سب الگ الگ چیزیں ہیں یا ایک ہی شے کے مختلف نام ہیں؟ ہم فرض کر لیں کہ یہ سب چیزیں ایک ہی ہیں، اور ان کا مقصد کسی متن کے معنی بیان کرنا، اس کی وضاحت کرنا، اس کو واضح کرنا، اس کے مطالب کو کھول کھول کر کہنا ہے۔ یا ہم یہ بھی فرض کر سکتے ہیں کہ شرح، تفسیم، تشریح وغیرہ الگ چیزیں ہیں۔ مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ "شرح" میں حتیٰ لاف و زوائد نہیں ہوتی بلکہ اس پر اظہار رائے یعنی اس کے لیے

میں اقداری فیصلہ بھی ہوتا ہے۔ یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ تشریح سے مراد کچھ متن کے معنی کو واضح کرنا ہے، اور ہیں۔ یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ تفسیم سے مراد کسی متن کے معنی اس طرح بیان کرنا ہے کہ وہ مولیٰ پرستوں کی بھی سمجھ میں آجائیں۔ یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ "اظہار خیال" سے مراد کسی متن کی عمومی صحت حال پر تبصرہ کرنا ہے اور اگر اس تبصرے کے ذریعے اس کے معنی بھی واضح ہو جائیں تو یہ اضافی فائدہ ہے۔ تفسیر کے بارے میں ہم جانتے ہی ہیں کہ یہ اسلامیات کی اصطلاح ہے اور عام طور پر قرآن و حدیث کی شرح کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ مذہبیات کے عالم سے ہونے کے باعث اسے دوسرے مقدس متنوں کی شرح کے لئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً انجیل کی تفسیر، گیتا کی تفسیر، دفرہ۔ لیکن تفسیر کے معنی کو یہ تخصیص مضمّن مائل ہے، خود اس لفظ کا مادہ "فسر" ہے، جس کے معنی ہیں "واضح کرنا، ظاہر کرنا، دکھانے ہوئے کو کھول دینا"۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شرح، تفسیر، تفسیم، تشریح، اظہار خیال ان تمام اصطلاحوں میں متن کے معنی بیان کرنے کا عنصر مشترک ہے۔ لہذا اگر یہ چیزیں ایک ہی طرح ہوں تو انفرادی طور پر "تیسرے" سے مختلف ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "تیسرے" واقعی کوئی ایسا کام کرتی ہے جو شرح، تفسیر وغیرہ سے نہیں ہو سکتا۔ اچھا اگر تعبیر واقعی کوئی ایسا کام کرتی ہے جو تفسیر اور شرح

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری O.E.D. کا بیان ہے کہ
 INTERPRET اصطلاحاً سنسکرت ہے اور اس کا مادہ ॥

PRATHA ہے، بمعنی پھیلاتا۔ اس کے بعد کے معنی

حسب ذیل مدعہ ہیں :

TO EXPOUND THE MEANING OF (SOMETHING
 ABSTRUSE OR MYSTERIOUS) TO RENDER
 (WORDS, WRITINGS, AUTHOR ETC.) CLEAR
 OR EXPLICIT TO ELUCIDATE, TO EXPLAIN

برسبیل تذکرہ یہ بھی حرمی کردوں کہ RANDOM HOUSE ڈکشنری

INTERPRET کے ایک معنی DECIPHER بھی دیتے ہیں۔

چند آدمیوں نے زیادہ تر ایسے معانی بیان کیے ہیں جن کا آکسفورڈ واپس

آتے ہیں۔ یہاں INTERPRETATION کے معنی حسب ذیل ہیں :

THE WAY IN WHICH A THING OUGHT TO
 BE INTERPRETED; PROPER EXPLANATION,
 HENCE SIGNIFICATION, MEANING.

مرزا مہاراجہ نے مزید وضاحت کر دی ہے :

TO INTERPRET IS TO GIVE THE MEANING
 OF SOMETHING BY PARAPHRASE, BY
 TRANSLATION, OR BY AN EXPLANATION
 (SOMETIMES INVOLVING ONE'S PERSONAL
 OPINION AND THEREFORE ORIGINAL),
 WHICH IS OFTEN OF A SYSTEMATIC AND
 DETAILED NATURE.

کالز کوئلز COLLINS COBUILD

اس میں بالکل زمانہ حال کے روزمرہ کی روشنی میں الفاظ کے معنی

ان کے عمل استعمال کے ذریعہ واضح کر گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو :

مغیر وہ نہیں ہو سکتا تو اردو دوائے تعبیر کے تصور اور تعبیر کے ذریعہ ہم
 انجام پاتے ہیں ان سے عام طور پر ناواقف کیوں ہیں ؟ ہم جواب میں کہہ
 سکتے ہیں کہ اردو زبان اس کا ادب، آوارہ اس کا ادب پیدا کرنے والے
 حسب پس مندر اور علمی اعتبار سے بہت ہیں۔ لہذا اگر وہ تعبیر کا حق
 ہیں تو طلب کیا ہے، آخر حال کے بلکہ وہ نچرل شاعری سے بھی ناواقف
 تھے۔ اگر یہ کیا جائے کہ اردو دوائے پس مندر اور نظم و نثر بھی، لیکن
 عربی تو فنی زبان ہے اور عربی میں تو اعلیٰ درجے کی تنقیدی تحریریں اور
 فکری تنقید پر جو دوسرے عربی میں "تیسر" کا تصور کر لیں، تو اس
 کا بھی وہی جواب ہے کہ عربی دوائے "نچرل شاعری" کے تصور سے بھلا تعلقات
 تھے۔ ایک زبان میں عربی تو فنی و فاضلہ زبان رہی ہوگی۔ لیکن حمد و تعظیم
 جو معانی اور ملاحظہ و فہم کو جس مل دوسرے کے بدلے استعمال کیا تھا اور
 شہادہ و بیگناہی کے معانی استعمال کیا تھا، اسے کیا نسبت ؟
 تعبیر کا تصور جدید اور فنی یا فنی تنقیدی شعور کا پیدا کر دینے پر لے
 نہانے میں اس کا ذکر کہاں ؟

یہ دور اظہار ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تشریح، شرح، تفسیر وغیرہ
 سے اردو میں کم و بیش وہی کچھ مراد لیا جاتا ہے جو تعبیر سے مراد لیا جاتا
 ہے ؟ یا لیا جاتا ہے ؟ تشریح، تفسیر وغیرہ کو الگ الگ مل تصور کریں
 اس کے ایک مل کو مختلف نام قرار دیں۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ ان سب
 میں تفصیلی معنی کا عنصر ہی حد تک مشترک ہے۔ اب اگر "تعبیر" ان
 چیزوں سے مختلف نوعیت کی چیز ہے تو ہمیں "تعبیر" کی نوعیت کو واضح
 کرنا چاہئے۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ اگر شرح و فہم کا کام کسی نہ کسی
 نچلے معنی سے متعلق ہے تو ممکن ہے "تعبیر" کا کام معنی سے نہیں بلکہ
 کسی اور چیز سے متعلق ہو۔ چونکہ ادبی مطالعات کے میدان میں لفظ "تعبیر"
 کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور "تعبیر" کو

کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ لہذا یہ چنانچہ نا مناسب نہ ہوگی کہ
 اگر عربی میں ان الفاظ (یا اصطلاحات) کو کہیں معنی میں استعمال کیا جائے

کے ذریعہ جس چیز کو نشان دہی ہوتی ہے وہ سب ایک ہی چیز ہیں
یعنی اغلب ہے کہ ایک دوسری سے بہت زیادہ مختلف ہوں، لیکن
سب کو جوئی حیثیت سے

INTERPRETATION

اس بحث کا نام ہے جس کے نتیجے میں تفسیر بالآخر میں
ان نام کے لفظوں میں

INTERPRETATION

ہے جو کسی شخص کے معنی بیان کرنے کے لئے
تفسیر کی ہے

INTERPRETATION

INTERPRETATION

اصول کے تحت
تفسیر کے تحت

INTERPRETATION

وہ عمل جس کے ذریعہ کسی شخص کے معنی بیان ہوں، تفسیر کا نام ہے۔ اس کے
آٹھ اقسام ہیں جن میں سے ہر ایک کے لئے ایک نام ہے۔ یہ ناموں کے تحت

کو اپنے اندر جذب کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔ یعنی اس تفسیر کا
بیان مناسب نہیں ہو سکتا ہے کسی شخص کے لئے اور اگر اس کے لئے

کس بھی درجہ سے، کو کسی تفسیر کا نام ہے اور اس کے لئے جو ہر تفسیر
کے ایک ہی تصور کے بنیاد پر کسی صورت میں لکھنے کے لئے

TO INTERPRET

صورت کے معنی جو اب بیان کیے ہیں
میں سے دو معنی کہ ہم اب ایک شکل اور کرتے ہیں۔ یہ صورت

ان کو کہیں حساب میں لے لیا جائے پہلے زمانے میں
کے معنی ترجمہ کرنا

TO TRANSLATE

تھے۔ آج کل کے معنی کی یادگار لفظ
میں سے۔ یعنی وہ شخص جو غیر زبان سے خودی تفسیر کے لئے

درمیان گفتگو کو کہن کر کہے، اسے ترجمان یا
کہتے ہیں۔ لیکن علم المعنی کے میدان میں

INTERPRETATION

اور ترجمہ بعض حالات میں اب بھی ہم معنی ہی مضبوطی سے تفسیر
را اسے جو بھی نام دیں اسے اسی ترجمہ کی کر کوئی حقیقت ہے۔

جہاں پر اسے ترجمہ کر کے اس کا اس میں تھا چاہے اسے
اشرف علی تھاکر کہتے ہیں: "مضامین قرآن مجید کے تفسیر کا نام ہے"

لہذا اس کا نام ہے ترجمہ یا تفسیر کے لئے اس کا نام ہے۔

INTERPRET

INTERPRETATION

1. IF YOU INTERPRET WHAT SOMEONE SAYS OR DOES IN A PARTICULAR WAY, YOU DECIDE THAT THIS IS ITS MEANING OR SIGNIFICANCE.
2. IF YOU INTERPRET A NOVEL, DREAM, RESULT ETC, YOU GIVE AN EXPLANATION OF WHAT IT MEANS.

1. THE INTERPRETATION OF A PARTICULAR SITUATION, LAW STATEMENT, ETC, IS THE EXPLANATION OF WHAT IT MEANS. DIFFERENT PEOPLE MAY HAVE DIFFERENT INTERPRETATIONS OF THE SAME THING.

تفسیر بالآخر سے معلوم ہوتا ہے کہ
بنیادی طور پر معنی بیان کرنے کا عمل ہے اور اگر تفسیر اور

ایک ہی شخص ہی تو تفسیر، تفسیر، تفسیر
تفسیر، تفسیر اور انہماک میں کوئی ایسا فرق نہیں جس کی بنا

پر تفسیر کو تفسیر وغیرہ مختلف ناموں پر لکھا جائے۔
ہو سکتا ہے یہ سوال اٹھے کہ تفسیر میں کسے ہوئے

معنی خواہ کتنے ہی مترجموں لیکن یہ کہاں ضروری ہے کہ وہ
اصطلاحی معنی بھی بیان کرتے ہوں؟ ہو سکتا ہے کہ تنقیدی اصطلاح

کے طور پر
کسی مخصوص اور مختلف معنی کا حامل ہو

اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ
اس کے کم و بیش مرادوں کے طور پر حسب ذیل الفاظ (یا اصطلاحات)

مغرب میں رائج ہیں:

COMMENTARY, EXEGESIS, EXPLANATION
DU TEXTE, EXPLANATION, EXPOSITION,
DESCRIPTION, ANNOTATION.

زیر تفسیر الفاظ اراک کہتا ہے کہ "لیکن اغلب ہے کہ ان اصطلاحات
میں سے کوئی ایک یا دو لفظ

دنظار ہے کہ ہم کو تبلیغ بدون ترجمے کے نہیں ہو سکتی۔ اگر ترجمہ قائم
 قائم اصلی کر کے نہ ہو تو لازم آئے گا کہ ہر ملک سلف پران اجزاء کی
 تبلیغ کئے نہ ہو۔ حالانکہ وہ اصلی ملک ہے پس ترجمے کو قائم مقام
 اصل کے کہنا ذمہ ہے۔" واضح رہے کہ یہ گفتگو سورہ آل عمران کی
 آیت نکاحات و منکاحات کے حوالے سے محدود ہے۔ ظاہر ہے کہ
 منکاحات کے ترجمے میں غلط فہمی کا امکان رہتا ہے۔ جو انسانی
 تشابہ و تناسل کی مثال دے کہ کہتے ہیں کہ استوری کی تفسیر
 یہ ہے کہ تفسیر منسوب ہے ہوگی اور اس کی اصل قسطنطنیہ، تو
 بھی اسے صحیح تفسیر ہی پر عمل کیا جائے گا۔ مثلاً استوار کی تفسیر
 مختلف ہوتی ہیں۔ استوار، طو، استیلا، اقبال۔ یہ سب معنی
 حقیقہً فتویہ ہیں۔ ہر مولانا کہتے ہیں کہ استوری کا یہ ترجمہ ہوگا
 وہ ان ہی معانی حقیقہً تفسیر میں سے کسی کا ترجمہ ہو گا۔ پس ان سب
 معانی سے تفسیر کرنا بھی جائز استوری سے تفسیر کرنے کے ہوتا ہے۔
 لہذا ترجمہ بھی تفسیر کو ایک طریقہ اور تفسیر کا لنگڑا لہجہ ہے
 اور یہ صرف زبان سے اپنی زبان یا کسی زبان سے کسی اور زبان میں
 ترجمہ کرنے پر محدود نہیں۔ ہم خود اپنی زبان سے ہر وقت ترجمہ کرتے
 دیتے ہیں تاکہ متن کو سمجھ سکیں۔ کسی بھی زبان سے ترجمہ کی ناکامی خطا ترجمہ
 یا تفسیر کو راہ دیتی ہے اور اگر متن طنزیہ یا مزاحیہ ہو تو خود اپنی زبان میں
 بھی ترجمہ کی ناکامی واقع ہو سکتی ہے۔ یا اگر متن کی روایات سے باخفا
 دہر، یا متن کے معنی کی طرف سے چٹم پوٹی ہو جائے تو بھی اپنی زبان سے
 ترجمہ نام کام ہو سکتا ہے۔ ایسی کبھی متن کی صورت کو CODE میں
 ہوتی ہے اور اسے DECODE کئے بغیر اس کے مفہم تک رسائی نہیں
 ہو سکتی۔ اگر کوئی دشمنی کا غلط طریقہ اختیار کریں تو اگر یہ ترجمے کی غلطی
 اور تفسیر کی ناکامی ہے۔ مثلاً اندر درجہ ذیل شعر میں کئی طرح کی مثالیں
 کے پہلو میں ہے

بندہ ناما ہول دم صبح و دو دولت میں
 قفل کھل جائے تو طالع کی رسائی ہو جائے
 (نادر مکتوی)

اس ہجرت ہوائی کا استدراک ہے۔ طالع کھلنے کا آواز ملنے کی علامت ہے۔ اس نے
 اس فعل کی روایت سے لے لے ہیں۔ استغفر اللہ جان اس بات سے کہ کوئی کون نہیں
 کہ شراب چاہے یا غراب، بنیادی بات یہ ہے کہ ہولنا ہجرت ہوائی کو اس شر
 کی تفسیر میں بالکل کامیابی نہ ہوگی کیوں کہ بقول شاعر نے باتیں نکلنا اور گزیر
 (۱۱) شہر کا ہر مزاج اور خوش طبعی کا ہے۔ حالانکہ اس کا ترجمہ
 پہلے میں کیا۔

(۱۲) رعایت غلطی کا سدھار دینی کہ داریں گی بنا پر شعر کو
 PRACTICE کا نونہ کہہ سکتے ہیں۔ (واضح رہے کہ وہ معیاری طے نصیف کو
 WRITING PRACTICE قرار دیتے ہیں)

(۱۳) اس شعر کی کو دشمن ماضی کے کوڑے نہیں بلکہ اپنی ماضی کے
 کوڑے ہیں تاہم یہ بین بیان عشق و دہائی تہہ سے معنی کو یاد
 مران کے بجائے پیکڑوں کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔

TO DECIPHER TO INTERPRET
 یہاں تک سوال
 DECIPHER
 یہ کہ کسا غلط تہم کیوں، ماضی ہوئی عباراتوں وغیرہ کو پڑھنے
 کے استعمال ہوتا ہے۔ لہذا یہ لکھتے ہیں کہ کوئی متن بہت مشکل یا مبہم ہوا
 اسے پڑھنے یعنی اس کا مفہم بیان کرنے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے یہ
 بھی تشریح یا ڈیکو ہے۔ کو کھولنے کا عمل ہے۔ لیکن معاملہ اتنا سادہ نہیں۔

PAUL RICOEUR
 بال کرکڑ
 نے تفسیر کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ اب جب ہم ایک
 فرد کو اور غلطی کے بعد شعور کو بھی شکوک گردانے لگے ہیں۔ یہ بات کتنا مشکل
 ہے کہ تفسیر کا عمل متن کے اندر معنی کے شعوری وجود کو اجاگر کرتا ہے۔ اب تو
 تفسیر کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ معنی کی اظہارات کو معنی مان شکلوں کو
 DECIPHER کہے جن کا روپ بھر کر معنی ہمارے سامنے آتا
 ہے۔ دیگر کی بات میں کتنی صداقت ہے اس پر بحث تو آئندہ ہوگی۔
 فی الحال ہی کہنا مقصود ہے کہ تفسیر کا ایک کام یہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے
 کہ وہ متن میں معنی کی شکلوں کو بوجھے۔

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ تفسیر کا کام

مشبہ محو

ہوتا ہے کہ قاری اپنے معنی یا تفسیر MY INTERPRETATION
قابل قبول معنی یا تفسیر ACCEPTABLE
INTERPRETATION کے تحت
یہ دیکھ کر اس کی کوئی پکڑ کر دیکھتا ہے اور پھر فیصلہ کرتا ہے کہ اس
کی نظر میں زیر بحث متن کے معنی کیا ہیں یا کیا ہونا چاہیے؟

ہر شے کی تقسیم پر مذکورہ بالا پابندی ماذکر میں تو یہ تقسیم علیٰ طور
پر کامیاب ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ میں کسی متن کا کوئی مطلب نکالوں
اور پھر اس مطلب کو کسی دوسری نظر یا دوسرے فیر متعلق چیز پر منطبق
کر دوں۔ اس انطباق کو تفسیر کے عمل کا دوسرا قدم، یا شرح و تشریح کا مفہوم
سے مختلف ایک قدم کہہ سکتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ شرح و تفسیر کے لئے
کوئی قاعدہ (یا مسلم، کلی قاعدہ) نہیں بن سکتے۔ یعنی ہم یہ نہیں کہہ
سکتے کہ اگر فلاں فلاں باتوں کا خیال نکلا جائے اور فلاں فلاں اصول
طرحاً رکھے جائیں۔ تو شرح (یا تفسیر) بالکل درست، یا سب لوگوں کے
لئے قابل قبول نہ ملے گی۔ بلکہ اس معنی کا کسی غیر متعلق یا متعلق لیکن خارجی
شے یا صورت حال پر انطباق فی نفسہ صحت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مثال کے
طور پر اجمال سے

فاطمہ تو آبروئے امت مرحومہ ہے
ذوہ ذرہ تیری شامت خاک کا معصوم ہے

اب ایک عام قادی، شارح کی حیثیت سے میں اس شعر کے معنی نکالتا
ہوں۔ مجھے فی الحال یہ نہیں معلوم کہ شعر میں جس فاطمہ کا ذکر ہے وہ فاطمہ بنت
رسول اللہ ہیں یا کوئی اور فاطمہ، یا کوئی ذریعہ رکھتی ہے۔

یہ شعر فاطمہ نامی کسی لڑکی کو مخاطب کہنے کے کہا گیا ہے۔

اس میں کوئی ایسی صفت ہے یا اس نے کوئی ایسا کام

کیا ہے جس کی بنا پر اسے امت مرحومہ کی آرزو قرار دی گئی

ہے۔ امت مرحومہ؟ چونکہ عام طور پر ملت اسلامیہ کو

کہتے ہیں اس لئے فاطمہ ملت اسلامیہ کی آبرو ہے

اور فاطمہ مسلمان بھی ہے۔ چوں کہ دوسرے مصرعے

معنی کو بیان کرنا ہے۔ لیکن کیا معنی اور معنویت میں فرق کیا جاسکتا
ہے؟ یعنی کیا معنی کو بیان کرنے اور معنی کی اہمیت، اس کا دوسری
پیر میں سے تعلق وغیرہ بیان کرنے میں کوئی فرق نہیں؟ اس سوال
کا جواب اگر یہ ہے کہ معنی اور معنویت میں فرق ہے تو شاید شرح
اور تفسیر میں بے غرضی قائم ہو سکتا ہے۔ کم از کم ہر شے کا تو یہ خیال
ہے کہ شارح کی اپنی ذات کے لئے جو معنی ہیں وہ معنی معنی ہیں اور
وہی معنی سب کسی اور شے کے تعلق سے بیان کے جائز یا غیر معنویت
SIGNIFICANCE کہلائیں گے۔ بلکہ اگر ہم معنی بیان کریں
تو شارح ہیں اور اگر معنویت بیان کریں تو مفسر ہیں۔

ہر شے کی یہ تقسیم دلکش اور سادہ مزدور ہے لیکن ذرا
توڑ کر یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی افادیت محدود ہے۔ کلی بات
تو یہ کہ وہ شارح کی اپنی ذات کے لئے معنی
MEANING-FOR-AN
-INTERPRETER
کا وجود قائم کرنا اگر ناممکن نہیں ہے تو یہ مشکل

مزدور ہے۔ اور بعض بعض جگہ تو ناممکن بھی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ کوئی بھی
شخص جو معنی سمجھتا ہے، یا جس معنی کا ادراک کرتا ہے اس کا وجود خود
وہ شخص ہوتا ہے۔ لیکن کوئی شخص بھی بالکل تنہا قائم نہیں ہوتا۔ میں
فی الحال اس سوال سے بحث نہ کروں گا کہ شخص کا وجود ذات کا اولین
منت ہے کہ نہیں؟ میں اس وقت صرف یہ کہتا ہوں کہ متن کی کوئی بھی
تفسیر کوئی بھی تفسیر دوسرے متن کی تفسیر اور تفسیر کے بغیر نہیں ہو سکتی
میں اپنی ذاتی حیثیت میں فقہ کا کسی وقت تصور کر سکتا ہوں جب میں اس
متن کی دو سو سیات سے واقف ہوں۔ متن کے معنی سمجھنے کے لئے متن
کے اس نظام سے کل نہیں تو متور ٹری بہت واقفیت ضروری ہے متن میں
صحت ہے اور یہ واقفیت بھی ضروری ہے کہ اس طرح کے متن پر لوگوں
استجاب RESPONSE کیسا ہوتا رہا ہے اور کس طرح کا استجاب
ایسے متن سے متوقع ہے؟ وغیرہ یعنی کوئی بھی قرأت بالکل ذاتی
بالکل ذاتی، بالکل شخصی، بالکل معصوم نہیں ہوتی۔ کہہ سکتا تو

میں اس کی منت خاک کا ذکر ہے اس لئے اغلب
یہ ہے کہ فاطمہ پر کلمہ ہے۔ اور چونکہ اس کی منت خاک
کے ہر ذرے کو معلوم کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی عصمت
ہی ثابت ہو رہی ہے۔ ہر ذرہ امت مرحوم کی
آبرو ہے۔

(۲) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس شعر کا قاطب
حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ہے۔ یہ شعر ان کی
منقبت میں ہے۔ اپنی پاکبازی تقدس اور بزرگی کی
بنا پر وہ ساری امت اسلامیہ کی آبرو و منت خاک
سے ان کا وجود ملا رہا ہے۔

(۳) تیسرا مفہوم یہ ہے کہ فاطمہ کی کہانی یا افسانے
کی کہ فارسی۔ باقی معنی وہی ہیں جو سطور پر بیان ہوئے
لیکن بنا فرق یہ ہے کہ شعر کا منظم خود شاعر کا کمالی تخلیقی
شخصیت نہیں، بلکہ افسانے کے کردار ہیں جو فاطمہ کے
گھرانے یا قبیلے کے رکن ہیں۔ اور فاطمہ کی موت پر ماتم
کر رہے ہیں۔

(۴) چوتھا مفہوم یہ ہے کہ یہ بات فیرا ہے کہ
فاطمہ سے فاطمہ بنت رسول مراد ہے یا کوئی اور بیباہی
بات یہ ہے کہ شعریں فاطمہ کی معصومیت اور تقدس کا ذکر
ہے۔ اس شعر کے ذریعہ لوگوں کو تلقین کی گئی ہے کہ اگر
وہ امت اسلامیہ کی آبرو و بنا چاہتی ہیں تو وہ معصومیت
اور تقدس اختیار کریں۔ عورتوں میں بڑھتی ہوئی بے پردگی
بے راہ روی، شہار اسلام سے تعلق، پھر بائیکاٹ اور
عصمت و عفت سے ان کی عدم رغبت کو دیکھتے ہوئے شاعر
انہیں تلقین کرتے پر مجبور ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو بتاتا ہے
کہ فاطمہ کو دیکھ کر اس کی منت خاک کا ہر ذرہ معلوم ہے،

اس لئے وہ پوری امت مرحوم کی آبرو کے ذریعے پر
فائز ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو منت
اسلام سے حدود و حدیں ملتی ہیں۔ اس کے دلیلی کاغذ
کا دروہے لئے مسلمان عورتوں کی اصلاح سے
خاص دلچسپی ہے۔ اور کیوں نہ ہو آخر انہوں نے ملحدی
بچے کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے۔ اگر عورتوں کے
اخلاق خراب ہوں گے تو پوری نسل کے اخلاق خراب
ہو جائیں گے۔ اس شعر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ اصلاح قوم کا اولین طریقہ شاعر کی نظیریں اصلاح
اخلاق نسواں ہے، تعلیم نسواں نہیں۔ یعنی اسے
عورتوں کی تعلیم کی اتنی فکر نہیں ہے جتنی ان کی پاکبازی
پر رہے نیشن اور شرم و عیا کی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا
کہ شاعر وصیت پسند اور عورتوں کے معاملے میں
تنگ خیال ہے۔ وہ ان کو جدید تہذیب و تعلیم کی
برکتوں سے محروم رکھ کر ان کو گھروں میں محکم
و مقید رکھنا چاہتا ہے۔

ابھی مفہوم کا بیان اور طریقہ ہو سکتا ہے لیکن یہ صاف ظاہر
MEANING
ہے کہ اس سے مراد تنگ جو معنی میں انہیں ہر شے کی زبان میں
FOR-AN-INTERPRETER - کہا جاسکتا ہے اور مراد پر جو معنی ہیں
انہیں تیسرا یعنی شعر کی معصومیت کا بیان یعنی ہر شے کی زبان میں
MEANING-AS-RELATED
-TO-SOMETHING-ELSE
لیکن دو باتیں اگر مزید ظاہر نہیں تو اتنی ہی ظاہر ضرور ہیں۔ اول یہ کہ
طرحاً اس تنگ جو کہا گیا ہے وہ شعر سے قریب تو ہے لیکن دوسرا کہ
یہ بے ذلتی و وجود کا پیداوار نہیں ہے۔ اگر میں اردو شاعری سے
بالکل ناواقف ہوتا۔ مسلمانوں کے طور طریقوں سے بالکل بے گانہ
اور بالبد ہوتا، اردو زبان کے عام استعمالات سے بالکل لاعلم
شب نہون

ہوتا تو معنی ملا نہ کہ ملا کر اند کرنا میرے لئے نا ممکن ہو تا۔ لہذا یہ معنی سراسر میرے ذہنی اور اندرونی وجود کی پیداوار نہیں ہیں۔ ان میں میل تہذیبی اور ادبی وجود شامل ہے۔ لہذا اگر تعبیر سے بقول برٹش وہ صحیح مراد ہیں جن تعلقات اور انطباعی کسی اور چیز سے ہو تو ملا تا ملا بھی تعبیر میں ہی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ معنی ملا تھے مولائی نہیں ہیں جتنے معلوم ہوتے ہیں۔ بقول برٹش متن کی نوعیت اور فطرت ہی ایسی ہے کہ اس میں کوئی معنی نہیں ہوتے ہوائے ان معنی کے جو شارح یا معرما دہ وجود میں لاتا ہے، یعنی مراد لیتا ہے۔ لیکن اگر معنی ملا کی نوعیت تعبیر کی ہے اور یہ معنی بہت ہوائی، متن سے بہت دور اور باخلاف لفظی پر مبنی ہیں۔ تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ تعبیر کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ ہوائی، مبہلے اور لفظی پر مبنی ہوتی ہے یعنی تعبیر کے لئے متن کو کھینچا ہے جس پر معنی کی شیر وانی ناگی جاتی ہے اگر ایسا ہے تو برٹش کی تعبیر فضول ہے۔ اور معنی تک پہنچنے یا تعبیر کے اصول قائم کرنے میں ہماری کوئی مدد نہیں کرتی۔

زمن کیجئے ہمیں معلوم ہو جائے کہ شعر میں جس فاطمہ کا ذکر ہے وہ کون تھی۔ فرض کیجئے ہم سے کوئی کہے، بھائی صاحب آپ نے بے سبب ہی اتنی خوشگامیاں کیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ شاعر نے نظم کے سرنامے پر خود لکھا ہے ”عرب لڑکی جو خطر ابلس کی جنگ میں غازیوں کو ہلائی جاتی ہوئی شہید ہوئی“۔ پھر نیچے لکھا ہے ”۱۹۱۲ء“ اور نظم کا عنوان ہی ہے ”فاطمہ بنت جبرائیل“۔ وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب آپ کو یہ تک نہیں معلوم کہ شعر زیر بحث حکیم الامت علامہ اقبال کی مشہور نظم کا پہلا شعر ہے اور اس نظم میں ملت اسلامیہ کے حالات کی بہتری کے لئے امید افزا باتیں بھی کہی گئی ہیں۔ تو آپ شعر کی شرح کیا کریں گے؟ خیر دوسری بات کا تو جواب یہ ہے کہ مجھ سے صرف ایک شعر کے معنی پوچھے گئے تھے اس کا کیا حق و باق مجھ سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ اور کسی بھی شاعر کے لئے ممکن نہیں کہ وہ تمام اشعار اور تمام نظموں سے واقف ہو شاعر

توان معلومات کی روشنی میں شرح لکھتا ہے جو اس کی دسترس میں ہیں یہ سمجھ ہے کہ ایسی معلومات اگر کثیر ہوں تو بہت خوب۔ لیکن اصولی طور پر یہ نا ممکن ہے کہ جس شعر کی شرح کی جائے اس کے مصنف اور جس متن کا حصہ وہ شعر ہے اس کے تمام مال و مالیک کے بارے میں شارح کو واقفیت ہو۔

بنیادی بات یہ نہیں ہے کہ ملا معنی بیان کرنے والے کو شعر زیر بحث کے بارے میں وہ معلومات نہ تھیں جو اوپر درج ہیں بنیادی بات یہ ہے کہ ان معلومات کے بغیر بھی جو معنی بیان کئے گئے وہ جمل اور لغو نہیں تھے۔ اب صرف معنی ملا کہ یہ شعر حضرت ملی فاطمہ کے بارے میں ہے، مستور ہو گئے۔ باقی سب معنی درست ہیں۔ بس اتنا اضافہ ذکر کر رہے کہ فاطمہ سے مراد وہ لڑکی ہے جس کا نام فاطمہ بنت جبرائیل تھا اور جو ۱۹۱۲ء کی جنگ طرابلس میں مسلمان سپاہیوں کو پانی پلائے ہوئے شہید ہوئی۔ بلکہ اگر معنی ملا میں انیش FEMINIST انداز نظر نامزد اختیار کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقبال کے بغیر کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کی تقسیم ان کی آزادی اور قوی و ملکی معاملات میں ان کی شرکت سے خلاف ہیں ان کا انداز نظر دایمی مردوں جیسا TRADITIONAL MALE ہے۔ وہ دنیا کو عین مرد کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ وہ نظام معاشرت، اخلاق، خدمت ان سب کا پورا بوجھ عورتوں پر رکھتے ہیں۔ تاکہ عورتیں پوری طرح کلام رہیں۔ گھر والوں کی خدمت کریں تو عورتیں کریں۔ مردوں کو دیکھ بھال کریں تو عورتیں کریں۔ برائی کا سرچہ کھلائیں تو عورتیں کھلائیں۔ عفت و عصمت، شرم و حیا ان تصورات کی پابندی فرض ہو تو عورتوں پر ہو۔ مرد کو تو قہ ہے کہ وہ گھر کے باہر گناہیں اٹائے لیکن عورت اگر کسی سے ایک بات بھی کرے تو اخلاق یا فتنہ ٹھہرے جتنی کہ اس شعر میں بھی فاطمہ کو جس صفت کی بنا پر امت کی تہذیب کا گناہ ہے وہ اس کا قوی جوش اس کی بہادری اس کی انسان دوستی اس کا

جدید تر م نہیں بلکہ اس کا مقصود ہوتا ہے۔ پھر دیکھئے کہ فاطمہ کے وصف میں جو غلط لایا گیا ہے وہ خود بخوبی اتصال اور وحدت کی پس اندازگی کو قائم کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی ”آبرو“ عورت کے ساتھ زنا بالجبر ہو تو کہا جائے کہ اس کا ”آبرو“ چلی گئی یعنی اس پر ظلم بھی ہوا اور وہ سماج کی نگاہوں میں ذلیل و خوار بھی ٹھہری۔ اور تو اور قوم کی ترقی اور ملت کی فلاح کا بھی طریقہ یہ ہے کہ صرف عورتیں اپنی جان کی قربانی دیں۔ چنانچہ طرابلس جہاد یوں کی شہادت نہیں، بلکہ فاطمہ اور اس جیسی معصوم لڑکیوں کا جہاد در شہادت ہے۔ جس میں قوم کے لئے حیات تازہ کی ضمانت ہے۔ شاعر اسی نظم میں کہتا ہے :

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں

پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس خاموش میں

دو غیرہ وغیرہ۔ شرع کا پہلا افتیاء کرنے میں میری دو غرضیں ہیں۔ ایک ایک تو یہ : ثابت کرنا کہ خارجی مملوالت کی کسی ہر قوم میں شرع یا تفسیر بشری حد تک با معنی رہتی ہے۔ دوسری یہ ثابت کرنا کہ شرع یا لٹریچر قاعدے کا پابند نہیں، طریق کار کی پابند ہے۔ اور یہ بات تو ہے ہی کہ جب شرع کا اطلاق خارجی اور وسیع تر ملاحظوں ہو تو وہ متن سے دور ہر دستہ سے برکتوں فرادس (NORRIS) اکیسے تو کہتا ہے کہ کسی متن کو فلسفیانہ یا سیاسی تناظر میں دیکھ کر دیکھنا یا فلسفیانہ یا سیاسی بحث کی علامت ہے ادب تک پہنچنے کی کوشش کرنا اسرار پرستی یا رمزیت ہے۔ اسی لئے پال کیرٹز MYSTIFICATION/ TO BE MYSTIFIED کہتا ہے کہ تفسیر دراصل DEMYSTIFICATION اور تفسیر فریب REDUCTION OF ILLUSION کا نام ہے۔ لیکن دیکھئے نظریہ میں اور طرح کے چھپے ہیں بیکار آجے ظاہر ہو گا۔

ایک بات یہ بھی واضح ہو چکی ہوگی کہ معنی بیان کرنے کے لئے کسی خاص طرز کے متن کی ضرورت نہیں۔ ہر متن تفسیر کا تقاضا کرتا ہے۔

یہ سوال ضرور اٹھ سکتا ہے کہ کیا ادبی متن کی تفسیر کے لئے کسی خاص یا مخفی تفسیری اور تفسیری چابک دستی INTERPRETIVE SKILL کی ضرورت ہے یا ادبی اور غیر ادبی دونوں طرز کے متن کی تفسیر ایک ہی طرز کی تفسیر کا تقاضا کرتی ہے۔ فی الوقت یہ سوال میری بحث سے خارج ہے لیکن یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اگر ادبی متن کی تفسیر خاص طرز کی یاقت کا تقاضا کرتی ہے تو ادبی اور غیر ادبی متن میں فرق کرنے کے لئے بھی اصول اور مہیا ضروری ہیں۔ اور اگر غیر ادبی متن کی تفسیر ادبی تفسیر کے طریقوں سے کی جائے تو ادبی متن اپنا دفاع نہیں کر سکتے، یہ ایک الگ بحث ہے۔

فی الحال اس بات پر ضرور کہتے ہیں کہ متن کیوں تفسیر کا تقاضا کرتا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اکثر متن ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کی تفسیر نہ ہو تو ہم انھیں سمجھ نہ پائیں، یا ان کے سلی معنی کو قبول کر کے ہم غلط معنی یا غلطی میں پڑ جائیں۔ متن کا مقصد ہے کسی مفہوم، کسی پیغام، کسی اطلاع کی ترسیل کرنا۔ لہذا اگر کسی متن سے اس مقصد کی تکمیل فری طبع پر نہ ہو رہی ہو (اور اکثر یہی متن ایسے ہوتے ہیں) تو اس کی تشریح و تفسیر ضروری ہوتی ہے اور شاید ہی کوئی متن ایسا ہو جس میں کسی حد تک ترجمے کی ضرورت نہ پڑے۔ تاہم ان کے اس کے خالیوں دی ہے۔ جملہ :

”زید کو یہاں پہنچنے میں ابھی دو گھنٹے ہیں“

تاہم ان کہتا ہے کہ ممکن ہے اس متن کا منظم دراصل یہ کہ دہا ہو کہ زید کو یہاں پہنچنے میں ابھی کچھ عرصہ ہے اور اس عرصے میں میں اپنا کام کر کے پہلے محل لے کر چلا جائے۔ آؤں کا قول تھا کہ زبان براہ راست ترسیل کا ذریعہ محض وقت اور اس حد تک بن سکتی ہے جب اور جس حد تک اسے روزمرہ کی مملوالت کی ترسیل کے لئے استعمال کیا جائے۔ آؤں مثال دیتا ہے، جملہ :

اسٹیشن کا راستہ کدھر سے ہے؟

آؤن کی مثال اور بیان بالکل درست ہے۔ لیکن تیسرا مسئلہ حل ہونے کے لئے کہ اور دیکھا ہے۔ زمین کیجئے کوئی مجرم ذرا دھوکے لے رہا ہے۔ بگڑنا چاہتا ہے اور یوں اس کی تلاشوں سے پولیس کو یہ معلوم ہے کہ مجرم کے لئے یہ طاقتور ایسی ہے لہذا اسے کیشن کا راستہ نہ معلوم ہو گا۔ لہذا ہر وہ شخص جو اس کیشن کا راستہ پوچھے، مفرد مجرم ہو سکتا ہے۔ اس طرح منی کی سادات یوں بنتی ہے :

اس کیشن کا راستہ کدھر سے ہے ؟ یہ میں مفرد مجرم ہوں
لہذا عام استعمالات، یا ایسے متن میں بھی براہ اطلاع معلومات حاصل کسے یا جیسا کرنے کے لئے بنائے جائیں، مگر تجربے کے مطابق ہوتے ہیں۔ متن اپنی فطرت کے اعتبار سے تجربہ پر تیسرا قاعدہ مقرر ہے۔ یہ بات زبانی متن سے بھی زیادہ تحریری متن پر مادی آتی ہے۔ تحریری متن جب پہلے سنے آتا ہے تو وہ بالکل مادی اور غیر جانب دار ہوتا ہے۔ متن کو بستے والے کی حیثیت سے ہادی کا کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم اس پر زیادہ سے زیادہ مبر کریں اور اس سے اپنے مفید مطلب منی نکالیں۔ پرانی تہذیبوں میں زبانی متن کو تحریری متن پر فوقیت اسی لئے دی جاتی تھی کہ زبانی متن کا سامنا کرنا ہونے والا طوفان، بے وسکات و سکات، وقفہ و قیام کے ذریعہ متن کے معنی بیان کر دیتا تھا۔ اور کچھ نہیں تو وہ براہ راست سننے والے کے سامنے متن کی شرح بیان کر سکتا تھا۔ اور اس طرح منی کو ^{STABILITY} یا قیام

و اس مقام حاصل ہو جاتا تھا۔ کیوں کہ ہر مادی متن منی کی انہیں شرائط و تفصیل کے ساتھ دوسرے بیان کنندہ سے تیسرے تک اور تیسرے سے آگے تک پہنچاتا تھا۔ گویا متن کے معنی متن کے بنانے والے، یا اس کی تحدید کرنے والے کی گیت ہوتے تھے۔ زبانی ترسیل کے باعث منی میں جگہ و یا قریب کا مکان بہت کم ہوتا تھا۔ کیونکہ زبانی ہونے کے باعث متن کا دائرہ بہ یک وقت و میں بھی ہوتا تھا لہذا عدد بھی۔ عدد و اس منی میں کہ متن ہی وقت

UNCONTROLLED

طریقے سے پہنچتا ہے جب کاغذ پر اس کی نقیص تیار ہو سکیں زبانی معاشرہ میں ایسا معاشرہ میں جو زبانی متن پر تکیہ کرتا ہے، متن کا

UNCONTROLLED PROLIFERATION
ہیں ہو سکتا۔ لہذا متن ہر وقت اور ہر اس جگہ جہاں تک وہ پہنچتا ہے زبانی ہی پہنچتا ہے۔ یعنی کوئی نہ کوئی ایسا متن ہمیشہ موجود رہتا ہے جو متن کے اصل معنی (یعنی صاحب متن کے مادی معنی) سے واقف ہوا وہ اس کی غلط ترسیل کرنے والے کی تعمیر کرے، یا کم سے کم اسے ٹوک سکے۔ پھر زبانی متن کا دائرہ وسیع اس لئے پہنچتا ہے کہ اس کی ترسیل و نشر کے لئے خواہ مخواہ کی شرط نہیں ہوتی۔ ناخواندہ شخص بھی زبانی متن کی اشاعت کر سکتا ہے اور قدیم معاشرے میں ناخواندہ لوگوں کی تعداد ناخواندہ لوگوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ صدر اسلام کے دوسے عزیز غنا سے عرب میں حرف سترہ لوگ ناخواندہ تھے۔ بعد اللہ یوسف علی نے لکھا ہے کہ صحابہ کا طریقہ تھا کہ قرآن کے شکل یا اجنبی الفاظ کے معنی معلوم کرنے کے لئے وہ رسول اللہ سے رجوع کرتے تھے۔ اگرچہ عربوں میں غلطی کی کثیر تعداد کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت عمر کو قرآن کے قراءت صحیح کرنے کا خیال آیا، لیکن آج بھی قرآن کے کسی نسخے کی صحت یا عدم صحت کی قریش حفاظ ہی کو یقین کسی غلطی یا مطبوعہ نسخے کو حکم نہیں ٹھہرایا جاتا۔ اور نہ ہی قرآن کی ترمیم اشاعت میں غلطی یا مطبوعہ نسخوں کا کوئی اہم مسئلہ رہا ہے۔

ہر حال بنیادی بات یہ ہے کہ تہذیبی متن اپنی موافقت کے باعث منی بیان کرنے والے کے دم و دم پر ہوتا ہے۔ یا کم سے کم اتنا ہوتا ہے کہ کوئی تحریری متن اپنے آپ کو دکھانا نہیں کر سکتا۔ اسے کی شاعرانہ معنی کی ضرورت رہتی ہے۔ افلاطون نے سقراط کی زبان سے فیڈوکس میں کیا عمدہ بات کہی ہے کہ تحریری متن اپنی تصحیح نہیں کر سکتا۔ اور نہ وہ اپنی غلط تعمیر کو درست کر سکتا ہے۔ اس کو گیدھ مرنے کیوں بیان کیا ہے کہ تحریر کا بنیادی ضعف جو حرف تحریر سے قص ہے، یہ ہے کہ اگر وہ ارادی یا غیر ارادی طور پر ممبر کی غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو

تو پھر اس کا حامی ذرا مرنے لیں۔ گید مرنے اعلیٰ طبقوں کے لئے گورڈ
 ہکا کر دینے، کیوں اعلیٰ طبقوں کی بات کا دوسرا پہلو ہے گید مرنے
 نے نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ ہے کہ اگر تحریری متن میں کوئی غلطی
 دامادی یا غیر ارادی، تو متن کو اس کے آگے کوئی چارہ نہیں۔
 اعلیٰ طبقوں کی طرف یہ ہے کہ متن اگر زبانی نشر کیا جائے تو اس میں غلطی
 کی تصحیح کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔ جب کہ تحریری متن میں یہ بات
 جو مرنے سے کہ دوہرے متن کی غلطی پکڑے اور اس کی اصلاح کیے
 چناں چہ غالب کی روایت ایک بار کہیں "روئے تک" لکھ کر
 چھپ گئی اور اس قدر مقبول ہوئی کہ زیادہ تر لوگ اسے آج بھی
 صحیح متن سمجھتے ہیں۔ اور دوتے تک "کو ماننے" انکار کرتے
 ہیں۔ یا اگر بہت اصرار کیا جائے تو کہتے ہیں کہ ہو گا، غالب کے اصل
 نسخے میں ہوتے تک ہی ہو گا۔ لیکن میں ہوتے تک ہی اچھا لگتا
 ہے، اور غالب کو ہوتے تک ہی لکھنا چاہیے تھا۔

دریادے جو زبانی متن پر تحریری متن کو قوت دی ہے تو اس
 کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تحریری متن کے معنی زبانی متن کے مقابلے میں
 آتا دار و مدار ہوتے ہیں۔ لہذا یہاں دریادے کے لئے یہ کہنا آسان
 ہے کہ معنی کچھ نہیں ہے صرف دال دال کا آزاد کھیل اور باہر دال
 FREE PLAY ہے۔ دریادے کی نظر میں خطوط نشان WRITTEN

SIGN کو ایک طرح کی نشانیاتی آزادی SEMIOTIC
 INDEPENDENCE حاصل ہوتی ہے کیوں کہ تحریری متن میں جتنی معنی
 بھی موجود نہیں ہوتے۔ کچھ نہ کچھ معنی ہمیشہ التوا میں رہتے ہیں۔
 ایڈورڈ سیدنے اس کو دریادے کی "معنی بابت البیعات"

NEGATIVE THEOLOGY کہ ہے۔ اور مزید کہ ہے کہ لطف یہ ہے
 کہ وہ بڑا جنت شدت اور کثرت سے متن کو گرفت میں لے لے لے، اس کثرت
 اور شدت سے ان باتوں کی تفصیلات ظاہر ہوتی ہیں۔ جو یہ خیال ویدیا
 متن میں موجود نہیں ہیں۔ بہر حال نیا دیات ہے کہ مکمل سے محروم

ہونے کے باعث تحریری متن چونکہ اپنے معنی خود نہیں قائم کر سکتا۔ اس
 میں تفسیر کے امکانات محدود رہتے ہیں اور معنی کا تین دشوار ہو سکتا ہے۔
 دیدہ اکلیہ خیال اس کے حام فلسفیانہ تصور سے ہم تنگ
 ہے کہ الفاظ میں کوئی وجہ نہیں، اور الفاظ نہ اشیا ہیں اور نہ ان کے
 قائم مقام ہیں۔ یہ تصور درید کا اپنا نہیں۔ اور میں چھڑ کر وہ نظر کریت
 LOGOCENTRISM کہہ کر سطحوں کو تباہ ہے۔ سقوط و مشرق کے فلسفہ
 لسان اور فلسفہ وجود میں بہت پہلے مرتد ہو چکی تھی۔ آگنوں اور
 رچرڈس نے اپنی کتاب THE MEANING OF MEANING (اول اشاعت ۱۹۲۳
 تیسری اشاعت ۱۹۸۰) میں اس تصور کو کہ الفاظ اور اشیا میں کل پہنچتی

ہے VERBOMANIA (مراق الفظ) اور GRAPHOMANIA (مراق القلم)
 (مراق القلم) کہہ کر اس کا خوب مذاق اڑایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اگر ہم الفاظ کی قوت کی ذمیت کو ہمیں تو الفاظ
 ہمارے اور ان کے درمیان طرح طرح کے لطیف طریقوں
 سے آن کھڑے ہوتے ہیں۔ متن میں جیسا کہ ہم دیکھ چکے
 ہیں، ان سے فرضی ذوات ENTITIES کی تخلیق کو
 راہ فرماتے، مثلاً قصایہ عمومی UNIVERSALS
 صفات PROPERTIES وغیرہ۔ ان کے اس میں مزید

گفتگو ہم آئندہ کریں گے۔ الفاظ ہماری توجہ کو خود بخود غفلت
 کرتے ہیں اور اس طرح ہیئتوں کے فغول مطالعے کو
 فروغ ملے، جس نے نحو GRAMMER کا اتحاد
 کھوئے بہت کچھ کیا ہے۔ اپنی جذبات انگیز قوت کے
 باعث وہ مراق الفظ اور مراق القلم پر پیدا کرتے ہیں۔
 جیسا کہ اور تجربے بھر ہو جاتا ہے، لیکن درگوں کو دھوکا
 ہوتا ہے کہ انہوں نے اشیا کو نام دے دیے ہیں اور،
 یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ ہم نے (خارجی دنیا پر) اپنے
 ذاتی اقتدار کو مصنوعی طور پر بڑھا لیا ہے۔

شبہ خون

آگرمین اور پھر دوس کا یہ اقتباس میں نے دیدہ کی وقت کو
 کم کرنے کے لئے نہیں بلکہ تیسرے مسائل میں ایک اہم مسئلے پر توجہ
 مرکوز کرنے کی غرض سے پیش کیا ہے۔ آگرمین اور پھر دوس کی پہلی کتاب
 ہی اس مسئلے کی چھان بین ہے کہ ہم منہ کی کس طرح گرفت میں آسکتے
 ہیں؟ خطبہ یہ جانا چاہیے ہیں کہ الفاظ بطور نشانیا کی نظام
 ہماری فہم اور تفسیر کیسے مرکب اثر انداز ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ
 تیسرے کی ایک صفت یہ ہے کہ اگر کسی سیاق و سباق نے ہیں زمانہ
 گذشتہ میں متاثر کیا ہے تو آئندہ اس سیاق و سباق کے ایک سے
 کا بھی صورت ہم میں دہری رد عمل پیدا کرے گا جو زمانہ گذشتہ میں
 مکمل سیاق و سباق سے حاصل ہوا تھا۔ یعنی الفاظ بطور نشانیا کی
 (وہ ذہنی رد عمل) کا اشارہ کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں تیسرے کا عمل
 ایک طرح سے لامحدود اور ایک طرح سے محدود ہو جاتا ہے۔

تیسری متن کی معنویت کو کم کرنے یعنی اسے جس کے رحم و
 کرم پر بالکل نہ چھوڑ دینے کی غرض سے متن بنانے والوں نے کسی
 طریقے ایجاد کئے۔ مثلاً صفحہ نمبر ۱۱۱۱ اور ۱۱۱۲ کی گتھی کے ان پر
 انبرٹ ڈالنا۔ فہرست مطالب کو داخل متن کرنا اگر ضرورت ہو تو مطالب
 کو حدود متعین کے اعتبار سے، یا ردیف و مرتب و منظم کرنا مثلاً یہ
 اسامہ و فرہ کو داخل متن کرنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روز و علامات
 اوقات کا التزام کرنا۔ یا بات کم گوئی کو معلوم ہے کہ قبل جس در
 زمانہ تک تمام دنیا میں تحریر، ملاقات اوقات سے مراد ہوتی تھی۔
 کتابوں میں صفحہ نمبر نہیں ہوتا تھا اور اس لئے فہرست مطالب بھی نہ
 ہوتی تھی۔ چینی ادو جاپانی میں صدیوں تک نثر اور نظم کی تحریر
 میں کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا۔ تحریری متن قاری یا ممبر کے ہر کو کم
 کرنے کے لئے جو طریقہ امتیاز کے لئے ان کی مانی کا خیالی اس بات
 کی دلیل ہے کہ متن بنانے والے اپنے متن کی تہم کو آسان بنانا لیکن
 ساتھ ہی ساتھ اس کی تشریح میں کس قسم کی حد بندی دیکھنا پسند

کرتے ہیں۔

ہم میں سے اکثر کہہ "دوکومت جانے دو" والا تصور یا درجہ کا۔ اگر
 اس متن پر علامات وقت کا التزام کیا گیا ہو تا، یا اس کی ترسیل زمانی ہوئی ہو
 تو متن کے حامل کرنے والے کو اس کے معنی میں کوئی تذبذب نہ ہوتا۔ لیکن
 تحریر اسے گتھے بن کے باعث ہر کہ پیرہ دستوں کا شمار ہوتی ہی رہتی ہے۔
 اگر "دوکومت جانے دو" کو علامات وقت کے بھی لکھا جاتا تو پھر بھی ممبر
 پوچھ سکتا تھا کہ اس حکم کا اطلاق ماہ یا پر کریں یا اس کی فوجوں پر؟ حضرت داتا
 گنج بخش نے "کشف الجوب" میں لکھا ہے کہ "جست کی تیسری مثال ہے کہیں کہ
 تیسری ہر کہ صفت ہے اور جست موجب کی صفت ہے۔ اس لئے الفاظ کی اس
 کے معنی میں آسکتے۔ والد اعلم"۔ اس قول میں بنیادی گتھے ہے کہ ہر کہ صفت
 تیسرے۔ یعنی ہر کہ بھی لکھے گا اپنی ہی سی کے کہ۔ جس پیر کی تیسری کا ہر ہے
 اس کی صفت ہر تیسری نہیں ہے۔ لہذا تیسری ہر حال ایک ذاتی عمل ہوگا۔ ہر تیسری
 نہ میری تیسری "MY INTERPRETATION" کا حکم رکھتی ہے۔ اگر کوئی
 تیسری یا تیسری قابل قبول ہو جائے تو اس کی دوسرے کہ تیسرے کرنے والے
 اور تیسرے حاصل کرنے والے کے درمیان ایک بنیادی اور گہرا جھگڑا ہوتا ہے
 اتفاق ملنے کی واضح چاہے غرض فرمائی اور بیان نا پذیر، سرحدیں ہوتی ہیں۔
 جب کوئی تیسری سرحدوں کو بالکل پہنچا تک جائے تو وہ متن "میری تیسری
 رہ جاتی ہے۔ لیکن "میری تیسری تیسری ہے۔ یعنی ہر تیسری کسی نہ کسی
 حد تک پہنچ جاتا ہو تا ہے۔ اس مسئلے میں حضرت قدوم شرف الدین کی پہلی
 تیسری کا قول غور طلب ہے۔ سید وحید اشرف نے اپنی کتاب "راہی" صفحہ ۱۱۱
 میں حضرت تیسری کی بیان نقل کیا ہے۔

اشعار کے معنی کا کوئی طریقہ معین نہیں ہے۔ سننے والے
 کے دل میں جو معنی ہیں جب کوئی غرضت ہے تو اس میں
 اپنے حال کی مناسبت سے معنی سمجھتا ہے۔ اور اس کی
 مثال آئینے سے دی ہے کہ آئینے میں صورت کے شکس
 ہونے کی کوئی شکل متعین نہیں ہے کہ آئینہ جو بھی

دیکھو ایک معین صورت نظر آئے، بلکہ وہیں دیکھو
 اپنی ہی صورت کا عکس دیکھو۔ اسی طرح
 اشارہ دیتے ہیں کہ وہی سنتا ہے اپنے الفاظ کے
 مطابق سنتا ہے۔ اس کے دل میں جو حال ہے
 اسی پر شعر کے معنی لیتا ہے۔

غریب میں یہ اصول و طرز سے بیان ہوا ہے۔ ایک تو لفظ
 کا ذکر میں نے پہلے کیا ہے کہ شرعاً بیان کرنے کے کوئی قاعدہ
 نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ بعض مقررہ قاصدہ اور طریقے ہوں
 جن پر عمل کرنے سے صحیح / اچھی / کامیاب / قابل قبول شریعتی
 ہو سکے۔ دوسری طرح اسے نفسیاتی بیان کی حیثیت دی گئی ہے۔
 ہر شخص کا انداز نظر و انداز فکر مختلف ہوتا ہے۔ لہذا ہر شخص
 اپنی اپنی طرح شعور و تفسیر کرتا ہے۔ اس سے تفسیر کا لالچا ہے کہ
 کس طرح کے بارے میں دوسری کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت
 شرف الدین کے بیان میں یہ بات مثبت طریقے پر ہے کہ ہر شخص اپنے
 اپنے حال پر شعر کے معنی لیتا ہے۔ اور اس کے لئے وہی معنی درست
 ہے۔ یعنی تفسیر کی صحت کے لئے کسی آفاقی سہارا کی ضرورت نہیں۔

یہ دونوں اصول اپنی جگہ بہت دلکش ہیں۔ لیکن ان کے بعض
 نکات غلط فہمی پر فائدہ کر لینا چاہئے۔ تفسیر یعنی
 INTERPRETATION
 تفسیر نہیں سمجھیں ان میں یہ بات بہر حال شریک ہے کہ کسی متن کے معنی
 کو متن سے مختلف الفاظ میں لکھیں پوری پوری صحت کے ساتھ ادا
 کر دیا جائے۔ مثلاً رُماؤر تو یہاں تک کہ تفسیر کہ نہیں ہے عرف
 اس چیز کی تخلیق تو اور تفسیر تو ہے جو متن میں پہلے سے موجود ہے
 مثلاً اگر کلام کا اصول منشاء مصنف کی توشیح کرتا ہے۔ میں یہاں
 اس سے بحث نہیں لیکن مقدس متون کی شریعت میں اس کی اہمیت
 ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ مقدس متن کا شاعر یا مترجم حقائق متن کے
 منشاء کو واضح کرنا اپنا فریضہ ادین جانتا ہے۔ بغیر اس کئی ایسے

حکایت ہیں جہاں شاعر اللہ کے ساتھ ساتھ کہتا ہے۔ سینٹ جیمس بھی ایسا کرتے
 ہیں جہاں ان کی استعداد کی تفسیر کا اعجاز دی ہے۔ سر جیمس مدری
 آتے آتے مغرب کی گھر میں سامنے اور ان کی لائی ہوئی روشنی خیال نے
 کھیل کے شاعر کے لئے ایسی مشکلیں پیدا کر دی تھیں جو اس کا کیا کرنا اس کے
 زمانے میں وجود نہ تھا۔ جدید علم تفسیر HERMENEUTICS کے بنیاد
 گذار اپنے زمانے آگے یہ کہ کلمات غم کی کہ انجیل کے مفسر کا کام متن کے
 معنی بیان کرنا ہے، اس کی سہاٹی ثابت کرنا نہیں۔ لہذا تفسیر کا مقصد متن
 کے معنی کے طالعہ کا نہیں۔ اس اصول نے انجیل کی تفسیر نویسی پر براثر
 ڈالا اس سے ہمیں بحث نہیں لیکن ادبی متن کی تفسیر کے سلسلے میں اپنے متنا
 ساز اصول اس بات کی توشیح کرتا ہے کہ استعارے کے ہر محسوس سے بحث
 فیہ ضروری ہے۔ مسلمانوں نے قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں ان معانی پر اپنا
 بلکہ سینٹ جیمس کا انکساف و فیر سے بھی پہلے نوکر کیا تھا۔ قرآن کی ایسی
 عبارتیں ہیں جو بالقرن ملتا تھا تو وہی مدلول لغوی معلوم ہو سکتا تھا مگر
 عقلی یا نقلی کے سبب مواد نہ مل سکیں۔ دو طرح کے ہیں ایک تو وہ جن میں
 اللہ کی صفات، صفت، بصر، کلام و فیر کا ذکر ہے۔ ان کے بارے میں تفسیر
 تو ہو سکتی ہے لیکن یہ کہنا ضروری ہے کہ اللہ کی سماعت، ہدایت، سماعت کی
 طرح نہیں۔ اس کی سماعت ہماری سماعت کی طرح نہیں۔ اس کا کلام
 ہمارے کلام کی طرح نہیں اور فیر۔ دوسری طرح کی عبارتیں وہ ہیں جن میں
 اللہ تعالیٰ سے کسی فعل کا مادہ ہونا دشوار استوار، مذکور ہے۔ استوار کی تفسیر
 میں ملتا تھا تو نے دو مسلک بیان کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ لفظ استوار کو ہزار
 دیکھیں اور کہیں کہ استوار معلوم تفسیر لیکن اس کی کیفیت بھول ہے اور ادا
 ایمان واجب ہے اور اس کے بارے میں سوالیہ بحث ہے۔

ظاہر ہے کہ مذکور بالا مسلک اختیار کرنے والے اللہ تعالیٰ کے عمل استوار
 پر گفتگو کا راستہ بند کر رہے ہیں۔ اور یہ مسلک بہر حال اپنی براعتیہ طے لیکن
 تفسیر کا حق اس سے قائم ادا نہیں ہوتا۔ لہذا حضرت تھانوی نے بھی کہے ہیں
 کہ یہ الفاظ کی تفسیر ان الفاظ فیر منصوص سے ہو سکتی ہے۔ یعنی لفظ استوار کے جو
 شب و خون

معنی حقیقی ہوں ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر دیا جائے اور اس کی کفایت کو واضح کر دیا جائے۔ مثلاً اگر استواء اس ترجمہ استعمال یا اقبال کریں تو قہ واضح کر دیں کہ استیلاء سے وہ استیلاء مراد نہیں جو یہ ترجمہ ہوا کہ تلمہ اور نہ اقبال سے وہ اقبال مراد ہے بلکہ ادا پر ہوا کہ تلمہ۔ ملحوظ رہے ”معنی حقیقی“ سے مسلمان مفکرین وہ معنی مراد لیتے تھے جو متداول ہوں اور جن پر ماہرین لغت کا اتفاق ہو۔ اور معنی غازی سے وہ معنی مراد لیتے تھے جو استعاراتی ہوں اور جنہیں واضح کرنے کے قاعدے نہیں بن سکتے۔ دوسری بات جو نفہر میں رکھنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ تفسیر کے ان محتاط اور آزمودہ قاعدوں کے باوجود تفسیر یعنی ترجمہ و تفسیر کے لئے کوئی عمومی طریقہ نہیں بن سکتا، اور میر مفسر بلاقر ”میری تفسیر“ کا ہی نمونہ بلند کرتا ہے۔ مثلاً قرآن کے لفظ استواء کے کئی ”معنی حقیقی“ ہیں۔ طو، استیلاء، اقبال وغیرہ ظاہر ہے کہ مفسر مترجم یا تو لفظ استواء کو یوں ہی باقی رکھے گا اور بقول حضرت صفائی ہی اسلم و اکمل ہے، یا پھر استواء کے متعدد و مترجم میں سے کسی ایک کو اختیار کرے گا۔ پہلی صورت میں ترجمہ تفسیر کا عمل پورا نہ ہوگا۔ اور دوسری صورت میں مترجم مفسر اپنی اور صرف اپنی صواب دید سے کام لے گا اور کسی ایسے اصول، قاعدے، طریقے یا کیلے کی نشان دہی نہ کر سکے گا جس کی مدد سے ایک ترجمہ کو دوسرے پر توفیق دی جاسکے۔ خود مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ جب وہ اپنا ترجمہ قرآن تیار کر رہے تھے تو ہر لفظ کے ممکن مترجم پر غور کرتے تھے۔ اور جب کسی ایک ترجمے پر شیعہ مدعہ ہو جاتا تو اسے رد کر دیتے۔ ظاہر ہے کہ ذاتی کا مدد والی کیفیت سے تو حضرت تھانوی کا عمل نہایت احسن تھا۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کا شرع حدود کسی اور کے لئے حکم نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

ادب کی گفتگو پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ قرآن کے مستنبہات کے ترجمے اور تفسیر میں بحث کا امکان ہونے اور ان کی تفسیر و تفسیر

کے بارے میں کوئی معنی قاعدہ نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تفسیر کا سارا عمل ذاتی صواب دید پر مبنی ہو تلمہ۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے ترجمہ و تفسیر میں مسلمانوں نے جس قدر علم، ذہن، فکر، نقص، احتیاط، خشیت اللہ، اور راجحانہ طبع، عقائد سے کام لیا ہے اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ لیکن قرآن کی تفسیر کی کثرت سے موجود ہیں اور کثرت سے گھٹ گئیں۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی دو مفسر ایسے نہیں جن کی صواب دید ہر جگہ بالکل متحد ہو۔ ہر مفسر نے اپنی تفسیر اسی لئے لکھی کہ وہ متداول تفسیروں سے پوری طرح متفق نہ تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مفسر میں بعض ایسے تھے جن کا ایمان راسخ نہ تھا اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو تفسیر میں ذاتی صواب دید آخری فیصلہ کرتی ہے اور قرآنی متن اپنی گہرائی، کثیر الغنویت، نزاکت اور ادبی معنی میں بے مثل دلہ مثال ہے، اس لئے وہ کثرت سے تفسیر کا قضا کرتا ہے۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم نے اپنے سفر نامہ مصر و عجاہیں مصر کی ایک مشہور عالم اور مفسر قرآن و کتورہ حاشیہ نبی التامی سے اپنی ملاحظہ کا ذکر کر لیا ہے۔ انشاء گفتگو میں سورہ صافات کی آیت ثم تسفلن یومین من النیم (پھر تم سے اس دن نیم کے باسے میں پڑھا جائے گا) میں وارد لفظ نیم پر بحث ہوئی۔ و کتورہ نے فرمایا کہ ”نیم“ یہاں نیم آخرت کے معنی میں ہے، اور نیم کا لفظ قرآن میں صرف نیم آخرت کے معنی میں ہے، نیم دنیا کے معنی میں کہیں نہیں استعمال ہوا۔ مولانا لکھتے ہیں، ”عربوں کا کیا کیا کہنا باقی سے معلوم ہوتا ہے کہ نیم سے نیم دنیا مراد ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ یا مولانا لا اللہ نیم الآخرة نیم الآخرة نیم الآخرة۔ المراد انہم یسلون من النیم یعنی ماہوں اور مولانا نہیں واللہ نہیں۔ نیم آخرت نیم آخرت نیم آخرت۔ عقاک انہم یسلون من النیم سے مراد ہے“ مولانا منت اللہ رحمانی اور و کتورہ مالشہ کی گفتگو کا حال پڑھنے کے بعد میں نے اردو ہندی انگریزی کے اخص مند تراجم قرآن میں آیت مذکورہ کا ترجمہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ بعض نے صاف صاف نیم دنیا کا ذکر کیا ہے، بعض نے ایسی عبارت لکھی ہے جس میں دعوای اور جسمانی دونوں طرح کی سر توں کا مہنوم بھلا ہے۔ لیکن دنیا یا آخرت کی

تفسیر نہیں ہے۔ اور جس نے ایسے نسخہ لکھے ہیں جن میں دنیا یا آخرت کی تفسیر نہیں ہے لیکن منہج کا جھکاؤ سماجی مرث کی طرف ہے۔ ایک ترجمے میں منہج کا جھکاؤ روحانی مرث کی طرف ہے۔

مندرجہ بالا بحث اس بات کو ثابت کرنے کے لئے سماجی ہے کہ تفسیر میں ذاتی فیصلے کو مرکزی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کا بھی قابل قبول تفسیرات و تراجم میں ذاتی فیصلہ اہم مقام رکھتا ہے۔ دوا طبع دہے کہ میں تفسیر اللہ کے کلمات نہیں کر رہا ہوں، اور بیگزنگ کی تفسیر و تفسیر بھی MY INTERPRETATION کا درجہ رکھتی ہے۔ مومنوں کی بات ہی کیا ہے؟ اور جس طرح متن کی فطرت یہ ہے کہ اس سے ہر وہ معنی نکل سکے جس میں کا وجود اس متن میں لیکن ہو اسی طرح تفسیر کی فطرت یہ ہے کہ اس پر مکمل اتفاق رائے نہیں ہو سکتا۔ ہر تفسیر میں کہیں نہ کہیں بحث یا تشکیک یا معنی اختلاف یا توسیع یا تنقیص کی گنجائش ہوتی ہے۔ اور اگر تفسیر میں زیادہ زور اس شے پر ہے جسے ہر شے متن کی معنویت SIGNIFICANCE کہا ہے تو پھر اختلاف کی گنجائش زیادہ لیکن ترمیم کی گنجائش کم ہوتی ہے۔

صوفی لوگ ایک عرصے سے حافظہ کے کلام کی موقیہ تفسیریں کرتے آئے ہیں۔ ان کی بنیاد کلیۃً موعبہ فیصلے پہلے دہ ہکتا ہے کہ حافظہ کے کلام میں بہت سی اصطلاحیں ہیں اور ان اصطلاحوں کے یہ معنی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ وجدانی ہے اور وجدان سے انکار ہو سکتا ہے مگر منطقی سطح پر اس کی تردید نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر پروفیسر مل شاہ نظائی کی شرح دیوان حافظ میں مشمولہ خبرنگ کے بعض اندراجات صوبہ ذیل ہیں:-

آئینہ سکنہ ری دجام جم چشم شاہ کو کہتے ہیں کہ دیدہ بھارت
خزل آئینہ دیدہ بھیرت مش جام جم کہ ہے
کہ راز باطن ملک دنیا کا کہ نور وحدت ہے
اس سے ظاہر ہوتا ہے۔

جہاں روح جودانی حوت جان کہتے ہیں کہ بھارت لطیف
سے بقول حکما پیدا ہوتی ہے۔

جانان حقیقت عوی کہتے ہیں کہ جان انسان کی اس سے
پیدا ہوتی ہے، گویا وہ جان کی جان ہے۔

ذلت و جود حجاب ظلمانی جہانی کہتے ہیں کہ نور وحدت اس
میں پوشیدہ ہے و تزکیہ نفس و طہارت جسم سے
ظہور کرتا ہے۔

ماہ نفس مطمئنہ کہتے ہیں کہ ہنگام تزکیہ تمام سے پر نور
نور جان ہے، نور میلکوں اس کا شل نور ماہ کے
سفید ہوتا ہے۔

اب کیوں رام ہوشیار کے دسلے شمع عرفان نورانی سے ترجمہ
از کالی داس گیتا روضا کے بعض اندراجات ملاحظہ ہوں:-

ابرد وہ پردہ جو طالب اور مطلوب کے درمیان حائل
ہے۔ طالب بمنزل پیشانی ہے اور مطلوب بمنزل
رخ۔ اگر ابر و درمیان نہ ہو تو پیشانی اور رخ
یعنی طالب اور مطلوب ایک ہو جائیں اور چونکہ
ابر و دھبہ حجاب لیتے ہیں، اس سے دنیا بھی جاتا
ہے۔ حقیقی ہے

ہزاراں معنی باریک با شد بیت ابر و را
بغیر از خوشگاہاں کس نہ فہم معنی اورا
بت منظر ہستی مطلق سے عبادت ہے کہ حق تعالیٰ ہے۔ ذوق
کایہ شر اس کی وضاحت کرتا ہے۔

اس بت کہ میں کون ہے کا قرعے سوا
توبت پرست بت بھی ہے ادبیت تراش بھی

ظاہر ہے کہ ان تفسیروں کو غلط ثابت نہیں کر سکتے بولنے، اس کے
کہ ایک ایک شعر کے کچھ کچھ کریں اور دکھائیں کہ یہاں ان الفاظ کے
شبہ خون

وہ معنی نہیں ہیں۔ جو صاحب فرہنگ نے درج کئے ہیں لیکن اسے بھی فرہنگ کی تردید نہ ہوگی کیوں کہ صاحب فرہنگ کہہ سکتا ہے کہ یہ نہ بھی لیکن دوسرے شفر مکن ہیں۔ جن میں یہ الفاظ ان اصطلاحی معنی میں برستے گئے ہوں جو ہم نے درج فرہنگ کئے ہیں اور پھر سو کی سیدھی بات یہ کہ ہمیں تو ان الفاظ میں وہی معنی نظر آتے ہیں جو ہم نے درج کئے ہیں۔ ملحوظ ہے کہ بحث لغوی معنی (یعنی حقیقی معنی) کی نہیں، بلکہ استعاراتی معنی کی ہے۔ درجہ ۳۹ درجہ ۳۸ کے کوئی قافیہ نہیں ہیں اس لئے استعاراتی معنی کو غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا، جب تک ہم یہ ثابت نہ کریں کہ یہ استعارہ اس مخصوص تعبیر کا متعلق نہیں ہو سکتا۔

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ متن میں کوئی معنی مستقل بالذات نہیں ہوتے۔ متن کی نوعیت کسی آثار قدیمہ کی نہیں۔ جس میں عاریت، ساز و سامان وغیرہ پہلے سے مدفون ہوں۔ اور میری نوعیت کی ہاں آثار قدیمہ کی نہیں جو کسی آثار کو کھود کر اس میں سے وہ چیزیں نکالتا ہے جو وہاں پہلے سے موجود تھیں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اس کی تعبیر پر کم و بیش اتفاق رائے ہو جائے۔ ہاں زبانی متن کا معاملہ کچھ اور ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہاں ترجمہ پر تعبیر کا عمل یا تو فوری طور پر ہوتا ہے اور اس کی صحت یا غلطی فوراً معلوم ہو جاتی ہے، یا پھر اس کے معنی مشکوک اور قائم ہو چکے ہوتے ہیں۔ یا اس کے معنی پر کسی نہ کسی حکایت قبول کر لی جاتی ہے۔ اور پھر اسی کی تعبیر کو درست ماننا پڑتا ہے۔ لیکن اصولی طور پر یہ تعبیر بھی ممکن ہے کہ متن پر جس شخص کی ملکیت ہے، ہم اس کی بیان کردہ تعبیر کو آخری یا قطعی تعبیر نہ سمجھیں۔ غالب کی مثال سامنے ہے کہ انہوں نے اپنے بعض شفروں کے معنی خود بیان کئے ہیں۔ ہم غالب کے بیان کردہ معنی سے انکار تو نہیں کرتے، لیکن ان کو آخری اور قطعی بھی نہیں سمجھتے بلکہ اپنی طرف سے بھی ان شفروں کے معنی بیان کرتے ہیں۔

۱۷ جون، جولائی ۱۹۴۲ء

اس طرح یہ بھی طے ہوا کہ متن میں کوئی ایسے معنی ہونا ضرور نہیں جنہیں ہم اس کے "اصل"، "حقیقی"، یا "خالص" معنی قرار دیں۔ اور میرا مقصد یہ قرار دینا کہ وہ ان "اصل" یا "حقیقی" معنی کو دوبارہ اپنے لفظوں میں بیان کرتا ہے۔ یعنی یہ زوری نہیں کہ کسی متن کا غلطی ترجمہ اس کے تمام معنی کو، یا حقیقی معنی کو بیان کرے۔ وہ لوگ جو متن کو قائم بالذات کہتے ہیں ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ متن کے معنی اس طرح بیان کریں کہ متن سے خارج کی چیزوں کا سہارا کم سے کم لینا پڑے۔ وہ لوگ جو متن کے مضمرات یا علامتی معنی سے بحث رکھتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ متن میں علامتی معنی یا واسطہ بیان کے جو پہلو ہیں اور اس بار اہلگی کے باعث جو معنی پیدا ہو سکتے ہیں ان کو بیان کیا جائے لیکن بعض لوگ مبرسے یہ تو قیہ بھی رکھتے ہیں کہ وہ معنی کو دوبارہ حاصل RECOVER کرے، یا اس کو از سر نو اپنے لفظوں میں بیان کرے، یعنی RESTATE کرے۔ بعض لوگ خاص کر وہ جو ریکٹر کی اصطلاح میں متن کو MYSTIFY کرنا چاہتے ہیں، وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ میرا کام ہے کہ وہ متن کو دوبارہ لکھے۔ فریڈرک بھی سن کی مثال سامنے لگے کہ وہ دوبارہ کہتا ہے کہ میرا متن کو دوبارہ لکھتا ہے۔ (REWRITES THE TEXT) اس کی مصدقیت بھی غرضی کی ہے کہ وہ سمجھتا ہے متن کو دوبارہ لکھنے سے اس کے اندر کے معنی ظاہر ہو جائیں گے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جب متن کو دوبارہ لکھا جائے گا تو نیا متن وجود میں آئے گا۔ جس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ پرانے متن کی شرح ہو۔ اگر متن میں معنی کی نوعیت ایسی ہوتی کہ انہیں کسی پڑیہ شے کی طرح RECOVER کر سکیں تو یہ عمل ایک ہی بار ممکن ہوتا اور تعبیر خود کو شکست دینے والا عمل ہوتی۔

"اڈاؤف اور دیگر کے عمل الرغم میرا خیال ہے کہ علامتی (وہ واسطہ اظہار پر مبنی) متن ہی نہیں بلکہ ہر طرح کے متن کو تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ غریبی متن کی کسی تعبیر پر مکمل اتفاق رائے ناممکن نہیں تو شاید ضرورت ہوتا ہے۔ میرا خیال یہ بھی ہے کہ متن کی کسی تعبیر کو

خالق طود پر مد کن یا غیر ممکن ہیں تو مشکل فرد ہے، لیکن متن کی ہر وہ
 میرے صبح VALID ہے جو متن ہی سے برآمد ہو۔ میں تسلیم کرتا
 ہوں کہ اگرچہ ہر تفسیر میرے تصبیات اور تفسیلات کے رنگ کی جھلک
 فرد رکھتی ہے۔ لیکن تفسیر کے لئے پھر بھی ممکن ہے کہ وہ بہت سے لوگوں کو
 لم دیش قابل قبول ہو۔ یہ فرد ہے کہ تفسیر لکھنے کی کوئی قاعدہ نہیں،
 اور آخری تفسیر میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ کسی متن کے معنی بیان کرنا
 یعنی اس کی تفسیر کرنا ایک ذاتی عمل ہے۔ کوئی قاعدہ نہ کسی تفسیر کو
 نافذ کر سکتا ہے اور نہ ہی قاعدہ اسے منسوخ کر سکتا ہے۔

ہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ اگر متن میں کوئی مستقل الفاظ
 معنی ہوتے بھی تو کیا ہم ان کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں کرنا
 سکتے ہیں تفسیری دور HERMENETIC CIRCLE کی ایک اذیت
 پیش کی۔ اس نے کہا کہ متن تو تاریخ کے چوکٹے میں بند ہے۔ ہم تاریخ
 کو جاننے بغیر متن کو نہیں جان سکتے۔ اور ہم متن کو جاننے بغیر تاریخ کو
 نہیں جاسکتے۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہم ماضی کو جان سکیں۔ کیونکہ ماضی
 اور حال ایک دوسرے سے وجودی سطح پر مختلف ہیں۔ گزشتہ معنی
 کا وجود حال کے معنی کا وجود نہیں بن سکتا۔ اس کے کسی جواب ممکن ہیں
 مثلاً ایک قویہ کہ ہم بہت سارے ماضی کو متن ہی کے ذریعہ جلتے ہیں۔
 متن کے باہر ماضی کا وجود نہیں۔ یعنی تاریخ کا وجود نہیں یعنی تفسیر دوری
 وہیں شکست ہوگئی جہاں ہم نے متن کو مقدم کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے
 کہ خود متن کا نظام مثلاً اس کی رموزیات، اس کے ماضی کو جاننے کا نظریہ
 ہمیں نیز کہ متن کہا جاتا ہے، اس کے بارے میں تصورات کا ارتقاء یہ
 تمام چیزیں ہیں معنی کے بارے میں بتاتی ہیں۔ اور یہ تاریخ سے برتری
 حد تک یہ نیاز ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ہم عام طور پر متن کے بارے
 میں جان سکتے ہیں کہ اس کے بنانے والوں اور اس کے قاری/مسلان
 کو متن سے کیا اور کس قسم کی توقعات تھیں، یا کھن تھیں۔ اور ہم
 عام طور پر یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی زمانے میں کسی متن کو سمجھنے اور اس کی

ذرا دھن تفسیر کرنے کے کیا طریقے تھے۔ لہذا متن میں مستقل الفاظ متن
 ہوں یا نہ ہوں لیکن تاریخ کی کمی کوئی منزل پر ماضی شناسی کا کام ہو سکتا
 ہے۔ لیکن دنیا دی جواب یہ ہے کہ ہم ایسے معنی پر اصرار نہیں کرتے جو تاریخ
 میں قائم ہوں یا مستقل الفاظ ہو کر جو پورے چکے ہیں۔ ای۔ ڈی ہرش
 جیسا مشافہ مصنف کا علم بردار بھی تسلیم کر لے کہ متن میں ایسے معنی
 بھی ہو سکتے ہیں مصنف جن سے بے خبر تھا، یا جن کا وجود تک مصنف
 کے زمانے میں نہ تھا۔ یعنی بات معنی کو بیان کرنے کی ہے۔ کھوسے ہوئے
 معنی کی بازیافت کرنے کی نہیں۔

HERMENETICS OF SUSPICION

اس مقام پر اگر کال رکیز کی
 خود مشکوک ہو جاتی ہے۔ رکیز کہنا کہ پہلے زمانے میں تفسیر کا کام
 دہا ہو گا کہ وہ اس معنی کو ظہور کر لائے اور محال کہے جس کا فاطم
 میں (قاری) تھا۔ اس وقت میں اور ماضی کا شعور ایک ہی شے تھے۔
 لیکن اب جب کہ خود شعور کا وجود مشکوک ہے، تفسیر کا کام ہے کہ وہ ہر معنی
 کو شک کی نگاہ سے دیکھے۔ رکیز ہر فردی طور پر متن بنانے والے اور
 معنی بنانے والے کو خطا طع کر رہا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ مشافہ مصنف
 کا قائل ہے اور سمجھتا ہے کہ مصنف ہی معنی کو وجود میں لاسکتا ہے۔ ہم
 دیکھ چکے ہیں کہ تفسیر یعنی معنی بنانے کا اصل بڑی حد تک مصنف سے آئندہ
 ہے لہذا ہمیں معنی کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں سوال
 تفسیر کے ذریعہ متن کو DEMYSTIFY کرنے کا، یعنی اس میں سے غور و غما
 فلسفیانہ، یا بعد الطبیعیاتی سیاسی وغیرہ معنی کو محفوظ ثابت کرنے کا تو یہ
 کام شعور معنی کو معرض شک میں لائے بغیر ہو سکتا ہے یعنی اگر یہ ثابت
 کرنا مقصود ہو کہ کسی متن میں فلسفیانہ سیاسی و غیرہ معنی نہیں ہیں تو اس
 کے لئے یہ ثابت کرنا ضروری نہیں ہے کہ مصنف نے یہ معنی مراد نہیں لئے تھے
 جس یہ ثابت کرنا کافی ہے کہ متن ان معنی کا متعلق نہیں ہو سکتا۔ معنی کہ اگر کسی
 متن کے بارے میں دعویٰ کیا جائے کہ اس میں فلسفیانہ سیاسی معنی وغیرہ
 استعارے کی سطح پر وجود رکھتے ہیں۔ تو ایسے معنی کا مدہم وجود ثابت

کرنے کے لئے یہ ثابت کرنا کافی ہے کہ ان استعاروں کی شہادت پیش کی جا رہی ہے وہ استعارے بھی ان معنی کے نقل نہیں ہو سکتے۔

سیاسی طور پر وابستہ نقادوں کو اس بات کی خاص فکر رہے کہ وہ ادبی متوں میں سیاسی معنی کا وجود کا راز کیوں ظاہر کرے؟ کیا یہ ادبی معنی اور خاص کر اپنے مفید مطلب سیاسی معنی ہر ادبی متن میں کشاں کو تازہیں تو پھر مثلاً مصنف کی اہمیت، بلکہ اس کے وجود ہی

سے انکار کرنا ہو گا۔ فریڈرک ہیمن نے اپنی کتاب
THE POLITICAL UNCONSCIOUS: NARRATIVE
AS A SOCIALLY SYMBOLIC ACT

پر یہ وقت اختیار کیا ہے کہ ادبی مطالعات میں سیاسی تناظر کی اہمیت محض تہمت کے طور پر یا محض کئی ممکن راستوں میں سے ایک راستہ نہیں بلکہ وہ مطالعے کا ”افق مطلق“
ABSOLUTE HORIZON

ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ”کوئی ایسی شے نہیں ہے جو سابق اور تاریخی نہ ہو۔

بلکہ تو یہ ہے کہ آخری تجربے میں ہر چیز سیاسی ثابت ہوتی ہے“۔ ہیمن

ناہنسا ہے کہ یہ خیال میں علم شرح HERMENEUTICS کا آئینہ

یہ کہ وہ تاریخیت HISTORICISM غیر حاضری

ABSENCE اور منفی NEGATIVE سے خود کو پوری

طرح پر آمناک کر لے لیکن تعبیر کی بنیاد تاریخ پر ہو اور اگر متن میں

سیاسی فلسفیانہ معنوں نہ ہو تو اس کی غیر حاضری اور ان معاملات

میں متن کے معنی روئے کو بھی مثبت حاضری سے تعبیر کیا جائے۔ وہ کہتا

ہے میں فرانسیسی مابعد وہیات کے اس خیال سے متفق تو ہوں کہ شرح

تعبیر کو بھی کچھ کرنا چاہیے، لیکن اس بات سے متفق نہیں ہوں کہ ہر

ادبی متن میں سیاسی معنوں نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے کہ ہیمن اور فرانسیسی مابعد وہیات دانوں کا یہ

تصور بیکار اور معما کی خبر ہے کہ کسی متن میں کسی چیز کے ہونے کا ثبوت

یہ کہ وہ اس میں نہیں ہے۔ بلکہ پورے تو تمام متون کے معنی کو تاریخ میں

بزمست کرنے کے معنی ہیں کہ ہم تعبیر کو دور
HERMENEUTIC CIRCLE

کے تاریخی VERSION کا شکار ہو جائیں اور یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جب

تاریخ کو جانے پر ہم متن کو نہیں جان سکتے اور متن کو جانے پر ہم تاریخ کو نہیں

جان سکتے تو بہتر یہی ہے کہ تاریخ کا جو

ہمارے پاس ہر

سے پہلے ہی متن پر منطبق کر دیں اور پھر متن کے معنی بیان کریں۔ یہی کمی کونٹ

منشور کے حوالے سے کہتا ہے کہ آپ نگاہیں متانہ دیں آئیں اس میں ان کی تاریخ

بہن ہی ہے کہ جابر اور مجبور کے دو میان کش کش ہوتی رہی ہے کبھی کبھی ہولی

کبھی پوشیدہ۔ اور تاریخ کچھ نہیں ہے صرف طبقاتی کش کش کا بیان نہ ہے۔

لہذا تمام ادبی متون میں بھی اسی طبقاتی کش کش کا بیان ہے کبھی کھلا ہے۔

کبھی پوشیدہ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب میں بات پہلے ہی سے معلوم ہے

اور تاریخ کی اہمیت بھی نہیں معلوم ہے دیکھا کیونٹ منشور تو یہ متن کے

معنی بیان کرنا مشکل نہیں۔ ان معنی سے کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو، لیکن ہم تعبیر

HERMENEUTIC CIRCLE کے تاریخی VERSION سے

آزاد ہو کر معنی بیان کرنے کے قابل تو ہو گئے۔

مندرجہ بالا طریق کار میں ایک فائدہ اور بھی ہے کہ وہ ہر کو تعبیر

دور HERMENEUTIC CIRCLE کے مضموما تر VERSION سے

بھی نجات دے دیتا ہے وہ VERSION یہ ہے کہ ہم کسی متن کے معنی اسی

وقت جان سکتے ہیں جب کل متن THE WHOLE TEXT سے واقف ہوں

لیکن ہم کل متن کو اسی وقت جان سکتے ہیں جب اس کے اجزا کو جانیں۔ مگر کبھی

یہ ہے کہ ہم اجزا کو اسی وقت جان سکتے ہیں۔ جب ہم کل WHOLE کو جان سکیں

مندرجہ بالا طریق کار کے ذریعہ اس دور سے بھی چھٹکارا مل جاتا ہے۔ لیکن

کہ ہم کل WHOLE کو پہلے ہی جان چکے ہیں کہ اس میں طبقاتی کش کش

بیان نہ خواہ پوشیدہ خواہ کھلا۔

اس طریق کار کو کام میں لا کر ہم تقریری دور کے ہیکر دوسرے شاید کل

نیکس (اگرچہ اس میں بھی کلام ہے) لیکن اس کا نتیجہ معنی کے لئے ہنگام

ہے۔ کوئی بھی عمومی بیان جو زیر ایتا TOTALISING ہو، مطلقاً تو بہت

دلکش اور پر معنی لیکن باطن بھر ہوتا ہے کیوں کہ وہ میان جو ہر چیز کو

ایک جنبش قلم واضح کر دے۔ دراصل کچھ بھی واضح نہیں کرتا۔ مثلاً
 ممکن ہے یہ بیان صبح ہو کہ سورج تمام توانائی کا سرچشمہ ہے۔ لیکن
 سے اس بات کی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ زمین کا تسے کیسے تیل کیوں
 نکلتا ہے، کیسے گیس کیوں نکلتی ہے، کیسے کوئلہ کیوں نکلتا ہے، کیسے
 گرم پانی کیوں نکلتا ہے اور کیسے یورینیم کیوں نکلتی ہے؟ اس طرح
 اگر یہ بیان صبح بھی کہ تمام ادبی متون دراصل سیاسی و مذاہن ہیں
 تو اس سے اس بات کی وجہ معلوم ہوتی کہ کالی داس ہیچکسپر سڈا نکلیں
 ایک دوسرے سے اس قدر مختلف کیوں ہیں؟ اگر تینوں میں الگ الگ
 صفات نہیں ہیں تو ان کے وجود کا حراز کس ہے؟ ممکن ہے گرم پانی اور
 کوئلہ دونوں کا وجود سورج کا مرکب ہونے سے ہو۔ لیکن ان کے صفات
 اور خواص الگ الگ ہیں، اور ان کو برتنے کے طریقے الگ الگ ہیں
 اگر ان کو اس بنا پر ایک طرح پر تاجا ہے کہ ان کا منبع بالآخر سورج
 ہے۔ تو پھر ان سے توانائی کے بجائے طاقت ہی حاصل ہوگی۔ یہی حال
 ادبی متن کا بھی ہے۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ تمام ادبی متون
 اصلاً سیاسی متون ہیں تو اس سے ہیں ان متون کے بارے میں
 کچھ نہیں معلوم ہوتا اور انہیں بستے کے طریقوں کے بارے میں ہم پھر
 بھی لا علم رہتے ہیں۔ مثلاً یہ بیان لا ملائیں اور ہمارے لئے صرف
 ہے کہ انسان تمام انسانوں میں مشترک ہے۔ یہ بیان ای بولونٹے
 کو ہو کسا سیکھنے کی ضرورت سے بے نیاز نہیں کر دیتا۔ دونوں پروردی
 ہیں، لیکن انہیں ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے لئے دو میں سے
 ایک زبان بھر بھی سیکھنی پڑے گی۔

یہ پریشانی صرف سیاسی تعبیروں تک محدود نہیں کوئی
 بھی عمومی میزانیاتی بیان ادبی متن کی تعبیر میں ناقابل تسخیر قرار
 پیدا کر سکتا ہے۔ میرزا خیال ہے کہ ادبی متن کی تعبیر کے لئے عمومی میزانیاتی
 بیانات وضع کرنے والوں کو تعبیری دور
 HERMENEUTIC
 CIRCLE
 کو توڑنے کی اتنی فکر نہیں ہے جتنی اپنے محبوب ادبی یا غیر ادبی تصورات

کو نافذ کرنے کی۔ ہاں کسی نقادوں کا معاملہ سائے سہا پہ کو خود ماکسز پر
 اور میزانیاتی بیان یا یونٹار کی زبان میں
 GRAND RECIT
 بیان یہ مضمون ہے۔ اور لاچار ماکسزم کی روشنی میں بنائی ہوئی تمام تعبیر
 ایسی ہوں گی جو اس بیانہ اعظم کی رو سے مناسب ہوں۔ لیکن غرض کہ
 نظریہ رکھنے والے نقاد بھی اکثر کسی مذہبی یا غیر ادبی تامل کا شکار رہتے
 ہیں۔ مثلاً بہت سے لوگوں کا خیال ہے دلی۔ ایس۔ ایٹ بھی ان پر
 شامل ہے مگر اعلیٰ درجے کی شاعری میں فکر محسوس
 FELT
 THOUGHT
 کا غرضائی ہوتی ہے۔ اب اگر ہم اقبال کو جوش سے بڑا شاعر سمجھتے ہیں
 تو جوش ہزارہ زور مارا اور فلسفیانہ شاعری لکھیں۔ لیکن ہم کیسے
 اقبال کے یہاں محسوس نگر ہے اور جوش کے یہاں نہیں ہے۔ لہذا اقبال کا
 رتبہ جوش سے بلند تر ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی متن میں محسوس فکر کے وجود کا
 ثبوت نہیں کیا جاسکتا، اسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ لہذا اقبال کے
 یہاں محسوس فکر کے وجود اور جوش کے یہاں اس عدم وجود کو ثابت کرنے
 کے لئے دونوں کے چند اشتراک پیش کرنا کافی سمجھا جاتا ہے۔ اور صحیح طور
 قویہ طریق کار بھی تعبیری دور کا نمونہ ہے۔ پہلے ہم نے فرض کیا کہ بڑا
 شاعری میں ”محسوس فکر“ ہوتی ہے اور میں یہ معلوم کیا ہے کہ اقبال بڑا
 شاعر ہیں۔ لہذا ہم نے بحث کہہ دیا کہ اقبال کے یہاں ”محسوس فکر“ ہے۔
 ثابت ہوا کہ محسوس فکر کی بنا پر اقبال کی شاعری بڑی شاعری ہے!

چکی بات یہ ہے کہ تعبیر دور کے پیکر سے تمام وکمال نکل جانا شاید کہ
 بھی ممبر کے لئے ”مکن نہ ہو“ جس طرح اپنے تمام تعصبات اور جذباتی توجہ
 کو بالکل ترک کرنا بھی کسی ممبر کے لئے ممکن نہیں۔ لیکن دونوں سے ہی بڑی حد
 آزاد ہو جانا غیر ممکن بھی نہیں دراصل ہم کہیں عربی متن کے ممبر کی بات کر
 ہوں، پہلی بات تو یہ کہ تمام ادبی متن اصناف اور ذیلی اصناف کے ذرا
 میں رکھے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ہم متون کو گھٹن (د، ناول، افسانہ، داستان
 ڈراما شاعری وغیرہ اور پھر شاعری کے متون کو غزل، نظم، قصیدہ
 مرثیہ اور پھر نظم کو آزاد نظم، موزون نظم، پابند نظم، موضوعاتی نظم،

شب فحوت

نظم، وغیرہ کی انواع میں رکھ سکتے ہیں۔ ادب کی اصناف کے بارے میں میر جو جتنا زیادہ علم ہو، اس کے حق میں اتنا ہی اچھا ہے۔ نتیجہ بہت سے مسائل اسی وقت حل ہو جاتے ہیں جب ہم کسی متن کو اس کی صنف، پھر ذیلی صنف، پھر ذیلی ذیلی صنف میں رکھ لیتے ہیں یعنی ہم مکن حد تک اسے پہچان لیتے ہیں۔ لیکن ادبی متن کسی بڑائی یا معنویت اس بات میں بھی ہو سکتی ہے کہ جس صنف میں وہ بنائے گئے ہیں اس کی حدود کو وہ کہاں اور کس طرح عبور کرتے ہیں اور کہاں اور کس طرح ان حدود کی توہین کرتے ہیں۔ دوسری بات (اور وہ اصناف کی شناخت سے بھی تعلق رکھتی ہے) یہ ہے کہ میر کو کتنے متنوں کے بارے میں آگاہی ہے، یعنی اس کا تعلق کتنا وسیع ہے اور کیسا ہے؟

INTERTEXTUALITY

مغرب میں جو بات بین المتونیت کے نام سے مشہور ہو رہی ہے۔ اس کا رواج ہمارے یہاں شکوت میں بھی، اور عربی فارسی اردو میں بھی، بہت دن سے ہے یہ بات فرینک کروموڈ کو اب معلوم ہو رہی ہے کہ جدید میں قدیم سے نفوش ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ کسی نظم پر بہترین شرح کوئی اور نظم ہی ہو سکتی ہے۔ ہمارے یہاں یہ سوال ہمیشہ زیر بحث رہا ہے کہ کس متن کو ادبی متن کہا جاتا ہے اور ادبی متن جب بنتے ہیں تو ان کے سننے پر مبنی والے ان کے بارے میں کس نقطہ نظر سے حکم لگاتے ہیں؟ آہستہ آہستہ ادبی متنوں کا متن فرسٹ (CANON) تیار ہو جاتا ہے اور پھر سستا اور CANON ایک متحد ادبی متن بن جاتا ہے۔ اگر میر کو کا پورا شعور ہو تو وہ بڑی حد تک کامیاب تعبیر کر سکتا ہے۔ اور CANON کی زیادتیوں/تخالیوں کو درست بھی کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

تعبیر کی کلید انہیں دو باتوں میں ہے کہ کسی متن کو

کس صنف میں اور کہاں رکھا جائے، اور یہ کہ دوسرے متنوں میں کسی متن کے بارے میں کیا بتا سکتے ہیں؟ دوسرے متنوں کا علم ہمارے لئے کلی WHOLE کے علم کا کام کر لے گا ہم اس علم سے مسلح ہو کر جز (کسی ایک مقودہ متن) کی تعبیر شروع کرتے ہیں اور اس طرح تعبیری دور کا جبر ہمارے کاغذوں سے بالکل ہٹ نہیں جاتا تو بلکا ضرور ہو جاتا ہے۔ اشکلاؤ کی نئے عمدہ بات کہی ہے کہ اگرچہ کوئی صنف سخن کسی ایک فن ہائے میں بند نہیں ہوتی لیکن کسی ادبی متن کو دیکھ کر ہم عام طور پر یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کسی صنف کا کون ہے یعنی کوئی ادبی متن شاید ایسا نہ ہو جس میں اس کی صنف کے تمام خواص پوری طرح نمایاں ہوں لیکن ادبی متن کا نظا لہ اس کے صنف کے قیاس سے شروع ہوتا ہے اور ہر صنف کی تعریف اس ربط اور رشتے کی روشنی میں ہوتی ہے جو اس صنف اور دوسری اصناف کے درمیان ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان قصرات کی روشنی میں ادبی متن اور اس کی صنف کے بارے میں ایسے نکات پیدا ہوتے ہیں جو ادبی متن کی تعبیر میں ہمارے معاون ہو سکتے ہیں، بلکہ جن کی امداد کے بغیر تعبیر کا عمل انجام ہی نہیں پاسکتا۔

مثال کے طور پر بومن کے قصیدے میں حسب ذیل اشارے پر غور کیا گمان کر سکتا ہے۔ غامی کر الگ الگ پڑھنے پر، اور اگر تینوں شعروں کو یکجا پڑھیں تعارف معلوم ہوتا ہے کہ قصیدے کے شعروں۔

یاد ایام و شہرت خانی نہ وہ ہم میں ذوق آسانی

میں دینا ہے ہو گیا دل مرد دیکھ کر رنگت عالم خانی

جائیں دشت میں سوئے صحر کیوں کہ نہیں پہنچ کر دیرانی
لیکن غالب نے ذیل کے اشعار کو غزلوں میں نہ رکھا ہوتا تو ان پر قید سے
مہمگمان ہو سکتا تھا۔ اور چونکہ غالب نے انہیں غزلوں میں رکھا ہے
اس لئے ان کی روشنی میں ہیں غزل اور قصیدے دونوں کے بارے میں
از سر نو ضروری ہو جاتا ہے

کچھ اور سہجے پیرایہ زمان دزین
بدلتی ہے یکا یک روش دو عالم کی
ذاب وہ عالم بالان عالم پائیں

یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ ایدر جلال کے متون میں کد کد پر ہوا
نسبت غیر مجیدہ اور سادہ ہیں سیدہ متن کے ساتھ اتنی آسانی نہ
ہوگی۔ لیکن یہ محض فرضی مشکل ہے کیونکہ سوال کسی متن کے محض ہوا
معنی سمجھنے یا اس پر دلیل لگانے کا نہیں، بلکہ اسے متن کی روایت کے
تعلق میں رکھ کر دیکھنے اور اس کے متن کو اس طرح سمجھنے اور بیان
کرنے کا ہے کہ یہ ظاہر ہو سکے کہ وہ متن کس طرح یا معنی ہو سکے اور
وہ معنی اس میں کیوں پیدا ہوئے ہیں؟ غالب کو اس بات کا پورا
اساس تھا کہ متن میں ایک سے زیادہ معنی ہو سکتے ہیں۔ انہیں اس بات
کا بھی علم تھا کہ ایک متن کی روشنی دوسرے پر پڑتی ہے۔ تعبیر کا شوق
بہن اتنی ہے

ہجوم سادہ دلی جذبہ گوش حریفان ہے

دگر نہ خواب کی مضمر ہیں اضافے میں تعبیریں

شمس الرحمن فاروقی
کی

نئی کتاب
شعر شور انگیز

کی ہوتھی جلد جلد ہی شائع ہونے والی ہے

شب فون

پھر اس انداز سے بہار آئی کہ ہر ہر درختاں
دیکھ لے سکاں غلغلہ ناک اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کوزیں پوچھتی ہے سراسر رکش مسلح چورستان

ہم میں سے اکثر اگر غالب کے اشعار کو یہ جانے پیر نہیں کیے غزل
دارودہ سے ہیں اور امیر مینا کی سے سب ذیل اشعار کو یہ جانے بغیر
ہیں کہ یہ قصیدے میں دارودہ سے ہیں، تو اتحاد معنوں کے باوجود
غالب بھی فیصلہ کریں گے کہ اگر غالب کے اشعار میں غزل کا رنگ
نالا ہے، لیکن میں وہ قصیدے کے شعرا اور امیر مینا کی سے اشعار خاص
قصیدے کے مزاج کے ہیں۔ ان میں غزل کا رنگ بہت کم ہے۔
غم نہیں شائیں درختوں کی ہوائے خاک پر

کدہ ہے میں سجدہ شکر حریفانہ اس دعاں

قما بدن اللہ کہی آئی گلشن میں بہار

جی اٹھے جو ہو گئے تھے مردہ دل وقت نرمان

ہجوم کر آیا ہے اب کو بہاری باغ میں

رقص میں ہیں ہر روش طاؤس ہر کوشاداں

جن لوگوں نے امیر اور غالب کے مندرجہ بالا اشعار اور اس طرح
کے اور اشعار کو کثرت سے پڑھا ہے۔ انہیں امیر مینا کی مندرجہ ذیل
اشعار پر قصیدے کا دھوکا نہ ہوگا، اگرچہ معنوں میں اب بھی قصیدے سے
سہ کے دن رنگیں کا سنا ہم نے فساد

گل کاں ہوتے کان کے پونے صدق گل

کب فارادہ سکتے ہیں دلمان حبابے

شکستن کی قلم رو میں ہے نظم و نسق گل

آج یہ گزرا میں کسی کی کہنا ہے

صفت کے لئے ذرے بھرے ہیں گل

پھر جلال کے ان اشعار پر غزل کا گمان شاید ہی ہو

جہاں کی بو تلوئی ہے دیکھ کے قابل

کہتی ہے خلق خدا

● شرب خون شکار و جزوی سگ ۱۹ میں اتنا دھنکویہ پیر
 فانی افسانہ کا مجموعہ ہے۔ اس میں ۱۹ پروردی اور انیس تیر کا مجموعہ
 ہے۔ ہر پروردہ کے انیس پروردی ہیں۔ ان میں سے کچھ پروردہ کی
 ایک پروردی کا کافی ہے۔ کیا پروردی ہے کہ ان کا دوسرا پروردی شامل ہیں۔ ان پروردی
 میں سے نام تک کی ان پروردیوں میں سے ہے کہ ان پروردی

حلقہ کی اینٹ پر اینٹ کرتے لاکھوں مسکینوں اور یتیموں پر غصہ بھرا جاتا ہے۔ غریبوں کی تکلیف دینے والوں کی ہر بات کے منہ میں شعور نہ پیدا ہے۔ عین بد شرعیت پر عین بد شعور ہے۔ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کو کچھ کام کو انسانیت کے لئے حاصل کو اسال نہیں کرتے۔ جانے دے جاتے ہیں کہ ہر بات کے ادنیٰ امر کے

کون ہوتے ہیں۔

BACK BONE

ادنیٰ امر کے

دورانیوں میں کیا ہے۔ اس حقیقت پر غور کیا تو ظہور کئی ٹھوس کتاب یافتہ کوئی نکتہ نہ ملے تو اس کے نزدیک بار بار دہرایا کہ کائنات ہے یہ جو مسائل کے غم میں میں شامل ہوتے ہیں۔ طاقتور دنیا پر کوئی عقائد نہیں ہو سکتا۔ علی گڑھ یعنی اولیاء ہی چند اور اگر کہہ سکیں کہ ان کی دلیل بہت ہی اس کتاب پر آتے ہیں کہ کونسا کھانا ہے۔ اگر وہ دیکھ کر اپنے حیرتوں کے عبادہ و شکر کا غریب اور شوقیہ تعلیمات کو مافی السحاب کاٹ کر پر کر جائے تو اس صورت سے معلوم نہ ہو کہ ان کی سیر نہ جاننے کے ان کی ثابت ہیں گے یہ کہ جو کچھ ان کو کچھ ہے کام آدمی اپنی طبیعت اپنے ذوق کی خاطر کرتا ہے۔ کسی پر اس کا بطور نہیں۔ اگر کوئی نہیں کہ کام کرے اس کو اسے دیکھیں نہیں۔ اگر اس کو نہیں،

MERIT
 انہوں نے ایک چارٹرڈ روبا ہے۔ اگرچہ چارٹرڈ روبا کے پاس
 ہمارے انٹرنیشنل ٹرانسپورٹ کے کئی دوسرا کوئی پورے کوئی دیکھ سکتے ہیں کہ
 ساتھ ساتھ روبا کے

میں دیا ہوں مگر نوسہ میں ہیں بند
مرفی فقیر میں ہشتا نہیں ہے
دی خول کی بات چید خول کے چراغ اوس کے سے سرائی کو کھنکھارے

ان غزل گو شعرو کی جدید نظموں پر بات کو سمجھنا پڑے گا۔ ان کی نگاری تو انسانی احوالوں سے
 ہے جو مجموعہ پرورش وصال پر ہی ہے۔ قدیم کی الیہ نہ ہے۔ یہ پہلے سے بات کی فضا ہی کی گنگی
 کو گنگی شعرو کی روایت کی شاعرانہ فضا میں اس کی نظائرت تازہ۔ شادی ہوتی ہے۔ شادی کا ماحول
 مذہب ہے نہ ہوشیار کہ کام کی گرد مذہب شاعری میں خطیہ باند رنگ اختیار کرے تو جوش
 نہیں دھکے ہے۔ جو کچھ دھکے کے غزل گو ہیں میں فضا ہی فیضی کے ہیں اس کی ناک کی گنگی میں
 ہے۔ گولان کی فضا میں ماراٹھی شعروں کے گھر میں پہنچے ہوئے زبورات کی بھونڈی بھونڈ
 غموس ہوتی ہے۔ فضا ہی فیضی کے ہیں اس کے گھر میں گزرا تو فضا ہی کا فضا دیں ہے۔

چمک چہرے کا تیرے کم نہ ہوگی

کرن خورشید کا کہنا نہیں ہے

عزیز صدیقی کے ہاں کمی فخر نہیں۔ کاش وہ تصوف کی طرف آجائے یا آجائیں۔

کاوش پیری

مدیر اس

● شب بخون شمارہ کے اس اہم حصہ کے خوبصورت ہے کہ مکتبہ کی خطی
موزوں جاتی ہیں۔ وہ زمانہ کی ان خوبصورت خطوں میں دوسری منزل کے دوسرے شعر کا پہلا
مصرعہ خاتما کتابت کی خطی کے غلط طالع ہو گیا ہے۔ کافی حصہ کے لیے بہت اچھی خطوں
(وہ زمانہ کی) کیڑے نکلیں۔ یہ میر پرکاش کے کام کی اچھا نمونہ ہے کہ جسے فاروقی سنگ
اتنی اچھی خطی کہہ سب میں۔ کہ خاک ٹھونکی خوبصورت ٹھیک میں، مگر پہلی منزل کے چوتھے شعر
ترے غنوں میں میر کی جی میں تھی میں، مٹی کی جگہ خاک، کہنے کو زیادہ تر
سلاطین علی بن پرورد کی PERFECT اور COMPACT

COMPACT

491 PERE

ECT **سلاحيہ اہلکار**

روحِ خضر پر چو بڑی ابنِ انبیا کا تھو اچھا گل اس آفتاب میں ہی اودھار کا
تین ٹھیک طرح سے کیگیا ہے اور یہی اس میں شامل شعرا کا بکس دیا کہ کو
آفتاب میں جگمگے دینے سے آفتاب کھل نہیں رہا تھا۔ عجیب بات ہے کہ گزشتہ پابند نے
چند روز پہلے ان کے کلام کو بھی اپنی کتاب سے دوڑیں اہمیت کلم ہوئی۔

مہتاب حیدر نقوی

۱۰۰

● شب خون کے ہر شمارے کا یہ مہر سے انتظار چلتا ہے۔ شمارہ نمبر ۱۰
 دوسرے دن پر ہزاروں کے اکھنڈے شہنشاہ کو گواہی بخات و دی ہے لفظ
 ماروں سے ہر دور کی ایک بہت جادو اور نکلے لگا ہے۔

منظر ہر دم و کان ہر اور شکر کی طور کی غریب نہ آئیں۔ علی بن ہشامی
 ظہر بہت خوب ہے۔ صلاح الدین ہر دور کی ایک لفظیں بھی گوارا کی جاسکتی ہیں
 پھر ظہر کی بلاؤں: میرے خیال سے انہیں تو شعر کا تہوں کی شکل میں شید
 بنے تھا۔ کہوں کہ ان میں مجھے کوئی نظم کی خاصیت نظر نہیں آتی۔

افانوں میں یہ معبود شعر کی تحریر کیا ملا ہے، کیا یہ افادہ ہے؟ یوں محسوس ہوتا
 صنف کی شخص کی ڈانڈی لایک محو چھٹا ہوا ہوا دے آپ کو ہر دور افادہ ارسال
 یا جو۔ اگر ہم محو کا کہنا متھد نہیں مگر فوں کے رکھ رکھاؤ پر طنز کرنا تھا تو
 ہر اس کا ہم سے بولے افادے میں میں شعر کا کچھ وقوع پذیر ہو گا لیکن وہ ایک
 ہاں نہیں شاعر افادہ کرنا سخت ہے، بہتر ہے۔

جانب صاحب شعر کی عظمت سے تحریر کیا ہو مضمون بہت پند کیا اور مضمون پڑھ کر
 سے دعا لگی، انہیں فرصت کے اوقات دے تاکہ وہ شعر اور وقت پر اپنا ہنر
 ایکس بنائیں اس الزام نافذی کے شعر شروع لایک کے ابواب حب محول اس شمارے
 پست ہیں۔ گنہگار آپ بھی جانتے ہیں تب ہی بولے بطور تبرک تصور تھا
 مگر سب میں۔ یہ جلد چارم کتب تک شائع ہو رہی ہے۔ ہر
 محمود شہور
 سہیل اختر

● شمارہ ۱۱ میں کبابی کی کی محسوس ہوئی۔ چوبدری انہیں شعر کے
 مرے پند کے لیکن انہوں نے کن لوں کے مضمون ہر دور کی ڈانڈی ہے تب
 مایہ خردی ہے کہ فن اور اسلوب کے تعلق سے بھی بات چیت کی جاتی ہے۔ چوبدری
 اصحاب کو اسلوب اور فن پر بھی بات کریں تو ان کے تبصرے میں جالہ پیدا ہو سکتا ہے
 (۲)

شب خون شمارہ جنوری ۱۹۹۲ میں خاضی سلیم کی نظم وحیدہ دوبارہ

پڑھنے کے تحت شائع ہوئی۔ یہ نظم دین ہر شمارے کے شمارہ نمبر ۱۱ شائع ہو چکی ہے۔
 قصور آپ کا نہیں بلکہ شمارے کے اس نصابی نظم کو دیکھ کر خاصیت کے لئے ہوا
 ۱۱ شمارے میں صلاح الدین ہر دور اور یقین ظہر ان کی کئی کئی جگہیں بھی شامل ہیں
 ان دونوں۔ بروہن جو ظہر شائع ہو رہی ہیں مگر کچھ کے احسانے خیر کے قریب
 پہنچ گئی ہیں مگر بہم کے ساتھ۔ دونوں باتیں فی نظم کے مطالعہ سے قاری کو دور کرتی
 جاری ہیں صلاح الدین ہر دور کی ظہر بھی انہیں سے بہ آتی ہیں۔

ان کی تہی ساری ظہر آپ نے شائع کے کہ شب خون کے صفحات کو حدائق
 کیا ہے۔ یقین ظہر میں نے سارا گفتگو کے انداز میں آپ کو اپنلے کی کوشش کی ہے۔
 گر وہ بات کہیں۔ مرشارب شہر کی کہ وہاں ایک نظم ہتھیں جاتیں پڑھ کر مسلم ہو کر
 میں شب خون نہیں بلکہ شمس پڑھ رہا ہوں محو طور پر آپ نے اس بار شائع نہیں
 شائع کی ہیں جو شب خون کے میرا کو مجروح کر رہی ہیں۔

ہمارے پھر نظم لکھنے والے شعرا و نگاروں کے صحیح سلسلے سے ناواقف
 ہیں نیز فی بہت سے محرم۔ ایسا بات لگتی نہیں کہ ہمارے اردو ادب میں آنا اور نظم کی لڑ
 بنیاد نہیں۔ ن۔ م۔ راشد میری، قیوم نظر، منیب الرحمن، خلیل الرحمن، اعظمی، عتیق صنفی
 اور کمار پاشی وغیرہ کی آواز ظہر میں مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔

فدا میں فیضی کی غزلوں کے کئی اشعار پند آئے۔ منظر ہر نام سے زیادہ متاثر ہیں
 کیا صاحب اکرم کی کیفیت ہے۔ ان کا ایک شعر شمس ہے۔

روز جنگ اور جنگ بندی کی خبر سننے رہو
 روز بستی اور اجڑتی بستیوں دیکھا کرو

وہ اس شعر کو شعر زندگی کے شخص لے ایک بیان کیا جاسکتا ہے۔
 کرشمہ کا طور کی غزلیں ان کے اپنے انداز کی غزلیں ہیں۔ وہ مضمون میں یہاں
 ہے نہ ہی ظہر میں نہت۔

دکان ہر کی غزلیں بھی میں گویں کہ دوسری منزل کے دوسرے شعر پہلا مصرع
 ہر دور ہے: آنکھوں میں جم کے رہ گئی برسات جگہوں کی راکھ

ملے کی بہت کی غزلیں بہ درست مصرع ہوں ہے:
 آنکھوں میں جم کے رہ گئی برسات جگہوں کی راکھ

ملے شعر شروع لایک چارم ترقی اور دیور دینی دہلے ہے ہلدی
 نائے ہونے والی ہے۔

شب خون

ہر دین کا رنگ کی غرضی دل کو چھوٹی ہیں۔

روح خزل پر چوہری ایسی مغیر کا تہرہ خوب ہے، انھوں نے یہ تہرہ غیر
جانب ہر کو کھلے ہے اور یہی وجہ ہے کہ روح خزل کے تعلق سے کئی اہم کتب
رہی ہیں آگئے ہیں۔ انھوں نے ہندو پاک کے کئی ایسے مشہر مشرک کے نام بھی لکوا
ہیں جو روح خزل میں جگہ نہ پاسکے ہیں۔ ان میں ایک اہم نام بہا ہے جناب شاہ
لکیم کا گیلہ جاسکنا ہے۔ یہ کشفاف ہیں کے جہد بہ جہد رسلے اور مگر سے کے
مطالعہ پر دل ہے۔

معاویہ کا مظہر مغل نے روح خزل کو کئی اعتبار سے دستاویزی
حیثیت عطا نہیں کی ہے۔

آرہ ضیا آزاد

● شب بخون شمارہ نمبر ۲۷۱ ایچی دیر سیرت رولات و درایت کا د
صرف لکھنؤ دار ہے لکھنؤ کے روحانی بیانیہ اور توانائی روح ہر کے لیے سادہ سادگی و
انسانیت ہے، ہر ضرورت میں اس میں تہذیبی و مذہبی تمام باتوں پر۔ انھوں نے انسانی نفس کو بظاہر
اور نفس کو روحانی طور پر سمجھنے کے لیے آداب کے حکم کا رنگ پیدا کر دیا۔ لفظیاتی و معنوی
اور اسلوبیاتی اعتبار سے یہ تہذیب نام اپنی مخالفت رکھتے ہیں۔

● نظمیں قافیہ میں، جیلانی کا مرثیہ اور ان کے میں جن انھیں نظمیں
کی پانچ نظمیں دیواریں، دل پر چسپاں ہو گئیں یہ سہا سہا محبت انھیں قدرت کے انھیں
لے رہا ہیں کہ مبادا انھیں فلسفہ کی قیاد کی طرح پھٹ کر اپنی غارت و ملامت کا نوہ
خول نہ ہو جائے؟ انھوں نے جس انھیں فاروقی

سے سہا سادہ دل ہے بے آواز بہتر
کسی بارات کی شہنا بانیہ لے ہے

روح خزل پر چوہری ایسی مغیر کا تہرہ تمام تہذیبی تہذیبات،
نرم ہندی ادبی ہیئت و صفت اور انھیں اہمیت کی پخت پر ایک حقیقت
پیدا نہ تا زیادہ جرت ہے۔ یہ تہرہ مستقبل میں قریب و دور دین کا کام کرنے
والوں کے لیے ایک روشن شاہ ماہ ثابت ہو سکتا ہے۔

مالیگاؤں صاحب زادہ

● شمارہ ۱۷۲ جناب ملک میرت دین کے سندھ میں ڈوب چکا ہے

اس میں قابل بغیر نظمیں کی پوسٹ نظمیں پڑھنے کے بعد اس میں قہر پر نچا ہوں کہ
واقعی بے نژاد اور نظمیں کوئی اختلاف کا گنجائش نہیں رہی۔

● ان میں روحی و فنی برکات کے اچھے ہوتے ہیں انھوں نے انھوں نے انھوں نے انھوں نے
ہیں (۱۹۰۶ء) انھوں نے انھوں نے انھوں نے انھوں نے انھوں نے انھوں نے انھوں نے
جسے (اور بھی چاہے گا) تب نظم اور افانے کے شیخ اور دکان کوئی بڑا مگر شرم انھوں
بھی استعارہ کی کثیر نہیں کھینچ سکے گا۔

بادرہ اردو نیاز

● انھوں نے انھوں نے انھوں نے انھوں نے انھوں نے انھوں نے انھوں نے انھوں نے
اس بار کی قہر میں کھلے شمارے سے بہتر ہیں۔ جناب علی الدین انھوں نے انھوں نے انھوں نے
کے کچھ باب سے عجائز پر تشریح۔ نظم عمل طور پر قادر الکلامی کا مظہر ہے۔

● شعر خور انگریز کا سلسلہ اس قدر طویل ہو چلا ہے کہ خود فاروقی صاحب کا اس
بات کا اندازہ نہیں ہوگا۔ فاروقی صاحب کی ہمت کی داد دینے کے لیے کثیر دہشت حفظ
چاہئے جو میر سے پاس نہیں، ممکن ہے اس کوئی نظم دو اوں میر میں مل جیسے بقیہ
شمارہ نمبر ۱۷۲ میں درج ذیل شعر موضوع بحث رہا ہے

بھری آنکھیں کو کی پونچھے جو آستیں رکھتے
ہوئی شرمندگی کیا کیا ہیں دست خالی سے لے

(معروف نامی ہیں ایک لفظ کی کہ ہے شاید کلمات کا ہے)

اس سلسلے میں جناب علی سوادہ میر کی تشریح ضرور قریں قریں ہوئی اگر شرمندگی
بھری آنکھیں تریں ہم پونچھے جو آستیں رکھتے

لیکن شعر میں کوہ استعمال مشرقی کی طرف خیال دوڑانے کا لگتا ہے۔ عاشق
کو اپنی مٹی پر جب اتنی ندامت ہے اور وہ اپنے سانس کا پڑا اظہار کر رہا ہے تو پھر اسے
اپنے مشرقی کو خیر بتانے کا کیا ضرورت ہے؟ کہ کوہ سے اپنا بیت لانا نہیں ہوتی اور صرف اسی
لفظ کے باعث حق کی درجہ میں آسکتی ہیں جن کی طرف فاروقی صاحب نے اشارہ
کیا ہے۔

میر کے آستیں نہ ہونے پر کیا کیا شرمندگی ہوئے گا ذکر کیا ہے۔ یہ شرمندگی عرف

لے سبکدہت ہے اس نکاحیت سے رہ گیا ہے۔ ادارہ

بھری انگلیں پھینک کر تنگ نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ کئی قرینہ رکھنا مناسب ہے۔
 فاروقی صاحب کو ذرا اور وضاحت سے کام لینا چاہئے تھا۔
 میرے ایک خیال کو اپنے کئی شعروں میں کئی طرح سے باندھا ہے۔
 یہ خیال بھی انکا اپنا نہیں ہوتا۔ فاروقی صاحب نے اس خیال میں مختلف غلطی
 اشعار کے حوالے دئے ہیں۔ ایک موضوع / خیال پر اتنے شاعروں کی محنت کئی کس
 بات کی طرف اشارہ کرتی ہے؟

دورِ بیکانہ جمال ادنیٰ

● شمارہ ۱۰۰ اکابر ہونے جیسا تھا وہ اس بار کا بھی ہے اس کا اثر نقش
 فریاد (۱۰۰) کے آثار سے زیادہ ہے۔ بہتر اور گہرے نیے رنگوں کے اتصال سے
 بننے والا کچھ جس پیکر کو منکس کرنا ہے وہ بلاشبہ گردشِ ایام کی حلائی تجمیع ہے جو
 جبر و محنت کا کبیرہ دیتی ہے۔ نفسِ مہمون بھری ہے۔ بجز محنت کی منزل وخت
 کی حد سے بھی گزرتا چلا جاتا ہے۔ اہم کلمہ ہے۔ وضاحت کے
 سے حرف اول کا باب معلوم ہوتا ہے پہلا شعر شبِ ثون کا شاعر ہے اور اردو
 دنیا کے سب سے بہت اہم۔ تاریخِ ہند کے دو خطا یادگار ہیں۔ خطبات میں قاضی سلیم کی نظم
 "وہمید اور میلانی" اور "دورِ شاہین شہری" کی نظمیں خوب ہیں۔ سید احمد زید کی کاعری
 شعر نگار سے بھر پور ہے۔ ایک عربی کے بعد نظرِ رام کی غزلیں ماثرا رکھیں۔ فاروقی
 کی غزل ان کی خصوصیات سے بٹ کر بھی خوب ہے۔ صلاح الدین پر دین کی نظمیں
 ادنیٰ دکان کے پیکار بیان کا مصداق ہیں۔ انیس نظیرِ اعلیٰ کی نظمیں کھوکھلی ہیں۔ محمود شاعر
 کا فانی ہے۔

موسگیر راشد طراز

● پچھلے شمارہ سے یہ شمارہ کچھ کمزور ہے نثری حصے میں محمود شاعر نے نثر
 کی شاعری میں غزلِ رام کی غزلیں حاصل شدہ ہیں۔ صاحبِ اکرام کی غزل بھی خوب ہے
 ہمارے بزرگ شاعر حضرات ان فنی اثرات کا بطورِ نمونہ لکھتے نظر آتے ہیں۔ ردِ دہلی بزرگ
 شاعر کی غزلوں میں زبان کی شان و شوکت تو ہے کہ ان فردِ مرحوم پر ہوتے ہیں۔ کئی
 انگلیں محفوظ ہیں۔ یہیں شاعری ہے جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے۔ مگر ان

سے مہمون آفریقہ کی طرف معلوم ہوتا ہے آپ نے کتابِ غزل سے نہیں پڑھی۔

کی غزلوں میں غزلِ مرزا داغ بھری، موصیفات اور فطرتی نہیں۔ غزلِ مرزا فاروقی
 کی غزل ابھی ہے۔
 مظہرِ ایام کی غزلوں میں زبان کی سلاست اور سادگی پوری آب و تاب کے
 ساتھ غزلوں کی جاسکتی ہے۔

موسگیر ہادی اختر آزاد

● تجسّسِ اعلیٰ میں کی پورے نظیرِ بنائیں آپ نے جس غزل کا ساتھ ہے مہمون
 کو اس سے دلایا ہے قابلِ تامل ہے۔ غزلوں میں غزلِ مرزا داغ بھری، غزلِ مرزا فاروقی
 اس کی غزلوں میں زبان و دل پر تاثیر رکھتی ہیں۔

موسگیر لطیف شہر قباں

● قاضی سلیم کی نظم "وہمید" زبردست کلمی جلانے کے قابل ہے۔ کئی بار
 پڑھا۔ غزلِ مرزا فاروقی صاحب شعر و انداز کی قطعاً بھی خوب ہے اور مرزا شاہین شہری
 کی ایک نظم بھی کامیاب ہے۔

موسگیر ضررِ وصفی

● جنوری کا شبِ ثون جنمالات کے اعتبار سے نہ آیا لیکن قاضی سلیم کی نظم
 "وہمید" پانچواں مصرع "سو کچھ ٹھنڈی ہے" میں "سو کچھ کی ایک ضرورت تھی؟"
 بے عیسیٰ مصرع میں رکھتے ہیں۔ کا اظہار انکسوں اور صاحبِ اکرام کی نظم میں شہزاد پادشاہی
 کا اظہار اور پادشاہی ہوتا چاہئے۔

صاحبِ بھلی مصرعہ پر لکھتے ہیں، (۱۰۰) ان کے معنی لکھے ہیں (۱۰۰) غزلِ مرزا
 (۱۰۰) مجازِ اخذ، یہ نغمی کلام بھی ہے اور زیریں لفظوں میں کلام فنی کے طور استعمال
 بھی ہوا ہے جیسے ان کی "انہی" بقول۔

اگر ہمارے صاحب کو معلوم ہوگا کہ مرزا فاروقی نے ان کا کلام لکھا جاتا ہے تو اس
 تفصیل میں دجالتے۔ روحِ غزل پر یہ لگ بھگ اچھا لگا۔
 بھونچ پور قسیم ہسرتی

● روحِ غزل پر چوہدری ابنِ النہر کا تبصرہ ہے حد پر آیا۔ دھوا
 ہے کہ حقیقی صاحب اور ایسے کلام کا کام کرنے والے دوسرے حضرت تنگ نظری اور
 صحت پرستی سے پرہیز کریں۔

شاہد کلیم آرزو

شبِ ثون

● شب خون کا سجدہ میرے دھیمے موت کے گھٹاٹا قریب پہنچے
 اور میرے اس صلیب پر لہریں جیوں کی طرح اٹھیں اور ان میں صبا کا دم ،
 بالیدین کا تھکائی و فیکڑی شاعرانہ ہوشیت اس سر کی طرح اٹھ رہا ہے
 صلیب پر لہریں صفا صاحب ادوں کے چاہتے دلے الہ کی کئی کئی خوبیاں
 لاکھ خود آگئی خدا آگئی عشق رسول کی دستان میں تجھے ہیں سیکن ایک بے بی
 نہ قاری اس پادشاهی کے سوا اور کچھ بھی نہیں بگھڑتا پر ویر صاحب کی ہر نظر
 کی غمخیزانی اور پست خیالی کا شاہکار ہو کر رہی ہیں۔

[illegible]

قیمہ آمین

بِسْمِ اللَّهِ



हमें देखना है कि आत्म-निर्भरता व सामाजिक हैसियत में महिलाओं को बराबर का हिस्सा मिले

संसाधन
महिलाओं के लिए

- बचत की प्रवृत्ति आत्मविकास और आर्थिक आत्मनिर्भरता लाने के लिए 'महिला समृद्धि योजना' का कार्यान्वयन।
- पंचायती राज संस्थाओं के 30 प्रतिशत पद महिलाओं को देने का ऐतिहासिक कदम।
- ग्रामीण महिला एवं बालोद्योग कार्यक्रम (हुवाकरा) के अंतर्गत 43 जनपदों के 241 विकास खण्डों में योजनाएँ प्रारम्भ करके निजी व्यवसाय/उद्यम प्रारम्भ करने की व्यवस्था। वर्ष 1993-94 में महिलाओं द्वारा निर्मित वस्तुओं की 12.00 करोड़ रुपये की बिक्री तथा 1.65 करोड़ रुपये लाभ।

- महिलाओं की साक्षरता पर विशेष बल। जिन विकास खण्डों में जहाँ एक भी बालिका विद्यालय नहीं है वहाँ एक बालिका विद्यालय खोलने की व्यवस्था।

- महिला डेरी परियोजना के अंतर्गत रोजगार दिलाने के लिए इटावा, बिजनौर, जालौन, फतेहपुर, रायबरेली, बाराबंकी, प्रतापगढ़ तथा वाराणसी में महिला डेरी की व्यापक परियोजनाएँ। महिला डेरी समितियों को प्रोत्साहन।

- पर्वतीय क्षेत्र की महिला उद्यमियों की सुविधा के लिए चार बिक्री केन्द्रों की स्थापना का प्राविधान।

- निर्जन क्षेत्रों की शहरी तथा ग्रामीण क्षेत्र की गर्भवती/घात्री महिलाओं के लिए पूरक पोषाहार तथा टीकाकरण आदि की निःशुल्क व्यवस्था।

- महिलाओं पर हो रहे अत्याचार व उत्पीड़न की शासन स्तर पर, महिला एवं बाल विकास विभाग तथा पुलिस/गृह विभाग के समन्वय से सख्त अनुश्रवण तथा त्वरित प्रभावकारी कार्यवाही हेतु निर्देश जारी किया जाना तथा जनपद स्तर पर जनपदीय अधिकारियों के लिए प्रशिक्षण कार्यक्रमों के लिए प्रशिक्षण केन्द्रों की स्थापना। इस संदर्भ में मासिक रिपोर्ट बनाने की अनिवार्यता।





अपना विकास और न्याय अब ग्राम सभा स्तर तक लागू होगा

- पंचायतों को और अधिक क्रियाशील तथा अधिकार सम्यक् बनाने के लिए पंचायत विधि (संशोधन) अधिनियम-1994 लागू।

- पंचायतों को अपने क्षेत्र के विकास से संबंधित योजनाएँ स्वीकार करने का अधिकार प्राप्त।

- अब परगना अधिकारी को निर्वाचित ग्राम प्रधान को निलंबित करने का अधिकार नहीं। लोकतंत्र की बुनियादी इकाई का सम्मान बहाल।

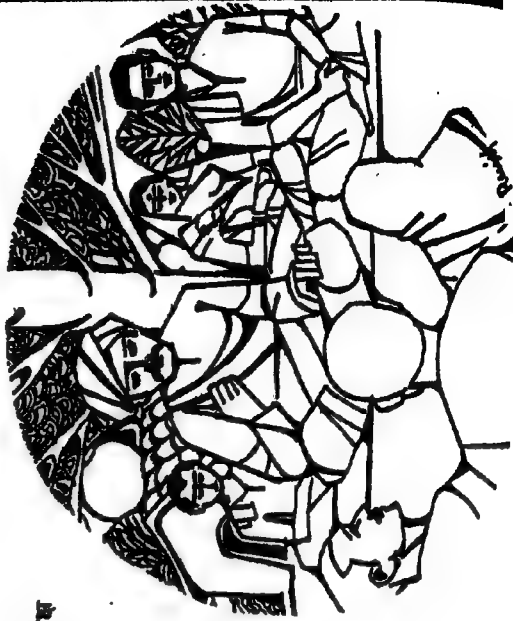
- जनसंस्कृत निर्वाचित प्रतिनिधियों का दर्जा अफसरगारी से ऊपर रखने का नीतिगत निर्णय। ग्राम्य विकास अधिकरण की अध्यक्षता का अधिकार अब जिलाधिकारी के बजाय जिला परिषद के अध्यक्ष को।

- पंचायतों में अब 30 प्रतिशत जगहें महिलाओं के लिए। पिछड़ी जाति तथा अनुसूचित जाति के लोगों को भी आरक्षण।

- पंचायती राज संस्थाओं की वित्तीय स्थिति सुदृढ़ करने के लिए वित्त आयोग तथा निर्वाचन व्यवस्था संभालने के लिए चुनाव आयोग का गठन।

- यही पंचायती व्यवस्था में अनुमेलन/नामित सदस्यों की व्यवस्था समाप्त।

- वर्ष 1994-95 में पंचायत भवनों के निर्माण के लिए 2.61 करोड़ रुपये का प्राविधान।



सर्वोच्च न्यायालय की संज्ञा



• اس سال کا اقبال سماں جناب حسین حسن جرنل کو ہے۔ یہ انعام ایک لاکھ روپہ نقد اور ستر توہیف پر مشتمل ہے۔ جرنل صاحب ترقی پسند تحریک کے نمایاں ترین افراد میں بھی نمایاں ہیں۔ غزل اور نظم دونوں میں ان کے گاناے ہمارے ہر دل کی تائید کا حصہ ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ دیر سے یہی لیکن یہ انعام لائیں گا۔

• جناب میر حسن سلطان پوری کو ۱۹۹۳ کا دارا صاحب پبلک ایوارڈ دیا گیا ہے۔ انہیں یہ انعام نصف صدی تک ہندوستانی سینما کی خدمات کے اعتراف کے طور پر دیا گیا ہے۔ جو حسن سلطان پوری نے ۱۹۴۵ء میں فلم شاہجہان کے نغمہ نگار کی حیثیت سے اپنی فلمی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ انہوں نے فلم میں غزل کو متعارف کرایا لیکن ان کا سب سے بڑا کام ترقی پسند ادب میں غزل کے نئے چلوؤں کو روشن کرنا اور جدید غزل کے لئے راہ ہموار کرنا ہے۔ بہت سی باتیں ہیں کہ پہلے ہمارے نقاد فیض کے سر ہاتھتے ہیں۔ دراصل میر حسن صاحب کا حصہ ہیں اور پھر فردوس صاحب کا۔ ہم جو درد صاحب کو رکھنا دیتے ہیں۔

• نوبل انعام یافتہ روسی ادیب الگزندر سولزٹسن ہیں سال تک جلا وطنی کی زندگی گزارنے کے بعد اپنے وطن کو واپس آگیا۔ پھر مار سولزٹسن کو روسی حکومت نے ۱۹۵۴ء میں ملک بدر کر دیا تھا لیکن گزشتہ سال میں اس نے اپنی قیام گاہ امریکہ کی پہاڑی سر دیات وائیٹ کے جنگل پر آباد علاقہ میں گھر بنایا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ جگہ اپنے وطن کے دل دلاتی ہے اس کے شہر و ناول THE GULAG ARCHIPELAGO کی پوری میں اشاعت کے فوراً سولزٹسن کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں نوبل انعام ملا تھا۔ جلا وطنی کی زندگی کے دنوں میں اپری دنیائے

• حب فارسی مسخون ایک طرح سے شمس الرحمن فاروقی کی بیان کردہ کلاسیک غزل کی شریات کے جواب میں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شریک غزلی اس کی نفسیاتی یا فلسفیانہ سچائی و فیروہ پر منحصر ہے۔ فاروقی صاحب کا ہونگ بینا دی طور پر ترقی پسند شریات کے واسطے اس غلطیوں سے کہ وہ غلط نہ تھا ہے۔ ہماری کلاسیک شریات میں اس غلطیوں کا حل بالکل نہیں۔

• وزیر برائے ثقافت کا تازہ تحریری کتاب ”دنگ اس در فائنڈ پر“ تبصرہ ہم جلد ہی شائع کریں گے۔
• غلام حسین مساجد کا نیا مجموعہ ”غلام“ کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔
• شان الحق حسنی کی زیر نگرانی و ادارت تیار کیا ہوا اساتذاتِ فن کا حال ہی میں شائع ہوا ہے۔
• کرشن بلدیو دیدیاب بھوبال سے دلی منتقل ہو گئے ہیں۔
• فاطمہ حسن کا نیا مجموعہ ”دنگ سے دور کا فاصلہ“ ابھی ابھی منظر عام پر آیا ہے۔
• غضنفر کے نئے ناول ”کینچن“ پر تبصرہ ہم جلد ہی شائع کریں گے۔

اس کا تعلق اس کی بیوی اور بچوں کے ذریعہ رہا تھا۔ وطن میں اس کا سرکاری اور غیر سرکاری دونوں طبقوں نے زبردست غیر مقدم کیا۔

20/ =

سچ سوختہ شمس الرحمن فاروقی

پھر چنانچہ جدید سلی کے ادب کے عام انتخابات اور مطبوعہ یہاں میں عام طور پر بلکہ روزمرہ اور معمول طور پر ایسے ادب کی کتابیں نہیں شائع کی جاتیں جو عربی یا عبرانی میں لکھا گیا۔ بلکہ زیادہ تر انتخابات تو ایسے ادب کو یورپی جدید سلی کے عام تاریخ پر مشتمل طور پر بھی نہیں دیکھا کرتے اور اس کا ذکر کرتے ہیں۔ چند مستثنیات کے علاوہ جدید سلی کے ادب پر جو کوئی پڑھنا جانتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔ یہاں تک کہ اس سوال کی بحث بھی کر سکتے ہیں کہ اس ادب کے بارے میں آپس میں کون سا اس کی تاریخوں اور اس کے انتخابات میں اختلاف ہے۔ باقاعدہ اور منظم طور پر اس ادب کو نظر انداز کرتے ہوئے عربی اور عبرانی میں لکھا گیا۔ اور صرف اس ادب کا عرض بحث میں لاتی ہے جو اس زمانے میں لاطینی نثر دنیا میں اور اسپین میں لکھا گیا۔ اور یہ سہاویات سے لے کر شاید ہی یہ کسی فردی سہاویہ ہو کہ وہ اسلامی اسپین کا علم تھا۔ پھر سولہ اسپین کے بعض ملک سرسری مصلحت اور مردی اطلاعات کو کافی سہاویہ ہے۔ جدید سلی کے بارے میں زمانوں کا نامزدی تو اور دیا جاتا ہے۔ اور یہ فرست خاص بہت اور بھاری بھر کم ہے۔ اس میں عربی شاید ہی کسی نہ کر پڑتی ہو۔ اسپین کا عربی اور عبرانی ادب اور اس کا ادب یونانی الاصل زبانوں میں ہے۔ ہنگ ایک شعبوں میں پڑھایا جاتا ہے، لائبریریوں کے مختلف گوشوں میں رکھا جاتا ہے، آگ آگ اسکا اراں کو آگ آگ پڑھتے ہیں کسی کو اس بات سے حزن نہیں کہ دونوں طرح کے ادب ایک ہی زمانے اور ایک ہی جگہ کی پیداوار ہیں اور ان میں آگ آگ مکتا دہشت نہیں۔ فرانس یا اسپین کے کسی بھی واقعی قابل ماہر جدید سلی کے لئے ڈانٹ، بڑا پیرو اور پڑا رک کہ تصانیف سے واقفیت فردی قرار دی جاتی ہے۔ لیکن کسی اطلاوی ماہر جدید سلی کے لئے یہیں فرق رک دوم کے حکم پر تیار کئے گئے عربی اور عبرانی سے تراجم یا عربی شاعری کے اس کا بے حد غفلت ہیں۔ لیکن جانتے ہیں کہ دوم نے اپنے مادہ اور کو سنون کیا تھا۔ سینٹ آگسٹائن اور جینٹ ٹاس زکو انٹاس سے واقفیت (فرمن میں قرار دی جاتی ہے لیکن ابن رشد اور ویلیمین زیادہ سے زیادہ اس قابل ہیں کہ ان کو حاشیہ پر رکھا جائے۔۔۔ طلبہ یورپ نے یہ فرض کر لیا کہ یورپی زمین پر سات سو برس گزرا ہے۔ لیکن عرب بھی یورپی ذہن۔ اور تو وہ جس خطہ زمین پر اس کا قیام تھا وہ خطہ یہی اس کے دوران قیام میں یورپ کا سمت نہ تھا!

میرا یار و زمانہ نکال

(۱۹۸۰ء)

شعبان

اکتوبر ۱۹۹۹

[illegible]

مغرب کے ادبی ورثہ سے عرب اسلامی عناصر کا اخراج

شوق مولوی، انطباعی، ۵۲۱

تاریخی نظمیں ۵۵

لیلا دم جگر ای: غرور، لطیف، ۵۴

آرٹھلے فوٹو ایڈیٹر عالم بخش، منزل / نظمیر، ۶۰

ساجد حمید، اہل اختر، غزلیہ، ۴۱

سجادید امروز قر، غریب، ۴۲

ابراہیم الحک، مقبول دیرے، غزلیں، ۶۳

جمال دہلی، مولوی محمدناشاہ اختر، غفر علی، ۶۴۱

اسٹوڈنٹس کنگ: شمس الرحمن فاروقی، ہندی کی تاریخ میں

ناگہی بھارتی سپرما کی اہمیت ۶۵

لَعَنَ مَن خَلَقَ خَدًّا قَلْبَيْنِ شَرِّ خُونٍ ۝ ۱۰

اسی نام سے ملے گا

اختصار و افکار ۸۰

اندرجیل الب کے بچپن کا تذکرہ ہوگا ۱۷۱

علاء الدین پرویز کسان فی بنود بلادہ برافروزیہ جام

عذرا عباس، میرا بچپن، ۲۹

اقبال شین، حکم نصاریٰ، غزل/نظم، ۲۹

ساحل العرب، قزلباش، ام

کاملات، غریب، ۴۴

آشفتم بکبری، غریب، ۴۴

رفیق راز، غریب، ۲۵۴

مکرم و احقر آغا اسفند، ۴۴

محفوظ و غل انظر

بجمل الرحمن، غفر له، ٥١

تجارت و نظام مریح

شمالی اترکستان، جدیدیت، آج کے تناظر میں

منیر نیازی، غریب/نظمیں، ۹

ظفر اقبال، غزلیں، ۱۲۱

یاقرہ بی، منزل / نظم ۱۴۷

نعمان بن فہمی، غزلیہ، ۱۵۱

جمال احمد زیدی، عمر: ۱۶

اسد مجذول، دم کبیر، ۱۹

جوزف براؤن کی: فریو جی۔

گلدک لون، ایندو عمارتیں، جھانڈ، نظام

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ينال المؤمن من الدنيا ما ينال الكافر.

مقصود از داری، غلبه، ۲۵

10

وتضمن

نتیجه

شمس الرحمن فاروقی

شمس الرحمن فاروقی

آج کے کوئی تیس بیس سال پہلے جب ہمارے وہاں جدیدیت
لاہور و دہلی و جوا تو مخالف مطلق کی طرف سے سخت مخالفت میں کبھی
نیشنل جدیدیت کا نام بھرنے کے خیالات کو منتشر کر دیا گیا تھا کہ
(۱) جدیدیت دراصل ترقی پسندی کی ضد اور مخالفت میں مدون
کی گئی ہے۔

(۲) جدیدیت سماجی زور دہی سے انکار کرتی ہے۔ زندگی سے
اس کا کوئی رابطہ نہیں۔

(۳) جدید ادب کا قادی سے کوئی رشتہ نہیں۔ یہ ابہام بلکہ
ابہالی کا شکار ہے۔ جدید تئریوں کی کسی سمجھ میں نہیں آتیں۔

(۴) جدیدیت غیر انسان دوست خیالات کی مبلغ ہے۔

(۵) یہ دراصل ایک سامراجی سازش اور حوام کو گمراہ کرنے کی
کوشش ہے۔

(۶) جدیدیت کو احساس مرگ، احساس نڈیاں، نا اہلی، تنہائی
و غیر منفی خیالات سے لہنا نہ ہو سکے۔ یہ زندگی کے صحت مند
عناصر سے انکار کرتی ہے۔

تعمید و تفریق کے اس خوفناک وجود ۱۹۰۰ آئے آئے تقریباً
ہر شخص جدیدیت کا نام لے کر اٹھ اٹھا اور ترقی پسندوں کی تفریقوں میں
بجانب جدیدیت کے انکار کی جگہ صاف دکھائی دینے لگی تھی اور اس نے ترقی پسندوں

نے یہ بھی کہہ لیا کہ جدیدیت اور ترقی پسندی ایک ہی شے ہیں۔ لیکن رنگین
نے کہا کہ جدیدیت دراصل ترقی پسندی کی ترجمانی ہے اور یہ وہاں لہجہ و انداز میں
جدید ہوتا ہے۔ کسی خاص مذہب یا انداز کا کیا تفسیر ہے؟ فرقہ و انتہا
لوگوں پر پوری طرز و انداز تھا کہ جدیدیت سے بڑا اختلاف ہے اور وہ
جدیدیت کو بڑا دشمن یا فرصت مند قرار دیتے تھے اور وہاں کا یہاں جدیدیت
کی ہی طرف ہے اور آج وہی ادیب و محاوروں کی نظر سے گزرتی ہو
جس نے انکار اور مخالفت سے صرف نکل کر رہا ہو۔

جدیدیت کو ان سطحوں نے طعنے لگے ہیں کہ وہ سماج کی دیکھ بھال نہیں
حالات میں اپنے قصداً سے نظر ثانی کی گئی۔ مثلاً جدیدیت کی مخالفت میں
بعض اہم صاحب زلی کہہ گئیں۔

الف (۱) جدیدیت کو ترقی پسندی کا لائف ٹریک کہنا غلط ہے
جدیدیت ایک رجحان ہے اور اس کا ٹریک دنیا کی ترقی پسندی
سے مختلف ہے کیونکہ ترقی پسندی کی مندرجہ ذیل باتوں کا
اولیاد و سکھ ہے تاکہ ہو جائے۔

ب (۲) جدیدیت کے لئے سماج شعور، سماجی زندگی کو لے کر نہیں۔
تمام ادب و ادبیات اور معاشرتی زندگی کا ہر پہلو ہوتا ہے اور جدیدیت
کی سیاسی و معاشرتی زندگی کے ہر گوشہ میں سماج کی
دیکھ بھال کرتی ہے یہ سماج کی ہر بات کو دیکھ کر

کے نتیجے میں نئی سواری آئی اور اسے لکھنا شروع کیا۔ یہ نیا دور تھا۔
 سائنس کی روشنی میں آگاہی اور فنی خصوصیت پر مبنی ادبی تحریک تھی۔

ج (۳) جدید تحریریں اس مسئلے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھیں کہ ان کے ذہن میں
 ان سے آگاہی تھی۔ پھر یہ بھی ہے کہ نئی تحریریں نیا نیا
 طرز فکر، اگر تو ان کو مشکل گت ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ لکھنا
 اور ابھارنا اضافی چیزیں ہیں۔ جدید ادب تاریخی ہے کہ جس کے وہ اپنا
 معاشرہ پسند کرے۔ جدید ادب کی قاری کی خوشی سے لیا ہے اپنے
 تخلیقی شعور کی سہاٹی خاطر ہے۔

جے (۴) جدیدیت کا مسلک انسان کو دنیا اور انسان کو زندگی کے لحاظ سے
 ان خصوصیات کے علاوہ جو بشر کو کسی کے ہم پر انسانی آزادی کا
 امتحان کرتی ہے۔ جدیدیت ان کو ان کے خلاف ہے جو اپنا
 اس دنیا کی طرح بردار ہیں لیکن ادب کی آزادی پر وہ انسانی
 لا (۵) اگر جدیدیت اس کے سامنے سازش ہے کہ وہ تو قہر نظر ہے
 ادب کی نگاہ سے تو قہر پسند نظر نہیں آتا بلکہ یہ ایک نیا
 پانچویں ہے۔ یہ نیا دور ہے جس کی نگاہ سے انسان کو دیکھنا ہے جو کہ ایک نیا
 خود کو سامنے رکھنے کے تحت وہ خود میں نہ آیا ہو۔

جے (۶) یہ سوچ ہے کہ جدیدیت کے اندر انسانی وجود کی ایک
 خط ہے۔ لیکن یہ بھی ہے کہ جدیدیت ان میں سے ہے۔ یہ نیا دور ہے جس کی نگاہ سے
 پر کوئی بات کہنے میں آئی ہے۔ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ
 شخص جو یہ ہے جس کے یہاں تنہائی و احساس ذات و فروہ ہو،
 اور جس کے یہاں یہ چیزیں ہیں جو وہ نہیں دیکھ سکتا، بنیادی بات یہ
 ہے کہ جدیدیت کا دھڑلا ادب ہے انکار کو کہہ۔

ادب جو آج کی حالت میں آواز میں ہے، انیسویں صدی کے لکھنا
 باتوں کا بے باک کہا جا سکتا ہے۔ لیکن میں سے کہیں کوئی کہہ نہ سکا
 کسی بات کے بارے میں بے استدلال کوئی کہہ نہ سکا۔ اگر کہے کہ ادب میں ان باتوں
 کا انکار نہیں، تو یہ شک ہے کہ جس کے جدیدیت اور اس وقت ہو چکا ہے۔

شب بخیر

اور آج کے تناظر میں جدیدیت ہمارے نزدیک ہے کہ ضرورت ہے۔ جدیدیت
 کے بعد کسی اور طرز فکر کی اسلوب کو دیکھنا اور قائم کرنے کی ضرورت ہے
 لیکن ظاہر ہے کہ وہ ادب میں خود رسد سے جات ہے وہ سب سے زیادہ
 یہ کہ لکھنا ہے۔ اور جدیدیت میں یہ قائم کر دیا ہے۔ لکھنا ان کو بے جا
 کہ ان کی نگاہ کا شکر ہو کہ آج کوں ہے جو ادب میں ابھارنا، انسانی
 اور طاقت کی پیدا کر دہ دانست اور گمان میں کا قائل نہ ہو کہ آج کوں
 ہے جو ادب کو کسی مخصوص ماحول میں سلک کا پانڈنا نا ضرور لکھنا ہے
 آج کوں ہے جو ادب کو کا جانے کے لئے لکھنا دیں سب کوں کو کہہ کر لکھنا
 ہرگز نہ کہتا ہو؟

ظاہر ہے کہ ایسا کوئی نہیں۔ لکھنا یہ ظاہر ہے کہ ادب کے
 بارے میں جو نظریہ ہمارے تعلیمات میں جاری اور اس سے جدیدیت میں
 پر نہیں ہے۔ ایسی صورت میں جس سے ہونے کا قائل ہے کہ ان کا غلط فہم
 ہے۔ ان چند باتیں ہیں کہ ضرور میں جو مراد ان کے تعلق سے کہتے آج
 کے ادبی ماحول سے میں قائل ہوں۔

- (۱) جدیدیت کی لائی ہوئی نفسی اپ ختم ہو چکا ہے۔
- (۲) جدیدیت نے جوئے سائل کے تعلق سے ادب پر
 مکمل کرکٹ ہو چکا ہے۔ اب ان کے تعلق میں وہ شرت اور
 وہ مگر باقی نہیں رہیں جو میں پہلے لکھا تھا۔
- (۳) ترقی پسندی اور دیگر کس قسم کے مکمل زوال کے
 باعث جدیدیت اور ترقی پسندی میں کوئی ٹکراؤ
 باقی نہیں۔

اور (۴) جدیدیت میں پہلی ہی نوسلوں والی شرت
 بھی نہیں رہی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جدیدیت کی جگہ اب ابجد جدیدیت
 STRUCTURALISM اور مضمینات POST MODERNISM
 اور پھر ابجد مضمینات POST STRUCTURALISM نے لے لی

ہے۔ اس میں پہلی بات غور کرنے کے قابل ہے کہ اگر ہمارے یہاں ادبی تخلیق
 کے طریقہ اور اصول ایسی دی جیو جدیدیت کے زمانے میں متعین ہوئے تھے
 تو پھر یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ جدیدیت اپنی کوئی خالی کرچکا ہے۔ و
 دوسری بات یہ ہے کہ ابجد جدیدیت کا آغاز بعض لوگ (مثلاً ادب میں انگریزی
 جدیدیت کے ساتھ ہی ساتھ، یعنی ۱۹۲۰ کے آس پاس بتاتے ہیں پھر اسے
 جدیدیت کے بعد لکھنے والا ارجمان کس طرح قرار دے سکتے ہیں؟ تیسری بات
 یہ کہ ابجد جدیدیت کوئی ادبی نظریہ نہیں بلکہ فکری صورت حال ہے۔ ایسا
 نہیں ہے کہ جدیدیت کے بعد کوئی نیا ادبی نظریہ سامنے آیا ہو جیسے ہم ابجد
 جدیدیت کہیں۔ ابجد جدیدیت دراصل جدیدیت ~~پہلی تصویر~~ ^{پہلی تصویر} ہے
 کہ انسان کی حالت ممکن نہیں۔ جدیدیت کا موقت ہے کہ انسان کی بحالت
 تخلیقی سازگاری میں ہے۔ وہ ہے وضعیات اور ابجد وضعیات تو وہ ادب
 کو بٹھکنے کے طریقے ہیں، ادب بنانے کے نہیں یعنی وہ ہیں یہ نہیں بتاتے کہ کیا
 ادب اچھا ہے اور کیوں؟ نہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ کون سے طریقے ہیں جن پر
 عمل کر کے ہم وہ چیزیں بنا سکتے ہیں جنہیں ہمارا معاشرہ دیکھنا کوئی نہیں مانتا
 "تخلیق ادب" یا "فن پاسے" کا نام دیتے ہیں۔ جی تو ان کی بنا پر ہم کسی کو بڑا
 کہتے ہیں، اور پھر کسی کو برکرا اچھا ادب کہتے ہیں۔ اور پھر وہ مختلف تر و دوں میں
 ادبی تضاد و امتیاز قائم کرتے ہیں ان کے پاس ہے وضعیات یا ابجد وضعیات
 ہیں کوئی اطلاع نہیں فراہم کرتیں۔

اس نکتہ پر بھی کہ تخلیق ادب کے کچھ اصول ہمارے کلاسیکی ادب میں
 کے پاس تھے۔ پھر حالی اور آزاد کے زیر اثر کلاسیکی اصول مرتد ہوئے اور
 نئے اصول بنے پھر ترقی پسندی کے زیر اثر حالی و آزاد والے اصولوں میں دوبارہ
 ہوا۔ کچھ نئے اصول بھی بنے۔ سب سے آخر میں جدیدیت نے اپنے اصول بنائے
 جو حالی و آزاد اور ترقی پسندی دونوں سے مختلف تھے اور بعض معاملات میں
 انکی اور سوں سے بھی متضاد تھے۔ وضعیات یا ابجد وضعیات کی روکشوں
 ہم کوئی نئے اصول نہیں وضع کر سکتے۔ ان ادب کو پڑھنے کے واسطے میں
 وضعیات اور ابجد وضعیات نے بعض بڑی بیش قیمت باتیں خود دی ہیں۔

اگست ۱۹۹۰ء

بقول جانتیں طور و ضمایق شعریات دراصل ایک نظریہ اقربا ہے
 اور وہ میں ان کے نظریات قرأت کا درود و یک قال کا حکم رکھتا ہے
 لیکن ان کے تخلیقی ادب میں کوئی تبدیلی شاید نہ پیدا ہو سکے۔

عصر ہوا اسلام آئے کھاتہ کا جدید شاعری، مقبول شاعری ہے
 کیونکہ جن اسالیب ادب میں مبتلا رہیں گے وہ ہماری زبان کا ہوتا ہے
 ملک کے اسالیب اور سب سے نہیں ہیں بلکہ اہل عرب کے لگتے ہیں۔ دوا دوا
 مال ہونے کے باعث وہ ہماری آب و ہوا اور مٹی میں پھیل چکے ہیں۔
 ہذا انہیں وہ مقبولیت نہیں حاصل ہو سکتی جو ہماری اپنی اصناف کو حاصل
 ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ ان کے زمانے نے بات خط ثابت کر دی ہے اور
 جدید شاعر اسے گزشتہ تیس چالیس برسوں میں جھڑپی اختیار کر چکا ہے
 بیش تر معاشرہ کی نظر اسے پر حاوی ہے۔ بنیاد کی بات یہ ہے کہ خود وہ
 واسالیب میں کمال و کمال تسلیم اور کر رہے تھے وہ ہر حال خلاصہ سے مستار
 ہیں۔ ہماری زبان نے انہیں اپنا لیا اور ہمارے زبان کو اس سے
 ہمارے زبان انہیں داس آئی۔ ہذا اب وہ سب تیس اور طرز ہمارے
 ہو گئے۔ علیٰ ہذا انہیں اس جدید شاعر نے جو اسالیب اختیار کئے ہیں وہ
 ہماری زبان کو اس آس ہے جس بلکہ اس لگے ہیں، ہذا ان کے پاس
 میں اب یہ سوال اٹھا کہ وہ دیں ہیں یا بری غیر ضروری باتیں طرز ہوتی
 یہ سب تو درست ہے لیکن کیا بات ہے کہ تسلیم اور کمال بات اس وقت
 میرے دل میں شکستہ ضرور تھی۔ جدیدیت کے متعلق کی طرف سے اب ہمارے
 کہا جاتا تھا کہ نئے زمانے نے انکار اور نئی صورت حال کا اہل ہمارے
 اسالیب میں نہیں ہو سکتا جو اب میرے دل میں شکستہ تھی وہ تھا کمال
 اور انکار ہوتے ہی رہتے ہیں۔ تو یہ پھر یہاں کمال ہوتے ہی رہتے ہیں
 نئے اسالیب کا وجود ہو گا، ایک طرف تو یہ کہ شاعر کا ادب اور وہ
 ان کی فقاہتوں و شعرا ان کا زمانہ، ان کی اس بات سے انکار ہی کا بیان تھا

[illegible][illegible]

چکات یہ کہ دونوں ہمارے اپنی اپنی جگہ دست بی۔
میں یہ کہ ان کے شاعرانہ طرز نگار و طرزِ ادا میں جو فرق ہے وہ بہت
فصیح و فاضل

شمس الرحمن فاروقی کی کتابیں

۷۵/-	انوار لشکر کیلے
۴۰/-	اثبات و نفی
۷۵/۵۰	افسانے کی حمایت میں
۷۵/-	انتخاب اردو و کیلیات غالب
۵۰/-	تقیدی انکار
۷۵/-	تحفۃ السرد
۹۰/-	تفہیم غالب
۱۵/-	چار صحت کا دریا
۲۰/-	سبز اندر بہر
۱۱/۵۰	شعریات ترجمہ و لطیفہ
۶۲/-	شعر شور و گیز جلد اول
۶۲/-	جلد دوم
۶۲/-	جلد سوم
۷۸/-	جلد چہارم
۲۰/-	گنج سوغتہ

شب خون کتاب گھر۔ الآباد 211003

عمودِ واحد کی کتابیں

موسم کا سیجا
مولانا ابوالکلام آزاد۔ ممتاز واکار
فکشن کی تنقید

انجنیئر مصطفیٰ پاکستان ڈی پک ایف سی۔ ایم ایہ مکرچی

فیض کی گنجینہ اور تھکن کی دہانہ ہے دل سے یہ کیا کیا گنجینہ دور
 کیا ایک سادہ لیکن انداز پر ہے، ادا میں سرگ پروردگار کا شادی
 میں بعض صفات مشترک ضرور ہوں گا، بعض لوگوں نے ستر سادہ پہنیں
 جواب دیا کہ اچھا نہ تو وہ لباس کیوں نہ ہو دور دراز کا قلیب سے
 ہر حال بہتر ہے۔

[illegible]

ہر دیت نے ذاتی احساس کے انہماک پر بہت زور دیا اور اس طرح شاعری
 ہے اس نچاڑ پر چڑا دی اور ایسی رنگ کا انفرادیت کا جسے ترقی پسندوں نے عام
 کیا تھا۔ مگر جدیدیت بننے سے اتنی بھی کہ کلاسیکی شاعری اور نئی شاعری میں فرق
 صرف درجہ کا ہے۔ دونوں میں دونوں شاعری ہے۔ جدیدیت نے تخلیقیت کی افکار
 کی مرکز میں آیت کی اور سبھا پر اور موضوعات پر اس کو دلچسپی نہیں ہے، بلکہ سببیت
 اور موضوعات کی ہی تھی۔

نے شاعروں نے ان تمام باتوں کا مزہ اڑتے ہوئے لیا ہے کہ وہ ان کے
 امین اور وارث کی طرح اس ادعا کا شاعر کے کامیاب مطالعے کے لئے تمام
 باتوں کو سرخوش کش میں لایا ان کا حساب میں لیتے ہوئے ہے۔

مغیر نیازی

ہیں روں اس راہ پر جس کی کوئی خط نہ ہو
 جستجو کرتے ہیں اس کی جو ہیں حاصل نہ ہو
 دشتِ خجریاں میں دلوائی ہو ہر طرف
 ہر طرف محل کا فلک پہر ہیں محل نہ ہو
 وہم یہ تجھ کو عجب ہے اسے حال کم خفا
 جیسے سب کچھ ہو مگر تو دیکھنے قابل نہ ہو
 وہ کھڑا ہے ایک بابِ علم کی دہلیز پر
 میں یہ کہتا ہوں اسے اس شخصیں داخل نہ ہو
 چاہتا ہوں میں خیر اس عمر کے انجام پر
 ایک ایسی زندگی جو اس طرح مشکل نہ ہو

منیر نیازی

چھوٹا سا اک گاؤں تھا جس میں
 دیے تھے کم اور بہت اندھیرا
 بہت شجر تھے تھوڑے گھر تھے
 جن کو تھا دوری نے گھیرا
 اتنی بڑی تنہائی تھی جس میں
 جاگتا رہتا تھا دل میرا
 بہت قدیم فراق تھا جس میں
 ایک مقدر حد سے آگے
 سوچ نہ سکتا تھا دل میرا
 ایسی صورت میں پھر دل کو
 دھیان آتا کس خواب میں تیرا
 راز جو حد سے باہر میں تھا
 اپنا آپ دکھاتا کسے
 پسینے کی بھی حد تھی تو آخر
 سہنا آگے جاتا کیسے

متنیاری

کاراصل زیست

کوئی آئے باغ میں اس طرح
کوئی دید بھیے بہار میں
کوئی رنگ دار سحر آئے
کسی گوشہ شب تار میں
کوئی یاد اس میں ہو اس طرح
کوئی سوغ بھیے غار میں
کوئی زندگی کسی خواب میں
کوئی کام کوچہ یار میں

اور ان قیود کے اندر غریب افی و سما

پاہ شب کا سمندر
سفید دن کی ہوا

غزل

ظہر اقبال

اس کے سفر میں زاد سفر دیکھنا نہیں
خود بھی ملے تو ایک نظر دیکھنا نہیں
کرنا ہے اور طرح سے محسوس اب اسے
پھرنا ہے اس پاس، مگر دیکھنا نہیں
کوئی سوار ہی نہ کل آئے، اس لئے
ہم کو غبارِ راہ گزر دیکھنا نہیں
جب دیکھنے ملے تو ہمیں کچھ تانا تھا
کس سمت دیکھنا ہے، کدھر دیکھنا نہیں
آنکھوں میں ایک باری باری کے ہلکے
دیکھا اسے تو بار و گزر دیکھنا نہیں

ظفر قبیل

تماشا دیکھتے رہنا نہیں ہے
 یہ جھگڑا دیکھتے رہنا نہیں ہے
 ادا کرنا ہے اب کردار بھی کچھ
 کہ تنہا دیکھتے رہنا نہیں ہے
 کنارے تک پہنچنا بھی ہے آخر
 کنارہ دیکھتے رہنا نہیں ہے
 بہت یاد آگئے ہیں کام بھی اب
 سو، اتنا دیکھتے رہنا نہیں ہے
 ہم اس میں قلوب ہائیں گے کس دن
 وہ دریا دیکھتے رہنا نہیں ہے
 پڑ کر رہ گیا ہے اس کو
 ہمیشہ دیکھتے رہنا نہیں ہے
 ہے اس میں ٹوٹے رہنا بھی مثال
 یہ دیر دیکھتے رہنا نہیں ہے
 ہمارا دیکھتے رہنا بھی شاید
 کچھ اسی دیکھتے رہنا نہیں ہے
 ظفر دیکھا گئے اب تک جو مظہر
 دوبارہ دیکھتے رہنا نہیں ہے

باقر مہدی

استری کالی منزل
(اسی طرح دیرینہ علی حاد عباس کے نام)

ٹوٹا ہے کبھی، جہد کن ٹوٹ رہا ہے
چھلکا ہوا صدیوں کا چلن ٹوٹ رہا ہے
ہر صبح آجس کا دھوس، چچ کی بجلی
کب سلسلہ دار و محن ٹوٹ رہا ہے
کچھ ٹمٹمے ہوئے خوف میں ہلکی سی کی ہے
کچھ چاندنی سی ہے کہیں ٹوٹ رہا ہے
بے جا ہے دلی، گیس کوئی شجر ہے
مب گھاس کہاں ہے یہ جی ٹوٹ رہا ہے
لگت ہے عجب، لفظ میں معنی کے برابر
دلجی ہے زب، طرز سخن ٹوٹ رہا ہے
گوئی تھیں بھی تیری صداؤں پہ صدائیں
اے مردِ خوفِ جفا، حق ٹوٹ رہا ہے
مب سانس بھی کتنی ہے ہو جم سا ٹیلہ ہے
وہ درد ہے رگ تک کا بدن ٹوٹ رہا ہے

خوف گور
(صادق بیات کے نام)

جب بصارت نہ محل دکھ سکے
خون بہتا ہوا نظر نہ پڑے
سرخ، کالے سفید جموں سے
لحمہ کچھ — ہو لپکتا رہے
میں خوشی سے سانس متحرک کو
خوف سے زرد دکھتا کیے
موت کے انتظار میں کب تک
ٹوٹے ٹوٹے سیاہ لفظوں کو
اپنی نظروں میں ٹھہراتا جاؤں

فضائلِ نبوی

رنگِ نبی، عروسی کی صحت آ
 اسے فادہ آج کی صحت آ
 رخِ بہتہ جذبوں کے پیکر تک
 اک چلتے ہادو کی صحت آ
 جلتا جھٹکا موسم ہے اور میں
 تو بھی اب جگنو کی صحت آ
 آپ گم ہیں تجھ کو روٹا دے
 سوچا یہ قادی کی صحت آ
 جو گریزِ افسانہ میں رہی پل
 مٹھی میں ہلو کی صحت آ
 کہ ہے ہر دم میں ازل سے
 حرفِ ابد پہلو کی صحت آ
 چہرہ خوانی، کارِ طوالت ہے
 یک سطر گیسو کی صحت آ
 گھول کچھ، نافہ داروں کا ذکر
 لکھ مٹھیں غو کی صحت آ
 میں تیری گم گشتہ دانش میں
 تجھ تک داخل جو کی صحت آ
 آج اتارے غالب کے آنکھ
 میر کچھ ابرو کی صحت آ
 چہرے میں وہ برائی گول
 دلی کی، اردو کی صحت آ

موسم تک ہیں، جل چل کر دے
 تو میری دھپ کو ہل کر دے
 یونہی کب تک رہوں ڈھلے نفس
 میں سما ہیں دھنچے مل کر دے
 کس طرح عمر کو جاتے دیکھوں
 وقت کو آنکھوں سے اچھل کر دے
 طے نہ ہو جاتے بہ جملت یہ سفر
 راستے کو مرے ہڈی کر دے
 شمع کی کشتی، ہر دم کے باغی
 وہ داخل مجھے پاگل کر دے
 میں ابھی ہیں، سو ہی نورِ اقرا
 آخری نقش پہلا، اول کر دے
 جیسے مہم سے عاری کوئی لفظ
 میں اوجھڑا ہوں، مکمل کر دے
 یہی آدم کا قبیلہ ہے، تو پھر
 اے خدا! شہر کو جنگل کر دے
 وہ ڈھانچا بھی، معیبت ہے خدا
 جود و ذہن کو بلو جمل کر دے

سہیل احمد زیدی

کہیں بھی تو کیا اس سے سب جان کر کے
 اُٹھ اے گا ایریں تو دران کر کے
 مجھ بوجھ کے خوب پہچان کر کے
 وہ جب مجھ سے پولا تو بھان کر کے
 ملی تیری قدرت میں بحر و بر میں
 تجھے کیا ظلم کو حیران کر کے
 وہ کافر اب آزاد پھر تاج ہے مجھ کو
 قسم دے کے پابند ایمان کر کے
 بس اپنے کو بھولنے یاد رکھو
 بتاتا ہے مشکل کو آسان کر کے
 کھلا کچھ تو کھلا جب چیز واعظ
 دے جاتا تھا میں اُردن کر کے
 گئی مجھ نہیں تمام ی حسرتیں یوں
 کل جائیں گی دل کو ویران کر کے
 سہیل ہے کہنے میں حکام اعلیٰ
 ملاویں گے مجھ کو کہیں سان کر کے

نہایت پر کار و خیر و کام کے مخلص ہے۔

سہیل احمد زیدی

خواب آنکھوں میں بنا رہتا ہے
دل پہ اک بوجھ بنا رہتا ہے
پتیاں بھرتی ہیں جس موسم میں
آوی خود سے خفا رہتا ہے
دشت میں کوئی نہیں میرے سوا
پھر بھی اک ڈراما لگا رہتا ہے
پاؤں نہ جاتے ہیں چلتے چلتے
ساتھ بس دست دغا رہتا ہے
حال کیا پوچھ رہے ہو میرا
اگ بھ جانے تو کیا رہتا ہے
دل کا میدان قیامت ہے بے پل
روز اک خشرپا رہتا ہے

ظاہر اپنی ذلت کرے گا
دل ہے اک دن گھات کرے گا
پھر اک قصہ لے بیٹھا ہے
حق تضحی اوقات کرے گا
ہزک باغ دکھائے گماپھر
تیج سمندر سات کرے گا
دل انہونی بات کہے ہے
وہ بتا کہ دن بات کرے گا
اس تک جانے ہی ڈرتا ہے
جانے کیسی بات کرے گا
وہ جو آفت مال ہے ندی
دفع دہی آفت کرے گا

سہیل احمد زیدی

فاصلے یوں کم نہیں ہوتے سہیل
وہ ہونے تو ہم نہیں ہوتے سہیل
تم نے کچھ دنیا سے مانگا ہے فرد
بے سبب تو ہم نہیں ہوتے سہیل
کیا ہوا اگر اس کی محفل میں نہ تھے
ہر جگہ تو ہم نہیں ہوتے سہیل
ننگ کیوں کرتے ہوا اپنے خون کو
خار ہیں یہ غم نہیں ہوتے سہیل
زندگی بھر تم کہ سناتے رہے
پھر بھی تازہ دم نہیں ہوتے سہیل

بس گھر ہی بھر کے لئے جی دوسرا ہو جائے گا
اس سے مل بھی لیں تو کیا دل کا بھلا ہو جائے گا
درد کی نیرنگیاں دکھو سر شاخ سکوت
منہ سے کچھ نکلا تو یہ بھی ہوا ہو جائے گا
ہجر کی شب دل ذرا تڑپا تڑپ کر ختم گیا
میں بھٹا تھا کہ جانے کیا سے کیا ہو جائے گا
میں سفر کرتا رہوں گا لیکن اک دن دیکھنا
تنگ آکر راستہ مجھ سے جدا ہو جائے گا
جانے کیوں اس بات پر اتنا مصعب وہ سہیل
کیا مرے کہہ دینے سے وہ بت خفا ہو جائے گا

اگست و ستمبر ۱۹۹۳

حرفِ راز کی

تبرہ: حمیر احمد

نہا تھا

جو پہنے پیارے باہم گزارا تھا
کہ اس طرح تیری کی دوسری تاریخ جب منگل کو پھر آئی
تو مصمصا نہ میرت میں تھے اردو کی جنش سے
اٹھ اسی کے دھندلکے پھٹ گئے یکدم
کہ جیسے ہاتھ سے کار کا شیڈ کھوجانے
اور ایک روشنی نفا میں اساتے کہ اس طرف خود
فاصلے بھی رہ گئے ہیں۔

نہا تھا

جو پہنے پیارے باہم گزارا تھا۔
اور اک دن صرف باہمی میں ہو کر گئی نہ پانی تھی
تیری آنکھوں پر میں نے پیارے ہیں ہاتھ رکھا تھا
کناٹے برقی کے کالے آنکھوں پر کچھ ہاتھیں
مگر انہیں ان کی ضرورت ہے چھپاتی ہی رہی سرکھیں
رہیں یہی اتھیلی پر سسل تھیں ان رقصاں۔
تو نے سے لگی بیگانہ ہونے سے ہم کچھ اس صحت
کہ گہرے نفسیاتی تجربے سے مکلفی آسپہ تھے تھے
گوں سر اور ہے جس تھے فون خواب کے آگے۔
کبھی شب کو ترے ہونٹوں کی جنش اپنے چٹانے کے قریب ہاگ
میں اپنے کانپے ہونٹوں سے دم شمع شمع کرتا

زمانہ تھا

جو ہم نے پیار سے باہم گزارا تھا
کہ نہ ہو گئے طوطا پر لافنگے کا دلدار کے
بیابان چھ گے آیا جو طوطا کے پیسے میں
عجب سہاواں دل لکھ جیسے لکھا ہے اکی ہونے تھے
وہ کیسے خوش دن تھے جب صندبک کے ظالم میں
شعلہ کی شعلہ سمانی

زبان کا تیشی سے حاصل ترک کیجئے عذرا قہمی
زمانہ تھا

جو ہم نے پیار سے باہم گزارا تھا
کھینچیں تیشی درمل تھا نہ ترقی تھے دکری قہمی
پہلی لک سہری قہمی
ہمارے ادا تہا کی ذات کے دو طرفہ نقطے
محبت سے ہونے تھے معصل بس ایک کر کھر
یہ مگر کو جو گیک اور چرک نہر شمس کا
کو جس نے زندگی کے سیدھے خط کو اک شعلہ میں بدل ڈالا
زمانہ تھا

جو ہم نے پیار سے باہم گزارا تھا
کہ تو نے اور میں نے ملک ساریوں سے اک مضبوط
دروازہ بنایا تھا —

وہ دروازہ

کہ کو خواب ہوتے یا کہیں معروف ہوتے ہم
ہمیں محفوظ رکھنے کو ہمیشہ بند رہتا تھا
دھانے کیا ہوا کہین کہ کھڑے ہو گیا وہ در
کہ ہم دونوں نکل آئے
کسی اچانک محفل کی راہوں میں کہیں شب میں۔

گناراک لوف

تمہ: جلیں

ہاتھوں سے ہے

رکتا ہوا ہے

ایک دھوپ کے سمندر کا دھندلے آفتاب سے بھرتے ہوئے

ایک چٹا پتھر کی مثال اٹھ رہے ہوئے

ہاں مگر تیری نظروں سے ادھل رہے ہیں

اسے مرے! مٹی!

میں تو سے پاس آنے کی کوشش میں ہوں

ایک میں

جسے ہاتھوں میں بس ایک بچہ ہوتا ہے

ادھ کوئی اس طرف

زور سے کھینچتا ہے مری تاؤ اپنی طرف

ادھ اس کھینچ میں مرے دست و پا

ہوتے جاتے ہیں مثل

روز و شب کے الجھتے ہوئے ہاتھوں سے

ان کے گردا گرد ہیں بے سنجیدہ مرا

ہاں مگر

تیری ہی کو محسوس کرتے ہیں میں

موتی بس

میری تیرا ہے

ہائینرخ ہائینرہ

توجہ: جلیں

روز جاتی میر کو وہ تار میں بس میں ہوں

شاہزادی۔ شام کی دھندلی غلاؤں میں مگنی

شام کی دھندلی غلاؤں میں ایک چٹے پر چھائی

تھاجب شغلی ہوئی کے کمرے کے کھانا

روز رہتا تھا کمرے میں اک غلام بے تواری

شام کی دھندلی غلاؤں میں ایک چٹے پر چھائی

تھاجب شغلی ہوئی کے کمرے کے کھانا

نزدرو۔ ادھ روز میں کارنگ مارا اڑتا تھا

شام کی دھندلی غلاؤں میں شاہزادی ایک دہلی

اس کے پاس تھی اس سے یوں کے پیسہ سوال

کون، جو تم کو نام کیا ہے، کس قبیلے کے ہو تم

گئے ہو کس ملک سے تھے کو بتاؤ اپنا حال:-

وہ غلام تو تھا ہوا کہ، مٹھی نام ہے۔

میں ہوں خدا کے قبیلے، وطن میرا میں

اس قبیلے سے کہ جس میں نوجوانوں کے لئے

خوشی کی لذتیں اگر گائے فضا غلام ہے:-

میں لیت

مصور بہتر واری

چرخ ہی نہیں سورج بھی کچھ بھانے تھے
مرے سوا بھی ہوا کے کئی نشانے تھے
تمام ریل کھلے آسمان کی صورت
جوازِ عمر نہ کچھ وصل کے بہانے تھے
گریزِ جنگ سے تو خود ہی مر گیا ہو گا
تجھے تو پیٹھ پہ قتل اٹھا کے لائے تھے
ندی قہری رات سے گہری ندی سے گہری رات
نہ جانے کس کو اماں میں پناہ اگانے تھے
جب اس نے کھول کے چوکھٹہ رکھ دیا تو وہ
خیزل شہر سے بھاری عذاب آنے لگے
گناہ کیلئے ہیں میرے کس کس آنکھی میں؟
یہ عہد مرنے سے پہلے تجھے بتانے تھے

نہ سترہ رزق نہ آب و ہوا اتارے گا
غریب شہر پہ وہ کمر بلا اتارے گا
کوئی بھی نیزہ ترا سر سے قہر کا ناپ نہیں
تجھے فرازِ سان پر خدا اتارے گا
وہ خود سے چل کے تو آئے گا کدے کدے
اسے سفر پہ کوئی حادثہ اتارے گا
ہم اس کا مل غنیمت، جلوسِ فتح کے ساتھ
کلی گلی وہ ہمیں بے ردا اتارے گا
تم لگا گاہ میں کس کس کی آنکھیں بہہ جائیں
وہ سب کے سامنے اپنی قبا اتارے گا
وہی ہے وقت کا فیصل میان نیک و بد
جسے وہ چاہے گا کھوٹا کر اتارے گا

مصور سوزواری

وقت کب تھا دو قالب ایک جان ہونے کا
شوق تھا بہت ہم کو داستان ہونے کا
گہری دھندلے بدلے نام اور لقب ماسے
مدی ہے ہر طائر آسمان ہونے کا
سر نہیں ہے کاندھوں پر اور علم بھی ہے قاب
ہے یہی نشان شاید یہ نشان ہونے کا
چاہئیں کئی صدیاں اس کالمس پانے کو
لحہ لگیا خود پر اب پرٹان ہونے کا
بے زبان رستوں سے کس طرح شہادت پس
حادثہ ہے اک شب کے درمیان ہونے کا

نام عزیز بھی ہو کے بہت معتبر ہوں میں
پھیلی ہوئی نجوم میں بھولی قبر ہوں میں
چابی بھری ہوئی تھی وہ باہر کل گھیا
اب خالی تھی ایک کھلنے کا گھر ہوں میں
شاید تڑپ ہی اس لمحے کر دے پاش پاش
آہ ہے بارودوں میں بہت بھر رہوں میں
بلوایوں سے چوک بھر ہے تو کیا ہوا
اب ہم تو مچا نا نہیں صوف ہوں میں
کیا کرب تک کھیل ہے دافوری مری
ضلع خود کو کرتا ہے وہ ہر ہوں میں

احمد سہیل

جب مدثر و ہم بن جائے
تو زندگی ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے
حقیقت کا زہر ہم
کسی کی چاہت میں پیستے ہیں
جب سچائی لب پر لاتے ہیں
تو مار دیئے جاتے ہیں
جدا کی کاروبار بہت طویل ہوتا ہے
پل صراط کی طرح —
مقرر کا کنارہ نہیں ہوتا
ہمیں اپنے نصیب پر اختیار نہیں ہوتا
تقدیر کا شکار
بائے ہونے پہاڑی کی معذرت ہے
ہم نصیب کو دینے کا گلہ نہیں کرتے
چپکے سے زندگی گنوا دیتے ہیں
کسی آہٹ کے بغیر
کسی کو بتلائے بغیر
اپنی عمر سے بڑا حشر کرتے ہیں
سب کچھ کھو کر
تجھ میں کھو جاتے ہیں
دل پر انگار کا بیونہ لگاتے ہیں
ہونٹوں پر زخیر دکھاتے ہیں —
جب کوئی وعدہ کر کے بھی دے آئے
تو مسکرا کر سو جانا چاہئے

نیزد خشن سے بہتر ہے
اور خشن وعدے سے
جب کوئی چھوڑ کر چلا جائے
تو دل بہتاب کے آئین میں
اسے نقش کر لینا چاہئے —
جدا کی سکوت گم گشت میں
تم نے مجھے کیوں بھلا دیا
ابھی تو کوئی فسانے باقی تھے
یوں اچانک محروم ہو جانا
کسی کو دیوانہ بنا دیتا ہے
اتنا وقت بھی نہیں ہوتا
کہ جدا کی کافران ستایا جاسکے
یا محمد رش کو دلیز مرغیہ میں دفن کر دینا
قبل رخصت شب درہوشی کے بہتر ہے
چاندنی کی سلوٹیں مٹا دینا
کہ اس شہر کی ہوائیں بہت داغدار ہیں
اب کے چہرہ المانک ہوگا
کئی گندے سانچوں کی طرح
آؤ تمہیں ایک نوحہ سنا دوں
جو حشر کی حکایت ہے
جو کبھی داستان بنے گی
ان بے وفائی کی گلیوں میں

محمد صلاح الدین پر دیز

ساتی نور بادہ برافروز جام ما

خاک چھائی ہے کتے گین کی	جلنے لگے ہیں
بہت آٹھ تہیکے زمانوں سے گندا	لگوں دعا گو ہیں اہم کے لئے
بے غیر تھا	اسے ہوا
ابھی میں نے پیالے میں مکس دیکھا ہے	تو اگلون کے غلوں سے گندے
میرے خدا	تو کہنا کہ تم نیکو یاں ہو
تو نور پر اس دل کے پیالے میں ہم دے	میرے عشق کی آگ بر سبز رکھتے ہو
کہ میں مست ہو کے تری حمد کی سے چڑھا لوں	میرے خدا
خدا	تو نے جو حمد جو قومیت جھکوری ہے
ثبت کوئی ہے تجھ سے صنوبر نے	اسے تجھ سے واپس نہ لینا
اس دل کے پنے پیک ہر شاہی	کہ میں آسمانوں کے سر سبز دریاؤں میں
تجھے عشق کے ملک کی قومیت مل گئی ہے	چاند کی کشتیوں کو ہالنے لگا ہوں
خدا	
میرے ہمد سے دنیا کے کچھ لوگ	

مجھے یاد آ رہا ہے بارش کے پانی میں کھیلے سمجھئے اچانک آہستہ آہستہ جاتی

نام کو بائوں میں کھول دے کہ وہ جو کھولیں گا اس کو کرے جائے وہ کھولے گی
 چیک بائوں کے کھولوں گا ایک دوسرے پر لگا دے جسے انھیں ہند کر کے ہوتے
 آہستہ بہ آہستہ لگے دوسرے سونے کی گولہ لگا دے لکھ یا خیر یہ میں نے کس
 سے کیا تھا۔

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

ایک اور خطرہ سامنے ہے۔ میں ٹائلٹ میں بیٹھی ہوں۔ میرے سامنے اوپر
چوہہ پر ایک چمک چمکاتی ہوئی ہے۔ میں اس چمک کی سے بات کر رہی ہوں۔ مجھے قہقہہ ہے
وہ چمک کر اتری تیس سال کی ہے۔ باہر ٹائلٹ کا دروازہ کھٹا جا رہا ہے۔ مجھے یہ خطر
ایک بار لایا وہ ہے۔ لیکن ایسے یا نہ ہے۔ جیسے میں بہت دنوں تک اس چمک کی سے
تیس کر رہی ہوں۔

یادداشتیں بالکل اس طرح ہیں جیسے چڑیاں انڈے میں پڑی ہوں۔ اور آپ نڈے کا روٹی میں ٹٹول رہے ہیں۔ بعض دفعہ ایک دم ہلکے سے روٹی میں اس طرح تکیا کرتی ہیں جیسے کوہِ پادشاہِ بلبل جل جائے۔ اور جب کوئی کھدوں میں پڑی ہوئی بلبل مل جائے، بعض دفعہ صدیوں ایک دم انڈے میں۔ میں انہیں اندر سے ہی ٹٹول رہی ہوں کہ تو یوں سامنے پڑی ہیں اور مجھے حیرت میں ڈال رہی ہیں اور وہ دریا فضا کرنے میں میری سداگر رہی ہیں۔ کن کن چڑیوں نے مجھے مل کر بنایا ہے۔

[illegible]

ایک اور خطر گذشتہ ہی نکل گیا تھا۔ ابھی ایک ساتھ ابھر کر قہر جاتا ہے۔ میں بتاتا ہوں اب ایک نبرد سے اٹھی ہوں۔ گھر میں ساہوکار ہے۔ میں ہمارے ہدف دوڑا کر اپنے گھر والوں کو غصہ شہری ہیں۔ مجھے کوئی نظر نہیں آ رہا۔ میں باہر بالکونی سے نکلا کر بیڑھوں کو دیکھتی ہوں۔ میں رو رہی ہوں۔ اور اپنی ماں کو ڈانڈا سے رہی ہوں۔ پھر میں دیکھتی ہوں کہ میری ماں اور باپ اور بہن بھائی بیڑھوں سے اوپر چڑھنے کے لئے آ رہے ہیں۔ غصہ دھچکے سے اٹھوڑ کر چڑھ گئے تھے۔ انہوں نے مجھے کچل کر یوں چھوڑ دیا۔ مجھے یہ باتیں چلنے سے ان کے اڑنی مائل سے اس کے ہارے میں پوچھا تھا۔ لیکن وہ خاموشی سے مجھے کئے گئے تھے۔ لیکن مجھے آج بھی یاد ہے میں پہلی دفعہ کسی خوف سے ٹپکی تھی۔

دوسرا خوف تھے اس ریڈیو کو آواز کا یا دیر گھبراہٹ ہے۔ جب میں اپنے
برادر والے گھر میں کھیل رہی ہوں۔ ریڈیو بوجہ رہا ہے۔ اچانک اس میں سے
کسی نے کہا "آواز سے آئے کسی" چناؤ چناؤ، دو چہ بانیاں میں ڈوب رہا ہے۔

[illegible][illegible][illegible]

[illegible][illegible][illegible]

دوسرے دن میں اسکول چلی میں نے یہی کہا کہ اس کے لیے کوئی اور طریقہ
 نہیں ہے۔ میرے بھائیوں میں اس اسکول کے لیے جس میں داخل ہونے سے پہلے اسکول
 ٹیچر نے یہ نوٹس پوسٹ کیا تھا مجھے بھی وہی دواوات تھی لیکن مجھے کہہ کر کہی گئی ہے۔
 یہ بات اچھی تھی لیکن میرے کچھ اوصاف مجھے مزاحم اسکول میں لے جاتے
 تھے۔ ہم ہاتھ میں ساری کتابیں اور لیٹ اولیٰ روپی دواوات لے جاتے تھے۔ انھوں
 نے کہا کہ میں اس قدر زیادہ پڑھتی تھی کہ میرے بھائیوں میں سے میرے ساتھ
 ساتھ ایک چوڑی پانی کی ٹانہ خریدائی تھی۔ یہ پانی ان کے لیے پانی کی ٹانہ
 کی آواز کے ساتھ غلامانہ طور پر رہا ہے۔ وہ صبح اس اسکول کے لیے ملاوٹ
 کے لیے لے جاتے تھے۔ میری روپی دواوات میں اتنی ہوتی اسکول کے طرف جوتہ
 رہی ہوں۔ یہ جانے کہ میری دواوات کتابوں کے متصل کتنی ہوتی تھیں لیکن
 جاتی ہے۔ میری بھینچی ہوتی چار ہیرا ہوں۔ اہا ہا کہ میری مکمل انہی کتابوں پر
 کتابیں پڑھتی ہے۔ روپی دواوات میں ہے۔ میں دھن لگتی ہوں۔ کبھی
 چھپے کی طرف کبھی آگے کی طرف کہیں گری امی دواوات میں روپی دواوات
 اور اس دواوات کتاب کے پتے پتے پانی کے ساتھ دھو دھو رہی ہوں۔ میر
 میں تالی کے پانی کے ساتھ دھن لگتی ہوں۔ ملاوٹ پر یہ دواوات تالی کے پانی کے
 ساتھ بہہ کر آ رہی ہوگی۔ چاہیں کہ نہ دواوات گزر کر یہ دواوات نہیں ہوتی۔ میں اسکول
 بھی نہیں لگتی۔ لیکن اس سب اتھارڈان گز جانے کے بعد یہی تھکی ماری تھکی
 تھی تو سب نے مجھے لیے دیکھا جیسے ان کی کوئی کوئی کوئی کوئی کوئی کوئی کوئی
 اس سب نے یہ خاصہ بدیہٹ کر دکھا۔ میں بہت دنوں تک اسکول کے ساتھ
 میں اس تالی میں اپنی دواوات دھو دھو رہی ہوں۔ اس کی کوئی کوئی کوئی کوئی
 دنوں تک یہی اس کوٹھن میں کبھی رہی۔

ہوا کی لہریں کھڑکیوں سے باہر نکلتی تھیں۔
 جس سے ہوا میں آئینے کی طرح کھڑکیوں سے باہر نکلتی تھیں۔
 ان کے ہاتھوں میں کھڑکیوں سے باہر نکلتی تھیں۔

کے ہاتھوں میں لگی تھی چالاک کی سمجھ ہے۔ وہ دھڑکی اتنی تیز تھی کہ کھڑکوں
 سے کچھ تیز ہونے لگی تھی کہ گھر سے نکلنے پر میں کوئی بات نہ
 سے ان کو لڑائی کو کھڑکے میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کی تھکائی ہوئی ہاتھوں کو
 میرے ہاتھوں میں دھریں کہ میں نے پیچھے ہٹنے سے ہٹے ہیں۔

مجھے یاد ہے۔ ہم سب بھائی بھائی کے اسکول جاتے ہوئے اس
 کے پاس باہری علاقے میں گیا تھا جاتے تھے۔ اس دور میں کہیں نہ کہیں
 بھائیوں کے گھر کھیتی سے لڑائی لگتی تھی جاتی تھی۔ مجھے بہت
 جاکم کرنے ہوا۔ ہم سب نے اور ہم سب نے اس کے ساتھ ساتھ چائے کے پیالے کے پتی
 سے مجھے یاد آ رہا ہے اس دن سے پہلے میں نے یہ دیکھا تھا کہ جاتی تھی لیکن اس وقت
 جاتے تھے جو کہ میں نے اس سے ہی دودھ کے پیالے میرے بھائیوں کے سامنے
 رکھے تھے کہ کھڑی ہو کر ایک ہی بات سے دونوں کے پیالے لٹکا دیئے۔
 دودھ دھو بیٹے ہوئے۔ خود کھیتی تھی سب کا کیا کئے رکھ رہے تھے اس
 سے پہلے کہ کوئی لڑائی نہ ہو۔ اس دن کے گھوڑے کا آوازوں کے صدیوں پہلے تھا
 کہ وہ اس سے باہر جاگ لگی۔

مجھے اپنی ماں بھی یاد ہے۔ میں نے اپنی ماں کی آنکھوں میں کبھی میرے ہاتھ
 لگا کر دیکھی وہ خوف نہ ہو کر مجھے دیکھتی تھی کبھی ایسا لگا جیسے وہ میری آنکھوں
 پر مجھے دیکھتی تھی۔ وہ سب سے تمام شوق پر اور میرے خلاف ہونے کے باوجود
 یہ میری کھینچنے کے لئے اس کی آنکھوں میں نظر آتی تھی یہ سب کچھ صرف کچھ وقت
 ہی باقی نہیں آ رہا ہے۔ یادداشتوں کے نظر میں میرے ارد گرد رہتے ہیں اور میں
 کئی کئی نے منظر کے ساتھ ساتھ میرے منظر کا سہارا بنی ہیں۔ میں ان کو اپنی یہ
 یادیں دوسروں کو سناتی رہی ہوں۔ میں نے کبھی خوش ہو جاتی ہوں،
 اور کبھی افسوس۔

ایک حوالہ دیکھنا ہی میں گئی ہے۔ جبہ ٹھیکہ میں اس میں بیرونی
 کے لئے لکھا ہوتا ہے۔ وہ سب سے کہہ رہی ہے۔ کون سی لڑائی اس میں ہو رہی ہے کہ لکھی

تھی کہ اسے یاد ہے۔ وہ ایک چار دیواری اور اس کے اندر ہے۔ عین اس وقت
 کے ہاتھوں میں سب کو کھینچ کر لے جاتی ہیں۔ میں نے اس کے ہاتھوں کو لٹکاتے ہوئے
 ہی اس کے کوس کی طرف دیکھتے تھے کہ وہ کھینچ رہی تھی کہ وہ چار کوس سے باہر
 جاتی ہے۔ کھینچ رہا تھا۔ میں اس کے سامنے ہوں اس نے اپنی آواز میں چار کوس سے باہر
 دھکیلتی ہے۔ میں اس کو کھینچنے میں اس کی آواز کی لے پر محسوس ہی ہوں۔ بہت
 اچھا کرتی ہو۔ کھینچ کر آؤ گی۔ سفید فرائیں ہیں کہ صبح سویرے وہ تھک کر آتی ہے۔ میں
 دیکھتی ہوں۔ کھینچ کر کھول جاتی ہوں۔ میرے پاس ایک ہی سفید فرائیں ہے جو
 میں پہنتے ہوں۔ رات کے اچانک یاد آتا ہے۔ میں اپنی فرائیں اتار کر دھوئی ہوں
 صبح اٹھ کر کھیتی ہوں وہ کھیتی نہیں تھی۔ رات کی اس دن سے سوکتے نہیں دیا ہیں
 جلدی جلدی اتاری کرتی ہوں مجھے یاد ہے۔ میرے گھر میں کھیتوں کی اتاری ہوتی تھی۔
 پہلے وہ کوئلے گرم ہوتے تھے۔ اس کے بعد مجھے دیر ہو رہی تھی۔ وقت گزر رہا ہے
 میں کبھی ہی فرائیں ہیں کہ اس کو کھینچ کر لے جاتی ہوں۔ فرائیں کا لالہ گھیرے کے جوتے
 بہت گیلے ہیں۔ اسکول سے باہر میدان میں پہلی پہلی دھوپ پھیلی ہوئی ہے جس میں
 میدان میں ہوں کہ ساتھ گھومتے تھے ہوں۔ چھٹا گراؤ، چھٹا گراؤ۔ چتا نہیں تھا
 وقت گزر جاتا ہے۔ لوگ مجھے حیران ہو کر دیکھتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ فرائیں کا لالہ
 گھیرے سے نہیں سوکتی چتا نہیں کب اسکول لگتا ہے۔ کب کھیتی تھی ہے۔ ناچتے
 ناچتے مجھے ملنے کا اس میں ہوتا ہے۔ اسکول تک گیا۔ میں دوڑتی ہوں۔ آہستہ
 میں آٹھج بنا ہے۔ اس کے سامنے لوگ کھڑے ہیں۔ ایک ہی ناچ رہی ہے۔ چھٹا گراؤ
 سے میں لوگوں کو ہشامی ہوئی اندر گھسی ہوں۔ میری کھیتی پر سامنے کھڑی ہے اس کے
 چہرے پر بے زاری اور گھبراہٹ ہے۔ وہ مجھے کھینچ کر باہر لے جاتی ہے۔ منور چہروں
 کی کھنکھار سے منور ہو کر رہتی ہے۔ کب کھیتی تھی مجھے ڈنکل کر دیا۔ میری کھیتی میں
 اتارنا کیا بتاؤں۔ مجھے اپنا کوئی تصور نظر نہیں آیا میں خود بہت رونا چاہتی ہوں۔
 میری ہلکے دوسری لڑائی ناچ رہی ہے۔ میری کھیتی ہے۔ چھٹا گراؤ۔ میں آٹھ
 بھی یاد کرتی ہوں اپنی فرائیں کا لالہ وہ ناچ رہی تھی اور کھیتی دھوپ میں ہو میدان
 میں کھیتی ہوئی تھی اور وہ کا ناچ کا گراؤ۔ بریلی کے بازار میں۔

ایک یاد پھر دی اسکول پہ ظاہر وہی ٹھہرے۔ ٹھہرے ہاتھ لگا کر کتب

[illegible]

اگر وہ اس طرح سے میرے کاروبار کی ہر ایک چیز کو سرکے ہوئے سلا
ہو کر دیکھ کر کشتیانی اس پر ہنسی میں لگتا ہے تو کیا میرے ذہنی و فکری کام
کا ان کا کچھ اشلہ ہے؟ میری اپنا تجربہ کا سرورہ اشارہ ہیں۔ لیکن اس
پیرکے میں حق ہے کہ دنیا میں زیادہ تر شہر میں اس قسم کے کشتیانی میں خوشی
مہا گئے ہوئے کچھ بکرا ہے جو اسے اپنا کام سمجھ کر میری اس کچھ خبر لاتے ہوئے
کوس رہی ہے اس کو کچھ سے انہیں۔

یہ ہے کہ میں نے اس کتاب کو لکھنے میں ایک سال کا وقت صرف کیا ہے۔
 اس کتاب میں اس کے تمام اہم ترین مسائل اور مسائل پر بحث کی گئی ہے۔
 اس کتاب کی افادہ خاطر اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

مسائل فادوخت

کی کتاب

ہدایت نامہ شاعر

حکیم آرا تنقیدی مضامین پر مشتمل
 مختلف ادوار کے کاتب رکھنے والے ہنر
 بہت جلد آ رہا ہے
 رابطہ : شب خیز کتب گھر
 پوسٹ بکس نمبر ۱۳، ۱۱۰۰۳، لاہور

بڑی زبان کا زندہ رسالہ
 ادب و آرٹس و کلچر کا ترجمان

سہ ماہی زمین جدید

مدیر : جمشید جہاں
 مرتب : زاہر رضوی
 سہ ماہی زمین جدید پوسٹ بکس نمبر ۴۲، ۱۱۰۰۳، دہلی

تاریخ ساز رسالہ
 صاحب نظر لکھے اور پڑھنے والوں کے لئے

ششماہی سوغات

مدیر : محمد ایاز
 ششماہی سوغات پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱، ۱۱۰۰۳، لاہور

اس دن میں گھر پر سے نکلتی ہوں۔ اسکول سے واپس پرکھ کر
 لکھنے سے زندگی حالت میں رہا ہوں۔ اس کتاب میں ایک ایسا ہے۔ جن
 کے خیال کے خیال کے وہ ہوتے ہیں۔ میں بھی ایک نثر ایک دوسرے پر مبنی
 ہوں۔ گھر کی طرف جا رہی ہوں۔ مگر اس کی پہلے سے ٹوٹی ہوئی نگاہ پر
 رہتا ہے۔ وہ ایک آواز سے منہ ہٹا کر دیکھنے ہوتے ہیں ان کتاب پر
 حوالہ دیکھ کر عجب ہوتا ہے۔ میں نے ان کی کتاب میں دیکھا ہے کہ
 اس کی تعلیم حالت میں ہے۔ اس کی زندگی میں اسکول سے واپس پرکھ کر
 اس میں دو دنوں کی رہتی تھی۔ اے دیکھ کر کتنے کتاب وہ بھی ہو گا ہے۔
 میں دیکھ کر بولی ہو گا کہ اس کی اپنی مٹی میں سے کڑے پائی ہوں۔ لی
 گا کہ یہ میری کتاب میں بھی ہو گی۔ میں نے گھر میں سے جاسکتی تھی۔ اس کی
 یہ کچھ نہ تھا۔ لی سے درمیان ہوتا ہے۔ میں دیکھ کر خوش ہو گئی۔ رات سے گھنٹہ
 دلی کھیل کے خیال کے گھر پر مبنی دیکھ کر گھر کی چار ہی تھیں غم
 ہو گئے تھے۔ میں نے کچھ کتاب کی چاروں کے کچھ دیا۔ چاروں میں
 ہاتھ کب تک وہاں رہے ہی پائے۔ میرے ہاتھ بھی دھو شے
 کے لئے کھل کر پڑے ہوتے۔ اور کچھ کچھ گھر کی طرف کیے ہوئے
 ہوا گیا۔ لی کہ وہاں دیکھ کر حالت میں تھا کہ وہ دوسرے دن اسکول
 ملے ہوئے ہیں۔ اس کی کچھ مٹی ہو گئی۔ وہ کھانا بھی توڑی چرس
 کر رہی ہے۔ گھر کے لئے ہے۔

یہ ہیں کس واقعے نے دوبارہ اس واقعے کو میری یادداشت میں

لکھا۔

اقبال متین

سحر انصاری

کوئی سنے دے سنا ہی اپنی کر دیکھوں
تری گلی کو چلوں اور تیرا گھر دیکھوں
بہت قریب سے دیکھا تجھے مگر جاناں
اب اپنے جذب دروں کو گنگا کارگر دیکھوں
شعور درد بھی ہے تو زندگی معلوم
دعا کروں بھی تو کس بات میں اثر دیکھوں
میں اپنے زخم اتا میں بہت بلند آرا
بلند یوں سے ذرا کھائی میں اثر دیکھوں
صدائیں تو بہت سی ہیں سب کو دکھلانے
فراز دار تک آؤں تو اپنا سر دیکھوں
مہک مجھے ہرے زخم جگر کی یاد آئے
بیچہ گھر کا مہکتا ہوا اگر دیکھوں
کنار آب پرندوں کے چھنڈ دیکھے ہیں
کنار آب ہی بکھرے ہیں بال و پر دیکھا
میں تم کو سہ کے کہاں تک چلوں جس اقبال
جو رک سکوں تو میں تم کو بھی اک نظر دیکھوں

ایک لمحے کی پہچان
میں خود پہچاں نہیں لیکن
کسی میں ہو گیا پہچانی
تو میں پہچانی کو پہچان بیٹا ہوں
میں خود قوس قزح، رنگ حنا
تازہ گل لالہ
نہیں لیکن
مری آنکھوں کو یہ سارے مظاہر پہچانے گئے ہیں
کوئی صبا، کوئی جنگل
کوئی بہرہ کوئی بادل
نہیں شامل ہرے گھر کی سجاوٹ میں
مگر خود ہی
مری آنکھوں کو یہ سارے مظاہر پہچانے گئے ہیں
میں اپنی ذات کو کچھ نسبتوں کے ساتھ ہی محسوس کرتا ہوں
میں اپنے عکس اپنے ہم کی تخت سے ڈرتا ہوں
مجھے فریادیں ہیں ڈھلانی نہیں آتا
نہیں بولہ میری اس پہ چلنا ہی نہیں آتا
نہیں یہ آرزو مجھ کو
کہ میں بسے میں تم سے پاؤں تو تھوڑے کا کھدو
میں اس کے بننے بگڑے سوسوں کی دھب چھانوں میں
تم اچھے ہو یہ کافی ہے
پھر اس کے بعد کچھ ہے اضافی ہے۔

ساحل احمد

اب کبھی یہ آسماں روشن ہوا
نہ اک ہم اٹھنا روشن ہوا
وہ کا آئینہ مگر میں تو نہیں
مٹ جیتے کہیں مکاں روشن ہوا
اب تلک رہتا میں اس کا منظر
میرا ناگہاں روشن ہوا
وہ ایک حد نظر میدان تھا
پھر اسپ جوہں روشن ہوا
گئے حاضر سفر سے لوٹ کر
نہاں در آئیاں روشن ہوا

ہاتھ پر ساحل سمندر ہے لکھا
شہر کے دیوار دور پر ہے لکھا
جھاگتی ہے ہوک آنکھوں سے
پرٹ پڑتا ہے وہ چہرہ ہے لکھا
مجھ گئی رستے میں موسم کی خوشی
کیا اٹھیلی پر بھی منظر ہے لکھا
اب جہاں بھی دیکھتے اس شہر میں
فغرتوں کی آگ خجور ہے لکھا
کیا خبر ساحل کو دیا کی نہیں
پانیوں پر بھی تو عکس ہے لکھا

گہروں سے ہم نظارہ دیکھتے ہیں
کہ دنیا کا تماشا دیکھتے ہیں
ہوئی ہے پھر دھک رنگوں کی بارش
کوئی اڑتا غبارہ دیکھتے ہیں
کھنکھناتے ہیں دل میں آگئی کیا
وہ چہرہ ہم دوبارہ دیکھتے ہیں
جہیں ہے لڑنے کا خوف ساحل
وہ دیا کا کنارہ دیکھتے ہیں

ساحل احمد

جگنوؤں کا طالعہ آیا تھا کیا
 مانگ کر دشمن کا سر ہوا تھا کیا
 درد تک حد نظر میں ایک رنگ
 بادلوں نے رنگ بوسایا تھا کیا
 مدتوں آنکھیں ہماری تم ہیں
 مانگتے در پر کوئی آیا تھا کیا
 دیر تک سایہ مقابل میں رہا
 آواز نہ تھی آیا تھا کیا
 زہر بن جانے نہ ساحل طاشی
 شور دریا کا یہاں آیا تھا کیا

دل یہ کہتا ہے کوئی تصویر کھینچ
 پھر بھلا دل میں یوں اب نہ تر کھینچ
 کیوں تماشا تو بنے سب کے لئے
 اپنی ہی تدبیر سے تقدیر کھینچ
 آگیا صحرایہ بلائے کے لئے
 اب دوانے کی ذرا زنجیر کھینچ
 اس سے پہلے کہ یا ہی خاک ہو
 ہے دلی سادہ کوئی تحریر کھینچ
 کرتا ہے دشمن ملل وار چپ
 کہیں نہ تو بھی درد کی فضا کھینچ
 ایسی بے خبری بھی کیا ساحل یہاں
 پانیوں پر ہی سہی تصویر کھینچ

اب نوازے درد گھر تک آگے
 راستے کی دھوپ سر تک آگے
 نقش پا روشن ہمارے ہو گے
 جتو پائے سحر تک آگے
 راہ رو شاید روانہ ہو گے
 پھر کوئی آواز گھر تک آگے
 کیا مسافت بن گئی زنجیر
 گھر سے نکلی اور گھر تک آگے
 کیا کوئی زنجیر خم ٹوٹی یہاں
 کیا کوئی خوش بو سحر تک آگے

کامل اختر

عجب سرگوشیوں میں اک صدا روشن
 لہو میں پھر ستارہ سا ہوا روشن
 بدن میں رات ایسی آگں پھیلی تھی
 اندھیرے میں بھی سارا شہر تھا روشن
 یہاں اک سلسلہ ہے روشنیوں کا
 پرانا بجتے بجتے اک نیا روشن
 غبار نیلگوں چمکا خلاؤں میں
 ستاروں پر ہوئے ہیں نقش پا روشن
 ہلکتی جھپٹلی سی شام کمرے میں
 ہرے گلخان میں اک خواب سا روشن
 اجالیں کے نئے سیلاب لائے گا
 مرے اندر کا سارا جھللا روشن
 چلے جب جب پرانی یاد کے بھونکے
 ہوا مہتاب دل میں درد کا روشن

چپ، اکیلا شخص حیرانی میں تھا
 پل کا اگلا پاؤں جب پانی میں تھا
 ہر طرف پرچھائیوں کی بھیر تھی
 رات دل کا شہر گنجانی میں تھا
 کر رہا تھا اس کے اندر کا سفر
 جسم کیسی راحت فانی میں تھا
 ریزہ ریزہ ریت کا اک ڈھیر میں
 اور ہواؤں کی نگہبانی میں تھا
 چار جانب اک ہوائے تیز تھی
 سبز جنگل بھی پریشانی میں تھا
 کتنے ہنگامے تھے اس کی آنکھ میں
 شور کتنا اس کی دیوانی میں تھا
 میں تو بچ نکلا ہوا کے وار سے
 شہر کس کی مرثیہ خوانی میں تھا

کامل اختر

ساتھ گزری گزاری رہیں وہ گئیں
سب دھک ٹکلیاں دشت میں رہ گئیں
لوٹنے والا مایوسیاں لے گیا
بند دروازوں پر دھکیں رہ گئیں
کئی دعاؤں میں ٹوٹے ہوئے تھے
شارح سے شارح تک نعمتیں رہ گئیں
ات بچنے لگی نیم کے پیڑ پر
لون سے پاؤں کی پائیں رہ گئیں
موجوں کے پردے تو سب جا چکے
بھیل میں تیرتی کچھ بھٹیں رہ گئیں
سب تھکے ہمارے لوگوں کو گھر چھوڑ کر
اپنے اوٹن پہ غالی ہمیں رہ گئیں

کیوں وقت کی رفتار دھنلا نہیں جاتا
آئینے سے اک شخص کا چہرہ نہیں جاتا
مہتاب بدل چھوٹے سے میلے نہیں ہوتے
دو گھونٹے سے چشمہ کوئی گدلا نہیں جاتا
ہونٹوں پہ بھلے رہو آواز کے موسم
ماتا کہ تہہ آب ہو، بولا نہیں جاتا
یہ شہر ہے سایہ بھی بھلے ہوئے رکھو
محو میں کوئی اس طرح ٹوٹا نہیں جاتا
طلب کیے اس کی طلب کوئی سمندر
ندیوں کی طرف لوٹ کے دریا نہیں جاتا
کیا بات ہے کس واسطے خبر نہیں آسکتیں
کیوں ہم سے کوئی خوب بھی دکھا نہیں جاتا
تاجیہ جیروں کا سحراب کے عطا ہو
پہلا غزبات سے گزرا نہیں جاتا

قلم رنج و طال اوڑھے
بدن نے سب ماہ و سال اوڑھے
قدم تلے آسمان بچھائے
زمین کا سبز جال اوڑھے
نئے نئے رنگ روزہ پہنوں
پھٹے پرانے خیال اوڑھے
میں مغلوں کے سفر میں مشرق
جنوب میں بھی شمال اوڑھے
حقیقتوں کے سفرے گوروں
گمان میں اجمال اوڑھے
ہو میں سلکا کے جون موسم
طے دھرم میں شال اوڑھے
ہے شام کی سردیوں میں صبح
اوس رنگ زہل اوڑھے

استغفرتہ چٹگری

کوئی ہیل کروستیں کوئی ہاتی ہیں
ہوئیں تیجوت تیز ہوتی جاتی ہیں
چلن تھا عام بہاں ساتھ جیسے نہرے کا
وہ بیتوں تو سبھی شہر ہوتی جاتی ہیں
تھے تو چھٹی ہاتھ تھا ہمارے ہاتھوں پر
اگل کے خوش کن دہل پڑتی جاتی ہیں
عجیب ہوتی ہے ان لوگوں کی دنیا بھی
کدھر کے آئینے انکوں سے ملتی جاتی ہیں

بہت امید ہے دریا تری روٹنی سے
بس ایک ماہر گذشتہ کسی کہانی سے
کچھ اور چاہئے تیرے سوا مجیب کے گلے
طبیعت اسنے لکھی ہے شانمانی سے
پھٹکتے پھرنے کی خواہش ہی رہ گئی آخر
اسید باز جی تمہی صحرائی بیکرائی سے
ظرد درگدزی کا بھرم بھی ٹوٹے گا
کہ خوف آنے لگا تیری بے زبانی سے
یہ تیرے بعد کوئی اور کیوں نہیں ملتا
کہی پرانے گے ہم ہی جانفشانی سے

اکیلے ہم کہاں قائل ہوئے ہیں
سبھی گردیدہ قاتل ہوئے ہیں
ابھی ادب سے واقف نہیں ہم
رکبوں میں نے شامل ہوئے ہیں
ہی انجام ہونا تھا ہمارا
بھلا دریا کبھی ساحل ہوئے ہیں
چلے تو ساتھ میں تھے ہوش میں تھے
خدا جانے کہاں غافل ہوئے ہیں
اسی پر تہمت آوارگی کیوں
ادھر ہم بھی بہت زائل ہوئے ہیں
سفر باقی ہی کتنا رہ گیا تھا
کہاں آمادہ منزل ہوئے ہیں
ہمیں پر کیا رحیل کلدوں کی
مابین منت عمل ہوئے ہیں
سبھی کو دعویٰ دابھلی ہے
بیامت کے تری قاتل ہوئے ہیں
بہت سبھی ہوئی پر چھائیاں ہیں
ہماری ظہر میں داخل ہوئے ہیں

رفیق راز

ناک میں ہوں گے ہر اک موڑ پہ بغیر دلے
پھر بھی آمادہ ہجرت میں کئی سر دلے
آسمانوں کے سفر پر جو گئے تھے برسے
ریت میں جذب ہوئے سات صند دلے
جانے کیا چیز ہے انہیں تہہ خانے میں
جانے کس بات پہ حیران میں مرے گھر دلے
یہ کہا ہے کہ یہاں خواب بہت ادا ہیں
لیکن اس شہر میں موتے میں مقدر دلے
اک قیامت کی صحرائے شبستان میں تار
اک عنایت کی نظر مجھ پہ بھی ادا پر دلے

اب کے بھی ملاقات پر اسرار نہ ہو جائے
خاموشی کہیں شامل گفتار نہ ہو جائے
رکتا ہوں ہر اک موڑ پہ آنکھوں میں لے دھوپ
ڈرتا ہوں وہی نقشِ نوادار نہ ہو جائے
اک قطرہ خاموشی، نناک کی خوشبو
آتی ہے کہیں زینتِ اظہار نہ ہو جائے
شاخوں پر پرندوں کو تذبذب ہے بلا کا
اک قتل سرسایہ اشجار نہ ہو جائے
گئے گئے اچھے بچے اس پار کے منظر
یہ نور ابھی دیدہ دیوار نہ ہو جائے

رفیق راز

سار کی شعاع جسم ہے اور میں
خاکستر شرار تکلم ہے اور میں
پہری ہوئی ہوا کی عنایت ہے روز و شب
گرتے ہوئے گہروں کا ترنم ہے اور میں
پاستہ باد شب ہے نہ آوارہ ابر و صبح
اک بازگشتِ نغمہ، انجسم ہے اور میں
دریا کے بیچوں بیچ چٹاں ہے چٹاں پر وہ
اک پیر اس کے سلتے گم سم ہے اور میں

موسمِ فیب کی پر نورِ جسمِ لکھ کے گیا
شاخِ لرزیدہ سے نادمہ شکر لکھ کے گیا
میں کہ میں ہوں مجھے مہنومِ حفا کر کے گیا
جلوہ رنگِ تغیرِ نظر لکھ کے گیا
کون تھا کس کے تعاقب میں پٹیاں تھا بہت
غللِ حیرانِ سہرا را گذر لکھ کے گیا
آنکھ میں جس کی کئی خواب و حوالم بن کے ہے
دھوپ کے شہر میں وہ ابر کا گھر لکھ کے گیا
ہائے وہ شخص کب سے نورِ دیوچوں پر ہے
دوہ آلودہ چراغِ فیل سے سحر لکھ کے گیا

نہ چاغتانبے لکھ تھے نہ آفتاب لکھا تھا
یادِ شہر کے ماتھے پہ دیرِ آب لکھا تھا
سکوتِ موسمِ حیرت کی دھند چھٹ گئی لیکن
کہیں کہیں پہ مری فکر کا گلاب لکھا تھا
خزاںِ رسیدہ ہر اک صوفہ سکوت پہ اک دن
سہری یاد سے جھونکلی شہرِ خواب لکھا تھا
وہ پیرِ آب بھی دریا ہے کہ جس کی چھاؤں پیکار
ترسے بدن پہ مے لسنے شباب لکھا تھا

وہ فرصت کاٹتا تھا...

جب لوگ لٹنے کے تو اچانک حیل آ یا کہ سلیب کا نظام کریں۔

(سلیب کا پانی جب تک اپنے گھر کی ڈھلوان کی مین چھوڑا لوگ اس کی

سیت کے قائل نہیں ہوتے۔

انجیاں میں روزانہ خبریں آرہی تھیں مشرقی بازو کا بیڑہ صہیب

مزدیں ہے بحث اور مصلحت کی فحشیں تہا ہو گئیں ہزاروں مکانات

پر آب لاکھوں افراد بے گھر۔

(یہ حکمرانوں پرانوں کا آئینہ اور ان گنت مومنین کا نقصان ملک

انتخابات وقت پر ہوں گے۔

بلکہ بدھوں کی تقریر۔

یہ وقت میں انتخابات کی باتیں کرنا سنگ دلی ہے۔

ایک ہر خبر کا قول۔

لوگ اٹھ گئے پانچے چھالے بھول کے بل پلٹے ہوئے ایک دگر

رہی دوسری ہر گئے۔

توسرے بڑ گئے۔

میونسپلٹی والے ٹکس کس بات کا لیتے ہیں؟

الف نے سوال کیا۔

انہیں صرف اپنی ترقی پسند ہے۔

ب نے زہر خرد استعمال کیا۔

بپ لوگ کسی ٹوٹی کے بھی قائل ہیں گئے۔

رج نے ابھن عروس کی۔

اس سرک کا ہم کتنا اچھا ہے۔ بلکہ مل روڈ:

تہا تو یہاں مغرب بھی ہوگا:

ایک سوال ابھرا۔

ہاں ہاں دے کہا عوامی خوش حالی کے ٹولہاں کا حقہ آپ

نے دیکھا میں چن گھٹوں کی بلش کے بعد یہاں سرک پر کھینچا پڑی ہیں:

یہ بڑی گنگا ہے۔

الف نے سب کا حیاں پلٹ دیا۔

اچھا اسی طرف سے تو میری ہم پر ملے ہوا تھا:

رے بے نکا سوال کیا۔

دس کے ایک کنہ سے پر کیرو ملک با اچھا وہ ہیں توقع تھی کیا

کے پر جن میں ہماری تصویریں وہ خبر داتا سے گا۔

وہ تو دینی بات تھی:

الف بھرا رہا ہے۔

آپ اسے دینی سمجھتے ہیں:

ب برا فرد ختم ہے۔

”ہر انسان کے مخالفین کے ذہن میں یہ تصور رکھا ہے۔“

”یہ تصور مغربی تہذیب کے مخالف ہے۔
رج نے مکمل قیاس کی۔“

”نئی نہیں دردی کے مخالف ہے۔“

”وئے اصلاح کی۔“

”در اصل پاکستان کے مخالف ہے۔“

”نے کیونکر اتارا۔“

”یہاں کے عوام میرے سچے اور دینی ہیں۔“

”الف نے بات کارنے دوسرے دھماکے پر ڈر دیا۔“

”نیکو بنایا عوام انقلاب نہیں لائے ۲۰ کے کچے لوگ مرتب کہتے ہیں

احمد دھرم پر مسلط کر دیتے ہیں۔“

”ب نے فضا کو حیرت ناک ڈھانچا۔“

”وہ سنا سمجھ ہے تا۔ ہم لوگ کتنی سے وہاں تک چلیں۔“

”رج نے ایک نیکو پرورش کی۔“

”میں کتنی پر نہیں ہوں گا۔“

”دکھا احتجاج۔“

”ایں گھاسے جیسے یہ مسجد پانی پر رکھی ہوئی ہو۔“

”رنگے کیسے کاڑھو درست کرنا شروع کیا۔“

”یہ مسجدوں کا شہر ہے

یہ سیلابوں کا مسکن ہے

یہ تہذیبوں کی گزرگاہ ہے

یہ انسانوں کا جنگل ہے

یہ گیتوں کی دھرتی ہے

یہ عقائدوں کی سرزمین ہے

”الف خاموشی کے موڑ میں تھا۔“

”بنگلہ میں رہ کر نگار پانی سے کیا کرتا۔“

”ب نے چارپائی کو سیاہی سے بڑھانے کی کوشش شروع کی۔“

”ہمیں سے کچھ لوگ تیرنا نہیں جانتے تھیں پانی سے ڈرتے تھے۔“

”رج نے لوگوں کا دھیان دوسری طرف لگایا۔“

”ڈرنا ایک ذاتی فعل ہے۔“

”وئے مسکے بول دیا۔“

”کو تو نبیا میاں؟“

”رنگے بڑھے طارے سے باتیں شروع کر دیں۔“

”ہے چان وین۔“

”طارے نے کتنی آگے کر دی۔“

”دے کتنی پر قدم نکھ دیا۔ لوگ حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔“

”تو کتنی کے سفر سے ڈرنا تھا اور اب غور۔“ الف کا غویں ہے کہ ہم لوگ اس

گاہوں کی طرف چلیں جس کے ہر طرف پانی ہے۔“

”گاہوں میں کیا رکھا ہے۔“

”ایک احتجاج۔“

”گاہوں ہماری ابتدا ہے۔“

”ایک دلیل۔“

”ہمارے سفر کا مقصد تو یہی ہے کہ ہم گاہوں کو دکھیں، وہاں کے لوگوں

تکلیفیں اٹھائیں کہ کمال کو بھیں۔“

”کتنی چل پڑتی ہے۔“

”دھرم لوگ کا بہاؤ تیز ہے۔ چھوٹے طارے نے پال کھول دیا ہے۔“

”عاموش کھڑے کتنی بڑے رنگے پر بہہ رہی ہے۔ سامنے جزیرہ سا نظر آ رہا ہے۔“

”یہ وہی گاہ ہے جہاں سے بڑی اور گوشت، انڈا، پھلی، اچاٹ اور ترکاری لے

ہیں۔ چھوٹے موٹے گاہوں کے لئے لوگ وہیں سے آتے ہیں۔ اب یہ سمجھ میں آ رہا

ہے کہ جمات کے دونوں اٹھے اور دریاں تاباں کریں جو جاتی ہیں، اونٹ

اونٹے مکھن کے دریاں چھوڑیں کہیں سے خود راہ جو جاتی ہیں۔ سرکوں کے

کناں سے پانکھ میں دفتروں سے باہر خالی ہاتھوں کا عزم کیسے پیدا ہوتا ہے۔“

”سب خاموش ہیں۔ پھر پانی کے تیرنا ہاتھ سے ڈرتے ہیں۔ کچھ کچھ کچھ

ایک دوسرے کو قہقہے ہیں مگر پانی سے مفر نہیں۔ پانی زندگی کی ابتدا بھی ہے

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰

الف کی ساتویں لٹ ائی۔

باعتبارها كالمعلمين

مکریم و گنج ترین ملک ہر طرف توپانی ہی پانی ہے۔
عجۃ الجماعہ۔

ہمیں کھینچ کر لے کر چلے گئے۔

و نے پھر یہ بات منہ سے نکالی

”اب ہم کی تصویریں لائیں گے“

وہ کبیرے کا نام قریب کہتے ہوئے کھارے کا حرف کوڑا۔

ہم لوگ کاؤن کا طریقہ کر رہے ہیں۔

الف ے یاد دہانی کراٹی۔

”یہاں ملوف لے کر کوئی نہیں آیا۔“

بہت سے سوال کیا۔

انہو لوگ یہاں رہتے کس طرح ہیں؟

رج نے تعجب کیا۔

”سینکڑوں کے گھٹیاں، و ہر طرف دوڑ رہی ہیں تمہاری خیراں
یہ ہے کلاری“

دو لے سول سے سول چیا گیا۔

یہ کمالِ شہادت ہے کہ اگرچہ میں:

اسے قصور دلائے ملک ایک بات تھی۔

الفصل في معرفة

پاکستان

بے گناہی۔

مگر مرنے تو ابھی کچھ دیکھا ہی نہیں:

جس نے یہ اچھلتا پیٹا ہر کی۔

آپ کو میری آنکھیں سنی ہوں گی۔

وہ بھی دیکھ لیتے ہوئے کہا۔

نور محمد علی کا شہر ہے۔

سے کہہ دیتا تھا۔

مسجد کی برصغیر میں پر قدم رکھتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے
کیسے غمازیں قبول نہیں ہوں گی: الف نے گہرا سوچا۔

”ہم نے تو اُدھاس کر کیا ہے“ یہ نے کہا۔

ہم نے تو سفری نہیں کیا: جھڑے بات ختم کر دی۔

کون سا سفر۔ اندکھایا یا ہر کہا: جسے اپنے آپ سے کہا۔

رہنے کی وجہ سے بد کردیا تھا۔

تصویریں اب کون ہارتا۔

سلطان اختر کی غزلیں کا پہلا مجموعہ

انتخاب

صفحات: ۱۳۸ نمبر: چالیس روپے

رابطہ : **عمری جنگ میل پٹی کی کھینچ**

۱۳۰۰ فصل منزل کیچنس

پیشینہ : ۱۰۴

حسن فرح

یوں بھی جوتا ہے

ہائے کاک نکلا، تنہا مٹا، شیریں شیریں

ہر راز سے واقف، ہر جنبش کی لذت پر تازاں

غیر وہیں، سرمایہ ہاں، گودی میں پروان چڑھا تھا

اب کہتا ہے، اپنی فکر کرو، میر کرو، بھٹکتے کیوں ہو؟

رات کی تاریکی حالت کے اندھے کنویں سے ابھرا

ایک ستارہ، ہما سہما، حیریں حیریں

آنکھوں میں اجڑ کے، ہاتھوں سے پھسل کے، فرجاں فرجاں

کہتا تھا سورج میری منزل ہے، آنکھوں میں دیے جلاتے نکھوں ہو

وقت کی ہر ہر آہٹ سے خوف زدہ

ایک ستارہ، بھل بھل مل، شاداں شاداں

زیرخوں سے اترا تھا، جذبوں کی فرحت سے گریزاں

کہتا تھا بیزار نہیں ہو تو ڈوٹی آفرم مگواتے کیوں ہو؟

سورج کی تمنائت سے بھرا

ایک ستارہ، سٹا سٹا، لرزاں لرزاں

آنکھیں میں پھیل گیا تھا، لمحوں کی شدت سے پشیمان

کہتا تھا محبوب آگ بھیا نہیں سکتے ہو تو دگاتے کیوں ہو؟

پھر ٹوٹ گیا وہ دے کر ایک کھلونا

گلوں میں بدلتے زرد رتوں کے تیور میں کھٹ

اور نہ جانے کہتے ستارے، دھیرے دھیرے، فرجاں فرجاں

دل کی دھڑکی پر کھڑے، پہلی بارش کی بوندوں سے پراخاں

کہتے تھے، اہلہ کی جرات تو کچھ ہے، پھر گھبراتے کیوں ہو؟

آج سچی اپنے اپنے قدموں میں داخل جگ جگ جگ کرتے ہیں

میں سرحد پر کھڑا کی نظر، بس گردش دیکھ کر تباہ ہوں

کھوئی کھوئی آنکھوں کو، خواہیں کے کھلواتے، بچا کر تباہ ہوں

کس نسبی ہیں بد نہیں گے، بد ہیں برائیں گے
پہ سوچتے ہی رہ گئے، خوشبو چلی گئی
اک فغیر، نقاہ کی رہائیوں کے جام
سرگوشیوں میں بہہ گئے، خوشبو چلی گئی
لے بدلنے کے شروع، جو بیروں کی داستان
سرشار ہو کے کہہ گئے، خوشبو چلی گئی
گل سرسراہٹوں کے، جو مہندی کا لمس تھے
پہاں دل کا سہہ گئے، خوشبو چلی گئی
دو تیرگی کی آغ میں تپتے ہوئے صلاب
ہوشوں میں بس کے رہ گئے، خوشبو چلی گئی

جمیل الرحمن

صد و چم خوب ہیں روئے ہے مکس شام کا
 گھلا ہے رنگ پانیوں میں فرقت دوام کا
 کہے گی تیر کی کہاں سفر میں ہوں کہ گھر میں ہیں
 اسے کہو کہ رک دیا جلائے میسے نام کا
 وہ نیلگوں ہی دو پہر جو دھوپ پھاؤں میں کھلی
 رگوں میں زہر بھر گئی ہے مرگ تمام کا
 تیرے ہی غم کو سوئپ کر فراغ دل مجھ میں
 گزر گیا ہے قافلہ نفاذ کم خرام کا
 جمیل روح کائنات ہر شے کو ہے
 کہ آئینے میں بال آگیا نگاہ غام کا

ماستہ پر اعتبار اتنا زیادہ کیوں کیا
 وہم تمہی منزل تو چلنے کا ارادہ کیوں کیا
 اپنے رہزن سے ملے اور لٹ کا سودہ چڑھا
 اب کھلا ہم نے سفر یہ پاپا دہ کیوں کیا
 ڈھونڈتا ہوں کس لئے راقیوں مولوں کے حجاب
 میں نے اس بھولی روایت کا اعادہ کیوں کیا
 میں تو پاگل ہو گیا یا گل ہو اسکے شور سے
 منہدم دیوار کیوں کی گھر کشادہ کیوں کیا
 مکہ میں تھا صاحب خیر اپنے اندر بھی جمیل
 زندگی بحر شر سے میں نے استفادہ کیوں کیا

تارید انتر

وہ مری نادہ مراہم
وہ مراغور مراہم
مری عنک کاک ک صم
کیا پاش پاش بجا کیا
مرے بت شکن
جل اپنا تجھ کو ہوا کیا
وہ مرے شوہر کی آہی
وہ مرے دھوکا پا گیا
مرا علم و فی
مری خواب کا وہ صم کہہ
جسے تو نے زیر زبر کیا
مرے صف شکن
جل اپنا تجھ کو ہوا کیا

جو ذلیل تو نے مجھ کیا
ہوا غوار تو بھی انبر نہیں؟
تری ذات سے میں بھلا نہیں
ہے جب کہ تجھ کو پتہ نہیں
مرے کم گہ
تو نے نام اپنی دعا کر دی
تو توں بہا نہ تھا صم ہے
نہ صد کوئی دہ پاس ہے
کہ متاع درد اس غمی
کہ متاع درد اس اس ہے
مرے کچھ سخی
تجھے ذات اپنی بیکر دی
مرے بت شکن
جل اپنا تجھ کو ہوا کیا

نامہ اختر

برأت

نہیں ام جیسی کہ برأت کو میری
 حرا بھی بچہ شہادت کو آئے
 دلو کش کی مادر، کہ دھرتی کی چھائی
 مری بے گناہی پستی ہو گئے، ہستی کو میری چھپانے
 میں مجبور بے گناہی اک بنت خوا
 (دگر تار تھمیر لہٹ، امیر محبت)
 کہاں سے وہ الفاظ لاؤں
 کہ ثابت کروں بے گناہی میں اپنی
 تو سے جام الزام کو پی لیا ہے خوشی سے
 بہت دور جاتی ہوں جنت سے تیری
 مگر
 جب کہی بھی، نہ امت کے کوہ سراندر پہا پر
 حیرت انگیز کھلیں
 اور مجھ کو وجود اپنا میرے بنا
 ہا مکمل لگے، تو
 صد اور تاج کو، چلی آؤں گی میں
 کہ تیری نہ امت ہی برأت ہے اپنی
 پلٹ کے چلے آنا
 شاید روایت ہے اپنی

لا تقنطوا

(یقین غفران کی قسم، جبرہ امی سے متاثر ہو کر)
 اگر چہ میں کی داری میں سرگرم سفر میں ہیں
 درمید کے در یوزہ گرم ہیں
 کہ گویا آپ اپنے نوہ گرم ہیں
 ستم کے کس کے شکی ہوں
 کہ خود ہی ہم شکر ہیں
 ہوا مجروح کوئی خواب، ہلکے خود لگاتے ہیں
 کہ اپنے چارہ گرم ہیں
 کہیں ٹوٹے کہیں کھجے
 تو اپنے شیشہ گرم ہیں
 درمید کے در یوزہ گرم ہیں
 نہیں ہے کوئی موسیٰ، نہ دیدیرضا
 مگر ہے سامری باقی
 و ہی خوں سلمانی
 وہی ہے نیل کے دیبا کی خوش اور طیفانی
 کہاں سے وہ حصا ان میں، یا میں راستہ جس سے
 نہ کوہ طور پر چلے گا کوئی نوریزوانی
 حلقہ غیب کے نیکن
 ابھی بھی منتظر ہم ہیں
 درمید کے در یوزہ گرم ہیں

شفق سوز پوری

پانی مرجلے کا

وہ جنگل میں کب آئے تھے

جنگل میں دن

پتھر، پتھر، پتھر، پتھر کے نیچے
لاٹے لٹے ٹھک جاتے ہیں
پتھر، پتھر، پتھر، پتھر کے زخمیوں پر
میرے ہر کونے پر جاتے ہیں

جنگل کے پتھر، پتھر، پتھر میں
کس نے کھری پھینک دی تھی
اس کے میں
میرے کے تھے
تھے جے اور دھک دھک
پتھر، پتھر، پتھر، پتھر کے تھے
وہ جنگل میں کب آئے تھے؟

پانی
جنگل کا دھوپانی
پتھر، پتھر، پتھر، پتھر کے پانی
پتھر، پتھر، پتھر، پتھر کے
پتھر، پتھر، پتھر، پتھر کے
پتھر، پتھر، پتھر، پتھر کے
پتھر، پتھر، پتھر، پتھر کے
پتھر، پتھر، پتھر، پتھر کے
پتھر، پتھر، پتھر، پتھر کے

تاج ہاشمی

(۱)

گو یا پر وہ ہٹا اور مے مانے دا ہوا
 نکلا ہولنے میر کھلی آکھ سے
 خدا ویر میں کار میرت تاشا کیا
 عطیہ یہ قدرت کی اک بے بہا
 کہ ذوق نظر کی مے ہے خطا
 یا کہ ہے من سخن ذہن کے واسطے
 قدما بھی کی
 سراپا آقا تہ بہ دم پر فریب
 ایسا کھڑے ہیں یہ رنگ و نور
 اور اس کا طعنی نہ ہو
 دونوں اکھڑیں ہیں بھر میں
 حدود تاشا نے منظر
 اکھڑا ہم کو اس کا نگہ میں
 ہر نقش مجز نہا ہے
 گزرتے ہوئے وقت کے جلد و دیر میں
 بچا کے ایک شے نصیب میں راحت
 زہر تو کدہ ماری کی زندہ مثال

(۲)

جاڑ آ آ
 پکڑے لادے
 اوڑھے شال ووشالے
 لمبی راتوں والا
 صبح سویرے دھوپ نہکتے
 سایہ شب سے
 پچھنے پچھنے جاٹے
 اکھڑے جاگ کھڑے ہوتے
 کرے کی اور
 سائے سایہ جالیے
 بستر میں دیکے جلیے کو
 ٹھنڈی ہیر مے چھوٹی ہے
 باہر دھوپ جاتی ہے

(۳)

ہشتاں قی جلیں
 طرہ و حشا نہ انداز
 اسب سوار
 قلا بازی خورک میں
 معروف کار
 منہ خطوں پر
 ہراتی جاتی سرلی آواز
 خطے کا بیتا ہوا ساٹھ
 بچھنے کو تیار باز و شکار
 سراپہ وہ قرار
 طرب ناک سے
 لذت ذائقہ درد بان
 عورت کی بو
 پھیل ہوئی

نیلادھم جوگڑی

ترجمہ: محمد سعید

ناخنوں میں ہمارے
میں مدی چڑھا کاٹھک بیل ہیں
لکڑا لکڑی ہوئی

میں جو وہ سالے کم کے بڑھوں کا سماج چاہتا ہوں
ناخنوں میں ہمارے کے لے ایک غول فربہ
کا مایا کا ایک سہرا سرج

مجھے ایسے بچے چاہئے جو میرے آدمی ہو جائیں
جہاں کے بڑے ہونے اور کھڑے ہونے کا انتظار کرنا پڑے
جو ایک دم تیار رہتے ہوں اور کچھ دے لیتے ہوں
جو سوچیں ہمیں صرف کریں
بس بیمار نہ پڑتے، بول و حرف نہیں اور صری

یہ موسم جنگوری

ترجمہ: محمد محمود

معاشرتی برائیوں کی تہذیب میں جنگ سے عوامی نقصان نہیں
 پوز پرند غنائات اور سائے کا نقصان نہیں
 پیدل بھارت میں کجا جنگ دکھائی جو پہلے
 صرف سائے کی بڑی تھی
 بادل اٹھتے ہیں تلخ سے (ٹوٹے بادل مصیبت میں)
 زمین کے اندر مادے سے مادہ زخمی ہوتا ہے
 بادل اٹھتے ہیں، آنسو بہتے ہیں، دم گھٹتا ہے
 ان میں جیس جیس کھلیں گے اندر و محفل سے جنگ کے بادل
 پیارا نہیں ہے کوئی اور ایسے چلایا جاسکے
 کیا بیادوں سے اٹھتے ہیں جنگ کے شعلے
 اتنی ترقی کر گئی ہے جنگ کہ وہ ایک جی ہے
 جس کا کہیں کوئی کاغذ نہیں
 قتل کے لئے ایک نیا اسلحہ دستی ہے گناہی
 ٹھنک دھکم گرنے کے بہانے اجاگر ہوتی ہے
 اور چھپا دیتی ہے اسلحے کی بے رحمی کو
 بلیشٹ کے ساتھ الیم کے سہے مکہ کر
 جنگ چاہتی ہے سب سب سب چاہ دھج انتھری
 اور بے زندگی خود کو مرنے والے
 پیادے کے لئے نہیں جنگ کے لئے موسم کی پڑتال کے وقت
 لکھ رہا ہوں میں یہ نظم
 جس میں جنرل کے دھرم سے پہچانا جائے گا جنگ کا دھرم

جہاد کا دھرم لڑائی کی طرف ہو
 لڑائی کا دھرم پڑھائی کی طرف ہو
 پیادے کے لئے نہیں جنگ کے لئے موسم کی پڑتال کے وقت
 لکھ رہا ہوں میں یہ نظم
 موافق موسم میں کی جائے گی جنگ
 جو سب سے غلاب موسم ہوگا انسانی برائی کے لئے
 انھیرے میں زیر زمین مادے بات کرتے ہیں
 جتنے ہوں میں تانا ہوں
 کان ہوں میں اور میں لوہا
 سونا ہوں اور میں پڑھوں ہوں
 ہوا میں اڑتے ہوئے ایک جسم آدمی نے کہا
 تم سب جنگ دو
 سہ دھن ہے تمام بڑیوں نے کہا تم سب جنگ ہو
 اور یہ زمین شمشاد ہے
 زیر زمین مادوں نے کہا تم سب جنگ ہیں
 ضرورتیں جنگ ہیں
 بازار جنگ ہیں ہم نہیں
 ضرورت سے زیادہ ضرورت جنگ پیدا کرتی ہے
 جنگ کرتی ہے میں اتھری دھندلے کی کچھیاں
 جنگ سے دس کروڑ ڈالر یو ایس کا پیوہ

سید اور جگر بوزی

ترجمہ: محمد رفیع

برسوں پہلے مری ہوئی میری دادی جھکی میں لکڑیاں چن رہی تھیں۔
 میں نے کہا مگر میں گیس ہے علی ہے
 جگر کی جھپٹیاں کیوں بٹور رہی ہو
 اب کا کبھی ادھواں سانسوں کو کڑوا بھیجوں کو قرب کر دے گا
 جہے کو میلاؤ کڑوں کو بد بنا کر دے گا
 یہ کر دی مٹی کیوں اکٹھا کر رہی ہو
 اب تو گھر کی پتائی کے سارے رنگ
 بھون لال کی دوکان میں مل جاتے ہیں
 دادی یہ بھوک کے بچے اور یہ جیسی بھر کیوں بھال رہی ہو
 اب اگے آئیں چلتا
 سب جگہ ماہیں ہی ماہیں اور لاشری لاشری آگئے ہیں
 دادا کے میں میں پوچھتا ہوں دادی سے
 تمہارا دادا چاندنی راتوں میں پہاڑ پر بھوک بوتا ہے
 رات بھر اکیلے گڑھتا اور اگھنیاں جھنکا ہے
 تمہارا دادا مری ہوئی روتوں کی مدد کرتا ہے
 مجھے خوشی ہوئی میرا دادا دیوار پر مٹکی ہوئی ایک تصویر نہیں ہے
 سنا تھا تمہارے لئے اتنا دکھ اتنی اذیت تو نہیں چھوڑ گئے تھے ہم
 پہاڑات بھر دکھ بھری ہواؤں کو چیرتے ہیں
 نیولی بات بھر روتی ہے
 — دادی تب جاتی وہ فوٹی بھی پڑا کبھی نہیں۔

— اٹھیں گے تو کل میں جی رہی ہوں
 وہ اب بھی بھر گئی روٹیاں کھاتی ہیں
 بھوک مار کر چوہا بھاتی ہیں
 وہ تھکے بچوں کے لئے بھی اتنی ہی ہم عمر
 اور اتنی ہی سندرہ ہیں
 وہ قسمت کی بارہ ماسی کوٹھ ہیں
 انہیں قتل میں اٹھنے والے بچے جو حکم بھرے جو ان اور حوصلہ مند لوٹے سے پند ہیں
 پر یاں اب بھی پکھنے کے موڑ میں اور ہونہاروں کی تلاش میں ہیں
 وہ تخیل اور محنت سے پیدا ہونے والی ایسی باکراست عورتیں ہیں
 کہ جب جس روٹی کو جس بھوک سے پکا رہی
 وہ اس کے مطابق ہم رنگ ہو جاتی ہیں بے
 پیڑ کی پھیتیاں بھون کر وہ میوے بناتی ہیں
 گیسے ہوئے کھونے ہوئے بچوں سے منگل لگاتی ہیں
 کر دی مٹی سے پنم کے چاند بناتی ہیں
 دکھ کے ٹھیکر مل ہر موزا میں چمکاتی ہیں
 پریوں کے ہاتھ میں رنگ کی گھٹی
 کوئی چاہے کہ پریوں کا اپنی بیوی بنالے
 اور چرائی کی کھال اور صیڑے
 ایسے مردوں کو پر یاں موت موت ٹپ کر سکھاتی ہیں
 یہ منگل یہ ملنگ یہ خار یہ تھیرے سب پریوں کے بنائے ہوئے ہیں
 یہ جلم یہ خون سب پریوں کے چھپے ہوئے ہیں
 سوئے ان کا صیڑا تہہ سے ملے کو وہ تھکے ہو گئی ہیں
 جب تک منگل ہرے ہیں پر یاں انہیں مر گئی
 اگرچہ منگل کو گھردن، شہرہاں اور گروں میں ملاو
 تو تم جس صورت کو دکھو گے وہی وہی نظر آنے لگی
 پر یاں منگل انہیں ہنسنے لگے مگر پوچھو تو یہی ہیں۔

آر۔ پی۔ شوخ

ہر عالم خلش

بن فریدوں کے ویرکشاں میں
 بٹے بٹے فولادی دروازے پار کر کے
 نیند کے ماتے اور بیماری سے نکلے ہوئے تیرے
 آتے جاتے رہتے ہیں
 کچھ دروازوں میں فولادی کنگھوں کے تیز دندنے
 آوازوں ہیں
 دور سے لگتا ہے
 اساطیری دیو کے دانت میں اس وقت
 جب میں دروازے کے پتے سے گزروں گا
 میرے سر میں جو ست ہو جائیں گے
 اچھلے میں نہیں نصب ہو جاؤں گا
 مجھے کی طرح
 کہ آگے سیاہ دھوئیں میں پٹا ہوا شوہر ہے
 آوی کا نہیں
 اس جنگل میں آدم زاد کم ہوتے جا رہے ہیں
 مصنوعی ہاتھ پاؤں اور دماغ
 امپورٹڈ ڈبوں سے کھل کر
 زمین دوزیرتی تاروں سے متصل ہو کر
 اپنی اپنی پوزیشن لے چکے ہیں
 دروازے سے صبح سلامت گزرنے کے بعد
 مجھے بھی
 کسی اندھیری گلی میں پرچھائیں بن جانا ہے
 یا چنگھاڑنے کریں کے کہیں میں
 محض اک پتلا
 چاروں طرف سے شیشوں میں بند

مری خاطر وہ تاج بھی باتوں کے پرندے
 غزل غزل تھے بنیوں پر درازوں کے پرندے
 تری یادوں کے ساتھ بہت مرگ ہو رہے ہیں
 کہاں اٹتے جا رہے ہیں مری باتوں کے پرندے
 گیا جب سے تو عمر کے غم دیدہ ک شجر ہوں
 ہر کر جا رہے پرانی طنائوں کے پرندے
 کھلا موسم تو چھتوں پر دھک چھوٹی آچھلوں کی
 کل آنے پر کھائے کو برس توں کے پرندے
 کہلا، دہ آبی پرندے کہاں یہ بے فیض صورا
 خلیاتوں میں میں گے خراباتوں کے پرندے

سہیل اختر

ساجد حمید

چاہے کچھ بھی ہو نہ ڈرنا چاہئے
پانیوں میں اب اتنا چاہئے
اب نہ آئیں گے عین ابن علی
کچھ نہ کچھ خود ہم کو کرنا چاہئے
ہم کی دیوار کے قائل نہیں
ہم کو دیواروں کا گھر نہ چاہئے
فرش سے تاعرش ہیں تدبیریں
سورجوں کے پر کترنا چاہئے
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈل کر
دشت و صحرا سے گزرتا چاہئے
جس سے منزل اور ہو جاتی ہے دور
ساجد ایا سفسر نہ چاہئے

طیعت اگر مکدر ہو تو پھر باہر نہیں جاتے
کافہ اپنی لے کر دوسروں کے گھر نہیں جاتے
وہی ہے چاند تارے بھی وہی ہیں ہم کی جانے کہیں
ہیں خست تو ملتی ہے، مگر ہمت نہیں جاتے
ہے کون اب کتے پانی میں، یہ کہاں سے نکل ہے
کہ اب ہم احتیاط خودی حاصل نہیں جاتے
اب ایسے اٹسے والے ہی فلک کو کوہستے ہوں گے
کبھی تک خاص اور بھلائی سے جو اوپر نہیں جاتے
ادھر کھڑا پڑا ہے اس طرح قصبہ کا طہر
کیس بھی اب مکان خواب کے اندر نہیں جاتے
قصع سے ہی اختر کسم جل جاتا ہے لوگوں کا
جیسی تو ہم غلوں اپنا لئے باہر نہیں جاتے

ہر روز قمر

سجلا رہے

لہذا پانے کی آندھ تھی
 لہذا بے سوچے جیتو تھی
 لہذا بچوں میں ہم سفر تھے
 لہذا تہائی لہذا بیرو تھی
 میری طالب چلے آگئیں
 اور مجھے تیرے آندھ تھی
 دل میں یوں تھی بھڑون اور
 شک آنکھوں میں آج تھی
 رات خوابوں کی دلیلیں میں
 تیری توجہ ہی چلو تھی
 ماہ و انجم کہ وہ دیکھ
 ہر طرف تیری گفتگو تھی
 کیوں لگایا ہے رنگ دل کا
 کیا تری جان ناتوا تھی

ہمت انگلیں میں گھیر نہیں آئے والا
 ہب یہاں کوئی پیہر نہیں آئے والا
 تجھ کو چاہوں ہی تو کس طرح کہیں جانتا ہوں
 میری مٹی میں سمندر نہیں آئے والا
 پیچھے سے نوحہ کے لہجے سے سنہری ٹیکا
 ہنگ سے ٹوٹ کے شہر نہیں آئے والا
 کھڑکیوں کوں کے بے خوف و خطر سو جاؤ
 بے شرط سے بے پھر نہیں آئے والا
 بوڑھی ماں خوف زدہ ہے کہ تجوں بیٹے کو
 شہر بھیجا تو پلٹ کر نہیں آئے والا

لطیف نام ایک مقبول دیبے

کئی کا دست دھوا آسمان میں جیسا
 حوت نے بھی کوئی سنبھلا نہ جاتا
 میں اس کے جسم کو چھوتے سے ڈرتا ہوں
 دو دہائی کا مکمل جہان میں جاتا
 کبھی چرخ کبھی سمت اور کبھی منزل
 میں بے نشان تھلائے میں جاتا
 دوس آئی شے ہر میں زمین کوئی
 یہاں دگر دروہی مکان میں جاتا

سو جالیں میں بھی دیکھا ظہر اس کا ہوا
 کر دکھایا ہے قصہ کی نگاہوں نے کہاں
 اس کے گھر اٹھارہ کا دستہ کوئی جاتا د تھا
 وہ بدر پھرتا رہا انجان گلیوں میں خیال
 اب وہ لوگوں کی پریشانہ نہ پل کا حساب
 بے تحاشا غرق کرتا ہوں میں اپنے ماہ و سال
 ایک کی فصل مانی اور دھنوں کے مگلاب
 اس میں مک جی میں پڑ گیا کیسا یہ کال

جمال دہسی معراج رونا شاہ اختر

کل چڑھاتی ہے گاہ روندا ہے
نہنگی کے عجیب ہیں انداز
کیسا شاہیں ہوں تھک گیا آخر
بھول بیٹھا بلندی پرواز
عاشقی ساز پھیرتی ہے جب
دوسے آتی ہے کوئی آواز
(دق)

نہنگی آ! مفاہمت کہلے
یونہی کب تک رہے گی تو نالوں
تم کو دلوں سکوں کی میں بھی تلاش
تو کبھی کچھ سیکھ لے نئے انداز
اگر مل کر کریں جہاں تسخیر
دقت کے ساتھ اپنی ہو پرواز
میں کو ہلکا کر دو ادیسی تم
آج کہہ دو سبھی ہلنے راز

بہاں بزدلی گر چاک ہوتے
بدن کے ساتھ دل بھی پاک ہوتے
کنارا مل گیا ہوتا ہمیں بھی
تمہاری طرح گر تیرا اک ہوتے
زمین پر ہیں تو سورج کی طرح ہیں
فلک پر ہوتے ہم تو خاک ہوتے
کبھی کہتے نہ ریح صوا کی جانب
سمندر کی طرح چلاک ہوتے
اے کر دیتے دہاں اسکی یادیں
اگر ہم صاحب ادراک ہوتے

یادوں کی خانقاہ میں اب کچھ نہیں رہا
یعنی دل تباہ میں اب کچھ نہیں رہا
دنیا کی اب کسی کو طلب ہی نہیں رہی
یا کاسرہ گناہ میں اب کچھ نہیں رہا
روحی تھی جس کے ملنے میں بھینے کی آواز
اس دہاں پناہ میں اب کچھ نہیں رہا
بکری ہوتی ہے چار طرف موج کا نلک
آغوش ہر دو ماہ میں اب کچھ نہیں رہا
بے رنگ ہو گئے ہیں زمانے کے آئینے
یا پھر مری نگاہ میں اب کچھ نہیں رہا

[illegible]

صحیحات خونی دشمنی و خونہ کے گریز کو جسے کہ اس کی پاسی میں بھی ایک شہزادی پر
تھا۔ اگرچہ حکومت ایک طرف تو چند ہی دوروں کے باوجود میں مبتلا کی اور پانی درجوں تک
فیلم کو فروغ دے رہی تھی اور وہ ملک ایک نہایت اہم اور صحیح دور کی کتابوں کی شہادت
کا جائزہ دیتی تھی۔ دوسری طرف یہی تھا کہ ان کتابوں میں حکومت اردو زبان اور فکر کا یکم خط
کے ساتھ نہایت فائدہ کا پتہ لگا کر تھی اس کی سہ سے زیادہ اور طرح مثال ۷۷ کا ملاحظہ
ہے جس کی رو سے بعض سرکاری نوکروں کے حصول کے لئے غازی آباد کا دستور بنانی چاہیے
چڑھائی کی کارروائی کر رہی ہو مابقی حکومتوں کی اس کی پاسی اور صحیحات خونی دشمنی و
کی لائی پاسی کوئی کتاب بھی نہ تھا۔ مشرق اور وسطی و تقریبی سی۔ ایضاً کتاب مشرق
میں پرانی ہے۔ ان حکومتوں کے ۱۸۸۰ء کی کتاب کے اوائل میں باری لایا گئی۔ رسم الخلیفہ
میں رسم الخلیفہ کو دیکھنے کے لئے کے بعد ان صحیحات خونی دشمنی و ایضاً کے حکومت نے نہایت
تحریر کوئی حاصل کے لئے باری کے استعمال کو اختیار ہی بھی قرار دینے کے حکامات ... کے
پتے ہار نہیں گئے۔

ہائیمیل کے اس اختلاف کی تہمیں ایک بنیادی حقیقت ہے۔ روحیات غریب و
شمالی وادعہ کے مسلمان اگر حقیقت میں تھے نہی ملکوت کے کئی سب سے زیادہ اجرت
مکمل کے لیے تہی اور حقیقی قرب ملا تہیں میں ان کا حصہ مناسب ہے بہت زیادہ تھا بہادر
موجودہ متنوع میں ان کی حالت اتنی تھوڑی تھی اور سرکاری ملازمت میں ان کی حیثیت کو
قصی بلند بہادر و سب متنوع میں کے بعد کے عزم میں رکھنے والے کئی انگریزوں کی
سکی کے سرورسہ کی عدم اطمینان پر اسکا روحیات غریب و شمالی کا خاصہ غرض تھا کہ نہ

میں نے کہا کہ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے اور میں نے
 اس کے بارے میں سب کچھ سنا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ ہندی اردو خاتون کا اپنی اپنی قوم و وطن کی کے
 اسباب پر صحت کے لحاظ سے غلامی اور جلاوطنی پر جان کر جو کچھ کر سکے
 تھے، لیکن اسلوب کے لحاظ سے وہ اپنی رائے پر جلتے رہے۔ انھوں نے اپنے دور کے
 جس کچھ کو سنا کر تہہ نہ ہندی اور کچھ لہجہ زیادہ غازی تہہ ہندی کا کلمات کو کہاں
 تک اردو کا اضافہ تھا تو اس سوال پر زیادہ غازی تہہ اردو کم غازی تہہ ہندی سے ایک سہا
 کو ترجیح دے کا تہہ اردووں طرف کی ادنیٰ تہہ ہندیوں کی مصروفی کی وجہ سے بہت سے
 قلم نگار ہندی اردو کی جہول تہہ تحصیلیات میں اردووں نے ہڈوں کے کچھ کچھ لے لے
 لگا آتھا۔ چنانچہ تمام اسباب کی جو خاک پر بھی ہو گئے کے وجہ ان کے کم ہندی
 بہت غفلت بھی شکر تھی اس لئے اردووں طرح کی انتخابی کے لہجے میں بھی کہا جاتا
 سکتا ہے کہ وہ کم ہندیوں سے کہہ کر ایک شکر کی زبان انہما کو دیا بلکہ مختلف
 ثقافتی و لسانی صلاحیتوں کے ایک گروہ پر یہ کہنے کی بلوری کو پیش آئے اس لیے ہندی
 ادیبانہ طرح میں اس لئے شدید تہہ ہندی اور اردو صاف تہہ ہندی کی کہ وہ بالکل مختلف
 غلامیہ و غلامی تہہ کہہ کر ہندی اور اردو میں یہاں شکر کی زبان تہہ ہندی اردو خاتون
 کی اس تہہ میں نہ مکتبہ

[illegible]

سماں کی طرف سے ہوا کی لہریں آتی ہیں جو کہ زمین کی سطح پر گرنے لگی ہیں۔ یہ لہریں
 ہوا کی لہریں ہیں جو کہ زمین کی سطح پر گرنے لگی ہیں۔ یہ لہریں

یہ لہریں ہیں جو کہ زمین کی سطح پر گرنے لگی ہیں۔ یہ لہریں
 ہوا کی لہریں ہیں جو کہ زمین کی سطح پر گرنے لگی ہیں۔ یہ لہریں

[illegible]

1. *Handwritten text in Burmese script, likely a signature or name.*
 2. *Handwritten text in Burmese script, likely a signature or name.*

[illegible]

خود ہندی کے علاقے میں صاف تو کج و حرکت کے عمل کے لئے انگریزی
ہندی کے ایک دوسرے زبانی میں تمام لوگوں کا انگریزی سے بھی فہم نہ ہو
تعلق کا نہ کر کے پڑا پوری انگریزی میں اور ہندی میں ایک ٹکڑے
سے جو کہ شکر آئے کڑی بولی ہندی کا پہلی ہندیوں کی طرف سے اعلیٰ

۱۔ یہ بات درست نہیں، انجمن میں چند مسلمان شروع ہی سے سرگرم تھے اور اب تک
ان انجمن کا کاروائی کبھی پرتلاش ہے (مزمع)
۲۔ لیکن یہ سب یہاں ہندیوں ہی کا حصہ نہیں اور میں۔ (مزمع)
۳۔ یہ یہاں درست نہیں۔ (مزمع)

[illegible]

[illegible]

بلقان اور دیگر ڈاکٹر موصوف کے ہر بیمار اور شاگرد کے دفتر میں ہنری کا
 نسخہ اس مقام پر لیون کو کچھ تھا تا جو ہنری حلاقہ سے لیا جاتا تھا۔ دوسری
 جیسی بیماری ادنیٰ تھی۔ یعنی کوہودہ ادنیٰ ہنری یا ادنیٰ ہنری سے متعلق تھا۔
 اور چونکہ طالب علم کی نظر میں کوئی ایسی ہنری نہ دیکھ دو کہ کچھ کچھ جیسے میرا
 ادنیٰ تھی کہا جائے، لہذا ان میں سے ڈاکٹر بیل پاش کی اصطلاح ہنری کے کہ
 کسی بیماری کا اس سے بڑھا جان کے کما شدے سے مرعہ کہا جائے۔۔۔
 اگر ہنری کو خاصہ اس کے اصطلاح سے کہہ

شمس الرحمن فاروقی کے کتاب

کھنکھاتی ہوئی آواز

● کہہ دیجئے کہ میں سب مفلسانِ عالم و فری نے بڑی دلچسپی سے پڑھے۔

ایک بھڑکے ہوئے شخص نے فریاد کیا کہ ایک شخص نے میری گاڑی چور کر لی ہے۔

نئی دہلی

بلا ج کول

● شماره ۴۲ - انوار و نقایص بیادگار خان و بیعت نمودن به جانب اقبال

کامیاب۔ "علاقائی ادارے، علاقائی شاعری، فنون اور نثر کے لئے ایک جامع ادارہ ہے۔" کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ "عزیز کے تحت سرپرستہ پراکاش اور آصف فرحتی کی انکسپلر شاعری کی جانب سے سرپرستہ پراکاش کی پراکاش ایک خاص قسم کی درستی، نیا اور ان کی

افانوی امر قدر ہے کہ وہ ہے ایسے شوق سے کہ میری طبیعت کا دل دہریا بنی
ازاد پر حال ہو گیا کہ کچھ غزل کہے نہ چاہتا تھی۔

مخلوق ہندی

ری نگر کٹر

● شب بول کے شمارہ نمبر ۱۷۴ میں تاخیر کے غریبوں میں غریبوں کے توجہ کی

سب سے پہلے کہ بڑی بڑی خبریں نے آپ کے ساتھ قومی حلقوں، انڈین پریس اور کونجریس میں گونج کر پکڑ لی۔
تاہم ان کے حساب پر ان کے خلاف کوئی ایجنسی بھی کام نہ کر سکی۔ یہاں پر ان کے خلاف کوئی ایجنسی بھی کام نہ کر سکی۔

(۱) قیصری غزل کے پورے شعری مصرعات کی گویا تالیف ہے۔

مجھ سے تو واقف ہے لیکن تم کو پہچانا نہ ہے

(۲) انجینئرنگ کے درجہ کے شعبہ کے معین اعلیٰ کو رولڈ ہوا ہے۔

ہزاروں سال تک رہا ہے۔

(۴) چھوٹوں غزل کے دو سب سے شعر کے مصرع اولیٰ کو لیں جو دہا ہے۔

روح کا نام کتاب ہے، پہلا تو وہ ہے

(۵۷) ساتویں غزل کے مطلع دل آنکھوں کے معرغ جانی کریں ہوئے۔

اس کے اک اک عیب کے ہم لگ کر مٹا دیتے۔

(۵) تیرہویں غزل کے مطلع کے مصرع اولیٰ کی اصلاح ہوئی ہے یا انتہا نے

کابل ہے۔ گیس کو پین ہو رہا ہے۔

لوگوں نے جوتیان میں لڑکھ دو

(۶) ہندوؤں نے جو بڑے شہر کے سرکاری گوبلین بنائے۔

حضرت نذیر ماکوہ فیضیت علیہ

(۷) غریبوں کے حقوق کے احکامات کو یقیناً

خدا کی جگہ پر نہ ملے تو کج حال میں رہیں

(۸) قرآن مجید کے تفسیر و تفسیر کے معنی کو بیان ہو گیا ہے۔

کتابت فی کتب

(۴۶) غزل نمبر ۱ کے حسب فقر کے معنی مالاگو ہیں۔

تمہے احباب کو درکار ہیں فطرت کے

(۱۰) غولانہ خیمہ کے عقبہ شوہر کے سر پر لائی گویاں لگا رہا تھا۔

انکسار کا کمر لگاؤ اور اس کا مقصد

(۱۱) غزل خیر سی کے ناولوں شمع کے صبح اولوی کو یوں یاد آ رہا ہے۔

آپ کا نام لے کر یہ ہوا نفس مراد میں ہے۔

(P)

فامردی منصفی اور شعری روحی کار کا جو آپ کی تصنیف ایک بے انتہار

ہمارے جن کے باعث نئی باتوں سے حلقہ حاضر تنقید کتب ہے اہم کتاب کو

آپ کے کلام کے بغیر انسان سے سمجھا اور سکھایا نہیں جاسکتا۔ مگر آپ کی طلسمی قوت

میر و غالب کے ادب کا یہ ایک قابلِ ملاحظہ ہے۔ حالی کے ادب کی نے اس سفر

پاکستان کے تمام دھرم کے سلسلے میں قدم نہیں اٹھایا۔ آپ کا عقیدہ ہے علم

میں نے خود بخود یاد کیا ہے کہ آپ کی تعلیم ہمیں شہسواروں کے حرفتور کی ہے۔

کے ایک اور مقام ہے۔ آپ کے بحرِ حقینے طویر میں اس قصہ میں نمایاں ہے۔

میں پہلے سے کلمت لکھا فرماتے ہیں۔ میر و غالب اور اقبال کے بعد ہمارے

اور ان کے لئے ایک خاص بنیاد تھی۔ مگر سچے کے اردو شعرا کے ہاں یہ شعر

گروہ کی ایک ایک کھینک سے لے کر
 آگے بڑھ کر پہلے پہلے دیکھ کر
 اس غزل کا مطلع ہی غضب کا ہے۔ پھر غمر
 اس گھل گیا ہو میں تو انجم کچھ بھی ہو
 کیناں لگا زہر کا تاثیر دیکھ کر

آپ باری غزل کے لئے غلام مسامح کو مری دیا ہر کبار بہت
 انصاری کا غزل اقبال کی غزل میں ہی اس میں یہ خاص کا غزل اقبال کی دوسری غزل میں
 مطلع دے گا۔ عید الداس اور بہت اور غضب میں کی غزل میں ان کی غزل کی یہ سنو
 کی غزل میں شیک تر کہ وہ اپنی غزل میں سنو زیادہ سے لگے ہیں۔ سنا سنا کر غزل میں بھی
 اچھی ہے۔ دوسری غزل میں یہ آئی اس بار کہ مایاں بڑی بھی ہیں۔ خاص کر ہنگول پر
 اور پھر فرقت کو میں نے غزل میں پلاٹا کے اور جو دہی کی کا کا سے زندہ کر دیا
 ہے۔ کہ نا کا تیس کے قلم میں بھی اس بار زیادہ خوشامد میں کی ہیں۔ ان کا کلمہ لکھا
 ہیں تو یہی گویا کہ ہیں۔

بلی
 بقیت الفیض

● میری ایک نظم "مرا" میں مندرجہ غزل میں معروض کی کعبیت سے پیش
 ہے۔ غے غے غے کہ جب غزل کے ذہن قادی اس غالی کو غزل کریں گے تاہم میری
 خواہش ہے کہ ان معروض کو دوبارہ شائع فرمائیں۔

غمر غمر کرتے ہی

ہو کہ دست میں دلن فرما

دسترس میں نہ ہی رفعت اظہار کر

مگر

● شعر شریک حرمہ شہدہ نمبر ۱۷۲ میں نظر ہے اس میں ان کے اور میں
 غزل میں صاحب سے ایک نواہی ہو گئی ہے جس کی اس میں غزل میں لکھا ہے کہ
 کتابت میں آئے پہلے اس کا تصحیح فرمائی جائے۔

دیکھو یہ وہ بچے چار سو اسی طرح

بچے کے بچہ بچہ میرے تو اچھی طرح

وہ ادا صحت شعر کی غلط ہے۔ ظاہر ہے اس صاحب نے تو ان

وہ غزل میں اس صاحب کی ہے اس کا غزل میں صاحب سے ہے اس کا غزل میں
 صاحب سے ہے اس کا غزل میں صاحب سے ہے اس کا غزل میں صاحب سے ہے
 اس کا غزل میں صاحب سے ہے اس کا غزل میں صاحب سے ہے اس کا غزل میں
 میں بچکانے کے حملے پہلے ہے اور یہی ہو نا چاہیے۔

کھنڈ
 غزل آگاہی

● تصحیح غزل کے ساتھ قبول کی گئی ہے۔ یہی اور صاحب سے ہے اس کا غزل
 پر جو کہ یہ غزل اب تو صاحب چھپ چکی ہے۔ ان کا اندازہ لگائیے میں اس صاحب کو دیکھو

الذآباد

● غزل میں یہ صاحب نے اس کی انصاف میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 کہتے ہیں اور صاحب جو کہ کا شہدہ غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 مدد کی لکھی ہے اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 کے شاعر کی ہے۔

سری نگر

رفیق راز

● غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 معروض تھا۔ غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 کو معروض تھا۔ غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں

کلمہ

مدنی عالم

● شمارہ نمبر ۱۷۲ میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 تھے پہلے ان کے اور اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 ایک نشست کی تھی۔ غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 ساتھ دیکھو یہ غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 تخلیق ہو گئی ہے۔ میری تاہم رائے میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 ترتیب میں ہے۔ صاحب صاحب سے غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 میں غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں
 میں غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں اس کا غزل میں

۱۷۱۰ء میں ایک اور فوج بھیجی گئی جس میں ایک ہزار سپاہی تھے۔ یہ فوج بھی کامیاب رہی اور انگریزوں کو ہار دیا۔

پھر میں نے اس کو دیکھا کہ وہ اپنے منہ سے اس کو نکال رہا ہے۔
 یہ کہہ کر اس نے میری طرف دیکھا۔
 کوئی اور میری طرف دیکھا۔

اسے بزمِ میثاق

● آر پی خورشید ۵۰۰ روپے ہر ایک ایک کاپی میں (کتاب کی قیمت ۵ روپے)

● ارشد محمد باقی کا نائب جو جی سے براہ راست نرم پر مشغول ہے، حامل باقی
 ۵۰۰ روپے ہے۔ برادر کا نام محمد ہے براہ راست غازی سے تعلق ہے۔

● جمال ادیبی درجہ کے ہوتے ہوئے صاحب ہیں۔

● جیل الرحمن ایئرڈرم (ہائینڈر) میں رہتے ہیں۔

● جہادِ بیحدی کے اعتبار سے انگلیشی دلی میں قیام ہے۔

● جہیل اختر ہمد کے غلام و بیٹے کے سب سے اچھے دوست ہیں۔

● مخیر احمد بکھن کی سرکاری ملازمت اور اقوام متحدہ کی پولیٹیکل سب ڈیویژن میں ملازمت کے دوران ان کی شہریت کا احوال

● نوبل انعام یافتہ جوزف براؤن کی پیدائش ۱۹۳۴ء جولائی ۱۱ء کو ہوئی

سب سے بڑا نام ہے۔ ان دنوں وہ امریکہ میں قیام پذیر ہیں۔

● گنداک لوف (۱۹۶۵-۱۹۷۸) سوشلزم کے اہم ترین جدید شعرائین شمار

-45x

● بائعہ رخ ہائے (۱۸۵۶ تا ۱۷۹۷) کا جہانگیر خاں نے جو روایت

ابھی میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ اس کی یہ نظم غزلی قصیدہ والوں کے ہاں میں ہے۔ غزل

کی شادی خدیجہ شریف سے ہوئی۔ خدیجہ نے یہ تمام کام خود ہی سے کئے ہیں۔

● کرسٹوفر کولمبس کا لڑاکا دماغ صرف جہٹ میں استہدیہ ہے۔

● یلادرم جگوزی بندی کے مشہور جدید ادیب ہیں۔ یہ نظمیں ان کے تین نمونے

(۱۹۱) سے لے گئی ہے۔ محمد حورو اللہ علیہ السلام کے بیٹوں ہیں۔

● معراج روحانہ شاہدِ آخرِ ہمسرم کے نئے شعراء ہیں۔

● مقبول دیرے انتہائی کثیر کے لئے ظاہر ہیں۔

[illegible]

کلمہ

● قزحیل کا مضمون علاقائی افسانے، علاقائی شاعری، تشبیہ، علاوہ دوسریں

انہوں نے جان بکری کے کام لے لئے تھے اور کافر نے ایک نعلین کی ایک جفت فرستوائے۔
اس بکت کی بکری اس شخص پر ریزہ ریزہ کر کے ٹھکرائی گئی۔

سرمندہ پرکش کا انگریز اس عمل شروع ہے۔ گو کہ اس حالت پر اس سے انتہائی کی
بھائی ہے۔ مگر قریباً صدیوں کے ناول انگلیں کھینچا کر کے قلعہ کا بیڑ
فرستے زیادہ سخت ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس دور نے ہر قسم کی عداوت کے باوجود
انھیں کہیں پریشانی کو محسوس کیا۔ کام ختم ہوا۔ پھر کئی کئی بار انگریزوں کا حال ہے
انتہائی صورت حال انگریزوں نے ہر گھنٹہ فری کسہ کر دیا۔

فکرمیہ کے احکامات میں اس کے ساتھ ساتھ عالم کا ذکر ہے، "پہلے مکتوب" میں اس کا ذکر ہے۔

فرز کا لقب موجب ملک و مال ہے یہی اولاد کی ہی ان کا پس فرزند ہیں
 بہتر تھا کہ یہ نہ کہنے لگے کہ یہ میرے۔

مکرم
اقبال سائیلو

● شب بخون کا یہ پہلا منظر تھا۔ کاشمیر کے بادشاہ کا گولہ دار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر
فریاد کیا کہ میں تو ایک مسلمان ہوں جس پر ایسا کیا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ تم مسلمان ہو یا
اندر لے ملائی ہو یہی ہے۔ یہاں تو یہ کہیں لے لے کر گھر کی گئی۔

مجلس شورای اسلامی
کتابخانه

مظہر الزمان خلاۃ کانیاناول
آخری داستان گو (نئی ایڈیشن)

رباعی: شب خون کتاب گهر ۳۳ رانی مندی، آباد ۳۷۹۰۰۲

किसान के खून और पसीने
की पूरी कीमत चुकाई
जाय, यह हमारा संकल्प है



सिंघाई सुविधा के लिए औसतन 16 घंटे बिजली और नहर के आविखी होर तक यानी।

— खेती योग्य एक-एक ईश जमीन जो तीन वर्ग के अन्दर सिंघाई सुविधा देने की कारगर रणनीति।

— 1994-95 के दौरान निःशुल्क बोरेण योजना द्वारा पूर्व नियमित लाख 2 लाख के बजाय 3 लाख बोरेण की व्यवस्था व गत वर्ष के मुकाबले 90 प्रतिशत अधिक वित्तीय प्राविधान।

— गन्ना मूल्य 1 अरब 50 करोड़ रुपये से 20 लाख गन्ना किसानों को एक अरब रुपये से भी अधिक का लाभ।

गन्ना मूल्य का लाभदायक श्रमोपयोगीता गुणवत्ता तथा वेतन प्रकृता बढ़ने हेतु 25 वर्ष की नीति को

एकीकरण के लिए आदेश पत्र जारी।

“उत्पिन्न दूरदूरी योजना योजना” दिनांक 93 से प्रारम्भ और “कसल बीमा योजना” प्रारम्भ करने के निर्देश।

ऊसर जमीन 12 लाखों में प्रति शेरा 1000 हेक्टेयर प्रति के उपचार के लिए 213 करोड़ रुपये का आविधान। इस योजना से 45 हजार टन अतिरिक्त खाद्यान्न का उत्पादन और 45 लाख अधिक दिवस योजना की सम्भावना।

किसानों का कर्ज का उचित मूल्य दिलाने के इरादे से गैर तथा मॉटे अनाज प्रदेश के बाहर बेचने पर लगा प्रतिशत समाप्त।

महोदय और और मंत्री की मदद से किसानों और व्यापारियों को ही देने की व्यवस्था।

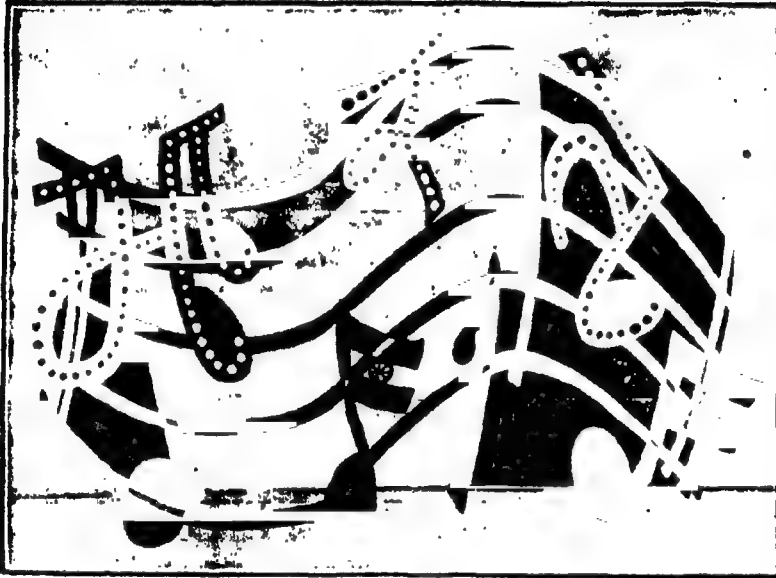


آزادی کا سنگیت

کتنا سحرانا



پروفیسر یار دود



سب مردوں کو

ایک ہی ہے میں

ملا نا ہے

ایک شے کی ہے پر

ہم سب مل جائیں

سوانح پر اور

بوجھ پڑے

ہے کی بس

ایک تالی۔ ایک ہی ہندستان

سات مردوں کی

ایک ہی ہے

کفرت میں وحدت

کئی ذاتیں

گنہ گہ

کئی زبانیں

عکسہ اطلاعات و تعلقات عالمی برقی

لیا اس کتنی بے نظمی میں لکھتا ہے۔

● گورنمنٹ ڈپٹی کمشنر دوس **CLEANTH BROOKS** کا انتقال

ہاسی برس کی عمر میں ہو گیا۔ جس وقت سے ڈپٹی کمشنر دہلی کو اس کی دکان میں

MODERN POETRY AND THE TRADITION

اور **THE WELL WROUGHT URN** تاہم یاد رہی

گیا اس کا خیال تھا کہ ان خاص کر شاعری کی روح و طرز **IRONY** میں ہے اس خیال کو گجرات بھی دور دور تک جی جاسکتی ہے۔

● ہندوستان کے مشہور خطاط محمد علی شاہ کی عمر میں ان کے تباہی دہلی ٹوکن میں انتقال ہو گیا۔ فی خطاطی کی غیر معمولی مہارت اور اس فن کو عام کرنے کے سلسلے میں ان کی خدمات کے باعث ۱۹۸۲ میں غالب ایوارڈ ۱۹۸۵ میں نیشنل ایوارڈ ۱۹۹۲ میں دہلی ایوارڈ کی ایوارڈ و غیرہ اعزازات ملے تھے۔ ان کے جانے سے ہندوستان میں اردو خطاطی کو بے اندازہ نقصان پہنچا ہے۔ ادارہ اقبال کے عام میں اثر کیا ہے۔

● مشہور ترقی پسند ادیب اور ادبی اہم کار اہل کے صنف ہنر سراج بہار کا اس کی جی انتقال ہو گیا۔ انھیں ناول، افتاد، افسانوی اور تنقید سے ملتی رہی تھی۔ ان کے کہنے ناول اور نثری ادبی شے سے چھپ چکے ہیں۔ اردو کے مطالعہ ہندی میں بھی لکھتے تھے۔

● مشہور صحافی، ماہر اردو اور افسانہ نگار اردو پرنٹرز کی صنف جناب لطافتیہ کا اس برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انھیں ادارہ ان کے قلم میں کو گوارے اور ان کے فہم مشہور مکتب نگار اور صحافی جناب حیات اللہ انصاری کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔

● بہار اردو و انگریزی کا نیشنل حالی ایوارڈ جو پی اس ہزار روپے پر مشتمل ہے جناب شری من خان کو ملا ہے۔ عیس اس انعام پر دلی مسرت ہے۔ ریڈیو جن خاں سے زیادہ اس کے حق دار آج کم ہی لوگ ہیں۔

● حکومت بہار نے مشہور جدید نقاد پروفیسر باب اشرفی کو بہار اسٹین ایوارڈ سروس کی پیشکش میں منظور کیا ہے۔ اور حکومت مغربی بنگال نے مشہور عہد نگار پروفیسر کاکا کو - کو مغربی بنگال کی پیشکش میں منظور کیا ہے۔ اس میں تقریر پر دلی مسرت ہے۔

● شاکر علی احمد سے ہر شخص واقف ہے جو ہندوستان کی ادبی سے کچھ بھی نہ ہو۔ ملیا زبان کے بہار آفاقی مکتب نگار اور صاحب طرز نثر نگار۔ نیکو بیوٹر عمر کی تحریریں جدید ہندوستانی ادب کو عالمی ادب کی صف میں چمکاتے ہیں۔ وہ ملیا زبان کی ایک خاص طرز و انداز سے لکھتے تھے ان کی زبان میں عربی حفاظت کا عامی اثر نظر نہیں آتا۔ ان کی تحریریں بہت سی تحریریں ہیں جو ہندوستانی ادب کی زبانوں میں تو کچھ ہو چکی ہیں۔ مگر شاعرانہ دہلیوں ان کے انتقال نے تمام ادبی حلقوں میں صدمہ مانتا چھایا ہے ان کے ان کو بلند درجات سے نوازے۔

● ۱۹۸۱ میں ادب کا نوبل انعام پانے والے بھارتی نثر اور ناول نگار

ڈومنیوس ایلیاس کیٹی **ELIAS CANETTI** لوہی ہیں

کی عمر میں زلیخا میں انتقال ہو گیا۔ اسے تنقید کے ایک تجربہ کار اور ادیب جس پر اس کے نثر میں ہر فن کا یکساں اثر تھا۔ اس نے اس صنف کی ترقی دہائی سے ہی ڈولے اور ناول نگار شروع کیا تھا۔ لیکن ان کی زبان کے قارئین میں ۱۹۶۰ میں اس وقت مقبولیت ملی جب اس کا ایک بڑا اکرنامہ **CROWDS AND POWERS** چھپ کر

منظر عام پر آیا۔ کیٹی نے ایک ناول **THE BLENDING**

کے نام سے ۱۹۳۰ کے اس پاس لکھا تھا لیکن وہ ۱۹۷۳ میں چھپا۔ اس

کا ڈراما **THE WEDDING** ۱۹۳۷ میں اور

COMEDY OF VANITY اس کے دوسرا ایوارڈ

اس نے ۱۹۷۷ میں ایک نوبل ناول **THE TONGUE SET FREE**

کے نام سے لکھا ہے بہت جلد۔ کئی کو مختلف موضوعات میں دلچسپی رہی تھی جن میں

STRUCTURALISM اور PSYCHOANALYSIS, MARXISM

خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اسے انگریزی، فرانسیسی اور ہسپانوی زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ لکھنے کے لئے سے ہندوستانی زبان جن کو تنقید کیا تھا۔ زندگی کے آخری دن

جدیدیت اور مابعد جدیدیت

تھیوری داؤد، Thierry de Deuve نے بڑے پیمانے پر بات کی ہے کہ مابعد جدیدیات کا سولہ پہ نہیں ہے کہ "خوب صورت" (خوبصورتی) کیا ہے؟ بلکہ مابعد سولہ پہ ہے کہ "کیا چھ فن اور لوہ اکھی جاسکتی ہے؟"۔۔۔۔۔

مابعدیت، وہ جس بھی زمانے میں رہا ہو، اختلاف و تضاد کی شکست و ریخت، حقیقت کی عدم حقیقت، اور نئی حقیقتوں کی ایجاد کے بغیر ایجاد نہیں برقرار رکھ سکتی۔

اگر ہم اسے تنگ اور تاریک لادہ تعبیر سے آزاد کر کے دیکھیں تو حقیقت کی اس "عدم حقیقت" کی معنویت کیا بنتی ہے؟ جبکہ یہ فقرہ اس تصور کے نزدیک ہے جسے نقطہ مابعدیت (Nihilism) کا نام دیتا ہے۔ لیکن میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ فلسفہ کی سائنس (Perspectivism) میں تبدیلی اور نئی گاہ کے تصور علویت (Sublimity) کے ذریعے جیسے ہی عمل میں آجکی تھی۔ میرا خیال ہے کہ مابعد فن (معمول لوہ) کو بڑھا دینے والی قوت اور تو اس گاہ کی منطق کے بنیادی اصول، یہ دونوں ہی چیزیں Sublime کی معانیات سے پیدا ہوتی ہیں۔۔۔۔۔

میں اس فن کو مابعد کہتا ہوں جو بتول دہر (Diderot) اپنی نئی معنی تخلیقی صلاحیت اس بات کو واضح کرنے میں صرف کرتا ہے کہ وہ چیز جسے ہمیں کرنا غیر ممکن ہے، وجود رکھتی ہے۔ اس بات کو آنکھ کے سامنے کشادہ کر دینا کہ کوئی چیز ایسی ہے جس کا تصور ممکن ہے۔ لیکن جو نہ دکھائی دیتی ہے، اور نہ جسے آشکار کیا جاسکتا ہے۔ مابعد معنوی کو یہ مرحلہ درمیان ہے۔۔۔۔۔ گاہ خود اس سلسلے میں "بے شکست" نیست کی غیر حاضری کی اصطلاح استعمال کر کے ہمیں کھنگنی ناچہ پر اشیاء کے لیے اشارہ فراہم کر دیتا ہے۔۔۔۔۔

کوئی فن پارہ اسی وقت مابعد ہو سکتا ہے جب وہ مکمل مابعد ہو۔ اس نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو مابعد مابعدیت سے مراد اختتام مابعدیت نہیں، بلکہ مابعدیت کا آغاز ہے۔ اور یہ صورت حال (آغاز مابعدیت) مستقل رہتی ہے۔۔۔۔۔

مابعد مابعد اسے کھانچ لیتے جو مابعدیت کے طرز میں ہمیں کھنگنی ناچہ پر اشیاء کو اپنی ہمیں کھنگنی ہی میں ہمیں کر دے۔ یعنی اچھی چیزوں کی تسلی کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دے۔ ذوق کے اس توافق سے بھی انکار کر دے جس کی رو سے (فن کار) مقابل حصول اشیاء کے لیے نوستالیا سے اجتماعی طور پر بہرہ مند ہوتا ہے، جو نئی ہمیں کھنگنی کی تلاش کرتا ہے، اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے نہیں، بلکہ ہمیں کھنگنی ناچہ پر کے شد پر احساس کی خاطر۔ مابعد مابعد فن کار یا ادیب فلسفی کی طرح ہے، جو فن وہ لکھتا ہے، جو فن پارہ وہ بناتا ہے وہ اصول کسی خطے سے قائم شدہ قوانین کی روشنی میں نہیں پرکھا جاسکتا، اور نہ ہی مانوس اور معروف اصولوں کی رو سے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔

1
Oct 1994

اکتوبر ۱۹۹۷ء

شب بخون

مدیر، پرنٹر، پبلشر: عقیلہ شاہین	جلد: ۲۸	شمارہ: ۱۷۷	تقریباً ذرا کا پتہ
فون نمبر: ۴۲۲۶۹۳، ۴۲۲۶۳۷	سورق: زوار حسین	۳۱۳ رانی من مری، الہ آباد ۲۱۱۰۰۳	
مطبع: ۱۹۵۵، الہ آباد	خطاط: سید احمد عباس	خط و کتابت کا پتہ	
بارہ شمارہ: ایک سو بیس روپے	فی شمارہ: بارہ روپے	پوسٹ گیس نمبر ۱۱۱۰۰۳، الہ آباد ۲۱۱۰۰۳	

جدیدیت اور مابعد جدیدیت

۱	۲۸
۲	۲۹
۳	۵۰
۴	۵۱
۵	۵۲
۶	۵۳
۷	۵۴
۸	۵۵
۹	۵۶
۱۰	۵۷
۱۱	۵۸
۱۲	۵۹
۱۳	۶۰
۱۴	۶۱
۱۵	۶۲
۱۶	۶۳
۱۷	۶۴
۱۸	۶۵
۱۹	۶۶
۲۰	۶۷
۲۱	۶۸
۲۲	۶۹
۲۳	۷۰
۲۴	۷۱
۲۵	۷۲
۲۶	۷۳
۲۷	۷۴
۲۸	۷۵
۲۹	۷۶
۳۰	۷۷
۳۱	۷۸
۳۲	۷۹
۳۳	۸۰
۳۴	۸۱
۳۵	۸۲
۳۶	۸۳
۳۷	۸۴
۳۸	۸۵
۳۹	۸۶
۴۰	۸۷
۴۱	۸۸
۴۲	۸۹
۴۳	۹۰
۴۴	۹۱
۴۵	۹۲
۴۶	۹۳
۴۷	۹۴
۴۸	۹۵
۴۹	۹۶
۵۰	۹۷
۵۱	۹۸
۵۲	۹۹
۵۳	۱۰۰

شمس الرحمن فاروقی

بمراج کوئل

وہ اپنا جو مادر اسے قید منزل ہے
تو تم اس اجتائے نور کے سب راہ
لہنے ساتھ لے کر
سرخ بادل ہی میں داخل جانا
جہاں بے مال و پر تشنہ یوں کا ایک
انبوہ فراوان
دور تک پھیلا ہوا ہے
ہو سکے تو آنے والے موسموں میں
ایک دن تم اس طرف آنا
اپنا نک ٹوٹ کر ان پر برس جانا

جہاں سے چار سو
اک سرخ بادل
سرخ بادل سے مدد
میں ہاں
یہ کہاں کی، کیسی بے موسم سی بارش ہے
مدد ملتی جا رہی ہے، بے نکاں، بے روک، متواتر، مسلسل
کون ہو تم، اور کیوں ہو
بہرین سے کیوں ہو نہیں آزاد تم
اس خاک و سواپر
اور اب اپنا ہو بیٹھنے ہوئے
تم افس رہی ہو، گارہی ہو
رقص کرتی جا رہی ہو
عالم وار شگھی میں
کیف ماسلوم میں
شاہ گور ہوگا جہاں
ابھی راہوں سے
ان جاتی دھتوں، آسمانوں سے
کچھ ایسے نیم روشن زردہانوں سے
مسافت کی اگر ممکن ہوئی

ایک پرانی تصویر

برایع کول

ایک نچاچہ ہے
جس کے سارے کے سارے کھلونے ٹوٹ گئے

اک میں ہوں جو
سڑکوں کی الٹنی بھیڑ میں اپنے گھر کا راستہ بھول گیا

میں مگر میں
اک بھول ہے جس کا کوئی بھی اب عام نہیں
جس کی خوشبو کی کوئی بھی پہچان نہیں
اک خواب ہے رنگوں میں سویا
کل چلا تو سب کے ساتھ چلا
اب ایک اپنا ہی ہے
اب لاشی ٹیک کے پلتا ہے
اور خون سے تھری راہوں پر
جتنا، جتنا
پھر وقت بھٹکا رہتا ہے۔

اس میں شامل لوگوں میں
ایک پرانا ساتھی ہے میرا
جو مجھ سے مل کر یادوں میں کھجنا تھا

اک لڑکا ہے جو ہوا سے ہاتھیں کرتا تھا
وہ پاؤں سے چلتا بھول گیا

اک لڑکی ہے جو لمحہ بھر کو
کھٹکھٹا کر

دور دور سے ہنستی تھی
پھر ہروں رو دیا کرتی تھی

اک ماں ہے ہادل نہیں ماں
جو جو راہ پر ہمیشی آنے جانے والے لوگوں کو
بھولی بھری اک بات سنا کر کرتی تھی

اک بڑا گد ہے
جو عمر کی دھوپ میں سوکھ سوکھ کے ٹھنڈ ہوا
جب بچے لگا تو جل کر راکھ کا ذریعہ ہوا

حامی کا شکاری

ہی سبہ پوش زمینوں میں اتر
بیب درغیب خیزنوں میں اتر
کوہ سرسبز کی ہاسی بارش
اک ذرا سوختہ سینوں میں اتر
ہاتھ خود ہی بنائیں گے نجوم
راہ گم کردہ مسفیونوں میں اتر
برق صورت تو اتنا چلے
برق کے تیرہ ہمینوں میں اتر
نو تو خورشید ہے بالائے فلک
ایک پل ماہ ہمینوں میں اتر
اک ذرا اسے مرا فلک نشین
خانہ شب کے ملکینوں میں اتر

ہمارے سامنے مرد عجب ہے
ہے قدموں میں سمندر طلب ہے
تجھے گھراے شب نے اختر شام
مری افسردگی کا کیا سبب ہے
فلک کی سمت لاکھوں ہاتھ اٹھے
کہا کس نے سمندر بے طلب ہے
لہو میں تر بہتر رخشندہ ہیکر
ہے یہ کون اس کی کیا نام و نسب ہے
اماں کی اب کوئی صحت نہیں ہے
یہ ریگ دشت کا جوش غضب ہے
ہیں منکر ہونٹا اقراری نگاہیں
یہ کیسا ارتباط چشم و لب ہے

ہو گئی کیا غلوں کی ارزانی بہت
ہے فضاے دشت نورانی بہت
دیدنی ہے رنگ کی صورت گری
ہمینوں کو بھی ہے حیرانی بہت
صبح تک لوگوں نے ہی ہائیں نہ دیں
دی ستاروں نے بھی قرانی بہت
چاہے ایک عمر یہ اک رات کیا
داستان خم ہے طولانی بہت
پھول سامے صبح سے مغموم ہیں
طائر دوں کو ہے پریشانی بہت
کیا فردت ہے جلے شب کو چراغ
میرے اشکوں میں ہے تابانی بہت

حامی کا شیری

کچھ نشانات ریت پر رکھنا
ہنی پلکیں لہو سے تر رکھنا
لوٹ آؤں نہ جلنے کس ساعت
گھر کا دروازہ کھول کر رکھنا
رم اسلاف قرار رہے
تیغ ہریاں پہ اپنا سر رکھنا
بحر ظلمت میں کام آئے گا
ہاتھ میں پارہ قمر رکھنا
جانے کس بل سے کا حکم سفر
اپنے کمرے میں رہ گذر رکھنا
کنے آہستہ تھے نذر خاک ہوئے
کچھ حساب اختر سحر رکھنا

کیا ضرورت مطاقت کی ہے
ہستی اپنی مہافت کی ہے
ہے مسلم عدو کی پرپائی
بات تاب مقاومت کی ہے
تیری جانب سے وار ہوتے رہے
ہم نے تو بس مہافت کی ہے
زندہ رہنے کے ڈھب نہیں معلوم
ایک صورت مفاہرت کی ہے
اس راحت کا وقت آئے گا
گرمی تو مہافت کی ہے
بختور کرمب کو چل دئے تارے
میری جو انبہ اجعت کی ہے

ہر بن مو سے اگ مس کی ہے
یہ شب مہ ابلس کی ہے
صاحب شوق پایہ جواں ہیں
حکمرانی وہاں ہوس کی ہے
اب کہاں کھول دیر پر پرواز
تنگی جا وہی قفس کی ہے
پینیم در گوش اہل محفل ہیں
داستان ایک دو قفس کی ہے
کوئی آواز دل کو ڈنک ہے
یہ قضا کی ہے یا جرس کی ہے
ایک ایک کر کے قفس ہونا ہے
اب فقط بات بخش دیں کی ہے

ساقی فاروقی

وہ اضطراب ہیں یقیناً دشر سے باہر ہے
 تھلا سا حشر شام و سحر سے باہر ہے
 جو آگ میں بنے جلائی تھی اپنے سینے میں
 فغاں کہ دمنس شعلہ گر سے باہر ہے
 جب قیام ہے منظر تمام دیکھ لے
 کہ وقت، حلقہ دام سفر سے باہر ہے
 مگر نگاہ میں سہمی کے ایک زخم کا سوگ
 جو خواب گیندہ چشم گہر سے باہر ہے
 میں آج بھی ہوں اسیر قیاس آرائی
 تما جہاں گرفت نظر سے باہر ہے

سرشاریلین شہری

بھیڑ	ندی کا پل
بکریاں	لب سڑک
اکا دکا	چھوٹا سا گاؤں
چرواہے	ادنی جو پال
کاش	پچو پال پر
میں بھی	مستی میں کھڑا
اس راستے میں چلتا	نیم کا درخت
لیکن	نیم کے
مجھے تو انتظار ہے	درخت سے برتا
اپنی	آبِ نیم
مر کھنی گائے کا	جو پال سے لگا
جسے	راستہ
چرواہے	راستے میں چلتے
دو جھل میں	گائے
جرا نے لے گئے ہیں	بھینس

سرسراہ خدہری

ہو گئے	موسلا دھار
موسلا دھار	برسات ہو رہی ہے
برسات ہو رہی ہے	میں اپنی
مغرب کا دقت	بھیرا بکریں
ہو گیا	سمیت
مجھے اس دقت	سڑک کے کنارے
گاؤں میں	اک درخت کے نیچے
ہونا چاہئے تھا	گھر میں
موسلا دھار	موسلا دھار
برسات ہو رہی ہے	برسات ہو رہی ہے
نہ دار	ہاتھ کو ہاتھ
گہنہ جھک کے ساتھ	بھائی نہیں دیتا
سلنے والے درخت پر	سن کی پوری سببائی
بجلی کا کرنا	گھوگی
برسات رکنے کا	کب تک ساتھ دیتی
خدا میں ہے	کھیت کھلیاؤں کے ساتھ
سلنے	میرے
گاؤں ہے	کرتے
پھونس کی چھوڑیں ہیں	دھوئی
چراغ جل رہے ہیں	بھی
	جل تھل

سوزِ یادِ شہری

دوستوں کی	میں
ہمدردی	یقیناً
اور اپنی	خوش نصیب ہوں
گزردی	میرا میرا
سارے کے سارے	پڑھ کر
ڈانٹے	سب سے اونچی
میرے بیدار ذہن کی	ڈال پڑے
گرفت میں ہیں	پہاں سے مجھے
یہ وقت کا	دور دور تک
انعام ہے	ہاں کل صاف
لیکن	نظر آتا ہے
اس میں	پس پڑو بیوں کی
میری اپنی	دھننی
جرات کا بھی	رشتے داروں کی
بڑا دخل ہے	عیاری

سرسا اور شہری

شناخت

کہاں

کے

کھیت میں

پھول

اور

تعلیٰ کی شناخت

مکمل ہے

ہوتی ہے

بست

پگڑی پر

مورنا رہا ہے

نہا میں

سروں کے پھول

جس پر ہے

جھیل میں

آئی پرندے

خل میں معروف ہیں

انجام سے بے خبر

ایک ہاگل لڑکی

اچک کے

پھول کے پھول

جی رہی ہے

لطف الرحمن

اتنے بکھرے ہوئے تاروں میں
 کون ہے شب کے پابانوں میں
 مسراتیرہ ہو ہرمان ہوا
 تو جھپکا رہ گیا چٹانوں میں
 دور پہنچی ہے رزم کی خوشبو
 رنگ گل رہ گیا حصاروں میں
 کب سحر بڑھیں سے اتنی سی
 چاند الجھا ہوا ہے شاخوں میں
 چاندنی کے اداس بستر پر
 قافلے کھو گئے خیالوں میں
 کون ہرمان حال ہے شب کا
 نیند مصلوب ہے نگاہوں میں
 ہم پہ بھی اک نظر غم جاناں
 ہم بھی نہیں تیرے بے پناہوں میں
 اوس روتی ہے شام تنہائی
 کس کا سحر ہے آسمانوں میں
 کوئے جاناں کی سرحدوں سے لہر
 راستے کھو گئے ہیں راہوں میں

دوش ہرے کے صدیوں کا بارگراں
 چپ کھڑا ہے مگر جھک گیا آسمان
 میری چوار ٹوٹی ، پھٹے باد باں
 کھو گئے درخت میں ناقہ و سارباں
 جستجو میں ہوئے ہم بھی خود بے نشان
 جانے کس شہر میں جا بے رنگاں
 خواب یادوں کے زینے سے اترے نہیں
 رات ہم کو سناتی رہی لوبیاں
 خوف آسیب سے آہٹیں سو گئیں
 شہر پر چھا گیا چاندنی کا دھواں
 ریت کی تہہ میں دریا رہا منظر
 اور سراپاں میں کھویا رہا کادواں
 وہ صاف سراسے سے رخصت ہوا
 جس مکین کے لئے رو رہا ہے مکاں
 باغری کوئی بن میں بجاتا رہا
 نیند راوہا کی شب بھر رہی بے امان
 دل کی عمارت میں دھپ جلتے رہے
 میری پلکوں کا سونا رہا سائباں

لطف الرحمن

بچھلی رات کا سبہ بن کر
 آنکھوں میں زردی ٹھہری ہے
 جھیل میں کنگو پھینک کے اس نے
 ہسروں کی گولا سنی ہے
 پردہوں کو شمع کی لو ہے
 مگر وہی جانے میں بیٹھی ہے
 دیکھ رہا ہے تنہا تارا
 مینا رستہ بھول گئی ہے
 کتنا ٹوٹ کے رویا باطل
 سوکھی لکڑی جھپک چلی ہے
 دیکھ کے دم سیروں میں بھی
 آنکھ اس کی روٹی رطبی ہے
 لطف الرحمن چپ ہو جاؤ
 نیند کسی کی ٹوٹ رہی ہے

صحرا صحرا پیاس بھی ہے
 حیا میں ہاں ہتی ہے
 سناٹا پھرہ دیتا ہے
 تھرائی گھر میں سوئی ہے
 شاعر ہے نکل بیڑ ہے تنہا
 جہر کی پردائی ہستی ہے
 اس کی نیلی جھیل کے لب پر
 میسے دل کی کلی کھل ہے
 دھک دے کر ٹوٹ گیا وہ
 دیواروں پر گھاس اگی ہے
 راہی رستہ مانگ رہا ہے
 وہ راہوں کو روک رہی ہے
 شام کے سونے بن میں اکڑ
 اس کی آہٹ سی آئی ہے
 یہ کیسی برسات ہے جس میں
 تھپی تھپی سوکھ گئی ہے

مرغان صدیقی

تمام تپ و حب عاشقی بہاد ترا
 بدن کسی کا بھی ہو وصل ہاداد ترا
 ترے سوا کوئی کیسے دکھائی دے مجھ کو
 کہ میری آنکھوں پہ ہے دست قاتلاد ترا
 مجھ نقش خواب میں آتے نہیں وہ سلسلے تھے
 کھلا ہوا تھا فکر پر نگار خاد ترا
 وہ میرے ہاتھوں میں آتے ہوئے زمین و آسمان
 وہ میری خاک پہ کھرا ہوا فراد ترا
 میں ایک موج میں غرق ہو چکا تھا مگر
 چٹک رہا تھا ابھی سافر شہاد ترا
 میں بھٹتا جاتا تھا لیکن کنار مجھے وصل
 چٹک رہا تھا ابھی گوہر پگاد ترا
 میں تجھے سے نکالے بھی کیا دوسروں کے کام آیا
 تو اب بے گم تو بن جاؤں گا نضاد ترا
 میں ایک جنت میں ہوتی ہے بے مسافت ہر
 سحر طبع کو کافی ہے تلمیذ ترا

غزلیں

مرغان صدیقی

ظہر میں رنگ تھامے خیال ہی کے تو ہیں
سب کرشمے ہوائے دہال ہی کے تو ہیں
کہا تھا تم نے کہ صفا ہے جان عشق میں کون
سو ہم عجب تھامے سوال ہی کے تو ہیں
جہاں بھی اس کے سوا نور کیا نصیب ہیں
نہن میں وہ کے چم خال ہی کے تو ہیں
جسارت سخن ظامراں سے ڈرنا کیا
غریب مشغلہ قیل و قال ہی کے تو ہیں
فہا حال د رکھ خاک اڑانے والوں سے
کہ یہ گلوں ترے ملک دہال ہی کے تو ہیں
ہوا کی رو پہ ہمارا سہر ہے کتنی رو
پرواز ہم کسی غلام دہال ہی کے تو ہیں
دراں بات ہے دل میں اگر جہاں ہو جائے
غلام سٹے اظہار حال ہی کے تو ہیں

وہ عجب دہائے سخن بولتی ہے
فاشی آکے سر غلوت جہاں بولتی ہے
یہ مراد ہم ہے یا کھ کو بولتے ہیں وہ لوگ
کان بھگتے ہیں کہ سوج گھوڑاں بولتی ہے
لو سوال دہن بہتہ کا آتا ہے عجب
میر سرگوشیاں کرتے ہیں کہاں بولتی ہے
ایک میں ہوں کہ میں آغوش لٹاں میں چپ ہوں
ساری دنیا مرے دشمنوں کی دہاں بولتی ہے
ہو کا عالم ہے گرفتاروں کی آبادی میں
ہم تو سچے تھے کہ دلیر عمریں بولتی ہے
درد کے باب میں مثال غری ہے خاموش
ہن بھی جاتی ہے تو تصور کہاں بولتی ہے

ایک بگٹ شہر کے آگے پیچھے

محمد سلیم الرحمن

یہ قبر خود ہی خوف ہے
اس سے قتل بھی ہے
اس سے آباد بھی
رستی ہوئی، گنتی ہوئی، اک
بے شمار ہوئی۔

خود و قلم کا یہ کھڑا
اس میں بھی نہیں ہیست
عاشقوں کے کرفتن
بر رنگ کے سودا ہے، اپنی
سوں کا باغین

ہر نکل میں اک اصل ہے،
ہر اصل میں کچھ کوٹ سی۔
جہاں کاسب کچھ ہیں،
ہر رزق و بلا میں ہر بھی
چہ سچا کاسی

تو سے کافر اپنی مرضی
گرا ہوا ہے غم سے۔
دیکھا ہے کچھ ہو کر کر،
پوری نہیں ہوتی کبھی اک
تکلی جو ہے کسر۔

دو دن ہے دیوار سے جا کر
کوئی مانتے ہیں؟
ہیں خود بھی پر قہر بھی
خود خود ہیں ہر سے دہر بھی،
سید بھی ہوا صبر بھی۔

اس قبر کا کتبہ تو ہے،
ہاتھ کا قلم ہے۔
خود ہیں، خود دور ہیں،
پائی، ہیشہ میں ہیں آنکھوں
کی جو ہیں سو ہیں۔

آہوب بھی، آسب بھی،
چھنے کاں اور لا بھی۔
پڑے حوسہ، ہم بھی ذرا
کھلیں جو، قبر ہوا، سب ہے
تو کھڑے گا۔

محمد سلیم الرحمن

پہ کون ہے دور دور
 بھولے ہوئے اک دم کو
 تو لڑنا ہے جہاں
 جہل قتل میں کس فریاد سے
 وہ ابھی، آباد ہیں
 اس جہاد کے گھر میں مگر
 دل پر ابھی تک گھس ہے
 سرمایے سورج کاغذیں

سونے ہوئے اس گھر میں اب
 سورج کہیں
 سرمایہ کی رات کا آسمان
 کس برج کے آواز میں
 ذخیرہ میرا اچھ
 میرا ستارہ ہے کہیں
 ابھی میں جوئے خواب میں
 کہوں رات ہر تار کی

کیا آگ تھی جو کچھ مٹی
 کہوں راکھ بنتی ہے ہوا
 اسے سہت بے خانہ

جلتا ہے کوئی جہاد میں
 ٹوٹے ستارے جتنا
 جس کا سر ملتا نہیں
 اس رات کی جانب رو میں

دم بہت ہیں اس گھڑی
 لپٹے ہو کی سرخیوں
 قریر اک مٹی ہوئی
 میں نور مر اسود دہلی

فٹھری ہوئی یہ خاموشی
 دیوہ جس پر جلتا
 چھ ایک حرف دہلی

اکتوبر ۱۹۹۷ء / ۱۷

محمد سلیم الرحمن

دھونے والے دھوتے ہیں
 خوشیوں سے تم
 تم سے خوشیوں
 پانی میں سورج کو گھولیں
 پھاڑ ڈالیں
 دھونے والو، دھونے والو
 کون بہن کر لکے گا کل
 اچھو تم اور اچھو خوشیوں
 دھوپ تنی ہے دیواروں پر
 گھاس لگی ہے بند کتارے
 دھوپ میں اچھو کپڑے روکھیں
 گھاس پہ گیلے پتے
 دھونے والے دھوتے ہائیں
 خور سے سلی توڑوں کو
 دنیا کے سارے دھن سے
 خوشی جینے کے پھینٹوں کو
 دھوتے ہائیں دھونے والے
 جگ سے جھوٹ
 بدی سے نیکی
 نور نایا اور نایا
 لاپا کا پر سلی نہ چھوٹے
 اتنی بھاری ملاوی دکھی
 کون کہیں تک دھونے
 جب تک دریا میں ہے پانی
 اور پانی میں دیر لاتی ہے
 جب تک دل میں ملائی ہے
 دھولے، دھونے والے، دھولے
 لہنا چہرہ، اپنی چھایا
 شایہ وصل گر صاف ہو جائے
 لہی سلی کہانی

شمس الرحمن فاروقی

۲۴۲۲

ہم مست ہو بھی دیکھا آخر مزا نہیں ہے
ہشیاری کے برابر کوئی نشہ نہیں ہے
مثنوی وصال ہی میں جی کھپ گیا ہمارا
باکس کہ ایک دم وہ ہم سے جدا نہیں ہے
زیر فلک رکابے اب جی بہت ہمارا
اس بے فضا نفس میں مطلق ہوا نہیں ہے

۱۱۸۵

(۴) نازی الفلاسزہ جب اردو میں سزا کا نکل میں آتا ہے تو اس میں پہلی صفی
اور ایک طرح کی بے فکری اور لڑکھن کی آزادی کا اشارہ ہوتا ہے۔ دسلا خط ہو
۲۴۲۲ (۱۰) زیر کورہ

یادگر صاحب وفا ہوتا
کیوں میاں جانی کیا ہوتا

نیز اردو لفظ "جوا" میں فرانسیسی JOI DE VIVRE کا لفظ ہے اور
ان میں میں اردو کا لفظ اور فرانسیسی فرہ دونوں ناقابل تکرار ہیں۔ میر کے زیر بحث شعر
اور ۲۴۲۲ اور کونز کے شعر سے لفظ "جوا" کے نئے اور ذائقے کا اندازہ اس لوگوں کو
CONCLUSION
ہو سکتا ہے جو زبان کے مزاج خاص ہیں۔ (۵) لفظ آخر "جوا"
ہے یعنی ہم نے مت ہونے یا دوست رہنے کے تجربہ سے کھانا کھا کر یا دوسرے (جی)
دیکھ کا (۶) ہے جہاں سے فائدہ ہے۔ (۷) جی کی عادت ہے جہاں سے تو اس کا

۲۴۲۲

فی مثنوی لفظ کی طرح فی مثنوی بات کہنے یا مروجہ بات کو
بے میں بھی دیکھ کر کمال حاصل ہے۔ زیر بحث مطلع میں محسن کی تعریف کے لفظ
لی اور لفظ ہیں۔ "ہم مست ہو بھی دیکھا" میں کیا ہے کہ کسی کو بلا ارادہ اختیار کیا
لو جبر اور EXPLORATION اختیار کیا، جس طرح آج سے کچھ دن پہلے

نہاں ہیں اور پرانے زمانے میں ہمارے ملک میں لوگوں طرح کی PSYCHEDELIC
DRUGS استعمال کرتے تھے کہ اس میں نفس کی کشمکش، جسمی
رقوت حاسہ کے ترشح کے ذریعے نئے ادراکات اور تجربہ رومانی طرز کے افکاتات کی
نہ ہوتی تھی۔ آخر مزا نہیں ہے کہ جی ہیں۔ (۱۱) جی کے قریب کا تجربہ اہم کاربہ لفظ
LAW OF DIMINISHING
RETURN کا لفظ ہی ہوتا ہے۔ (۱۲) نشہ کرنے کے بعد کو کیفیت ہوتی ہے وہ
۱۷/۱۸ میں ہوتی ہے۔ (۱۳) جی شروع شروع میں جبر دلا دلا کر آتا ہے مزا ہوتی ہے

لفظ دل پر جانا ہے۔

دل چاہ کر دیا اور اسے عام زبان میں لیں گھا :

جہاں کا تمام وہ شخص ہے جو اس شخص کی
 دائیں اور بائیں دونوں طرف سے
 سوال ہے کہ جہاں کا تمام اپنی دائیں اور بائیں
 کی نہیں؟ لہذا اگر وہ اپنی دائیں اور بائیں دونوں طرف سے
 اصل وہ اپنی دائیں اور بائیں نہیں مانتا۔ اور اگر وہ اپنی
 دائیں اور بائیں مانتا تو دراصل وہ اپنی دائیں اور بائیں
 مانتا ہے۔

رسل نے اپنی خود نوشت میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں جہاں اس کے
 قول حال کا بہت چرچا تھا، وہ کہی کہ انفرس میں گیا۔ جہاں یہ سوال بھی اٹھا کہ وہ
 کون سے بیانات ہیں جو اس کا سچا ہونا ان کے ٹھوس ہونے پر منحصر ہے۔ جیسے کہ
 اختتام پر ایک شخص نے رسل کو چپکے سے ایک کاغذ تھام دیا جس پر درج تھا:
 جو بات اس کاغذ کی پشت پر لکھی ہے وہ
 سچی ہے۔
 اور جب رسل نے کاغذ کو ہٹ کر دیکھا تو اس پر لکھا تھا:
 جو بات اس کاغذ کی پشت پر لکھی ہے وہ
 جھوٹی ہے۔

ظاہر ہے کہ رسل کے قول حال کی لطیف ترقی شکل ہے۔ میرے مطلع میں اسی قسم
 کا قول حال ہے جس میں اگر کوئی شخص سچے بول رہا ہے (جس میں وہ تو وہ
 جھوٹ بول رہا ہے) (جو الٹا معنی نمبر ۶) اور اگر کوئی شخص کہے کہ میں بوشیا ہوں تو
 وہ دراصل سچے میں ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ میں سچے میں ہوں تو وہ دراصل بوشیا
 ہے۔ دونوں یہ بات نہ جاننا کہ سچی کہی کہ جھوٹی نہیں ہے۔ اس طرح کا قول حال
 بظاہر تو منطقی کا ایک نمونہ ہے لیکن اسٹوارٹ ہیمپشائر
 کے بقول رسل کے نظام میں اس کی غیر معمولی اہمیت اس باعث ہے کہ رسل نے اس
 کے ذریعہ فلسفہ کے علم اور اس علم کے فلسفہ ادبیات کے حدود پر غور و فکر کا کام لیا
 میرے مطلع میں یہ قول حال مثالی علم سے زیادہ مثالی تجربے کے حدود اور فلسفہ
 علم کی نوعیت پر غور و فکر کا ہی موضوع ہے۔

معبر اولیٰ میں تھا۔ جب کہ دینے کے بعد اب توقع ہوتی ہے کہ کتب کی اور
 درج کے متحرک بات ہوگی یا پیش مندی کی صفت میں کہے کہ آجکلہ کا لیکن یہ توقع بھی
 پوری نہیں ہوتی اور معبر غلطی میں بتایا جاتا ہے کہ سب سے بڑا فرق تو بوشیا ہی یعنی سچے
 کا نہ ہوتا ہے۔ تو کیا اس کا مطلب ہم یہ سمجھیں کہ منطقی سچے (سکریٹ ہوش) اپنے آپ پر قابو
 نہ ہونے اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والے لطف کے خلاف ہیں، بلکہ وہ صرف
 روایتی قسم کی سچی کے خلاف ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر تجویز یہ نکلا کہ تو کونسا بوشیا رہی وہ سچی
 لہے آپ میں نہیں ہیں۔ یا پھر یہ تجویز نکلا کہ تو کونسا بوشیا رہی وہ اپنی قسم کے لطف سے بہرہ مند
 ہیں تو سچی میں حاصل ہوتا ہے؟ لیکن اگر بوشیا اپنی قسم سے تو بوشیا رہوں گے سچی قول حال کا
 اعتبار نہیں۔ یعنی تو بوشیا نہیں وہ بوشیا نہیں۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ معبر اولیٰ میں
 بھی لوگوں کے بارے میں یہ کہہ لیا کہ سچی ہونے میں انھیں آخر کوئی حرج نہیں مگر اس کا مطلب
 یہ نکلا کہ جو سچی ہیں وہ سچی نہیں ہیں اور جو سچی نہیں ہیں وہ سچی ہیں۔ سچی جو سچی ہے اور
 لہے کہ سچی کہے تو جھوٹا اور بوشیا کہے تو جھوٹا اور جو شخص بوشیا ہے وہ خود کو سچی کہے تو
 جھوٹ بول رہا ہے۔ اور علیٰ ہذا نفس جو شخص سچی ہے وہ اپنے کو سچی کہے تو جھوٹا اور
 بوشیا کہے تو جھوٹا۔ اور جو شخص بوشیا ہے وہ خود کو سچی کہے تو جھوٹا اور بوشیا کہے تو جھوٹا
 غور کیجئے کہ کونسا کہتا ہے اس سے زیادہ کہہ لیا کہ؟ اور جس کے پاس یہ کلام چودہ دہریا
 سے کیا ملے گا؟

مطلوبی اہل منطق نے ایک خیال حال وضع کیا تھا جسے رسل نے سچے بیانات
 اور جھوٹے بیانات کے نظریے کے تجربے کی غلامی اس خوبی سے استعمال کیا تھا کہ اب اسے
 RUSSELL'S PARADOX
 "رسل کا قول حال" کہتے ہیں۔ اس کا قدیم یونانی
 شکل حسب ذیل ہے:
 تجربے کے تمام باطن سے جھوٹے ہوتے ہیں۔ میں
 تجربے کا باطن ہوں۔

ظاہر ہے کہ اگر منطقی حقیقی تجربے کا باطن ہے تو وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ لیکن اگر وہ جھوٹ
 بول رہا ہے تو وہ تجربے کا باطن نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ تجربے کا باطن نہیں ہے تو وہ جھوٹ
 بول رہا ہے۔ ہذا کے تجربے کا باطن نہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن کہ تجربے کا باطن ہونے کے
 جھوٹے ہونے کے بارے میں یہی بتایا جاسکتا ہے۔ رسل نے اس قول حال کو انور بھی

ملک ہے کہ صلا ہی دسار (۱۳۳۲) اور اس صفت کے دیگر شمار (۱۳۳۳) صلا ہی کثرت اور شدت اور ہر طرح کے قرب کے بعد خود عشق کی تانی اور رعتی دینی ہی ہے، اور ہر عاشق صلا ہی میں ہوتا ہے، ہر عاشق کے لئے اس کا مطلب واقعی ہے:

AGE CANNOT WITHER HER, NOR CUSTOM
STALE
HER INFINITE VAREITY, OTHER WOMEN CLOY
THE APPETITES THEY FEED, BUT SHE MAKES
HUNGRY
WHERE MOST SHE SATISFIES. (II, 2, 235 - 238)

زمانہ اپنی جتنی تاثیر اس منہم کو پہنچا کر یوں بیان کرتا ہے:

کھانے اس کو گردش دروں حال ہے
برگشتہ اس سے ہر دل اندل حال ہے
جادوہ جس پہ گردش دروں کا چل کے
انہوں سے اس کی کوئی غفلت کل کے
ہر حال میں تپ ہے وہ ہر آن میں عجیب
یہ طرحی یہ تازی ہوگی کے نصیب
وہ عورتیں جو دل سے اتر جائیں اور ہیں
نیکیں بھی کیاں تو طلب ہی کے طور ہیں

شان اپنی حق کے ترے میں شکہ ہر کے ارتکاز کے علاوہ عنیت
EROTICISM کثرت اور ہر دل کی قوت بھی غائب ہو گئے ہے۔ لیکن
اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ عشق کی ایک لمحہ بھی عاشق سے
جدا نہ ہونے کے باوجود یہ کس طرح ممکن ہے کہ عاشق کا جی عشق وصال
ہی میں کپ جلے؟

لیکن میر کے یہاں ایک قسم انہم بھی ہے کہ عشق دو اصل دور ہے
(جہاں طور سے تم لکھی عاشق کے دل میں ہر وقت ہے۔ اس طرح وہ عاشق
سے ایک لمحے کے لئے جدا نہیں ہوتا اور عشق وصال سے عاشق کا جی
کھینچتا بھی رہتا ہے۔

ایک منہم یہ بھی ہے کہ عشق اور حکم کے درمیان کوئی ایسا مہم ہے

اب اس بات پر غور کرتے ہیں کہ میر نے یہ بات کیوں اصرار کی تھی کہ
کہ عشق ہی کے برابر کوئی شے نہیں ہے، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میر کو عشق کے
مقابلے میں خود زیادہ جتنی معلوم ہوتی ہے؟ لیکن جتنی انہ کو عشق کی بات مشکل ہے
تو اس کا مطلب واقعی یہ ہے کہ اصل عشق تو ہوشیاری ہے، جی شخص ایک سطحی شے
ہے، اب یہ لوگ قلی حال ہیں اور اگر ہوشیاری ہی ایک شے ہے۔ جی علم کا فرد
یہ علم کا لطف اس سے کہ وہ نئے کام کرتا ہے۔ اسلامی اور زمرانی دونوں قصبات
قدرت میں اس بات کی جستجوی آئی ہے کہ کسی کو اپنے ذہن اور انعام پروردگار جو ہر
یہاں تو کمال گیا ہے کہ فرد زہر ہے، جیہ کو کوئی گناہ ہی نہیں، کوئی گناہ کی شے ہی نہیں
اگر یہ جتنی قبل کے جائیں تو پھر شوخ انسان ایسے لایا ہے کہ کسی تپہ جو کلکی اور
ہوشیاری کا نتیجہ ہی نکلا۔ یعنی دونوں ہی طرح مقصد حاصل ہوا۔

اگر فرض کیا جائے کہ شوخ ہوشیاری اور خودمندی کو شہت قدر اور اس طرح
حاصل زندگی کہا جائے، تو نتیجہ یہ نکلا کہ میر دراصل کا حکم جنہوں کو جھوٹ اور بے فائدہ
بگھٹا ہے اور لاکھائی انہوں کے عام اصول کے خلاف جنہوں کی وقت اور محنت کا
قابل نہیں لیکن اس میں بھی ایک طرح کا حوصلہ ہو سکتا ہے، کہ اگر جنہوں سے مقصود کیا
ہے؟ ظاہر ہے کہ از خود رنگی اور اپنے آپ سے بے خبری۔ اور اگر یہ جیہ کی جملہ
ہوشیاری کے ذریعہ حاصل ہو تو وہی ہو۔ یہ تو جنہوں میں ایک طرح کی چالکی ہے۔ ملاحظہ
ہو سکتا ہے کہ اس فہم کا بیج دل و شہرہ کے ہوشیاری میں گہم ہوتا ہے۔ مناب کے یہاں میر
کے مضمون کا ایک ہی نمونہ پیش کرتا ہوں۔

شراب تلخ از انگور شیریں خوب می آید
بناشد فرد کامل بنا جنوں کامل نمی گود
(میتھے انگور سے تلخ شراب خوب عید جی ہے۔ جب
نیک جنوں کامل نہ ہو، تو کامل نہیں ہوتا؟)

لیکن صائب کے یہاں مضمون میں دو اور دو چار لکھتے تھے۔ جیہ تو انگور اور شراب
نور کے کئے کو کوئی ثبوت نہیں فراہم کیا۔ میر نے صرف دعویٰ ہی دعویٰ رکھا ہے اور قول
نال کے ظلم کے باعث دلیل کی ضرورت کو فراموش کر دیا ہے۔

۱۳۳۲ یہاں بھی قول حال ہے، لیکن اصل کو جیہ کر دیتے والا نہیں۔
۳ عشق وصال میں ہی جی اس لئے کہ میر کا (۱۱) عشق اس قدر

یاں کے درمیان تعلقات میں کوئی یہاں تھیانی محال ہے کہ ہر وقت پاس رہنے کے بعد ان کے درمیان ایک طرح کی دورانی باقی ہے۔ چنانچہ بیدل کا شعر ہے

ہر عمر با تو قصہ زویم و درفت رخ کارما
چو قیامت کی نہ می رسی زکن درما بہ کنارما
دینے ساری عمر تیرے ساتھ بیدل کئی
کہ ایک ہی پری پیاس کا رنہ لگیا۔ تو کیا
قیامت ہے کہ میرے پہلو سے میرے پہلو کی
نہیں پہنچتا۔

بیدل کے شعور میں ایک اسرار ہے، لیکن اس کا ایک حل یہ ہو سکتا ہے کہ عشق کا قرب اور اس کی ہم پیمائی محض تصور میں ہو۔ عاشق اس قدر شدت اور ارکان تصور کے ساتھ عشق کا دھیان کرتا ہے کہ عشق کو یا جسم اس کے سامنے آنے لگتا ہے، لیکن پھر ظاہر ہے کہ درحقیقت تو عشق نہیں ہے اور عاشق نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ قویا وہی مضمون ہے جو ہم نے دوسرے شعروں کے تحت بیان کیا۔ لیکن اس کے باوجود شعر کا اسرار باقی رہتا ہے کہ ہم بیدل کے کہ باوجود ہوس کے کسی دنگی نہ عشق پہلو میں ہے لیکن پہلو کی آواز نہیں۔ بیدل نے ایک شعر میں عشق اور اس کی آرزو دہندی کو اپنی جگہ مطلق حقیقت بیان کیا ہے

خواریم و آرزو باقیمت
وصل ما انتظار را مانند
دہم یار میں عین، لیکن آرزو بچرگی باقی
ہے۔ ہمارا وصل تو انتظار جیسا ہے۔

یہاں عشق خصوصاً انصاف حقیقت بن جاتا ہے۔ اس کے برخلاف خلیل الرحمن جلی کے شعروں میں ایک طرح کی غلی اور قریب شکستگی ہے

ایسی رائیں ہیں ہم پہ گندری ہیں
تیرے پہلو میں تیری یاد آئی

اس کے مقابلے میں فیض صاحب کا شعر بالکل مباحث

۲۴

تم مجھ سے ہو کے بھی مجھ سے نہ ہوئے
تم کو اپنا بنا کے دیکھ لیا
مومن کا مضمون مختلف ہے لیکن ان کے بیان کا زور اور شدت فیض کے لئے مثل راہ پر نکلتی تھی سو
تم ہمارے کی طرح نہ ہوئے
درد دنیا میں کیا نہیں ہوتا
عشق کے روزمرہ معاملات کو بنیاد بنا کر میر نے زیر بحث مضمون کا ایک پہلو بہت خوب بیان کیا ہے سو
آمدی تو دامن ز خود رخم
انتظار ہمز یاقی ماند
(تو آیا اور میں از خود رفتہ ہو گیا۔ میرا
انتظار تو بھیر بھی باقی رہا۔)

میر نے دیوان چہارم میں اس مضمون کو عشق کے پورے تجربے کی تفسیر اور مایوسی کے ماحول میں پیش کیا ہے سو
اب کے دماں قرار دیا ہے تجرہ کی کسی حالت ہے
یک میں ہیں طے بہ جاتھا تو ہی ہم دیکھ جاتے
اس شعر پر گفتگو اپنے مقام پر ہوگی۔ دیوان دوم کے زیر بحث شعروں میں اس کی خوبی پر بھی نظر رکھیں کہ مصرع اوٹی میں جی کھپ گیا کے گھڑیلو فقرے کے برابر دوسرے مصرع میں باآں کہ کی فارسیست لطف دے رہی ہے۔

۲۴۳
۳

میر نے یہ شعر بیدل سے ترجمہ کیا ہے۔ اس باب میں اور یہ دیکھنے کے لئے غالب نے اس مضمون کو کس طرح استعمال کیا ہے، تعویذ کی گفتگو جلد اول (صفحہ ۳۷-۳۸) ملاحظہ کریں ترجمہ ہمارے یہاں انتقادی کی ایک قسم اور ایک شاعر کا دوسرے شاعر کو تخلیق تمسین سمجھا گیا ہے۔ اور اگر ترجمہ اصل سے جڑھ جانے تو کیا کہنا ہے۔ میر نے نقیض پر الزام لگایا ہے کہ نقیض نے آئندہ نام قلم کا ایک شعر چھاپا۔ آئندہ قلم کہتے ہیں سو

ہاں حرام گفت معطر جو برگ گل
بند قبا کے کست کر دای کینم ما
(میرے سارے ناخن برگ گل کی طرح معطر
ہو گئے۔ یہ میں کس کے بند قبا کھول رہا ہوں؟)

یقین کا شعر ہے

کیا بدلتا ہو گا کہ جس کے کھولتے جاوے کے بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

یہ بات الگ ہے کہ یقین کا ترجمہ بہت اچھا نہیں (اور اس اعتبار سے یقین میرا
احراقِ ضمیر کیسے ہی) لیکن شعر کا ترجمہ کرنا خود کوئی بری بات نہیں تھی کہ میرے
ذمہ اور بہت سے شعروں کا ترجمہ کیا ہے (زیر بحث شعر تو ہمارے سامنے ہے)
بلکہ خود آئند رام مخلص کے اسی شعر کا ترجمہ انھوں نے یقین کے مکمل جاننے کے کئی
سال بعد دیوانِ ملام میں اپنی گرد آواز

اس گل ترکی قبا کے کہیں کھولے تھے بند
رنگوں گل برگ کے ناخن ہے معطر اپنا

ہے شک میرا شعر آئند رام مخلص سے بھی بڑھ گیا ہے اور یقین سے تو
کیا درجہ بہتر ہے، لیکن یہ وہ بہر حال مخلص کا ترجمہ۔ دراصل میرے کہہ چاہے
یقین سے کچھ بے وجہ قسم کی کسی بدعاشی تھی، اس لئے میرے نکات، شعروں میں یقین
کی برائی میں کوئی دقیقہ اٹھا د رکھا ہے اور مخلص کا شعر چرانے کا بھی انوار ہے جانکا دیا
ہے۔ ورنہ گنہ گشتِ شاموں کے ترجمے سے بھی زیادہ صاف خاطر کے ترجمے میں خراج
یقین کا پہلو ہے اور کلاسیک زمانے کی LITERARY COMMUNITY
سے یہ بات بالکل متوقع تھی کہ انہیں سے اکثر نہیں تو خاصی تو اس شعر سے واقف
ہوں گے جس سے شوگر کیا گیا ہے۔ میرے آئند رام مخلص کے ایک شعر کا ترجمہ کیا ہے
بزرگ

نیزہ بازل منزہ میں دل کی حالت کیا کہوں
ایک ناکی سپاہی دکھائیوں میں گھر گیا
(دیوانِ دوم)

مخلص کہتے ہیں

بہر حال مانتا ہوں روزی انصاف مراں گذشت
نہ از فوج و گھوڑکے ہندوستان گذشت
(میرے نصیبوں پر مصفح مراں کے ہاتھوں
دہی کچھ جتنی توڑ کر کی فوج کے ہاتھوں ملک
ہندوستان پر گذری۔)

جہانے زمانے میں ہندوستان سے مراد شمالی ہند تھا۔ مخلص کا شعر عمدہ
ہے، لیکن میرے اپنا شعر مخلص سے بڑھا دیا ہے۔ ہاں سند جو زلزلہ فوجیں
جو میرے خان آرزو سے ترجمہ کیا ہے، خان آرزو کا پلہ بھاری
رہا

خود نما ہے اپنی جوں گرو باد انوکھی
بائیدہ خاک رہ سے ہے یہ شجر ہمارا
ہے ملک میرا شعر اب در سے کھلے جانے کے قابل ہے، لیکن اب خان آرزو
کو دیکھو

اختلا گیت مایہ نمود نماے من
نغم چو گرد باد از خاک آب می خورد
(میری خود نما کا سرچشمہ اختلا کی ہے بلکہ
میرا درخت گرد باد کی طرح خاک سے پانی
پیتا ہے۔)

(گرد باد ہیں کہ خاک ہی پر منحصر ہوتا ہے اس لئے اسے از خاک آب می خورد
کہنا غیر معمولی بات ہے۔) بہر حال اس صحت کو درج کر کے کا مقصود یہ ہے کہ
یقین پر ہمیکہ اعتراض کا حقیقت کھول دی جانے اور اس بات کی تصدیق کی
جانے کہ ترجمہ کرنا اچھا کام ہے۔ ورنہ میرا اسے اس بے تکلفی سے در
کرتے۔

زیر بحث شعر کے مضمون کی اصل مولانا دوم کے یہاں ہے۔ مثنوی
(دخترِ فطم) میں مولانا دوم فرماتے ہیں
ایں نہیں ہیں گا ہوا طہ طلائع
بائیں راتگی دیوار و مکاں

وہ زمین جو نئے نئے لوگوں کے ملبورے کی طرح

ہو، اس میں باغوں کے لئے جگہ تنگ ہے۔

رومی کے شعر میں موصوفہ کا ذکر ہے، کہ اہل بیت مثل باغ و مائل کوئی کے

ہیں، جن کے لئے بچے کا پالا احوال بہت چھوٹا ہو جاتا ہے۔ میر کے یہاں دل

گرنگی کا مضمون ہے، لیکن اس میں ابھی ایک لمبائی ہے۔ یعنی دل گر خداسی نے یہی

کہ انسانیت کا گھر چھوٹا معلوم ہو رہا ہے۔ یہ بات لائق توجہ ہے کہ بات یوں بھی پوری

تھی اس شخص میں مطلق ہوا نہیں ہے۔ معمولی شام و صبح خوش یا غم کوئی غصوں

ملاحظہ کروں کہ وہ پورا کر دیتے، لیکن میر کی مطلق ہوتی ہے نہ فضا سمجھا تیرا اور پر مطلق

لفظ ڈھونڈا کہ تیرے ہوا کے ساتھ مرنا بہت ہی رکھتا ہے، اور اس سے الگ بھی ہے۔

فرید احمد برکاتی نے تیرے فضا نہیں کھاسے، ایک نئے فضا کی درج کر کے مطلق

کئے ہیں تیرے مطلق، گھٹن اور دیوان دوم ہی کا یہ شعر نقل کیا ہے سو

عالم کی بے فضا سے تنگ آگئے تھے ہم

جاگہ سے دل گیا جو ہمارا رنج ہوا

برکاتی صاحب نے یہ مطلق غالب قیاس سے کئے ہیں، لیکن کہ ان کا ارشاد ہے کہ

”اصفہ“، ”اندراج“ اور ”مطلع“ ہر بات میں تیرے فضا“ ان کو نہیں ملا۔ اگر وہ

”اصفہ“ یا ”الورالقات“ میں فضا کا اندراج دیکھتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ ”فضا“

کے معنی مطلق ”وصف“، ”فراخی“ اور بھی ہیں، اور ”رواق“ بہار“ (یعنی چیل پیل،

لفظ دفعہ) بھی ہیں۔ اس طرح تیرے فضا کا لفظ صحیح ہے اس شعر کے لئے مگر

کا حکم رکھتا ہے۔ میر نے دیوان دوم میں ہی اس مضمون کو جمل کر کہا ہے، اور حق

یہ ہے کہ عمدہ بات نکال ہے

دک جانے دم گر گاہ نہ کرے جہاں کے بیچ

ہیں تنگ ملک میں کہیں کیا جو ہوا ہو

دو تنگ تارے کے ایک اور خوبصورت استعمال کے لئے ملاحظہ فرمیں

عالم نے دنیا کی مٹی کے ملبورے کا ایک نہ پہلو کھلا ہے

کیوں نہ جی گھرانے زیر تمہاں

گھر تو ہے ملبورے پر جس مختصر

مغربی اصفیہ، میرا جی کے ایک مطلق سخن بھی لکھے ہیں اور تاج کا شعر

مندی دیا ہے

دل در میں ہے، ہم میں نہ جی ہے

کچھ میری خبر نہیں آجی ہے

اس شعر سے حق طور پر جی ”میں“ سانس“ ثابت نہیں ہوتا، اور کسی اور

لفظ میں جی کے یہ معنی ملے۔ لیکن ”اصفہ“ کی بنا پر یہ مطلق دوست مان

لئے جائیں تو میر کے شعر میں ایک اور پہلو کا اضافہ ہوتا ہے کہ ہوا درجہ

کے باعث سانس رک گئی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ میر نے اگرچہ بیدل کا شعر لکھا ہے، مگر

اپنی بات کھوئی نہیں۔ اس خوب بیدل نے جمال میر سے امتحان کیا ہے۔

۴۴۳

کیا تن نازک ہے چل کو بھی حرکت تن پہ ہے

کیا بدن کارنگ ہے جس کی بے راہن پہ ہے

کون یوں اسے حرکت دیتا زینت خراک تھا

خوں سے گل کاری جب اک زین کے دامن پہ ہے

خرن گل سے گیت ہیں دوسرے کوڑوں کے ڈیر

لوہور وے سے ہمارے رنگ اک گھٹن پہ ہے

۴۴۳
۱

اس مطلع میں دو مضمون اس خوبصورتی سے یکجا ہو گئے ہیں

اور اس توازن سے بندھے ہیں کہ پورا شعر ربط کا کرشمہ ملا

ہوتا ہے، اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ دو مختلف مضمون ایک شعر میں حل کے لئے ہیں

پہلا مضمون تو ہم کہ شعر شہادت میں کئی بار دیکھ چکے ہیں، یعنی بدن کی نزاکت و لطافت

کہ جان سے ٹٹھکے۔ اس کا تاثر خود پہلی پہلی ۴۴۳ پر گزر چکا ہے۔ اس میں

کا شعر خود خود کا وہ غیر معمولی شعر معلوم ہوتا ہے جو میں نے پہلے پر نقل کیا ہے۔

دلی پر غم و ملاحظہ اور دلی کا بھی ایک شعر درج ہے۔ لہذا اس مضمون کا تاثر

بہت قدیم اور محترم ہے۔ خود میر اسے اپنی بار برت چکے ہیں کہ خیال آئے

کہ اب اس میں کیا رکھا ہوگا، لیکن زبوح شعر میں جان کو ہم کی حرکت پر متذکرنا ہو

جاکر مضمون میں ایک بالکل نئی بات ڈال دی۔ پھر لفظ ”تن“ کی تکرار نے زور دیا:

شب خون

یہ سنا کر کہ ہے، کیوں کہ میرے گریو کو کھنڈا ہے۔ اس کی آواز کے جھونکے
تھکے تھکے گونہ لایا جانے، وہ تو اس کی طرح اور ہلکا۔ خود اس مقام میں کی سی
موتھری (۱۱) کیا (۱۲) حیرت انگیز، تو تارک ہے۔ (۱۳) کیا تارک تھا ہے!
(۱۴) دھکیلا تھکا ہے! (۱۵) کی ایسے کم کو تارک کہہ سکتے ہیں؟ (۱۶) جھک
اس کو یہاں کرنے کے لئے ناکافی ہے۔

مصرع ثانی میں جو مضمون ہے وہ میر کا چارہ مسلم ہو رہا ہے اور کچھ تو اپنی فوجی
کے باعث، اور کچھ اس لئے کہ میر کے کہاں یہ بہت ہی محض جملہ ہے، میر کہلاتے
سے کو اب تک شہر نے اپنی گرفت میں لانے کی کوشش کی ہے۔ پھر دیکھیں
ملاحظہ ہوں۔

یوں ہے ڈھک بدن کی اس پیر میں کہ میں
سرخ بدن کی جھکے جھے بدن کی د میں
(مصحفی)

اس کے بدن سے رنگ بگٹا نہیں تو میر
نیر بڑب درگ ہے کیوں پیر ہی تمام
(مصحفی)

رنگ کھلا ہے بدن کے رنگ سے کیا رنگ ہے
زور ہو جاتی ہے اس کے جھمی پوشک سوخ
(لہذا اولیٰ)

ہر رخ نقاب پر بند کہ از فرد زرخ رنگ
درون جامہ تو اس دیر نیز مر یا نش
(خائب)

(وہ اپنے چہرے پر نقاب کیا ڈالے تھک رنگ
کی روشنی کے باعث وہ کو پھولوں کے اندر بھی
جڑیاں دکھائی دیتی ہے۔)

پھوٹ کھلا رنگ جسم نازیں پوشک سے
ایک سار رکھتا ہے عالم پیر میں دونوں طرف
(امیر ادرتہ)

میں نے یہ لہر حادی لکھی ہے اس قدر
ہو جاتی ہے خود بھی اس کی نقاب سرخ
(میر علی)

اندر سے میر کی فوجی کر فوجی
رنگیں ہیں اور کیمیا میں تمام
(صوبہ ہلالی)

روشنی ہوئی ہوئی فوجی تمام ہنسی
اور بھی خوش ہو گیا رنگ نہ رہا
(صوبہ ہلالی)

پیراں اس کا ہے ساتھ دیکھیں
یا کس سے سے شیشہ گلابی
(صوبہ ہلالی)

دک رہا تھا بہت یوں تو میری اس کا
ذرا سے اس نے روشنی کہا بدن اس کا
(بانی)

یہ بات بلا کسی تجزیے اور تشریح کے بھی ثابت ہے کہ اس قول بہت
میں سب سے خوب شعر محرت کے ہیں اور ہم تو یہ شعر بھی (دوسرا شعر) خائب
بانی کے ہیں۔ خائب اصل بانی کے شعروں میں مضمون اور معنی دونوں سے نہ
پہلوؤں کے حامل ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ ہے کہ دوسروں سے زبانہ قول
استغناء کی توقع کے باوجود میر کا شعر اب بھی اپنی جگہ پر قائم ہے اور ان کے
بعد میں آنے والے بعض شاعر اگر اس شعر کے ساتھ قدم بولنے بھی تو سگے تھیں
قدم ہی بولنے رکے، میر بدعاویٰ کوئی نہ ہو سکا۔

میر کے شعر میں مضمون: "بڑے مہر کے کاغذ ہے۔ اس کے حب قول
میں بہت کچھ آتا ہے۔ (۱) جب کسی چیز کا کپڑا یا دھڑا کو رنگے ہیں تو اس پر پہلے
رنگ چڑھاتے ہیں جسے انگریزی میں PRIMER اور اردو میں "تہ" کہا جاتا
ہے۔ (۲) جھک، خاص کر رنگ کی جھک۔ (۳) کسی رنگ کا رخ یا رخسار
کی بجلی سی تحریر کے لئے بھی۔ (۴) کاغذ آٹا ہے۔ کھانا لک رنگ ہے۔ میر کی

تیا ناک ہے۔ نہ سے لگا دیا ہے، نہ سے ملا حظ ہو۔ (۱۶) ایک مٹی تو یہی رنگ کی وہ رنگ جس کی وہ پیرا میں نظر آ رہی ہے، بلکہ کارنگ ہے، (۱۷) ملاحظہ! اور پی ہاس کے پتے کی اور ہاس کا رنگ ہے (۱۸) بلکہ کارنگ کس قدر قہر ہے کہ اس وجہ سے ہاس بھی روشنی معلوم ہو رہا ہے! (۱۹) تیرے گنیز کہہ کر کارنگ کس قدر خوبصورت (مثلاً کٹی) ہے کہ اس کی جھلک میں جن پر نظر آ رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو بحر کا شعر) (۲۰) چوتھے مٹی۔ کہہ کر اس قدر شکن (۲۱) سرخ و سفید لگائی، سہرا چمپسی، اسنو لاؤ (۲۲) ہے کہ اس کے باعث اوپری ہاس بھی رنگین ہو گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو معجمی کا شعر)

شعر میں ربط قائم کرنے کا یہ طریقہ خوب ہے کہ پہلے مصرعے میں جسم کی روحانی سی توصیف کی کہ وہ اس قدر ناک ہے کہ خود جہاں کو اس پر مرد ہے۔ پھر دوسرے مصرعے میں خاص طبع اور روحانی بات کی کہہ کر اسے اس قدر رنگ اور روشنی بخوڑ رہی ہے کہ ہاس ہی رنگین ہو گیا ہے۔ لطف یہ کہ اس توصیف میں بھی ایک طرح کی حرکات اور دو حایثیت ہے پھر دوسرے شعر میں جب جدا اور اتہام کارنگ بچایا، اور اسے شیکسپیر آئے اور منہ کی کھائے۔ خود میر سے یہ بات دوبارہ منہ ہو سکی

کیا رنگ میں خوشی ہے اس سخن ناک کی
پیرا ہوں اگر پہنچے تو اس پہ بھی تہ نیچے
(دیوان دوم)

اس شعرے قدامتاً یہ معنوں کے لئے ملاحظہ ہو
۱۵۳۳ جہاں قیام حال میں ایک امانہ ملاحظہ
ایک خوش طبع اور وقار ہے۔ یہاں ملاحظہ نہیں، لیکن جہاں اور قدامت ہے۔
مخکم کو اس بات پر قدامت کا شک ہو گیا ہے کہ ترک رہنے کے کئی کوئی اور گزرا کر گیا
(کاش مجھے بھی یہ اعتبار نصیب ہوتا) اور زخمی ہونے والے پر ایک گھنڈ
ہے کہ اس کے بدن میں کس قدر خون تھا! (وہ شکار حیرت کھا جا رہا ہے جو
اس قدر لافرو کہ اس بدن میں خون ہی نہ ہو۔ ملاحظہ ہو ۱۵۱۹۔)
حیرت کھات ملاحظہ ہوں۔ روحنا کو عام طور پر خوبصورت کوئی
کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن دراصل روحنا تو دو رنگے گلاب کے

ہوں کو کہتے ہیں۔ شعر زیر صرف میں رنگوں کی غراوٹی ہے۔ دروین زین
پہنچا کارنگ، شکاری کے ہاس کا رنگ، گھوڑے کا (مصرعی TAVANNY
چمک کارنگ) اس اعتبار سے ترک روحنا کی صورت بڑھ جاتی ہے۔
پھر روحنا کی مناسبت سے گل کاری بہت خوب ہے۔ ان سب سے بڑھ
کر یہ کہ شکار کو ترنت خرک کہا۔ زہنت، روحنا اور گل کاری میں
مادی مناسبت قہر ہی، یہ نکتہ بھی ہے کہ گل کاری کے لیے بھی جی کارور ہاں
قدر جلد ہے کہ اگر وہ خرک سے باندھے جائیں تو یہ خرک کی زہنت ہے
یعنی تیرا شکار خنام تو گلوں کے لئے باعث خیر ہو تو میرا بھی تیرے خرک
کی زہنت و زین (اور اس طرح کے اعزاز) میں اضافہ کرتے ہیں۔ ہم کوئی
معمولی کی کوئی نہیں ہیں۔ مصرع اولی کے استہمام نے شعر کی ڈرامائیت میں
اضافہ کر دیا ہے۔

۱۵۳۳
۳

کولے کے ڈھیر کا معنوں باندھنا آسان بات نہیں
غالب اور قمر اقبال یاد آتے ہیں معنوں کے کافی
کا معنوں میر جس سے لکھنے سے باندھا ہے وہ
بہترے کہیں کہیں جگہ ملی
یہ کیا مطلع آب پر کافی
(غالب)
ہے دو دو خاک واد بہت پاک ہو چکا
پانی ہے زیر را بہت کافی ختم ہو
(قمر اقبال)

قمر اقبال کا مصرع اولی ذرا بوجھل ہے، درد میںوں کا مکمل یہ
بھی ہے کہ کٹنا یا کٹائی جیسا، غیر شاعرانہ معنوں اس قدر روانی اور نرمی
سے بندھا ہے کہ کسی قسم کے STRAIN یا زبانی کے ساتھ
کسی بھونڈی زیادتی کا پتہ نہیں۔ معنی بالکل دھلا دھلا سا ملے گیا
ہے۔ میر نے درد سے کاغذ کو رکھ کر مہلت کا توازن پیدا کر دیا ہے
وہ درد نہ کے باعث گنتی پر ایک رنگ ہوا جیسا مناسبت کا کر شہ ہے
خون گل، تو ہو، رنگ اور گنتی کی ملاحظات ملاحظہ ہے۔

شب بخون

زینت حمزہ اور زینت شہر میں رہتی تھیں وہاں ہی رہا ہے۔ یہی
 یہ سہی زندگی کی نہیں، بلکہ موت کی ہے۔ دونوں شوخ و بازیگوش کی تھیں
 سی آئی ہے۔ کہیں کہ ان کے چہرے خون کی قوت اور اس کی رخصت ہے۔ ان
 کا ظہر تھوڑا اور باطنی ظہر بڑی ہے، ان کا اندر پیر سے یہ شخص مل کر موت کے ذریعہ
 زندگی کی بھیاں کس پر دوڑی کی گئی ہو، جیسے کہ ٹیکسٹر کے ذریعے CYMBLINE
 میں انگوٹھی IMOGEN اپنے سوتیلے بھائی کوٹھن CLOTEN کی
 خون میں پت ملاش دیکھ کر پکار اٹھتی ہے :

GIVE COLOUR TO MY PALE CHECK WITH
 THEY BLOOD,
 THAT WE THE HORRIDOR MAY SEEN TO
 THOSE
 WHICH CHANCE TO FIND US.

(IV . 2 . 329 - 332)

ملاحظہ ہو ۲۴۴ جہاں اسی قسم کے خون کا انہدام ہے۔ جیسے شوخ و
 محنت میں ہے، لیکن طنز کی وہ صورت نہیں ہے۔

۲۴۴

کیا حال بیان کرے، عجب طرح چڑی ہے
 وہ طبع تو نازک ہے کہانی یہ بڑی ہے
 کیا فکر کروں کہ ملے آگے سے گردوں
 یہ گاڑی مری راہ میں ہے ڈھل چکی ہے
 ایسا نہ ہوا ہو گا کوئی واقعہ آگے
 اک خواہش طمناحہ مرے چینی گری ہے

۲۴۴ [۱] مطلع برائے بیت ہے لیکن دلچسپی سے خالی نہیں۔ جب
 طرح چڑی ہے، بہت تانہ نقوسے۔ اس کے مٹی خالی
 جب معاملہ آجی حالت آہٹا دھوہیں طرح چڑی تاکسی لالت میں د مل
 فانی میں بھی طرح انجان نہیں ہے، طرح انداختی اور طرح انگلیا
 نرواں، لیکن دونوں کے مٹی ہیں، بنا ڈھانچہ اس نے زینت شوخ و طرح

پڑتا ہے ان کا ولی ملتی ہیں، دم پڑتا۔ دوسرا مصرع بھی دھب ہے،
 کہ کہانی کا ظہر دلچسپ ہوتا یا سننے والے کو کاہل ہوتا یا اس میں کوئی نہ سننے
 بات ہوتا سحر و محنت میں نہیں ہے۔ ڈھونڈ اس بات کا ہے کہ کہانی بھی
 ہے کہیں موقوف کے حراج نازک پر گراں زنگدے کہانی یہ بڑی ہے یہی
 خوب ہے، کہ کہانی کے بارے میں کچھ نہ کہا، صرف یہ کہہ دیا، تو اسب لوگ
 سمجھ ہی میں گئے کہ کہانی اور کسی کہانی کا ذکر کر رہا ہے۔

اس زمین میں مسمی کا دو غزل ہے، اور سورا نے بھی غزل لکھے۔
 سودا کی غزل ان کی پہرے غزل میں شمار ہونے کے لائق ہے، لیکن
 بھی شاید اس بات کا احساس تھا کہ یہ غزل بہت عمدہ ہو گئی ہے، چنانچہ
 مقطع میں مٹی ہے سو

گو میر ہوئی شاعری سودا کی جوانی
 تم سے نہ کہنے کی یہ کمان توت لکڑی ہے

لیکن غزل حیثیت سے نہ مسمی کا دو غزل، نہ سودا کی غزل، میر کے برابر
 رکھتی ہے۔ کوئی کمان کا مضمون جس طرح میر نے اس غزل میں باندھا
 ہے وہ میرے دعوے کے ثبوت کے لئے کافی ہے سو
 کھینچتا ہی نہیں، ہم سے قد خم شدہ ہرگز
 یہ ست کمان ہاتھ پر اب کتنی لکڑی ہے
 یہ شعر سودا مسمی کی غزل میں ہوتا توں ہکا و نمک میر کی غزل میں یہ بول چھا
 شعر ہے کیوں کہ وہ شعر جو میں نے شامل انتخاب کے لئے ہیں وہ اس سے
 بہت بلند ہیں۔

۲۴۴ [۲] گوہوں کا خط اس شخص قیامت کا ہے، کیلکہ یہ
 ۲۴۴ [۲] یعنی آسمان تو ہے ہی۔ لیکن اس کے مٹی پیر ہے،

کوئی گول گندمی ہے، نقدیر اور اس کا پیر ہے اور توپ گاڑی بھی ہیں یہ
 احترام سے مصرع ثانی میں گاڑی مان سہمت اور رعایت کا شاہکار ہے
 خاص کہ توپ گاڑی تو بہت ہی عمدہ ہے، کہ آسمان بھی توپ کی طرح تھلا
 کہ ہے اور توپ گاڑی بھاری ہونے کے باعث بدلنے زمانے کی بھی
 سڑکوں پر گھر لگ بھی جاتی تھی۔ زمین میں تو اس قدر بھاری ہوئی تھی کہ

اسی طرح میری ان ہی چیزوں کو جو کہ کھانے میں ہیں، لیکن ان کے پیمانے میں کمی کوئی
 نہیں کرتی، نہ کسی چیز کی کمی ہے اور نہ اس میں کچھ بھی نقصان کا باعث قرار
 ہے۔

دیکھ لیکن ٹھول کے ہونے اور
 کھانے کی بات بھی اور کھانے کا

نبی کے شعر میں دل کے زندہ رہنے ہونے کا مضمون ہے، لیکن ہلکا۔ اس کے
 شوق میں حشر قتل (وہ آسودہ آندھنی) کے دفن ہونے کا مضمون ہے، لیکن
 مٹی کی کثرت میں اور میر کی کئی ڈرامائیت تو کسی کے یہاں نہیں ہے۔ میر نے
 دیوان اول میں نبی کے مضمون سے واضح استفادہ کیا ہے، لیکن یہاں بھی
 یہ کائنات اور دنیا کی اسلوب نبی پر بھاری ہے۔

گرساٹھ لے گوا تو دل مضطرب تو میر
 آرام ہو چکا ترے مشت خبار کو

یہ نے طبع ان اہل ہی میں زیر بحث شعر کا مضمون بلکہ گو کہ کثرت الفاظ کے
 ساتھ کہا ہے، اس لئے وہ بات نہ آئی۔

حسرت وصل و غم بجز خیال و رخ و دست
 مر گیا میں یہ مرے جی میں رہا کیا کیا کچھ

ایک بات یہی توجہ انگیز ہے کہ میر نے ایک خواہش دل کہا ہے
 اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس ایک خواہش میں اور وہ میر کے ساتھ نہ
 ہوگا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بہت سی خواہشیں تھیں۔ سب مر گئیں، اس
 ایک باقی رہی تھی اور اسے بھی تو کیں نے میر کے لئے کے ساتھ زندہ کا نہیں
 نہ مطلب یہ ہے کہ وہ خواہش کیا ہے، اس کو خواہش کہنا نہیں چاہیے۔
 صرف یہ کہتے ہیں کہ اس ایک خواہش تھی۔ (یعنی خواہش کی وضاحت نہیں کی گئی)
 اور نہ بھی۔ لیکن اس کا استعمال مندرجہ ذیل شعر میں خوب کیا ہے، لیکن
 اس کے یہاں جی سے زیادہ نصیحت کی کثرت ہے۔ مگر اس لئے شعر ہے!

وہ اتنا درد پر ختم ہو کر ہے کہ

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ کا ہے ملک
 اور تو یہاں تھا ہی کیا ایک مگر دیکھا

۲۲۲۵

کو فتنے سے جان لپ پڑا ہے
 ہم نے کیا چون دل پہ کھائی ہے

ایسا مٹی ہے زندہ جاوید
 رفتہ یار تھا صاحب آئی ہے

۱۱۵۵ مرگ مجھوں سے عقل کم ہے میر
 کیا دھانے سے موت پائی ہے

۲۲۲۵

مطلب یہ اسے بیت ہے، لیکن جہان اور دل کا
 توازن دلچسپ ہے۔ حصر ہوا میں نے کھاتھا کھوا
 کا مصلوب عام طور پر عقلی توازن کا مصلوب ہے اور میر و غالب کا مصلوب
 شعری توجہ اور الفاظ کی چربائی مصلوب کا مصلوب ہے۔ لیکن ایسا ہی ہوتا
 ہے کہ بعض بعض خاص میں دونوں مصلوب بیک وقت چلتے ہیں۔
 میں اس لئے پر لب بھی قائم ہوں۔ مجھے تو یہ ہے کہ اس کتاب کے
 پڑھنے والے بھی اس بات کو محسوس کریں گے کہ میر کے یہاں سودا کی طرح
 کے عقلی توازن والے شعر بھی ہیں، اور سودا کے یہاں بھی شعری توسیع
 (یعنی آفرینی) اور الفاظ کی جدیدائی منطقی (وہ استعمال دیکھو اور اس
 طرح کے تخلیقی الفاظ) پر جی افسوس بھی ہیں۔

۲۲۲۵

رعایت اور نہ لفظ کا شوق اس شعر میں اس درجہ ذلیل
 ہیں کہ اس کا حقیقی مضمون (یا جذباتی پہلو) دب گیا ہے۔
 حافظ کا شعر شعر ملتے رکھیے۔

ہرگز نہ میر دہاں کو مٹی زندہ شد بہ عشق
 ثبت است بر قریب عالم دوام ما
 (جس کے دل کو عشق نے زندہ کر دیا
 وہ کبھی نہیں مکتل دینا کے درق پر

ہمارا دوام ثبت ہے۔)

عقول وہاں ہے کہ حافظ نے بلا سمجھ اور جہلہ عشق سے بہرہ فرما
 ہے، اور میر کا شعر عشق مٹی ہے۔ لیکن وہ حقیقت بات اتنی سادہ نہیں

حافظ کا شعر ہے جس کا بہت شوق ہے، لیکن میرے شعر میں ہانگی ہوا کا لفظ
 دریا بہت اور مٹی کی فراوانی ہے۔ میرا شعر کے چند ہی اور خاص کر اردو
 کی کلاسیکل خزل کا مدعا ہو نہ اور اس بات کو بغیر ثابت کرتا ہے کہ ہماری
 کلاسیکل خزل میں جنہوں نے اس کو اہمیت حاصل ہے۔ جذبہ کی صداقت
 ہوئی، فراوانی، دفعہ فردی چیز میں اردو شعور کی قیاسی کے مقابلے کے طور پر
 اہم ہیں، حیات خود اہم نہیں۔

میر کا بیجاوی شعور وہی ہے جو حافظ کا ہے، لیکن مٹی کے پہلو میر
 کے یہاں زیادہ ہیں۔ سب سے پہلے رفته باز نہ ہو کر گئے، ایک مٹی تو ہوئے
 وہ جو حقوق بزرگ یا حقوق کے باعث ہوش گوا چکا ہو۔ اس کے مٹی ہوئے
 وہ جو حقوق کی خاطر یا حق میں دیکھا ہو چکا ہو۔ دوسرے مٹی ہوئے وہ جو
 حقوق میں اس قدر خود کو گویا دنیا میں ہوئی نہیں۔ یعنی وہ جو حقوق کی
 خاطر یا حق میں دنیا اور دنیا والوں کو ترک کر چکا ہو۔ تیسرے مٹی ہوئے
 وہ جسے مارے چلا جانے دیا ہو، مٹی وہ جسے حقوق نے ضائع کر دیا ہو۔
 چوتھے مٹی ہوئے وہ جو بار کے اندر گم ہو چکا ہو، یعنی جو اس کیفیت میں ہو
 جسے میں نے میر فی اللہ کا نام دیا ہے۔ (حافظ کا شعر ہے: ۱۸۸۸ء)
 لہذا میر کا یہ فقرہ جو حافظ کے "دش زندہ شد بہ عشق" سے زیادہ مٹی کا
 حامل ہے۔

اب لفظ "موتی" پر غور کریں۔ یہ قرآن میں بھی ہے، یہاں اللہ تعالیٰ
 فرماتا ہے: *الیس الذلّت بقولنا علی الذی یحیی الموتی* کی اس
 کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھے؟ (تحریر مولانا فتح محمد خاں
 صاحب جاندھری۔ شہزادہ رحمت میں یہ لفظ زندہ جاوید ہونے کے معنی
 و بہا میں آیا ہے، لہذا قرآن کی آیت میں یہاں پر یاد آنا خاطر کی ہے۔ گویا
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ وہ میرے ہوؤں کو زندہ کر دینے پر قادر ہے، اس بات
 کی دلیل بن جاتا ہے کہ جو شخص حقوق حقیقی کے دھیمان اور غیبت کے عالم
 میں ہے وہ زندہ جاوید ہے۔ "موتی" سوا صافیر موتی لفظ ہے کہیں کو دلی
 کے باہر یہ اب سننے میں کہ آیا ہے کہ پہلے بھی یہ بہت مانوس نہ تھا، چنانچہ
 میر کے بہت سے شعر میں نے اسے موتی پڑھا ہے۔ فرٹ ولیم والے

شعر میں بھی موتی درج ہے، لیکن صحت سے اسے صحت کدی
 گئی ہے کہ "موتی" ہے۔ فونل ۱۸۹۸ء اور عباسی اور کلب علی
 خاں قاضی میں موتی ہے۔ جملہ اول میں "موتی" پر بحث کرتے ہیں
 میں نے لکھا ہے (ص ۱۸)۔ یہ لفظ اس قدر نادر ہے کہ اچھے انجمن
 نے اسے "موتی" پڑھا ہے۔ جناب فرید احمد میر کا مٹی فرماتے ہیں کہ
 "موتی" (الف مقصورہ سے) کے معنی "مرنے والا" نہیں، "مرنے والا"
 ہوتے ہیں۔... شعور میں کمال نہیں درد دوسرے مصرعے کو "رخسار
 تھے تب آئی ہے" کو ناپڑے گا اور پہلے مصرعے میں "ایسے موتی ہیں"۔
 زور نظر فرمائیے اس لفظ کو موت۔ "یائے نسبتی" یعنی موت والا اور
 موتی درج کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ موتی یا موتی کا کوئی مناسب
 قریب کچھ نہیں آئی کہ موت پر مٹی کا اضافہ کر کے اسم فاعل مراد لیا
 برکاتی صاحب کا بیان ختم ہوا۔

اس بات سے قطع نظر کہ موت سے "موتی" اگرچہ قاعدے کے
 لحاظ سے درست ہے، لیکن موتی احتساب سے انتہائی بکھرنا ہے، اور
 یہ بات بہت مستعد ہے کہ میر نے "موتی" بمعنی "مرنے والا" لکھا ہو، لیکن
 بات یہ ہے کہ شعور فرٹ ولیم میں "موتی" ہی ہے۔ اور یہ لفظ اس قدر
 شاذ ہے کہ کئی تہذیب پر نے اسے "موتی" پڑھا ہے۔ لہذا یہ بات الگ
 ہے کہ میر نے غلط لکھا کلمہ "میرا بیان بہر حال قائم رہتا ہے کہ شعور
 نادر لفظ ہے۔ برکاتی صاحب کا یہ قول بالکل درست ہے کہ قرآن
 کی رو سے "موتی" واحد میں جمع ہے۔ خود قرآن پاک کی آیت جو
 میں نے نقل کی، اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ لیکن پہلی
 کی بہت سی تحسین اردو میں واحداً قیاسی، مثلاً: سوال ۱۱ جواب اول
 اخلاق دفعہ۔ "موتی" بھی دلی میں بالاتفاق واحد بلا جابجا ہے
 "میت" یا "موت"۔ غرض کہ عالم قسم کے لوگ اسے اس معنی
 میں کہہ رہے ہیں لیکن کوئی بھی دلی والا "موتی" بمعنی "میت" / "مٹی"
 "موت" پیچیدگی سے لکھا حیدر کہ انھوں نے کہے کہ دو شعروں میں "موتی"
 استعمال کیا ہے، "اھ کھوں نہ ہو" جب وہ میر کے مضامین کو بکرت سے

(۱) جنہیں جس کا کوئی اس کا خلیا ہے پوچھنے والا
اٹھاتے ہیں ملائکہ ان کے بے جاہ کے لئے
(۲) دل پر تڑپ ہو رہے ہر شے کو بے جاہ میں
ہو اسے بلخ جنت زندہ کر دیتی ہے موتی کو

یہاں پہلے مشورہ موتی کے بے جاہ ہے اور دوسرے مشورہ میں بھی توفیق
کا خیر ہونا قطعی ممکن ہے۔
بہ شکر کہ خیر و خیر و خیر و خیر کریں۔ "آئی" یعنی موت بجلی ہے اور
اس غم میں یہ موتی کے ضلع کا لفظ ہے۔ "آئی" یعنی آنا کا ماضی اور
"زیر" یعنی رفتی کا ماضی میں بھی ضلع کا تعلق ہے۔ یہ دیکھ کر خاں صدف نے
موتی کو تھوڑا سا ہلکا کر کہا ہے، لیکن ان کا استفادہ بہتر ہے آتش
دہش کے استفادہ سے کیوں کہ ان کا شکر مکمل ہے اور غم میں لاوارث طبیعت
دست

اس کے کشتے ہیں زندہ جانور
مستی ان کی معین ہستی ہے

۲۴۵ [۳] یہ کیفیت کا بہترین مشورہ ہے، لیکن یہاں بھی میر رعایت سے
۳ [۳] ہا نہیں آئے ہیں۔ بخیر "دعوت" جس کا لقب تھا ایک
اور اس کے معنی بھی درود، بخیر ہندو ہیں۔ لہذا بخیر "دعوت" دے دینے میں
حاجت ہے۔ اس مناسبت سے معنی میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ درود
پہن کر تو معنی کا ایک بڑا حصہ کم ہو جائے گا
کہا چلائے نے موت پانی ہے
"دعوت" دے میں بخیر "احرام" بہت ہی سب سے ہے، جب کہ پہلے
ملائے دے سارے "دعوت" اور بھی نہایت ہی قسم کا لفظ "بخیر" اور "دعوت"
اور کہہ جانے میں کفر نہیں ہے، بلکہ بخیر "دعوت" اور "دعوت" اور "دعوت"
بیک دوسرے کو مضبوط کر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کہ خود لفظ "دعوت" میں
جس میں ایک حلیت ہے، گویا بخیر "دعوت" اور "دعوت" اور "دعوت"
"دعوت" بخیر "دعوت" ہے، لیکن اس میں "دعوت" اور "دعوت" اور "دعوت"

استحباب بھی ثابت ہو کر ہیں۔ بخیر اور دینے کی مناسبت سے
"دعوت" کہہ بھی بہت نصیب ہے۔

اس سب اشعار کے باوجود مشورہ میں بھی ہر قسم رہ جانتے ہیں
بخیر کو سرے تو سر، ہر ایک کی شکر کا انداز کہ میرا ہے جسے کسی تانہ دلنے
پر رائے زنی ہو رہی ہو۔ گویا "دعوت" کے لئے بخیر "دعوت" اور "دعوت"
نہیں چکا بلکہ ہر وقت خودی طور پر اس کی انگلیوں کے سامنے رہتا ہے
بخیر بخیر کی موت میں کوئی ایسی خاص ڈراما نہایت نہیں (جس میں مشافہہ
یا میر کی موت میں بھی کہ اس کا ذکر کہ خاص طور پر کیا جائے۔ ممکن ہے ہر
یہ کہ بخیر دو اصل امراتیں بلکہ زندہ جانور ہے۔ اور عقل اس بات پر
توجہ ہے کہ ایک معمولی باور فطرت کو موت کے بے حیات جانور کی نصیب
ہوئی۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ بخیر کی موت سے زیادہ اہم بات یہ ہے
کہ اس کی موت عالم دنیا کی ہے، لیکن اس کی دنیا کی میں بھی ایک شکر
تھی، اور نہت فرانس کی سر پر زندہ پرنس سے مانوس تھی۔ یا پھر
یہ ہو کر ناری، بلکہ دنیا کے کسی بڑے شاعر کی فطرت اور جانی نے
بخیر کے حسی ہر شے کو لکھیں۔ یہ امر اور گویا بھی نصیب نہ ہو۔ لہذا
کی یہ کثرت اور توسع شعر کے لطف میں اضافہ کرتے ہیں۔

۲۴۶

داعوت اپنے جی پر کیوں تو جفا کرے ہے
اختا بھی میر پہلے کوئی گھاس کرے ہے
ہم خود حق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
کھنڈ میں جیسے کوئی دل کو مٹا کرے ہے
اس بت کی کیا شکایت رہ درویش کی کہیے
پرہے میں یہ سلوکی ہم سے خدا کرے ہے
ایک آفت نہال ہے یہ میر عشق پر مشر
بھڑے میں اس لئے مطلب پہنچا کرے ہے

۳۳۶/۲ مطلع برائے حبیب ہے۔ اس مضمون کو چھپا

۳۳۶/۳ ایک اندر کی تاریکی (پینے کے اندر کوئی حل کو شام چتا ہے) کے لحاظ سے یہ شعر غریبی سے ہے۔ مصرعہ اولیٰ میں

ہم بھی خوب ہے۔ (۱) ہمیں نہیں معلوم کہ عشق کا طو کیا ہوتا ہے۔ یہی ہمیں نہیں معلوم کہ عشق اپنے نگاہ کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ (۲) ہمیں عشق کا طو نہیں معلوم۔ یعنی ہم عشق کرتا نہیں جانتے۔ اس شعر کا مضمون (خاص کر مصرعہ ثانی کا بیکر) بیکر کا اپنا معلوم ہوتا ہے۔ کئی شعرا نے اس کی تقلید کی ہے۔ خود میر نے اسے کئی بار کہا ہے۔

کس غم میں مجھ کو یارب یہ مبتلا کیا ہے

دل ساری رات جیسے کوئی ملا کیا ہے

(دیوان دوم)

عشق و محبت کیا جانوں میں لیکن آتا جانوں کو

اندر ہی سینے میں میرے دل کو کوئی لکھا ہے

(دیوان پنجم)

اس مضمون پر شیفہ کا شعر زبان زد خاص و عام ہے۔ یہ

مثالی اسی کا نام محبت ہے شیفہ

اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

پینے میں آگ کا مضمون اور دل نے بھی کہا ہے۔ بعض مثالیں ۳۳۵

پر ملاحظہ ہوں۔ فانی نے کائنات کا بیکر خوب استعمال کیا ہے۔ یہ

معلوم نہیں کیا ہے محبت لیکن

کا شاد دل میں کھٹک پہلے کوئی

اس میں کوئی شک نہیں کہ فانی کا شعر بہت خوبصورت ہے۔ لیکن پینے کے

اندر دل کوٹنے کا مضمون میر کے بعد صرف جرات کے یہاں نظر آیا۔ مضمون

ہے جرات نے بیکر کا جواب لکھا اور ایمان کی بات یہ ہے کہ خوب لکھا ہے

پوچھو نہ بیکر کی شب جرات سے میر صاحب

دل ساری رات جیسے کوئی ملا کیا ہے

۳۳۶/۳ اس کے حسب ذیل معنی یہاں مناسب ہیں۔

چھپ کر (۲) اڑنے کر (۳) بہانے سے (۴) کھل جی۔ دا۔ تو صرف یہاں تک پہنچے تھے سو

ہے وہی غم وہی جبر وہی کبر و غرور

بت خدائیں کو کھانا نہ کرنے ملے

لیکن میر نے (یعنی اس شعر کے منظم) نے ایک طرف توڑ کر کہی خدا قرار دے دیا اور دوسری طرف یہ کہا کہ اللہ نے بت بنائے ہیں اس نے کہ وہ ہم عاشقوں کے ساتھ سخت معاملہ کرے۔ تیسری طرف میر نے ان کا منظم) یہ کہہ رہا ہے کہ بت بھی خدا کا جلوہ ہیں، یا خدا کے جلوے کے حامل ہیں۔ پھر ایک پہلو یہ بھی ہے خدا براہ راست نہیں بلکہ اسباب ایسے پیدا کرتا ہے کہ جن کے باعث عاشقوں کی زندگی مشکل ہو۔ سردار جعفری نے صحیح لکھا ہے کہ بعض اوقات میر کا محبوب، عشق حقیقی خدا کی ذات میں بھی گم ہو جاتا ہے ... اس محبوب کی راہ و روش کی حکایت کرتے وقت میر بے باک ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پردے میں ہر سلوک ہم سے خدا کرے ہے۔ لیکن میں یہ بات بھی طوطا دہنی چاہتے کہ میر (یا کلاسیک شعرا) کے یہاں اس طرح کے بیانات مضمون کی خاطر بھی ہیں، اور ان کو سراسر ذاتی بیان قرار دینا ان کے معنی کو محدود کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہی میر جو جن کو خدا کا پردہ قرار دیتے ہیں، اس کے برعکس بھی کہتے ہیں کہ نہ ماننے کی حکایت ہو یا آسمان کا کیا یہ اسی عشق ہی سے ہے۔ یہ

دیر کا ہو گا کہ شکوہ حیرت

اس غم کو کسے کنایت ہے

شیخ طھر نے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب حضرت ذوالنون مصری کو انکار نے اٹھایا تو لوگوں نے آپ کو فانی پر یہ کلمات لکھے ہوئے دیکھے۔ حلیٰ عجیب اللہ عبادت فی حب اللہ

وہاں پہنچ کر غصہ مٹا دیا۔ صاف اندر در اندر کا عجیب ہے، اندر
 کا جیسے میں مڑا۔ اور یہ اندر کا خلیل ہے، اندر کی گوار سے مڑا۔ ظاہر ہے کہ
 یہ کاشعراں کی کیفیت کو نہیں پہنچتا۔ لیکن اس مسئلہ دی ہے کہ عاشق تک
 جو کہ پہنچے اسے وہ عشق جیسی کی طرف سے نکھے۔ میر کے شعر میں ہے میری ہے
 کردہ صوفیاں عشق کو بر لوکی سے فیر کر رہے ہیں۔ یا پھر یہ کہ عشق بجاری کی طرف
 سے جردل جگنی یا بے سلوکی ہوئی ہے اسے وہ (۱۶) تقدیر الہی قرار دیتے ہیں یا
 (۱۷) اندر کے اشارے پر یعنی قرار دیتے ہیں۔ یا پھر (۱۸) عشق بجاری کو خدا کا
 پردہ قرار دیتے ہیں۔ ہر صورت میں عشق حقیقی اور عشق بجاری کی طرف متقلد
 متحرک رہتا ہے۔ یہ تھاری ہماری غزل کا خاصہ ہے۔ اس کی بنا پر صرح
 صرح کے ابہام پیدا ہوتے ہیں۔ قدر بلکرائی نے غالب کو اپنی غزل صرح
 کے لئے بھیجی۔ مطلع تھا کہ

لاکے دنیا میں ہیں زیر فنا دیتے ہو

ہائے اس بھول تعلیم میں دفن دیتے ہو

غالب نے ردیف میں ہو کہوں ہو کر دیا اور لکھا "میتھ" جمع رکھ دیا تاکہ
 خواب اور بتان کی طرف غیر راجح ہو یا شخص واحد کی طرف ... اب غفلت
 عشق بجان بجاری اور قضا و قدر میں متحرک رہا۔ "نہج نیادی بات یہ ہے کہ
 کلام در دار ہو اس سے ایک سے زیادہ مقصود حاصل ہو سکیں جو آخری
 اسی کو کہتے ہیں۔

بہادر شاہ ظفر کے ایک شعر میں کچھ میر کا سامعین اس عشق اور
 خوش طبعی لیکن اندر اور بنجید کی سے بندھا ہے کہ بے ساختہ اندر نکلتی
 ہے جو کوئی بعض غزل غزل کے بارے میں اس بات پر مضمک کے تحسین سے پہلے
 کر دیتے ہیں کہ ان کے یہاں یہ بات نہیں کہتی کہ شاعر بنجیو ہے یا بہار الہیا
 غلبہ کا غنائی اثر ہا ہے ان کو چاہئے کہ اردو فارسی غزل کی نہ داریاں لکھیں۔
 ہر حال ظفر کا شعر ہے

تم نے تو مجھ اس سے تیر کی ہوا میں دھبہ

جس کے لہان غم شان خدا حق میں دھما

میر کے شعر میں بے سلوکی بھی دلچسپ نقطہ ہے، کیوں کہ ظاہر یہاں

عشق کے غم و غم کے علاوہ ہکا ہے۔ بے سلوکی تو اس وقت ہوتی
 ہیں جب (مثلاً) کوئی کسی کو نرم سے نکال دے۔ یا حقائق سے گفتگو
 کرے۔ یہاں میر نے اسے عشق اخلا کے معاملات سے عشق کے
 عشق کو درمہ زندگی سے قریب کر دیا ہے اور خود عشق حقیقی کو گویا
 بھاتا رہا ہے۔

۱۲۲۶
۳

۱۲۲۶
۳
 ہے کہ پردے میں مطلب کو ادا کرنے کے باعث میر کو آفت زماں
 کہ گیا ہے۔ ہر نا تو یہ چاہئے تھا کہ اس شخص کو آفت زماں کہے تو
 اپنی بات کو کھول کر ادا کرنا اور اس طرح سے کا دروازہ کھولنا۔ یہی کہا
 یہ جا رہا ہے کہ میر اسے سادہ مطلب پردے میں ادا کرتا ہے۔ لہذا
 اس کا مطلب یہ ہو کہ اس جگہ اور جس زمانے کا ذکر ہے وہاں کسی قسم کی
 پابندی ہے یا آزادانہ گفتگو کو برا سمجھا جاتا ہے۔ یا پھر میر کے دل میں
 ایسے اسرار ہیں جن کو ظاہر کرنے میں قفے یا غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔ یہی میر
 پھر بھی انہیں پردوں استعمالوں کی صورت میں ظاہر کر دیتا ہے۔ ظاہر
 ہے کہ میرا شخص آفت زماں تو ہوا ہی کیوں کہ جو بھی اس کی بات لکھے گا
 وہ ان سوار سے واقف ہو جائے گا جس کے افق میں قفے کا
 امکان ہے۔

اس سلسلے میں ۱۲۶۶ بھی ملاحظہ ہو جہاں میر نے شعر کو عشق کا
 پردہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہی پردہ یا یہی عشق پھر ان کا فی شعرا۔ شعر زیر
 بحث میں نقطہ مطلب بھی خوب ہے، کیوں کہ اس کے دو معنی ہیں۔
 (۱) وہ باتیں جو کا کہنا مقصود ہے، یعنی اپنا فی ان غیر۔ (۲) اپنے
 مطلب کی باتیں مثلاً "خفا" کہ تم سے عشق ہے۔ وہو۔ معی فیر اسے عشق
 کی باتیں بھی مراد ہو سکتی ہے، جیسے کہ مولانا روم کے شعر میں
 میں ہے

خوشتر اس باشد کہ سرور لب

گفتہ آید در حدیث درویش

ہر چیز کی ہر چیز کے حقوق کے ساتھ
کی باتوں (کے پردے) میں (کے پردے)

۲۲۷

کار دل اس مہ تمام ہے
کاهش اک روز کوشام ہے
شعر میں گو خواص پسند
بر محض گفتگو خواص ہے
سہل ہے میر کا سمجھنا کیا
ہر سخن اس کا مقام ہے

۲۲۷
۱

مطلع میں بھی برائے بہت ہے، لیکن کئی دلچپ اور حیات
کے باعث غلی ازل غلی نہیں۔ نہ تمام کے اعتبار
سے، کاهش اور تمام دلچپ ہیں۔ کاهش اور نہ میں ثابت ہے تمام
اور کاهش، اور نہ اور تمام میں رعایت ہے۔ روزے ملو، روزہ
ہے، لیکن پہلی نظر میں دھوکا ہوتا ہے کہ اک روزہ میں ہی ایک ہی دن کی بات
ہو رہا ہے۔ ایسا اسلوب پیش رفتی کا ارتقا دیکھ کر تلبہ۔ روزہ ہر تمام
اور تمام میں رعایت ظاہر ہے۔

۲۲۷
۲

یہ شعر سادگی میں کثیر المعنویت اور ابہام کا عمدہ نمونہ ہے۔
سامنے کے معنی تو ہیں کہ اگر چاہے سب شعر خواص پسند ہیں، یعنی
خواص کو پسند آنے کے لائق ہیں، لیکن مجھے بوجہ کم قدری، یا کسی اور وجہ سے کہا
خواص سے بات کرنا ہوتی ہے۔ ذرا سا غور کریں تو کم سے کم تین معنی اور کچھ
میں آتے ہیں۔ (۱) میرے شعر خواص کو پسند آتے ہیں، لیکن میں ہی کی پروا نہیں
کرتا، میں تو خواص سے بات کرتا ہوں۔ (۲) میرے شعر خواص پسند ہیں، لیکن میں
کو شعر مٹا دیکر رہا ہوں، یا وہ لوگ میرے شعر کو پسند نہیں لیا، یا انھیں میں شعر کو
سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، لہذا میں خواص کو اپنا مطلب بنانا ہوں۔ (۳) میرے
شعر خواص نہیں پسند کریں، لیکن میرے اصل پیغام تو خواص کے لئے
ہے، لیکن کہ مجھے ان کی مصلحت نظر ہے، یا ان کی روحانی ترقی منظور ہے۔

ہر چیز کے خواص کے لئے ہیں، لیکن میری گفتگو خواص کے لئے
ہے۔ میں خواص میرے اشارہ و تحسین کے لئے ہیں، میں خواص میرے تمام زبان میں
بات چیت کرتا ہوں۔ میری خاموشی کی TARGET AUDIENCE

خواص ہیں، اور میری گفتگو کی TARGET AUDIENCE خواص ہیں
ظاہر ہے کہ ان میں سے میں معنی کو میری ہی رنگ دے کر میر کو
محو یا مٹا دیتا ہوں، یا کہا جاسکتا ہے، اور اس تعبیر کے لئے کلام میرے
سبب لائی جاسکتی ہے۔ مثلاً

جیسی جنت تری دیو میں ہی امیروں کے ہوتی
ڈی ہی ان کی بھی ہوگی میرے دیوان کے بیچ
(دیوان دوم)

لیکن کسی متن کی ایسی تعبیر کرنا جس کا وجود صاحب متن کے زمانے میں ممکن نہ
ہو، غلط تو نہیں، لیکن ذرا غور و فکر ہے۔ لیکن یہاں تک تو ہر حال
کوئی ہرج نہیں کہ محو یا مٹا دینا، معنی بھی اس شعر کے ایک معنی قرار دے
سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک تفسیر دینی بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ آگے
بیان ہوگا۔ ان معنی کا حوالہ ابن احمد کے تصورات پر قائم ہوتا ہے
مسلمان مفکروں کے یہاں بہت شرع ہی میں اس لئے
پر غور و فکر اور بحث و تمحیص کا دروازہ کھل گیا تھا کہ بہت سے تفسیر
مسلک ایسے ہیں جو عقل کی رو سے ثابت ہیں لیکن جو مذہب یا عقیدہ
کی رو سے غلط یا ناممکن ہیں۔ علی ہذا اقصیٰ، بہت سے مذہبی اور
عقیدے پر مبنی مصلحت ہیں جو عقل کی رو سے ثابت نہیں ہو سکتے، پھر
ایسی صورت میں، فلسفی کو کیا راہ اختیار کرنی چاہئے؟ ظاہر ہے کہ عقل
اور کثرت اور استدلال اور عقیدے میں اکثر تضاد ہو جاتا ہے اور فلسفی
(یعنی وہ شخص جو کائنات کو عقل و استدلال کی روشنی میں حل کرنا چاہتا ہے)
کے لئے نہ یہ ممکن ہے کہ وہ عقل سے دست بردار ہو، اور نہ یہ ممکن ہے
کہ وہ عقیدے سے دست بردار ہو۔ یہی دشمنی اس مسئلے کا حل پیش
کیا تھا کہ فلسفہ اور مذہب میں کوئی تضاد نہیں، دونوں کی سمجھنا ایک
انگ حاکم سے ہو، اور یہ لازم نہیں کہ جو چیز فلسفے کے عالم میں صحیح ہو وہ

میرے لئے عامیہ ہی تھا۔ اس لئے کہ اس میں کوئی خاص فلسفہ نہ تھا
 نے قبول نہیں کیا۔ اس کی شہرت اس لئے بڑھ کر گئی تھی کہ اس نے
 عامیہ الفاظ سے عوامی زندگی کے مسائل پر روشنی ڈالی اور عامیہ
 سہانہ میں فرق کیا۔ ایک کو اس نے

کہا کہ VULGAR TRUTH یعنی "سہل سادہ" نہیں بلکہ سچی خام، بے پردہ
 کو اس نے PHILOSOPHER'S ACCEPTABLE TRUTH کہا اور قرار
 دیا کہ دونوں میں فرق صرف اس میں ہے اور وہ مکملی۔ کائنات نے اپنے طور پر اس
 کے لئے کامیاب نہیں کیا کہ اس نے مسائل و فاضل عقل کے دائرے سے باہر نکلی اور
 وہ اس نے سمجھیں کہ سب لوگ انہیں سمجھ سکتے ہیں۔ کائنات کا کہنا تھا کہ
 انسانی عقل یہ ہے۔ قدرت ہی نہیں کہ وہ خدا اور انسانی آزادی، اطلاقیت اور غیر
 تصورات کا ادراک کر سکے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ میر کے زیر بحث شعری ایک تصویر بھی ہو سکتی ہے
 کہ یہ باتیں تو دور اصل حقیقی سچائیوں کی حامل ہیں، یعنی ایسی سچائیوں کی جو کتنی
 کو قابل قبول ہیں، یا پھر وہ کائنات کی طرح کی سچائیاں ہیں جو انسانی عقل سے
 ماوا ہیں۔ لیکن مجھے عوام سے گفتگو کرنی ہے۔ لہذا اس ایسی بات کو اس کی سطح
 تک محدود رکھنا چاہوں۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہم اس شعری جو بھی تصویر
 کریں، لیکن اس کا ضمن میں یہی رہتا ہے کہ ہمیں جو کچھ سمجھا جائے، یا ہم
 جو کچھ چاہتے ہیں، وہ اس بات سے بہت مختلف ہے جو ہم کہتے ہیں۔ یعنی
 ایسا ہر نظم ایک کتبہ ہر اس ہے۔

ممکن ہے میر نے شاعرانہ جی سے کچھ استفادہ کیا ہو
 کیوں نہ ہو اس شاہِ خوبیاں کو نہیں
 شعر میرا دردِ خالص و عام ہے
 ہائی کے شوقِ بے پناہ تاویہ ہے کہ شاہِ خوبیاں کو حکم کا شوریدہ
 اٹالے نہیں کہ اس کا شور و خفاں و عام ہے۔ خود میر نے ایک شعر میں
 کہا کہ خداوند بے پناہ کی بات کی ہے کہ
 گفتگو یا قصوں سے ہے درد
 میر جی بھی کمال رکھتے ہیں

(دو لہجہ اول)
 گویا ایک سطح پر حکم اور اس کے خلاف ہیں۔ مکمل کمال حق کا اظہار
 نہیں کرتا۔ لیکن اگر میر نے اپنے دل سے انصاف کیا۔ ایک شخص پر یہ بھی
 کہ اس نے خود تو صاحبِ کمال ہیں، لیکن میر نے اپنے دل سے انصاف کیا
 اور میر نے کمال تک نہیں پہنچ سکے۔ میر نے غالباً اسی جذبہ کے
 تحت کہا تھا کہ

حدیثِ مطلبِ ماسوا سے زیرِ نسی است
 کہ اہلِ بزمِ عوام اندر گفتگو مر بہت
 (ہم سے عقیدہ کی بات وہ مدعا ہے
 جو زیرِ لب بیان ہو کیوں اہلِ بزم تو
 حاشیہ ہیں اور میر کی بات عقلی و خواص
 کے لئے ہے۔)
 دلی نے بھی کہا ہے کہ

لے دلی قدرت سے شعری کی یاد دہشت عوام
 اپنے شمار کو کر گزرتو دے ہر بخواس

COMMENTARY ۱۳۱۷
 ۳۳
 یہ شعر گویا کہ خود شعر مر بہت
 یعنی اظہار خیال ہے۔ اگر دیوان دوم ہی کا یہ شعر
 سامنے ہو بات اور واضح ہو سکتی ہے کہ

ظہار و شرفِ دولوں کو گویا ہے ان کی میر
 کہتے ہیں باتیں میر کی کس مقام سے
 یعنی حکم اور میر کوئی مضبوطی نہ رکھتا، آسمان، جسم، روح، عینک
 میرانی غفلت، محبت، میر مقام سے (یا ہر مقام کے بارے میں) گفتگو کو کتنا
 ہے۔ لہذا اس کو کہنے والا بھی ایسا ہونا چاہئے جس کی نظر اتنی ہی
 گہری ہو جس کا روحانی، یا فنی سفر اتنی وسعتوں کو گھومتا ہو۔ میر کی
 نے مقام سے تمام صوفی مواد لی ہے اور کہتا ہے کہ یہاں اظہار ہے
 کہ ہم مختلف مقامات پر قائم گئے نہ رہتے ہیں اور یہاں کی بات کہتے
 ہیں۔ بلکہ ہم سوئی ہوئے کہتا ہے جو اس مقامات سے آگاہ ہو۔ انا ہم

میں کوئی خاصیت نہیں۔ لیکن شکر کوئی حد نہ رکھتا ہے۔ وہ کبھی نہ رکتا۔
 دیوان دوم کا شعر میں نے نقل کیا اس سے تو یہ صاف ظاہر ہی ہے کہ غلام
 سے مراد کیفیت کے علاوہ جزائی مقام، تجربے کے مختلف منازل وغیرہ
 بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مقامات سے مقام تکئی مراد یہی نہیں بلکہ کوئی ہرج
 نہیں۔ خاصاً کہ جب تک کہ شکر کے آہنگ اور اس کے شروع کا خاملا نہ
 بھی تھا۔ لہذا کتبہ یہ کہ غلامی میں بات کو سمجھنا یا سمجھ جانے کے لئے بھی
 دیکھنا۔ اور اس میں بات تک نہ پہنچنا۔ مستعمل ہے۔ اس اعتبار سے "حق"
 اور مقام میں خلط کا ربط ہے۔

معراج اولیٰ کے انشاء سے استفادہ کرنا اگر کسی کو نایک و دلچپ
 معنی لگتے ہیں تو کہنا کہ اس قدر پہل ہے! وہ ہر بات ایک مقام (درجہ)
 صوفیانہ مقام، مقام کشفی وغیرہ کے حوالے سے کہتا ہے۔ اگر وہ مقام
 معلوم ہو جائے، یا یہی بات معلوم ہو جائے کہ میر کے سخن میں مقامات
 کو مرکزی مقام حاصل ہے تو اس کو سمجھنا بہت پہل ہو جائے
 دلچپ شعر ہے

۲۲۸
 برسوں لگی رہی ہیں جب ہر دم کی آنکھیں
 تب کوئی ہم سا صاحب صاحب نظر ہے
 اس مضمون کا ایک شعر ۲۵۵ پر دیکھ چکے
 ہیں ۲۲۸

مبت پہل میں جاؤ پھر تلے خاک ہوں
 تب خاک کے پردے سے نکلے ہیں
 (دیوان اول)

اس شعر کی بعض خوبیاں ہم ۲۵۵ پر دیکھ چکے ہیں۔ اسے غلام
 کا تقریباً ترجمہ بھی کہا جاسکتا ہے۔
 بود مشکل گر آں نغمہ جامع بہت خند
 کند تا آدمی پیدا فلک دیار می گردد

(۲) غلامی میں بہت سے کلمات
 خود ساختہ آجائے جو آسان بھی ہیں۔
 اس فرقے کے گرامر پیدا ہو سکتا
 کہ بہت سے کلمات بڑھتے ہیں۔

خان آرزو کے شعر میں رہا کی ذرا کمی ہے۔ میر نے زیر بحث شعر میں
 ہر دم کی آنکھیں لگی رہنے اور دوسرے مصرعے میں صاحب نظر بنے
 کا مضمون رکھ کر بات مکمل کر دی۔ ہر دم کی آنکھیں لگی رہی ہیں کے
 مقصد مطلب ہو سکتے ہیں۔ (۱) ہر دم نے برسوں انتظار کیا۔
 (آنکھیں لگی رہنا = انتظار کرنا)۔ (۲) ہر دم نے ہم کو برسوں
 تک، یعنی ہر دم نے بہت CONCENTRATE کیا ہے
 ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے ہیں۔ (۳) ہر دم نے ہم
 کو برسوں تک اپنی نگاہوں میں رکھا ہے، یعنی وہ ہمیں دیکھا کرتا
 ہے۔ اس مضمون کی رو سے مشکل خود کو ہر دم کا "نظر کردہ بنا رہا ہے"
 جس طرح صوفیا اپنے خاص لوگوں پر روحانی نظر ڈال کر انھیں نظر کردہ
 کرتے تھے اور روحانی قوت سے ملامت کر دیتے تھے۔

آنکھیں لگی رہنے کے اعتبار سے صاحب نظر بنا خوب ہے
 یا ایں کہیں کہ معراج اولیٰ میں آنکھیں لگی رہنے کا ذکر نہ ہوتا تو صاحب
 نظر میں وہ لطف نہ ہوتا۔ صاحب کی نگاہ بھی خوب ہے، کہ پہلا
 تو خطاب ہے۔ (اے صاحب!) اور دوسرا کہ صاحب کا معصاف ہے
 ممکن ہے صاحب "میں" "مرا" "میں" ہو، اور شعر کا مخاطب کوئی دوست
 یا عشق ہو کہ تہلکہ رانہ میں سے ہم جیسا صاحب نظر بن
 سکتا ہے جب ہر دم کی آنکھیں برسوں لگی رہی ہوں۔ ہم جیسا شخص
 آسانی سے نہیں پیدا ہوتا۔ ایک امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صاحب
 سے اللہ تعالیٰ مراد ہو خواہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے ترجمہ قرآن
 میں جگہ جگہ "اللہ تعالیٰ" کی جگہ ملتا ہے۔ اور قطب
 (صاحب دہلی) میں ہے

مجھ صاحبِ سخن ماحی ہوں ایک دن اپنے
 اس آسمان پر دوسرے مشکل اعلیٰ ہے۔
 اس اعتبار سے اقبال کی طرح میری منزلتِ تعالیٰ کے سامنے اپنی تقدیر
 و محنت بیکار کر رہے ہیں کہ اسے اللہ ہم جیسا صاحبِ نظر انسان ہی نہیں
 بنا (یہ بھی قانون ہے)۔ خالق کے سامنے مخلوق اپنی قدر و قیمت کا اندازہ
 کرے اور اس کو جتنے کہ ہم اپنا شل نہیں رکھتے، یہ معقول پرانی شاعری
 میں عام ہے۔ اسی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ معشوق کے سامنے عاشق
 اپنی خوش قسمتی اور رفیع الوقعی کا اظہار کرے۔ چنانچہ حافظ کا یہ شعر
 شہر ہے

شعبے مجنوں بہ نیکی گفت کاے معشوق بے ہمتا
 نوا عاشق شود بیدار وے مجنوں نہ خواہد شد
 (ایک رات مجنوں نے نیکی سے کہا کہ اے
 تو ہم پہنچ جائیں گے
 لیکن مجنوں نہ ہوگا۔)

دیوان سوم

ردیف ی

۱۲۴۹

گھر دل کا بہت چھوٹا پر جاے تعجب ہے
 عالم کو تمام اس میں کس طرح ہے گنجائی
 ۱۲۴۹ = معنوں و معنیوں میں بہت شہیل ہے کھل اگرچہ بظاہر
 ۱ = عدد دوسرے، لیکن اگر توجہ الہیہ ہو تو ساری کائنات جتنی
 کائنات کائنات بھی اس میں گھر کر سکتا ہے۔ اس موضوع پر تھوڑی سی
 بحث ۳۳ پر ملاحظہ ہو۔ میر نے دل کی صحت کا معنوں کی بار بار تکرار ہے
 پھر شاہ نیاز پڑھو صاحب کا شعر ہے

سینے میں قلوب کوئے قطرے کا قطرہ رہا
 ان رے سالی تری ادوے سمندر کے چور

میں پر مولانا دروہ کا گھوڑا اس (معلوم) پر تپا ہے (دفعہ ۱۸۷)۔
 قطرہ کو غم و حسرت نہ دے
 ہفت گھر کی فضا رہا نہ دے
 (وہ قطرہ غم و حسرت کا سمیٹن ہوا)
 تو وہ ساتوں عمر محکم کو اپنا میر کر
 لینا ہے۔)

شاہ نیاز صاحب کے یہاں مصرعِ تنائی کے انشائیہ اور سمندر کے چور جیسے
 زبردست پیکر کا جواب رومی کے پاس نہیں۔ لیکن مولانا نے دفترِ ششم
 میں اس معنوں کو پھیلا کر عجیب و غریب و حال اور مرز و اسرار بخش
 دیا ہے، وہاں تک (کم سے کم شعر کی حد تک) شاہ نیاز یا میر کی
 رسائی نہیں ہے

کہ نگہم در افلاک نو غلا
 در عقل دور نفوس یا ملا
 در دل توئی گنجیم چون جیف
 بے زخون دے بچو نہ نہ کف
 تیر دلائی آں دل فوق و تحت
 یا بدارائی پادشاهی ہائے غت

(و اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے
 آسمان میں سمایا، وہ خلاؤں میں،
 دھنوں میں، اور بلندی رکھنے والی
 رگوں میں۔ میں ہوں کے دل میں
 سمایا، جہاں کی طرح میں نہ ہوں
 بے جگہ و بے کسے سمایا تاکہ جس دل
 سمایا ہوں اس کے توسط سے بلند و
 بلند سب کو تقدیر کی پادشاہیاں
 ملیں۔)

میر کے یہاں عام طور پر وہاں مسافت کی کہ آگاہی گہرائی

[illegible][illegible]

ایک نظم۔ بیٹے کے لئے

بقیس ظفر الحسن

اور میرے گلے میں اٹکی رہ گئی۔ بس ایک دھول !
 کھانسی کھانسی کو صاف کرتی ہوں۔ کھلتی ہی نہیں
 گود سے اٹا ڈالے میرا چہرہ
 آئینہ دیکھوں تو مجھ میں نہیں آتا۔ کہ کسے دیکھ رہی ہوں۔
 اپنی آنکھوں پر بندھا دو مال
 میں نے اپنے ہی ہاتھوں کھولا
 اور احتیاط سے بکس میں رکھ دیا
 کہ اس کا کوئی حرف۔ مجھے نظری نہیں آتا تھا
 مگر آج
 میری گود میں تمہارا چہرہ
 مجھ سے مانگ رہا ہے وہی دو مال
 آج نکالوں گی اسے
 پلکوں سے تھانوں گی اسے
 اپنے سینے کی خوشبو سناؤں گی اس میں
 کہ پھر شروع کرنا ہے مجھے۔ وہی سن پرند کھیل
 اور اس بار۔ میں کھوجاؤں گی

تمہیں یاد ہے؟
 میری آنکھوں پر کس کو باندھا گیا
 وہ اپنا رومال؟
 پھولوں میں۔ درختوں کے درمیان
 اسٹور روم میں۔ کھبوں کے پیچھے
 کبھی پلنگ کے نیچے
 چھپتے پھرتے تھے تم !
 "میں کہاں ہوں۔ مجھے ڈھونڈو !"
 میرے آگے پیچھے، دوڑتی بھاگتی تمہاری آواز میں
 مجھے چھو چھو کر چھپ جاتی تھیں
 میں اپنا ہاتھ پھیلائے۔ ڈھونڈو ڈھونڈو کر
 تمہیں پابھی پتی تھی۔

یہ ہمارا سن پلندہ کھیل تھا !
 نہ جانے کب، کب سے کہاں
 درختوں کے جھنڈ میں۔ پھولوں کے درمیان
 یا اچھے بھانگے دوڑتے قدموں کے خیمہ میں
 تم کھو گئے !

بلیس ظفر الحسن

(۱)

دیے تو زمین کا اپنا کچھ نہیں ہوتا
وہ تو پوری کی پوری اسی کی ہوتی ہے، جسکے نام لکھ دی جاوے
پہلے سے پہلے ہی لگ جاتے ہیں اس کے جسے خبر ہے
گلے گلے بٹ جاتی ہے
اب جس کے جسے میں جو کچھ آئے۔ چاہے تو فصل اگلے۔
یا نہ اگلے

کھو دی جاتی ہے دیتی جاتی ہے
پھر کبھی حق دار کہلانے والے کو۔ اس کا حق دیتی ہے
فصلوں میں پہلے پھوٹی ہے۔ زمین بڑی فداوار ہوتی ہے
لیکن کہیں کہیں کچھ تو بچ رہتا ہے۔ بٹ جانے سے
نہیں تو کیسے اک آتے ہیں،
وہی کیکش، جھنگلی مکر دندے
زمین کے یہ نا جائز۔ مگر اپنے پودے

(۲)

گلے گلے تک سچ پانی میں
اپنی ساری رات گزاری جا سکتی ہے
آنگھوں میں اک جلتی لو کا منظر روشن ہو تو!

شہد امجد

لات کے اس ہرزہ زوال کے نشے میں غور و مصلوٹوں پر سفر اور تاسف کی حالت میں وہ اپنے خوابوں، خیالوں اور کاموں میں ایسے گہری کاغذانہ ہی نہیں کہاتے کہ وہ چل رہے ہیں یا کھڑے ہیں، کھڑے ہیں یا چل رہے ہیں۔ انھیں یہ جاننے کی کوئی ایسی خوشی نہیں کہ وہ مصلوٹوں پر ہوتا اپنی لپکے نری رکھتا ہے لیکن انھوں نے تو وہ مصلوٹوں پر ہونے کو بھی ایک لطف ہیں، بدل دیا ہے اور اس کے گرنے میں بھی ایک میلے کا سماں ہے کہ جو جس کے پاس ہے وہ اسے ختم کرنا چاہتا ہے۔ بچے کھائی گئی ہو رہی ہے انھیں اس کا ختم نہیں۔ بلکہ لوں کہ کھائی میں گرنے کے مقدار کو بھی انھوں نے لطف و مسرت کی ایک کیفیت سمجھ لیا ہے اور زوال کے نشے میں غور و مصلوٹوں میں ہر کوئی اپنے اپنے خواب، خیال اور کام میں ایسا گہرا ہے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں، خبر ہے تو یہ کہ کوئی اس سے آگے نہ نکل جائے۔

میلے میں کئی چھوٹے بڑے ہنڈال ہیں، جن میں رنگارنگ تماٹے دکھائے جا رہے ہیں، دیہی دالے دالے خود ہی تماٹاں ہیں، خود ہی تماٹا دکھانے والے، اس نے مصلوٹ نہیں ہونے کا تا کوں کہا ہے۔ کون داد دے رہا ہے اور کون مصلوٹ کر رہا ہے، یہ ایک ظلم ہے جسے کسی سامع نے نہیں بنایا بلکہ خود اس کے امیر دن نے بنایا ہے۔ بنایا اور پھر خود اسی کے ظلم میں چلنے لگے۔ اب انھیں مجھے مرکز بھی نہیں دکھانا پڑا، پھر ان کے اپنے وجود میں جگر بکر چکا ہے۔ اندر ہی اندر چیل چکا ہے اور آہستہ آہستہ

وجود کے سارے جی انھوں کو ختم اتنا چلا جاتا ہے، صرف اس کے جی جی ہیں، ہر کھیتی ہیں، مگر کوئی نہیں کہ اس کے کوٹنے کے لئے جس ہنڈے کی ضرورت ہے اس کے سونے بھی پتھر اگر خشک ہو چکے ہیں۔

میلے میں خوب شور ہے، ہر کوئی جھجھکا کر اس میں شریک ہے اور گرتے، لپکتے، لپکتے سے پورا کاٹھا جاتا ہے۔ درویش و سلطان و دانشور ہم پرلا، ہم مشرب ہیں، اور مغل میں ساتھ ساتھ شمشے ہیں۔ دانشور کا کہنا ہے کہ اس کے قلم کا کمال ہے کہ اس نے سب کو اکٹھا کر دیا ہے، درویش اسے اپنے استغنی کا بھٹو بھٹا ہے اور سلطان اسے اپنی فیاضی و حکمت گھانا ہے۔ باہر کچھ بھوکے جی کی انھوں سوکھا کر جلد سے جاگتی ہیں، اور انہیں سے دست درگزیں ہیں، شہنشاہ سلطان نے دیر پوچھی تو اسے بتایا گیا کہ کچھ بھوکے روٹی کی طلب میں پھر شاہی کی دیواروں سے لپٹ رہے ہیں۔ اس پر سلطان نے خنکے اور درویش سے کہا: تمہارے کوں کو جو کچھ کہتی دیا ہے اس میں کوئی کمی نہ گئی ہے۔

درویش نے نفی میں سر ہلایا اور بولا: "نہیں یہ بات نہیں۔ میرے دوس میں کئی کمی نہیں، ہاں دانشور کے عقول میں ایک کمی ہے، پیدا نہیں ہوا۔"

دانشور نے بھی انھوں سے درویش کو دیکھا، پھر سلطان کے

اسی طرح وہ ایک ایک کر کے گئے۔ اس وقت تک کہ وہ پہلے کے دروازے سے گئے۔ پتھال میں ایک ایک کر کے گئے۔ دونوں کے دروازے بھی ایک دوسرے سے گئے۔ ایک شکر کہ انہیں سہرا لگ گیا۔

ساتھ دے پتھال میں موسیقی کا بہتر گرام ہو رہا تھا۔ گیت کی دھڑکن بہت حریفانہ ہوئی کہ ان کے ہنگام آوازوں کو ساتھ دے پتھال کی طرف حسی نظروں سے دیکھا اور شانے ہا کر پھر گیت کی دھڑکن میں ڈوب گئے۔

لگے اس سے اگلے دروازے سے بھی اگلے پتھال میں ایک نئے دوسرے کو دیکھا۔ سرائیا۔ بے ہنگام آوازوں کو ساتھ پھر اپنی اپنی باتوں اور سڑوں میں ڈوب گئے۔

شور و ہنگام اور موسیقی دوسروں میں یہ اندازہ ہی نہ ہوا کہ باہر سے بھی کوئی اندر گھس آئے ہیں اور سامنے والے اپنے نہیں باہر کے لوگ ہیں۔

محلے میں قتل و غارت کا ایک بازار گرم ہے۔ سرکٹ کن کر کرے گرے ہیں یہی مٹی دوسروں میں سرشار کسی کو اندازہ نہیں کہ مارے کون ہیں اور کب اندر آئے ہیں۔

یہ رات کا آخری پہر ہے۔

میل ٹوٹ پھاٹک زوال کے نشے میں غور و خلوں پر سفر اور تفریح کی حالت میں اپنے اپنے خوابوں، خیالوں اور کاموں میں ایسے گم ہیں کہ وہ بھی نہیں چل رہا ہے کہ چل رہے ہیں یا کھڑے ہیں یا کھڑے ہیں یا چل رہے ہیں۔

اور شاید یہ جہان کی خواہش بھی نہیں!

اسی طرح وہ ایک ایک کر کے گئے۔ اس وقت تک کہ وہ پہلے کے دروازے سے گئے۔ پتھال میں ایک ایک کر کے گئے۔ دونوں کے دروازے بھی ایک دوسرے سے گئے۔ ایک شکر کہ انہیں سہرا لگ گیا۔

پھر اس نے سہرا لار کی طرف دیکھا۔ "تمہاری سڑاؤں کو چمک لو کہیں سامان نہیں پڑ گیا؟"

سارے تیزی سے بنام میں سے تلوار نکالی تو تیزی میں لپٹ گیا جیسے عملی کا کونا پک گیا ہو۔ سارے اسی تیزی سے تلوار کو نیچا لیا کھا اور بولا۔ "تلواروں کی چمک تو پہلے سے بھی تیز ہے۔"

"پھر کیا وجہ ہے؟" سلطان کے چہرہ پر سوچ کی سٹوٹیں ابھریں۔ "کیا وجہ ہے۔"

"شاید میل میں دلچسپی کا سامان ختم ہو گیا ہے۔ میں کچھ نئے آٹم شامل کرنا چاہئے۔" دانور نے مشورہ دیا۔

سلطان نے تو تیزی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ خوب بہت خوب۔

"تو پھر کون سے نئے آٹم شامل ہونا چاہئے؟" سلطان نے درویش کی طرف دیکھا۔

سب سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر بعد انھوں نے سرائیا کے پھر ایک طرف سے ایک شخص اور دوسری طرف سے دوسرا شخص نمودار ہوا۔ وہ کچھ دیر تک دوسرے کے سامنے کھڑے بحث کرتے رہے کہ اس وقت رات ہے ماؤں۔ غورزی ہی دوسروں کے گرد ایک مجمع اکٹھا ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں محوم ایک دوسرے پر پل پڑے اور سارا منظر میدان جنگ میں تبدیل ہو گیا۔

یہ ڈراما میلے کے جس پتھال میں کے اسٹیج پر دکھایا جا رہا تھا وہاں سب سے زیادہ رش تھا۔ میدان جنگ کے منظر میں تیزی تیزی سے لوگوں کے جھڑپوں میں بھی شہرت لگتی۔ کہیں وسط میدان میں بڑے ٹلیک شخص نے اسی جھڑپائی کیفیت میں ساتھ والے کو کئی ملہ دی ساتھ والے

افتخار نسیم

پل صراط

آؤ

آؤ مرے ساتھ ہلو
میرے سینے کے بالوں سے کھیلے
لور میں جہارے
سینے کے بالوں کے جنگل میں
لپٹے خوابوں کو ڈھونڈوں
کہ جن کے تعاقب میں
بچپن کی حد سے
ہست دور آئے نکل آیا ہوں
آؤ مرے پاس آؤ
میری آنکھوں میں حنائی
کہ ہم قرع کی کھلی نور کے
وہ مسافر ہیں
جنہیں مجرم اللہ میں داپس
طوفان میں لوٹ جانا پڑا ہے
آؤ مرے ساتھ آؤ
میں لپٹے لعاب دہن سے
جہاد کی جہاد کی ہوئی آگ کو سرد کر دوں
نہیں تو چلو قرع ہم شہر کی
سب سے لہنی عمارت پر جا کر
یہ سوں کی حدت سے اٹھتی ہوئی محاب سے
آسمانوں پر ایک سیلاب خفاں گھسیں
جو غلط خدا کو پریشان کر دے

کیسے گزری ہے یہ لمحہ سے
جھوٹی بچی زندگی
کس طرح میں لپٹے جہرے پر
نقاب اوڑھے پیرا
کس طرح میں لپٹے اندر کی نفی
کر رہا
ہم نفس میں کیا بتاؤں
جھوٹے کھیلے کیسے
جہرے لمحہ کو ہونے
کتنے ہستہ کہ جن ہر
رات ہر مصلوب میں
میرے جیسے اک سیوا کا
کہ اپنی موت کا تھا منظر
اور پھر میری دعاؤں کا صلہ
میری ساری نیکیوں کا اک اثر
تو مل گیا
اب بتانے سے تجھے کیا لادہ
کس مذہب درد دہم سے ہوں گزرا
یہ نہ پوچھ
صحبت ماہی سے میں صحبت ہم نفس تک

انتخاب نسیم

اندر

نعمت احمر کے لیے

ایک لوح

تہمدی کئی پتی فدا رنگ سے

جو خون بہہ رہا ہے

مرے جھیل کی جاہلیت اور

بے حس کی کہانی

دہاے کہ رہا ہے

نعت امیر

چین کرنا

مرے غم

میرے کا

تو اچھے کب ہے

وہ تو ہر ایک کو صاف کر دیتے ہے

تجھ تک ہو

بند ہو

یادہ غور میں

ان پہ کوڑا کر کہ جو پھینکتی تھیں

نعت امیر

چین کرنا

اگر میرے رسول ہوتے

تو اوصاف کے لیے

تجھے

کہیں بھی دہا لڑنا

تجھے خبر ہے

تہمدار کا دل مرے جھیل کا آدنی ہے

مگر تم اپنی صلیب مجھ پہ پی

دھر گئے ہو

شہید ہو کر

تجھے تو زخم مارا

کہ گئے ہو

اس کے ہاتھ اب بھرے ہے

اس کی گویا اس کی جانب دیکھ کے نس دی

جانتی ہوں میں

اب تو مجھ کو طاق میں رکھ دے

تھروت کے گھریں سے تک تک کی آواز میں آتی ہیں

پلوں کے تجھے پانی رفتار دی ہے

لٹکے کے ذہن میں کتنے ندھے ابھرے

بارغ میں لٹکے سارے جل ہیں لیکن

کس نے امار کو کھولا ہے

شب بخیر

رہائی

موت سے ماور اہو گیا ہوں

سدا
روز اول سے
دکھل مدائیں
طرح دار ہائیں
جھتی ہوئی نیکیاں
چھوٹکی سیاہ گوں لگیں
جواں گھب سرکش پہ میری غفنائیاں
رنج و غم کے تماشے
تصیب رسا کی مہک
سب کے سب
محبر واقعے ہیں
جو قطعی سارے سے منسوب بھی ہیں
یہ تاریخ کے رقص فرما کر
میری نسلوں میں پختہ روئے ابد تک
خوانے
مجھے موت سے ماور اگر دیا ہے

۴۵

غودگی میں
کچھ اچھا محسوس ہو رہا تھا
مقام غیر آشنا میں
میرے قریب کوئی
فرشتہ صورت، نفسی املا پاس کھنٹے
شفیق ہاتھوں سے
میرا پڑ مردہ جسم مردہ کر مجبور ہے
ضعیف نبضیں پڑک رہی ہیں
اواس کرے کی کواکیاں کھل گئیں تو
تازہ ہوا کے جھونکوں نے مجھ کو چوما
حواس کی روشنی سے سارا شرر جاگا
منہ جہرے
دعا کے تازہ شگفتہ بھولوں کے ہار لے کر
قریب میرے
کھڑے ہونے تھے
میں اب اسیر لیاں نہیں تھا
لگے پہ طوق فنا کا کوئی نشان نہیں تھا

اکتوبر ۱۹۹۲/۱۷۷

غلام حسین ساجد

عجیب اک کام اس کے روٹھ جانے پر کیا میں نے
کہ پھر آغوش میں اس گھبرن کو لے لیا میں نے
ذرا سی اک شکایت ہے فقیہہ شہر کو مجھ سے
کہ چاک اپنے گہباں کا نہیں اب تک یا میں نے
عجب آنکھیں تھیں جن میں ڈوہتے جلتے تھے دریا بھی
عجب دریا تھے جن کو صرف آنکھوں سے بیا میں نے
کسی نے لے لیا پھر میسے دل کو اپنی ٹٹھی میں
بجھا کر رکھ دیا جب ایک کونے میں دیا میں نے
کوئی اب فرق باقی رہ نہ پائے گاسن و تو میں
منور کر دیا ہے اک چسراغ سیمیا میں نے
اسی دم محفل یاراں ہمیشہ ختم پر آئی
کبھی آغاز جب اپنی کہانی سے کہا میں نے
اسی دم فرصت ملی جب کار دنیا سے مجھے ساجد
لے بھی طاق نیاں لے حوالے کر دیا میں نے

گھر سے نکلے گا ہولے دشت کے ہراہ وہ
ناکہ ہو پائے سلوک دہر سے آگاہ وہ
آج میری فتح ڈھل سکتی ہے میری ہار میں
جانتا ہوں میں بے گاہ آج سب راہ وہ
میں ابھی اپنی اتنا سے برسر پیکار ہوں
اور قرباں کر چکا ہے مجھ پہ عروج و جاہ وہ
میں نہیں دوں گا اسے حرک تعلق کی سزا
لوٹ جائے میرے خوابوں کی گلی سے غلام وہ
کیوں مجھے خواہش کسی سے حال دل کہنے کی ہو
مجھ سے بڑھ کر میری دشت سے سب بے گاہ وہ
بادشاہت کو بدل دیتا ہے طرز فکر میں
سائلوں کو دان میں دیتا ہے تخت شاہ وہ
کیوں رہوں اپنے مقدر کی سیاہی کا امیر
کھینچ لایا ہے مرے گھر تک چراغ ماہ وہ
جہین سے جیتے نہیں دے گا مجھے ساجد شخص
راکھ کر تاج لے گا ہر ایک خیمہ گاہ وہ

غلام حسین ساجد

جھاؤں بڑتی ہے روایت کی کل موجود پر
 رشک آتلبے مجھے دنیا کے ہمت و دیو پر
 لے گیا ہے اپنے بدلے میں کسی نے میرا دل
 دے نہ دوں میں اپنی آنکھوں کی کسی کو سود پر
 میں نے دیکھا تھا اسے جس روز اپنے روزِ عمر
 پیار آیا تھا فقط اس دن مجھے محبوب پر
 فکرِ فردا سے ہوں مافل اپنے آپ کی طرح
 فخر کرتا جا رہا ہوں نیست و نابود پر
 آج بھی اک شہر کو ہے میری ناکا کی کا دکھ
 آج بھی اک خلقِ فائز ہے مری بہبود پر
 کون سی حسرت ابھی باقی ہے میری روح میں
 جھک رہا ہوں کیوں عقیدت سے چراغِ خود پر
 روشنی کی رو امداد ہے گرفتِ خواب سے
 ابر کا اطلاق ہوتا ہے شگفتِ دود پر
 کس لئے ترکِ صافیت سے حذر کرتا ہوں میں
 منتظر ہے کون میرا مسئلہ مقصود پر
 ضحیٰ اک روشن کریں گے اٹھل رفتہ سے وہ
 راہ اک ساجد تراخیں گے عمرے مسدود پر

رات بھر کرتا ہوں اس کا شوق سے دیدار میں
 وصل کی لذت سے ہوتا ہی نہیں سہارا میں
 بڑھ رہی ہے دیر سے دیر سے دیر سے دل کی بیک
 یاد آیا ہوں کسی دُشمن کو پہلی بار میں
 نیند میں چلتا ہوں گاں میں ہی کی طرف
 ہوش میں کھینچ کر دوں گا بچہ کا آزار میں
 قرض رکھتا ہوں کبھی فقیہ پر اس کی نیام
 مورچ میں آکر بڑھاتا ہوں کبھی روبرو میں
 رہ نہیں سکتا ہوں بل بھر کے لئے اس سے الگ
 سانس لینے پر بھی ہوتا ہوں بہت بیزار میں
 اس طرح نازاں میں اپنے آپ پر کب تک رہوں
 جانتا ہوں کس قدر ہوں صاحبِ کردار میں
 دکھتا ہوں جب اندھ سے کو حذر کرتے ہوئے
 کھینچ دیتا ہوں میانِ صبح اک دیوار میں
 یاد رکھتا ہوں کسی بے ہوشی کی نفرت مگر
 روز کرتا ہوں کسی کے پیار کا انکار میں
 وصل کی دولت اگرچہ میری قیمت میں نہیں
 حسن سے اک بت کے رہتا ہوں مگر دو چار میں
 پوش میں آیا ہوں ساجد مر ڈھل جانے کے بعد
 یعنی اپنے آپ سے رہتا ہوں بے زار میں

شمیم عثمانی

کھل جائے دن تو شبِ غم کی حقیقت
ہاتھ میں لیے خورشید کا کاسہ سحر آدے
ہو دیں گے تری بزم میں اپنے دھڑاغاں
زخماں لیے اپنے جو مقابل جگر آدے
رحمت نہیں اشکان میں تو سچ کہو ہے لب
آنکھی سے جو دامن پر پٹکے گہرا آدے
باغاں میں قدم دھرتی ہے جس طوبہاراں
ایسے کسودن تو ہمیں کے ملی گھر آدے
رکھیا ہے دلاں میں تری موت وے پھر بھی
لوگاں کوں تجھ سے کدھیں تو نظر آدے
لوہو سوں سنا کا ہے رہے دامن قاتل
مقتل میں تو آدے سواو با چشم تر آدے
اس دھن میں شمیم اپنی غزل لے کچھ ہے
قطبی نظر آدے کہیں وجہی نظر آدے

مج پاس کسودن جو کوئی معتبر آدے
سچ واصل کی باتاں جو کرے تو صبر آدے
نہیں اس تئیں اب دھیان سے دوسرا رو
چپکے کوئی اس پاس تک آئینہ دھر آدے
ظالم سستی کہوے کوئی کیا دل کی تنہا
اس سوں تو اکھاں ملے ہی دل سچ ڈر آدے
لکھیا ہے ایس بخت میں نہیں اس کے سوا کچھ
باتاں تری جد ہو دیں اکھاں اپنی بھ آدے
سنبھا ہے ترے غم میں شجر دل کے لہو سوں
ہے اس بڑی دیکھنے کو لگ کر آدے
طرف ہے کہ ادبی ہے سبجالی مرا ہور
ادبی کے لئے آنکھ سوں خون جگر آدے
ہو دے جو کسوں تری محفل بہ ذرا شک
لگ اس سے کہو سارا جہاں گھوم کر آدے

کڑن کمار طور

یقین ہونے سے پہلے گماں اترتا ہے
بھلائی میں پہ کہاں آسماں اترتا ہے
ہے دیر کتنی سمندر میں غرق ہونے کو
ہوا ہے تیز مگر بادِ باں اترتا ہے
جو یہ ثبوت نہیں نارسائی کا تو ہے کیا
کرتام ہوتے ہی گھر میں دھواں اترتا ہے
میں ہو رہا ہوں اب خود اپنی نظروں میں
مری زبان سے میرا بیاں اترتا ہے
یہ کارگاہ مکانات کربلا ہے طور
ہر اک قدم پہ یہاں امتحاں اترتا ہے

کنا رشت میں پہلے تو گھر نکلتا ہے
قدم اٹھاؤں تو تازہ سفر نکلتا ہے
اسی کے دم سے منور ہمارا نظریاں
برساہ دہر پہ جو ہے خبر نکلتا ہے
لہو کے بدلے ہے وقت زیادہ پانی کی
ہو قی کی جنگ تو نیزے پہ سر نکلتا ہے
نخان سچ نیاں ہے وہ جو ستارہ درد
ہر ایک بار مری جان پر نکلتا ہے
یہی دلیل نہ ہو میرے زندہ رہنے کی
جو دل کی راکھ میں پھر سے شر نکلتا ہے
یقین بڑھتا ہے کتنی کے بار اترنے کا
ہوا کے پردے میں جب جبرِ محن نکلتا ہے
بہت تھا نازِ خمیں جھکی دسترس پر طور
تمہارے ہاتھوں سے نودہ ہنر نکلتا ہے

پائیتار کسارڈ

ترجمہ : میر الدین احمد

سورج

راتوں کو

خاموشی یہاں پر راتوں میں
بعض اوقات بہت شور مچاتی ہے
اندر کی طرف دالی جھج کی
آواز نے خندت پکڑ لی ہے
اور میرے اندر بیٹھ گئی ہے
بالکل ساکن
پارے کے تلاب تھکے
میرے پچھلے درجہ حرارت کو اختیار کر گیا ہے

وجوہات

پاکل خانے کی بچی کو ٹھہری میں
میں نے عظیم شہزادوں کی بنیاد رکھی
اویانڈا، اوکولنڈا، اوکوپکا
میں کام کی کمی کی شکایت نہیں کر سکتا

جب میں چھوٹا تھا
تو انھوں نے سورج کو مارا

جب میں جوان ہوا
تو انھوں نے سورج کو پھانسی دیدی
اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو دفن کرنا چاہتے ہیں

پانی

پانی کی عمدہ صفات میں سے ہے
اس کی صفت تبدیل
اگر انسان ایک قطرہ ہے
واہ واہ

ایکا ایکی انسان کوئی دوزخ میں جاتا ہے
پانی ملاپ سے چلاتا ہے
پن پکی کے بھاری بھر کم پاٹوں کو
بھلی گھر کی عظیم ٹربائینوں کو
پھر قطرہ قطرہ میں سورج کر سکتا ہے
اگر ہم پانی ہوتے
تو ہم ہتے ٹھنڈے ٹھنڈے ایک دوسرے کی باہو میں
ہرے بھرے کھیتوں کے کنارے کنارے

کرسٹوف میکل

ترجمہ: میرزا یحییٰ احمد

میں نے جنگلوں سے بھرے ہوئے جنگلوں کو خرید لیا
جنگلوں کی ملکیت کی خاطر نہیں
بلکہ جنگلوں کی

اگر میں جنگلوں کو بھگا دوں
صرف جنگلوں کو حاصل کرنے کے لئے
تو میرے جنگلوں کے ساتھ میرے رچھ بھی بھاگ جائیں گے

میں نے جنگلوں کو خرید لیا اور جنگلوں کو
کیوں کہ جنگلوں کے بغیر
جنگلوں کی خریداری ممکن نہ تھی

اگر میں اپنے جنگلوں کا شکار کرنا
ان کی کھال کو حاصل کرنے کے لئے
تو گھڑی کی گھڑی میں میرے جنگل ڈسے جائیں گے
اور سوکھ جائیں گے

کیا فائدہ ہے جنگلوں کا
اور ان کے لئے کپڑے سے کا
اور ان کو تاجپنا سکھانے کا۔
مجھے جنگلوں کا کیا فائدہ ہے
اگر وہ جنگلوں سے باہر نہیں آتے

میرے پاس جنگل تھے
میرے پاس رچھ تھے
میرے پاس نہ تو چھ تھے نہ ہی جنگل

میں نے اپنے جنگلوں کا شکار کیا
اپنے جنگلوں کو مٹا ڈالا
اپنے جنگلوں کو میں نے بھون لیا
اور انہیں بھوک کے بغیر کھا گیا

میں جنگلوں کو دبا دبا کر پھیرا
اور اپنے جنگلوں کو پکارتا رہا
جنگلوں میں سے میرے جنگلوں کی طرف غرغڑاہٹ
سنائی دیتی رہی

کرسٹوف میکیل

مجموعہ: نینولڈین احمد

ایک زمانے میں جب میں روشنی میں آیا، تو اندھیرے کے سردار نے
اپنے لوگوں سے کہا: "اس کو غور سے دیکھ لو
جو وہاں پر روشنی میں چل رہا ہے، وہ ہے جس کا ہمیں پیچھا کرنا ہے
اس کے قدموں کے آگے تم بھر پھینکو
اس کی کسی بات کو نہ ہونے دو، اسے نظروں میں رکھو۔"

اگر میں سائے میں جاتا ہوں اور جلدی سے لباس بدلتا ہوں
اور پھڑکی اور چرٹ کے ساتھ چمکتی روشنی میں آتا ہوں
اسے جو وہاں پر اندھیرے میں ہے، اس کی خبر ہو گئی ہے
وہ کہتا ہے: "اس کو تم سختی سے نظریں رکھو
اس کی کسی بات کو نہ ہونے دو، یہ ہمارا دشمن ہے۔"

سردار کے اپنے لوگ ہیں، دائیں اور بائیں
وہ میرے سارے کپڑوں کو جانتا ہے اور سنی کی آواز کو
وہ میرے نقش پا کو پانی میں بھی ڈھونڈ لیتا ہے
اس کو میں پرانے قصوں سے دھکا نہیں دے سکتا
اور کسی روز اس کی نگاہ کو دھندلانے کے لئے ضرورت ہے
ابھی کپڑوں اور میک اپ کے بارے میں بہت کچھ جاننے کی۔

کرٹوف مکمل

ترجمہ: جنرل الدین احمد

ساحل سرنگ

جب سے ہم ساحل سرنگ پر آباد ہیں
ہم ہر صبح اپنے گھروں سے باہر نکلتے ہیں اور وقت کی راہ نکلتے ہیں
کبھی کبھار کوئی کشتی لنگر انداز ہوتی ہے
اور چند منٹے سال انامے جلتے ہیں

بڑے پانیوں کے پیچھے

اے وہاں پر کیا کرتا ہے
بڑے پانیوں کے پیچھے اندھیرے میں؟
اس کو وہاں پر نہیں پھوڑا جاسکتا
اس کو وہاں سے لانا چاہئے
جہاں پر فرشتہ گھوٹے کامیال نے گھومتا ہے اور پھیلوں کو پنی جاتا ہے
اور عکلی پر شاہک چھلیاں گھومتی پھرتی ہیں اور سمندری کیکیڑا
وہاں سے ہیں کوئی اشارہ نہیں ملتا
ہمیں اس بارے میں کچھ علم نہیں ہے اس سانس کے اندر
کوئی دسل اس کو بھاڑیوں سے باہر نہیں نکال پاتی، نہ ہی اشارے
اس گھپ اندھیری سرزمین سے اسے لانا چاہئے
اندھیرے میں سے بانوں سے کھینچ کر
کہ اس کی دور کی چھتیں ہم تک پہنچیں
کہ اس کا سفید بقیہ جیہہ رو دکھائی دے
اور ہر طے چاند کی طرح
بڑے پانیوں کے اوپر جمع ہیں اس سجدہ کرتے ہیں

ہمارے ساحل پر
راہ نکلتے ہوئے ہم اپنے آپ سے استغفار کرتے ہیں
آبادہ ہمارے لئے کافی ہوں گے اور اس بارے میں کہ
ہم انھیں آسمان میں کیوں کر بائیں گے اور کتنے
اپنے پیادوں کو تنھے میں دیں گے اور کتنے
سین میں ڈالیں گے اور کتنوں کا سہارا
ہمارے پیچھے کریں گے، انھیں برتیں گے اور کب
جہاز لوٹے گا وقت اور
ساروں کا بوجھ اٹھاتے ہوئے
اور اگر اس نے ہمیشہ ہمیش کے لئے لوٹ کر آنے کا نام دیا تو

محمد احمد رز

ہمد کا شیری

ہوا بھلا نہ چمکا ذرا سا
 بدن پر سانپ اک رینگا ذرا سا
 سمندر ہومے قدموں میں پایاب
 ڈبوئے مجھ کو اک دریا ذرا سا
 اب آئے ہو تو پھر کچھ دیر ٹھہرو
 کوئی ملنا ہے یہ ملنا ذرا سا
 ہوا ہے لاکھ ادبیا سر سے پانی
 سہارے کے لئے ٹکا ذرا سا
 بسا ط جال پہ ہنگامے بہت ہیں
 کہیں مل جائے سنا ذرا سا
 مرا عکس نفس بھی اس پہ بھاری
 یہ دنیا ہے اک اُٹینہ ذرا سا
 کہاں بیٹھے ہو تم بھی در چپ چاپ
 ٹہلتے ہیں میاں اٹھنا ذرا سا

بچھے سفر کی کوئی نشانی یاد نہیں
 کون ہوا ہے اپنا ثانی یاد نہیں
 کب اترا تھا چاند ہمارے انگلیں
 کب مہکی تھی رات کی رانی یاد نہیں
 جل بجھنے کا موسم کب کا بیت چکا
 کتنی آگ تھی کتنا پانی یاد نہیں
 کب آئے تھے جنگل چھوڑ کے جی ہیں
 ہم کو صاحب نقل مکانی یاد نہیں
 اتنا یاد ہے شہر میں کوئی رہتا تھا
 پورا قصہ ہم کو زبانی یاد نہیں
 اب تو برف ہی برف ہے اکھول کے
 رنگوں میں اک رنگ تھا دھانی یاد نہیں

زوالِ آمادہ زمین پر آخری دستک

ظہر الحقان علی

... سارے گونے علی ہو چکے ہیں، کسی میں بھی پانی کی ایک
برہہ نہیں ہے۔ چار دہائیوں میں سارا پانی کوٹے لگے ہیں
... یہ حالت اکیلی جلی بھانک کہاں ہے آگنی جو زمین کے
لے دھامیں کر رہی ہے۔ ایسی دھامیں کہ پتھر ٹکڑے ساری کی
ساری دھانگیوں کو گت بنائے۔۔۔۔۔ لطف بڑے آگن میں
املا کا صرف ایک ہی درخت ہے اور اس میں پورے درخت پر
صرف ایک ہی املہ آ رہا ہے۔۔۔۔۔ سب کے فضول ہے۔ بے معنی
ہستروں کی جگہ بدلا چاہیے۔ کبھی کبھی دھانگے، ڈارے
اور بھانک خواب دیکھتے رہیں۔ انھیں جلی رہی ہیں۔ پانی کا
دودھ نہیں نہیں ٹانگ اب کوئی اس زمین کو بچیت کر پانی پر
بچکادے کہ پتھروں میں سے دھمیں قاب ہو گئی ہیں کیونکہ
پتھریں ٹیکٹس ہو گئی ہیں۔

... اسے ہے اہم لوش اہم تو لفظ ایک افشست اہم
ہے۔۔۔۔۔ سب کے فضول ہے۔ بے معنی ہے صرف کہ سارے
درختوں کی جڑوں میں بارے املہ بے گتے ہیں اور۔۔۔ اور جگہ
جگہ پتھر ترقی ہے ہیں اور زمین اپنی صحت میں انگلیاں رکھتی
ہے کہ تاریخی عمارتوں کی بنیادوں میں ڈالنے داخل ہونے لگے
ہیں۔۔۔۔۔ وہ مٹی زمین پر کھڑے رہی تھا کہ دفن و سبکی
آواز پر چھٹاؤ کہ اس زمین پر چھٹاؤ اسکے لے یا نہیں تھا
کہ وہ مٹی دروں کے مسلسل چھٹاؤ تھا۔ تمام کیل جیب میں
رکھ کر وہ اٹھا اور تہستہ تہستہ چھٹاؤ اور اسے تک پہنچا اس
لے دروازہ کھول کر دیکھا، لیکن دسک بے والا سوچو وہ تھا۔
وہ کھرا بھر کھرا دیکھتا رہا کہ خاکہ کوئی دسک دے کہ اصر
اصر ہو گیا ہو گا لیکن پوری مٹی مسابن تھی۔ کوئی ڈھلور ہو جود
نہ تھا۔ املہ پتھروں طرف تیردھوپ پہلی ہوئی تھی۔ اس کے
اور ابھی پہلے تیردھوپ ہو جود تھی مگر وہ سامنے میں گڑی املہ
کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی زندگی سامنے کے خاص دور
تھی کی جن زمین پر وہ تھادہ سامنے سے عزم ہو گئی تھی۔

ہر طرف ایک پر سرور موسیقی پہلی ہوئی تھی کہ ہم آواز
مٹی کے اندر کو خوب گھسے۔ دھب دھب کھڑا ہر ایک جگہ کے
کٹے کوڑے خورے چڑھ رہا تھا کہ بھانک اس کی نظر ایک ایسے
کٹے پر پڑا جہاں مٹی جس پر ہم اور تارین دولت مٹ چکے تھے۔
چھ گونے تک وہ چھ چھ کھڑے ہوئے کٹے کو دیکھتا رہا۔
اس نے ایک کیل جیب سے نکال اور مٹی پر لٹا ہوا کدہ کر لے
لگا۔ جب نام مکمل ہو گیا تو وہ جبرستان سے نکل کر سبھا گھر
چلی تھیں لیکن جوں ہی اس نے اپنے خاموش گھر کا دروازہ کھولا
ایک شہرک چہرے لای اور اس کے سمورے سر سے گزر کر گھر
کے کسی اندر میرے کونے میں گم ہو گئی۔ اس کے خاموش
گھر میں کئی دنوں سے چھٹاؤ زمین کھوم رہی تھیں۔ تاہم وہ
خاموش تھا کہ خاموشی اس کے اندر جیتی سمورہ کو دیکھ رہی تھی
کہ قیادہ طوائف کی آمد تھی۔ چھٹاؤ اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند
کیا۔ کڑی لگائی اور پھر آگن میں جیب میں رکھی ہوئی کیل نکالی
اور مٹی ہوئی زمین پر لکھنے لگا۔

... بعض زمینیں بڑی اوس، موسوں اور مایوس چھٹا
ہوئی ہیں۔ جس زمین پر ہے پتھر میں پتھر ڈالنے، روٹے اور
آپ ہی آپ مٹی کر لے لکھتے ہیں۔ ان کے ہستروں زمینوں سے
اٹھا کر دوسری پر سکون زمینوں پر پتھر ڈالتا ہے۔ کٹے کٹے جب
بھی کٹے بھانک خواب دکھائی دیتے ہیں۔ میں بھی اپنے ہستروں
جگہ تبدیل کر لیتا ہوں۔ لہذا جب ابھی ڈالنے خواب دکھائی
دیں۔ کٹے پتھر میں ڈالنے اور چھٹنے لگیں۔ عورتوں کے محل
گرنے لگیں تو ہستروں زمین بدل دینا چاہیے۔ تمام لگتا ہے کہ
سب کے فضول اور بے معنی ہے کہ سب زمین کی زندگی ختم ہو
رہی ہے۔ اور ہم سب وہی اوروں پر کپتیاں لٹکتے چلے جا رہے
ہیں۔ ہر لمحہ ایک نئی بدنامی کھاتی۔۔۔۔۔ زمین کو جلا کر دینا
چاہیے نیا کو تھا کہ اگر کہ دیوں کے لہجہ اندر ہی اندر کھاتی
جاری ہے یا پھر پورے دن ہونے سے قطعے جن رہی ہے۔

اکتوبر ۱۹۹۷ء / ۱۷

جو رہی تھیں۔ گویا اس منوس زمین پر وہ آخری دستگیر تھیں۔
چنانچہ وہ دستگیر سے اٹھا کہ دستک دینے والا قاب نہ ہو جائے۔
اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچا تو
دستکس خاموش ہو چکی تھیں۔ شاید دستک دینے والے نے اس
کی تہمت سن لی تھی۔ طالب، مطلوب کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن
جب اس نے دروازہ کھولا، باہر کوئی بھی موجود نہ تھا۔ اور پورا
علاقہ اسی طرح اداس اور خالی، خالی تھا۔ البتہ ایک چوہا بھی
زمین پر چومکھن مار رہی تھی۔ اس کے پروں پر یہ مہارت لکھی
ہوئی تھی کہ۔ بعض زمینیں بڑی اداس اور منوس پیدا ہوتی ہیں

جس زمین پر عوام ڈرنے چھٹنے اور بھند میں چومکھن گھس گھس
لہنے لہنے بستر بٹھالینا چاہیے۔ چنانچہ وہ دیر تک بوں ہی چپ
چاپ کھڑا سوچتا ہے کہ شاید وہ آجائے جو ہر وہ کردار دستکس دیتا رہا
ہے۔ لیکن کتنی ہی دیر تک انتظار کرنے کے باوجود جب
دستک دینے والا دکھائی نہیں دیا تو پہلی بار اس نے اپنے چھٹے
دروازے کو کھلا چھوڑ دیا اور پھر سیدھے ایک کمرے میں پہنچ کر
ایک بڑا سا تالا اٹھایا۔ پھر اس نے درخت پر گئے اگلوتے امار کو
توڑا۔ دبیز لالہ لکھی دروازہ بند کر کے تالا لگایا اور پھر وہیں
سیڑھیوں پر بیٹھ کر اس نے دونوں پاؤں کے ٹلوؤں کو خوب
رگڑ رگڑ کر صاف کیا، جو تے کھنے اور باہر نکل گیا۔ اپنا گھر
چھوڑے کے بعد اس نے سارے علاقے کے ایک ایک گھر میں
گھانٹ کر دیکھا۔ ہر گھر کے کمین گہری بھند میں گئے گئے ڈوبے
ہوئے تھے اور اس علاقے کے آسمان پر بیسب سیاہ بادلوں کے
دل کے دل چلے رہے تھے۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا سمندر
کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ کھٹی سفر کے لیے تیار کھڑی تھی جس
میں مختلف پرندے، ہرندے اور سبز لباس میں ملبوس انسان
اور ایک باریش سلید پوش بیٹھے سمندر کی دستکوں کو
گھور رہے تھے۔ وہ کھٹی کے قریب پہنچا اور پھر چپ چاپ کھٹی
میں سوار ہو گیا تو کھٹی سفر پر نکل چکی تھی۔

چنانچہ چھ گھنٹوں تک وہ بوں ہی دروازے میں کھڑا رہا
کہ شاید دستک دینے والا دھوپ سے بچنے کے لیے کسی درخت
کے نیچے ٹھہر گیا ہوگا۔ لیکن کوئی لے گزرنے کے باوجود جب
دستک دینے والا دکھائی نہ دیا تو وہ دروازہ بند کر کے گھر میں چلا
آیا اور پھر ایک غریب کے قریب جا کر ٹھہر گیا جس میں بے شمار
بادیں بکھری ہوئی تھیں اور ہر باد بھٹو کی طرح جھک رہی تھی۔
وہ ان بادوں کو غور سے دیکھنے لگا تو ہر باد اس کی آنکھوں کے
رستے سے اندر اترنے لگی۔ چنانچہ جب تمام بادیں اس کے
اندر اتر کر بھٹوؤں کی برات بن گئیں تو وہ انھا اور لان میں آکر
ایک آرام دہ کرسی پر، دونوں پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ تم گھاس
اس کے ٹلوؤں کو چھو رہی تھی۔ اور وہ آنکھیں بند کیے کسی گہری
سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس کی بند آنکھوں میں کئی ستارے
ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگے تھے۔ وہ ان ٹوٹنے والی ستاروں کے
ساتھ خود بھی ٹوٹ رہا تھا کہ دفعتاً پھر دستک کی آواز سنائی دی۔
اور اس مرتبہ دستک بڑی زوردار تھی۔ لگتا تھا کہ دستک دینے
والا خاصا طاقتور ہے۔ وہ کرسی سے اٹھا، ٹلوؤں کو گھاس پر
رگڑا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر ایک لمحہ ضائع کیے
بغیر اس نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن باہر جسوں کو چلانے والی
وہی دھوپ تھی اور دستک دینے والا پھر غائب تھا۔ شاید
دھوپ سے بچنے کے لیے وہ کسی سناہن کے نیچے ٹھہر گیا ہوگا۔
جو پہلی یہ خیال اسے آیا وہ میں کھڑا اس کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن
خاصی دیر تک انتظار کے باوجود جب کوئی بھی نظر نہ آیا تو وہ
دروازے کو دیکھنے لگا کہ کہیں خود دروازہ دستکس تو نہیں دے
رہا ہے، کیوں کہ گزرنے سے موسموں کے دروازے اپنے گھٹوں کو
بیدار کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ دستکس دیا کرتے تھے۔
لیکن اس کا دروازہ اسی طرح خاموش اور اکیلا تھا۔ چنانچہ اس
نے دروازہ بند کیا۔ پھر گھر کے سب سے آخری کمرے میں پہنچ
کر ایک گرد آلود بستر پر لیٹ گیا اور پھر خالی خالی نظروں سے
چمت کی طرف دیکھنے لگا۔ پلاسٹر اکڑ جانے کی وجہ سے اس پر کا
نقشہ بن گیا تھا اور وہ اس نقشے میں اپنے گھر کو تلاش کر رہا تھا کہ
پھر دستک کی آواز سنائی دی۔ ابکی بار دستک دینے والا ایک لمحے
کی مہلت دیے بغیر دستکس دے رہا تھا۔ ورنہ پچھلی جتنی بھی
دستکس اس گھر پر دی جا چکی تھیں ان کے بچ ایک وقفہ ہوا کرتا
تھا لیکن اس مرتبہ کوئی وقفہ نہیں تھا۔ بس گھٹا ہوا دستکس

مہتاب حیدر نقوی

کچھ خواب بنو — عشق کرو
 تھوڑے نادان بنو اور کچھ شعر کہو
 اور یہ کہہ کے ہرک دوست کے ماتھے پر کئی چاند بننا اور تلبہ
 اور ہم سوچتے ہیں
 اپنے خوابوں کی حقیقت کیا ہے ؟
 خواب کے درد تو سبھی بند ہوئے
 عشق کرنا کوئی اس درد نہیں
 شعر پھر کیسے کہیں —
 اور غم سے ہوجاتے ہیں —
 اور پھر رات گئے
 اپنے گھر لوٹ کے آجاتے ہیں اس فکر کے ساتھ
 شہر یا دلوں سے ہمیں نہبت ہے

دن ڈھلا سنا ہم ہوئی دل کو ڈپونے والی
 ایک دروازہ کھلا
 دوست سبھی جمع ہوئے بھونٹے بڑے
 ایک خاموش سا چہرہ ہے کہ کھتا ہے اداسی کی ہجو
 ہم سبھی اسکی طرف دیکھتے ہیں
 اسکی آنکھیں ہیں کہ خوابوں کا جزیرہ کوئی
 ان سے گربات کرو
 وہ بہت بولتی ہیں
 ہم تو حیران سے رہ جاتے ہیں
 دوست پھر جمع ہیں اور رات کی تاریکی ہے
 وہی کمرہ ہے، وہی دوست ہیں، مغل ہے وہی
 ہم سبھی شعر ملتے ہیں —
 وہ کہتا ہے یہاں دیکھو —

مہتاب حیدر نقوی

دقارنامہ

صبح کی پہلی کرن پر رات نے حملہ کیا
اور میں بیٹھا وہاں سارا سماں دیکھا کیا
اے ہوا دنیا میں بس تو ہی بلند اقبال ہے
تو نے سارے شہر پر آسیب کا سایہ کیا
کوئی آنسو آنکھ کی دلیل پر رک سا گیا
کوئی منظر اپنے اوپر دیر تک رو دیا کیا
اک صدا ایسی کہ سارا شہر نہانے میں گم
ایک چمکاری نے سارے شہر کو ٹھنڈا کیا
دھل کی شب کو بیاڑی تک ہم چھوڑ آئے
کام ایک رات جگوں نے یہ بہت اچھا کیا
شہر تو کب بے بسی کا استعارہ تھا فقط
پوچھتے کس سے کہ اس کے ساتھ کس نے کیا
سب کو اس منظر میں اپنی جے پر فہم ہے
کس نے تیرا سامنا سرکش ہوا کتنا کیا

شعر میرے تمام آوارہ
ان کی تنقید ایک شہر بدلہ
جہم کو واقف نہیں زمینوں سے
بچھٹا ہے خلا میں سارہ
جنت جس کے لئے نہیں ممکن
وہ بھی بھرنے لگا ہے طرارہ
اس کی تحریر میں اڑائیں ہیں
جس کو حاصل ہے کوئی فباہ
جس سے ددڑے نہ کافی گھوڑے
وہ اڑانے چلا ہے طیارہ
جنت بھی اپنی ہے پٹ بھی اپنی ہے
نقد نقلا کے ہیں پو بارہ
کاش ہوتا نظیر کی صورت
میں مسافر میں کوئی خیارہ
کون سنا ہے دل کے نغمے اب
کون چھیڑے یہاں یہ اکتاہ
اس سے اچھے ہیں سارے ناٹام
ہے جو شام وقار ہے چاہ

یالہی

کاش کس تو ایسا ہو

پر چال سنگھ و سب

امجد اسلام امجد

آنکھیں دیکھیں خواب
آنکھیں دیکھیں لار کسی کے خواب
اپنی آنکھیں ہی جب دیکھیں اور کسی کے خواب
کون ہے پھر خواب ہمارے، کھوے کون ہے؟
کھٹے کون ہے؟
دل کو ہے بس ایک ہی ملن

من بنا ہی تعبیر سے روشن پہنا کیے ہو
آنکھوں میں جو خواب بسا ہے لہنا کیے ہو
تم دیکھو اک خواب
اپنی آنکھوں سے تم دیکھو، کاش کبھی اک میرا خواب
خودوں کی پر جہانیاں اول سے مجھ سے کرو پریات
مجھ سے کرو یہ بات
دل کو ہے بس ایک ہی ملن

من بنا ہی تعبیر سے روشن پہنا کیے ہو
آنکھوں میں جو خواب ترا ہے، لہنا کیے ہو

میری قوت کہاں گئی؟
دلوں کہاں گئے؟
یہ ہے حس کہاں سے آئی
مزل تو منزل
میں تو ہنوز
کسی نشان تک بھی نہیں پہنچا
پھر غم سفر کیا ہے؟
آنکھ بھر کیوں؟
پاؤں جاہ کیوں؟

اکتوبر ۱۹۹۶ء ۱۷۷

لوئی اراگون

ترجمہ: سمیرا ظفر حفصائی
جبرم مکمل

میں نے اپنے ہاتھ دیکھے

اور خود سے پوچھا

کبھی انھوں نے

قتل تو نہیں کیا ہے؟

خود سے پوچھا

کون؟

میرے ہاتھ؟

کب؟

یہ میرے ہاتھ؟

کہاں؟

خود سے پوچھنے پر

کیا کبھی...؟

ایمانداری سے

میں جواب نہیں دے سکتا

ژورژ برتائی

ترجمہ: سمیرا ظفر حفصائی
نظم

میر میں گور بھرے

میں ترکا ہوں

اسمان سے نفرت کرتا ہوں

بے باہریوں پر تھوکنے والا میں کون؟

بہت وسیع ہونے میں کڑواہٹ ہے

میری آنکھیں موٹی سو رہیں

میر اول کالی روشنائی ہے

میری جنس ایک مردہ سورج کی ہے

ایک بے تھماہ غار میں

گرتے تاروں کے لئے

میں رو رہا ہوں

اور میری زبان چل رہی ہے

فضائے بیضا گول ہو یا نہ ہو

وہ آواز کی ٹوکری میں گھوم رہی ہے

مجھے موت پسند ہے

اداسے لے جا رہا ہوں

تقدیر سمائی کے کیل گھر

تراں پیر پالپ

ترجمہ: سمیرا مظہر چغتائی

کہ جلدی سے سورج
اس بھری رونق کو دیران کرے
میں سوچتا تھا
جب تارے مرجائیں گے
میں اپنی گلی میں باقی ہوں گا
اور جب سمی تارے غائب ہو جائیں گے
تو میں خود کو دوبارہ ڈھونڈ لوں گا
میں ڈر رہا تھا تاہم
تارے بھرے آسمان سے کم
اور صبح سے زیادہ

تارے تھے
لا تعداد تارے
مہمل تھا
اس حسن کو مہمل کہنا
ایک غرور و ستارہ للعینیت
جیسے کہ رات
مجھے اپنی جگہ واپس بھیج دینا چاہتی ہو
جیسے کہ تارے
میری زندگی کے خلا کی نشان دہی کر رہے ہوں

میں چاہتا تھا
کہ دن نکل آئے

بے محبت کے بھول

مثل ہے رس

تو محمدؐ سے رازِ حق بختا

اور جھیل میں
اتنی تاریک
کہ اسے زندگی بخشتا ہے
تیرا خون
وہ طوفان
جو میری زندگی میں پوشیدہ ہے
میں نے ڈلو دیئے
رنگ
اپنے ریزہ ریزہ سورتوں کے
عکس
بہت دھنڑے عکس
چھری چلا کے

اپنی ہنکھیں
جو میں دیکھتا ہوں
خلا
جو ہمارے درمیان کھول دیتا ہے
اپنی الجھنوں کا ناکہ
اور ٹوٹ جانا
ہماری لگا ہونے کے رشتے کا
تیرے جسم کے سہرے پن کے آگے
جہاں چمکتا ہے دوپہر کا بلور
میں نے ڈال دیئے اپنے ہتھیار
کچھ چھپا سکے بغیر
مغمدؐ آسمان سے
جو دور ہے

آندریس اپرسل

ترجمہ: سعید الغفر جھانی

اس نے کھانے کی میز لگائی
اس ٹازک اداٹی سے
کہ بھول جھک پڑے
اس کی طرف
مکلاں میں
ایک شخص
دل جلا رہا تھا
جب کہ
اسے صرف
گیلری یاد آگئی تھی
اپنا رخسار
رکھ دیتے کو
پتوٹوں پر

رونیس ہالے

ترجمہ: سعید الغفر جھانی

دو کرسیاں اقل بقل
بارش تلے
یادگار جیسے دھندلائے درختوں کے سناٹے
دو دیکھتے چہرے ساتھ ساتھ
دو کندھے ایک دوسرے پر سہارا دیتے
وہی خاموشی
جس میں شریک ہوتی ہیں
دو لگتا ہیں
پھر بھول جاتی ہیں
اپنے تصورات کی پرچھائیاں
باندھ رہے ہیں ایسے عہد و عیال
جو ٹوٹ... کر پھر جنم نہیں لیتے
چاہتے دلوں موسم سے ہوشیار
کتنی چاہتیں مر گئیں
کیوں کہ بارش ہوئی تھی۔

شاک ہاروں

ترجمہ: سعید الطغر جغتائی

زندگی کا کوئی ایک لمحہ دوسرے سے
 کم خوش و غم نہیں
 چاہنے والے کی ہر سانس
 حق میں ڈوبی ہوئی ہے۔
 کوئی چیز اپنے بوجھ نہیں رہ جاتی۔
 آج سے زیادہ سرور دن د آئے گا۔
 کوئی چیز
 لطف کی سانس سے بڑھ کے
 نفیس نہیں۔
 کچھ نہیں
 میری زندگی
 اور اس گھاس کے سوا
 جو بارش بعد اگنی ہے۔
 کچھ نہیں
 میری محبت سے بڑھ کے دردناک،
 مگر میری محبت
 میری چاہت ہے۔

پیر الیگزینڈر رو

ترجمہ: سعید الطغر جغتائی

تو دیکھتی ہے
 ادران کا سمجھی ذکر نہیں کرتی
 حالانکہ تیرا ہے
 غموش رہ
 اور اپنے سامنے ہے سمجھال کے رکھ
 ایک طرف سے
 دوسری طرف
 ساری سمجھیں تیرے قدموں تلے ہیں
 جن نے
 جہتوں کے پاس وقت ہے
 تو کہاں سے آتی ہے؟
 نیلے ملک سے؟
 جہاں مر مر سانس لیتے ہیں
 جہاں ریزہ ریزہ صدیاں
 رو بہیلی ہو جاتی ہیں

قائد حسین کوثر

کمال نکال کر دکھاتا رہتا ہوں اور اس طرح نیرنگ کا جھوٹکا آنے تک اپنے اس دل پر نہ کھیل کو جاری رکھتا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ جب بلا شراف تبادلوں ہونے چند ہی دن گذرے تھے اور دفتر کے ایک چوکیدار کی سروسے مجھے سلاچی کے مکان کا دہ کوہ کرایہ پر ملا تھا۔ لاڈلہ اور بچہ سولہ دہائی نے چند منٹ کی

ملاقات میں یہ احساس دلایا کہ وہ دنیا کو بہت خوبی سے جانتی ہیں، کبھی میں چنانچہ اپنی بہت سی ضرورتوں کا پابند بنانے کے بعد جلد انہیں اچھی طرح میرے اوپر اطمینان ہو گیا تو انھوں نے اپنے بیٹے ملازم

پر تپا سنگھ کے ساتھ مجھے ایک خالی کمرہ دیکھنے کے لئے اندر دینی تھے میں داخل ہونے دیا۔ سول لائٹس کے بہت بڑے رقیق پتلی

چہار دیواری کے پوربی گوشہ میں چار چھوٹے کمرے بنائے گئے تھے جو انھوں نے غیر شادی شدہ اور سرکاری ملازم ہونے کی سہولت رکھنے

والے کرایہ داروں کے لئے مخصوص کر دیئے تھے۔ ان میں سے ایک کمرے کا کین تبادلوں ہونے پر اسے چھوڑ گیا تھا۔ اور وہ یہ کہ مجھے دفتر

پر تیار ہو گئی تھیں۔ مکان کے بہت بڑے فاصلے پر ایک خوبصورت

پائیس باغ بھی لگایا گیا تھا جس میں بہت سے امرود، لیمو اور پکوتروہ کے درخت تھے۔ چھوٹے چھوٹے گلیں تھے جن میں خوش رنگ

پھولوں والے پودے تھے اور چہار دیواری پر سردا بہار کی لیل بھی

بلا شراف میں میرا قیام اگرچہ بہت طویل رہا تھا، مگر میرے لئے وہاں کا ایک ایک ٹھکانہ یادگار ہے اور میرے ذہن سے ہمیشہ چٹا رہے گا۔ ایسا ہی ایک لمحوہ بھی تھا جب میں اس محبت بھرے ماحول کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر یاد کہنے کے واسطے اپنا سامان سفر سمیٹ چکا تھا اور ٹرین کے آنے سے پہلے وقت گذاری کے لئے اپنے کمرے میں بیٹھا مگر ٹرین کے دھویں کے مڑنے لگا رہا تھا۔ تب اچانک ہی اس پر نظر پڑے۔ یہ میرے جسم میں بجلی کی ہلکی دھڑکنے لگی تھی اور پھر میں زندگی کے اس بڑے راز سے واقف ہوا تھا کہ ذاتی یقین کے لئے کسی شناخت یا کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ رات کا پہلا اور دوسرا پہلے کے درمیان کا وقت تھا جب میں بلا شراف کی یادوں کے پھولوں سے اپنے ذہن کو مہکاتے ہوئے سگریٹ کے دھویں کے بننے بگڑنے دائروں کے کھیل سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

سگریٹ کے مڑنے لگانے کا کھیل میرے لئے ہمیشہ کش رکھتا ہے یہ کھیل میں عموماً ہر رات کھیلتا ہوں۔ دھویں کے پھل بنانا اور ان پھلوں کا مختلف زاویوں اور دائروں میں تقسیم ہو کر ٹرین پر آہستہ آہستہ بٹھ جانا اور پھر ہوا میں حل ہو کر بے نام و نشان ہو جانا مجھے عجیب سا سکون دیتا ہے۔ کہہ میں تنہا ہو کر سب کچھ کی دروازے بند کر لیتا ہوں اور جب ہوا کا زور ختم ہو جاتا ہے تو سگریٹ ملگا کر دھویں کے مڑنے

اس بات میں دوبارہ نہیں سو سکا تھا۔ پہلے میں نے کہا نوڈنگ کا بلب جلا کر آگن نادیا میں باغ میں لے دو نوڈنگ سے کسی کوشش کی بھر جھک ہا کر کہہ بند کرنا اور سگریٹ سلگا کر دھوئیں کے جھٹکوں کا کھیل پھر کھیلنے لگا۔ اس گھر کی پہلی مرتبہ مجھے دھوئیں کے ہارے دیکھ کر جھمپھری سی آئی تھی اور کہہ میں ایک انجانی سی ہمک بھی محسوس ہوتی تھی۔

حالی الصبح غسل وغیرہ کے بعد میں تازہ دم ہو گیا۔ سر لاہی روز کی طرح پوجا میں معروف نظر آئیں۔ برآمدہ میں ہون کے لئے مخصوص ان کی انگلی سلگ رہی تھی اور وہ ایک پٹے پر بیٹھی اشلوک پڑھ رہی تھیں۔ سانس پڑے بید کے نوڈے پر میں بیٹھ گیا اور کیلے ہاؤں کو انگلیوں سے بھاڑتے ہوئے انتظار کرنے لگا کہ وہ ہون سے فارغ ہو جائیں تو میں اپنی بات شروع کروں۔ وہ باواز بند اشلوک کا جاپ کرتے ہوئے ہون ساگری انگلی میں ڈالتی رہیں۔ اس دریاں وہ مجھے دیکھ کر شفق انداز میں مسکرائیں بھی اور ہاتھ کے اشارہ سے مجھے وہیں بیٹھ رہنے کا اشارہ کرتی رہیں۔

خدا خدا کر کے ان کا ہون ختم ہوا اور وہ دھماکے بعد مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ میری بات اور سارا ماحول اس کر پہلے تو ان کے چہرہ پر تڑپ اور خوف جھلکا مگر بعد میں انھوں نے میری بات کو مذاق میں اٹا دیا اور مجھے نوڈنگ کی لٹنگ لاکر رات میں اس پر سونے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے اس کہا نوڈنگ اور گھر میں گذرے اپنے قریب ہی اس بکروں میں اسے بھی نہ دیکھنا اور غصے نہ کرنے کی بات بار بار دہرائی اور مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش کی یہ شخص میرے ذہن کا دم ہے یا پھر کوئی پوہا، مجھ کو نہ دیا کوئی پھپھکی وغیرہ میرے بلنے سے ٹکرائی ہوئی اور میں بے دہر دوکوں میں مبتلا ہو گیا۔ انھوں نے دھوئیں میں سگریٹ نوشی کے عادی لوگ وہم میں بہت جلد محسوس جاتے ہیں نیز یہ کہیں سگریٹ نہ پا کھل کر دوں درنہ وہ میرے گھر خطا کھ دیں گی۔۔۔ وغیرہ۔

سر لاہی کی طرح میرے بڑی دوسرے کو ایہ داروں نے بھی آ محسوس میرے ذہن کے واہمہ پر ہی غول کیا مگر پرتاپ بابو کو مذاق کا ایک

درو بھی ہاتھ آگیا۔ ہر حال۔ وہ طنز پرست بہت سیکر کر رہا کہ دن بھر ایک لمحہ کے لئے بھی وہ میرے ذہن سے نہیں ٹھک سکا تھا اور جب جب بھی میں نے سگریٹ سلگائی، اس کا پھن اور دم میری انگلی کے سانسے گھومتے رہے۔ رات بلب جھکا کر میں ہارے ہر دروازے کے بعد میں ایک انجانی سی سر ہارٹ اور جھکا کر کلا انتظار کرتے کرتے کئی بار بے چین سی تیندلیتا ہا مگر کبھی سی بیداری کا احساس مجھے فوراً ہی چونکاتا رہتے پھر پھر کر دیکھتی راتوں تک میں ایسی ہی پچھلی کا شکار رہا مگر باوجود کافی انتظار کے جب وہ نہیں آیا تو ایک مسلسل سی ذہنی ٹھکن کا شکار ہو کر میں اپنے آپ کو کچھ مضمحل اور پریشان سامعین کرنے لگا۔

لگ بھگ تین مہینے تک مسلسل ملازمت کے بعد میں پندرہ دن کی رخصت پر گھر رہ کر دوبارہ واپس آیا تو پرتاپا کہہ گھومتی ہی ایک عجیب سی مانوس ہمک نے مجھے چونکا دیا اور پھر دیواروں پر بے شمار چیزوں کی قطاریں دیکھ کر مجھے حیرت سی ہوئی۔ کمرہ میں بھاڑ دھکا ہوئے فرش پر مجھے سفید ابرک جیسے بے شمار ریتے دکھائی دیے اور چوڑیوں کا نور جائزہ لینے پر پرتاپا کہہ وہ سب ابرک کے ان ریزوں کو لے کر ہی کمرہ سے باہر لپے ٹیوں کی طرف جا رہی ہیں۔ معاً میرے ذہن میں اس کے کینچل کا خیال آیا اور میں فوراً ہی پرتاپ بابو کو بلا کر کمرہ میں لے آیا اور جلدی جلدی انھیں وہ سب بتا ڈالا جو میں اب تک سوچ چکا تھا۔ پرتاپ بابو نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ میری بات سنی اور کمرہ میں پڑے ابرک کے ریزوں اور چوڑیوں کی قطاروں کو دیکھا اور پھر میرا مذاق اڑانے لگے۔ پہلے انھوں نے میری ذہنی حالت پر فحش کا اظہار بھی کیا تھا اور پھر لڑائی جھگڑائی کی فحش فحش اسکرپٹ جی کے ساتھ اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا کہ اگر پرتاپ کمرہ میں آیا اس پاس کی جگہ پر نوڈنگ پر یاد ہو مگر میرے دماغ میں ہر طرف مودود ہے بلکہ ہر وقت دھنگا بھی رہتا ہے۔ بعد میں انھوں نے بڑی سنجیدگی سے ساتھ مجھے یہ سب نہ سوچنے اور سگریٹ نوشی پر سے فوری

ترک کرنے کا مشورہ بھی دیا کیوں کہ ان کے خیال میں میری سخت دلی بردہ
 غلاب ہو رہی تھی۔
 حال تک سگریٹ نوشی کا علق تھا، وہ میں نے بڑی حد تک کم کر لی
 تھی۔ وہ میں انھیں دوسری اوقات میں تو سگریٹ سے بلا مکمل ہی ترک کر دیا
 تھا کیوں کہ ان کا کام یہ دار و مہواں تھے، ذہنی طور پر تخیل کو روتا اور بھڑکانا
 بدھ کی طرح سے کام نہ کر پاتا۔ البتہ سب کو، دوسرے کو، دوسرے سے بھی پکڑ چلا ہے
 کے بعد اور پھر رات کو کھانا کھانے کے بعد سگریٹ اپنی پوری لذت کے ساتھ
 مجھ سے ہم بھی پر تیار ہو جاتی۔ رات سوئے سے قبل سگریٹ کا مہواں اور اس
 سے بننے بگڑنے والے مجھے کسی پریشان کرتے اور کوئی انجانے سے سر دسے
 ہٹکنا نہ ہونے میں بڑے معاون ثابت ہوتے۔ اس کیفیت سے میں لگ
 بھگ روزی گزرتا اور اس وقت ہوتا، جب میں اس سوال کا جواب
 تلاش کرنے کی کوشش کرتا کہ اگر وہ سچ ہی ہیں موجود ہے تو اس نے اس
 روز یا پھر اس سے پہلے جب تک میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں پڑا تھا
 اور میں نے اس کے وجود کو کوئی احساس بھی نہیں کیا تھا، آخر اس نے مجھے
 ڈس کیوں نہیں؟ یا اب جب کہ میں پوری طرح اس کا سامنا کرنے کو تیار
 ہوں اور اپنی ضد یا متعون میں اسی طرح زہن پر اندھیرا کر کے شب بسر کرتا ہوں؟
 کیوں کبھی نہیں آیا یا مجھے ڈسنے کی کوشش کرتا ہے؟

ایسے ہی بے ڈھب سوالوں میں الجھتے ہوئے دو تین مہینے گذر گئے اور ان
 دوران سراسر لاجی پر تپا ہوا اور اس کپاؤ میں رہنے والے بھی کرایہ داروں کے
 نزدیک میری حیثیت ایک ذہنی مرض کی ہی ہو کر رہ گئی تھی خود کو بے وجہ تک
 خود ساختہ خیالی سے سوال میں الجھا کر اپنے آپ کو ہلکان کر رہا تھا۔ اکثر میں ناپو
 نما بہتے پانی اور پھر باہر جا کر ناپائیدار تک لے دھونے سے تھکتا رہتا۔ یکا میں روز
 رات کو سوئے سے پہلے کرنا نہیں بھوت تھا اور اس کے لئے میں نے ایک نالیج
 بھی خرید لی تھی۔ صبح نہا دھو کر صبحی اور پانیوں بارغ میں ہلے ہوئے مختلف گھنٹوں
 میں نم مٹی میں جانے والے چھوٹے بڑے سواخوں کو ایک پتلی سی پیچری کی مدد سے
 کریدتا رہتا اور اس سچ بچہ پر سراسر لاجی پر تپا ہوا یا میرے کسی پڑوسی کی نظر
 پڑ جاتی تو وہ یہ پوچھتا کہ گونہ بھونکہ مجھے کچھ ملا بھی یا نہیں یا یہ کہ میری کھوج

بچا کیا کہیں منزل پر ہے؟

بلا شراف میں میرا قیام کم و بیش پچودہ ماہ تک ہی رہ سکا۔
 اس دن دو دن میرے پوٹھی کا آرڈر آگیا اور مجھے بتایا گیا کہ مقرب ہی
 میری پوسٹنگ میرے گھر کے بڑی ضلع میں کی جانے والی ہے۔ بتا دے
 کا باقاعدہ حکم آتے سے قریب ایک ہفتہ پہلے دفتر کے کپاؤ میں ہی رہتا
 والے ہو کیدار کے گھر میں ایک بچے کی ولادت ہوئی تھی۔ دوسرے دفتر میں
 ساتھیوں کی طرح میں بھی ارمی مبارکباد دینے اس کے گھر سے ہونے لگا
 دین مجھے پھر اس قانونی ہی ہٹک سے پھر سابقہ پلاڑی پہلی مرتبہ تو اس رات،
 جب پہلے پہل مجھے اس کا قطعی احساس ہوا تھا اور دوسری مرتبہ جب میں ہندو
 دن کی رخصت کے بعد واپس لوٹا تھا اور کچھ کھول کر دیواروں پر چڑھوں
 کی قطاروں اور فرش پر پراکٹ جیسے ریتروں کو کد کھاتا تھا۔ میرے سوال
 کرنے پر ہو کیدار نے بتایا کہ یہ کڑوے تیل میں جلے ہوئے ہیں اور ان کی
 ہٹک سے توڑ بھنگی کے بعد ترے۔ بچہ کو ان کے ذہن تک ملا جانا ہے۔

حالانکہ اس سچ تقریباً سبھی لای چکا تھا اور میں اس بات
 پر لگ بھگ اپنی فوجی فہم تک اعتبار کرنے لگا تھا کہ اس کا کوئی وجود
 نہیں ہے اور وہ مسجد کچھ میرا دم تھا جس کے حکام میں الجھ کر میں کافی پریشان
 ہوتا رہا تھا۔ سراسر لاجی کا خیال ٹھیک ہی تھا کہ کوئی گیزر یا چھپکلی یا چوہا
 چھچھوڑ دینے میرے اوپر سے گزرا ہو گا اور میرے ذہن میں داہم نے
 گھر کر لیا ہے۔ غالباً اس کا سبب سگریٹ کے دھوئیں کے مرغیوں کا وہ
 کھیل تھا جس نے غیر ارادی طور پر میرے شعور کے کسی حصے میں اس کی
 تجسیم کا کام کیا تھا۔ اگر وہ سچ ہی ہے تو اس پاس کہیں تھا تو میری اتنی
 کوششوں کے باوجود مجھے اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا؛ پر تپا
 ابو شاید ٹھیک ہی کہتے تھے کہ وہ محض میرے شعور کی پیداوار ہے اور
 بے شعور میرے دماغ میں ہی کھیلنا شروع ہوتا ہے اور یہ کہ اس کا کوئی وجود
 اس پاس کہیں نہیں ہے۔

مجھے یاد ہے، بلا شراف میں وہ میرا آخری دن تھا۔ دفتر سے
 بک دوں ہونے کے بعد تمام کو میری انودا می پارٹی ہوئی تھی۔ یہ

اس میں دھڑکنے کی ساری چیزیں نے غصے سے ہلنا شروع کر دی تھیں۔ خاصے پر پھٹا ہوا جام کا اچھام کیا اور میری خدمت کے احکامات میں میرے افسر اور دوسرے دفتری سائیکسٹوں نے اپنے تاثرات کا اظہار بھی کیا۔

شام کو میرے ایک بڑی کمرہ دار نے جو فرسٹ کلاس کا رخاڑا میں سروں کرتے تھے اپنے کمرہ میں پر تکلف عزائم کا اہتمام کیا تھا۔ ان کی کڑی میں شریک ہونے سے پہلے ہی میں نے اپنے دوسرے سفری بیگ تیار کر لئے تھے۔ کچھ فالتو مسلمان اور کپڑے وغیرہ میں نے دفتر کے چیمبروں کو دے دیئے تھے اور اس طرح ایک کم سے کم زراعت والے سفر کی تیاری کر لی تھی۔ میری تین رات دو بجے کی تھی اور جسٹس میری قیام گاہ سے بس ڈرائے فاصلہ پر تھا۔ سڑا لٹی نے لیے چڑے اسٹیر داک کے ساتھ کرایہ وغیرہ کا حساب صاف کر لیا تھا اور مجھے ہدایت کر دی تھی کہ رات کو روانہ ہونے وقت میں اپنے کمرہ کو مقفل کر کے کئی اہل کے برآمدے میں دروازہ کی نجی دروازے سے کمرہ کا دروازہ نکال انھیں صبح یہ آسانی مل جائے۔ صدر دروازے کی کئی بجے باہر سے اچھال کر آگن کی طرف پھینکی تھی۔

میرے پڑوسی نے خاصا اہتمام کیا تھا اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد رات قریب بارہ بجے تک فلمی گیتوں کو سنتے ہوئے تینے دلوں کو یاد کیا۔ انھوں نے بار بار مجھے پریشانی کی وجہ سے یاد دلائی کہ رات پرانے خوشی کا اظہار کر کے اس اچھی صحت کے ساتھ اپنے گھر کے نزدیک جا رہا ہوں۔ روایتی سے قریب دو گھنٹہ قبل میں اپنے کمرہ میں واپس آ گیا اور پھر ایک کونے میں پرانا اخبار بچھا کر دوپٹے سے ٹیک لیتے ہوئے ہانگیں پھیلا کر تین پر نیم دراز سا ہو گیا۔ ابھی تین میں کافی وقت تھا پہنچتا ہوں میں نے سگریٹ سلگا کر دھویں کے مرغیوں کو دل پسند کھیل شروع کر دیا۔ میں دوسری سگریٹ کے دو چار ہی کش لے پایا تھا کہ میری آنکھ چمک گئی اور قریب پندرہ بیس منٹ میں گہری نیند میں رہا۔ مجھے ابھی طرح یاد آتا کہ جب دوبارہ حواس واپس آئے تو وہ تھے قہری ملاقات صبح سے پہلے کی ایک ہلکے سے ہوئی جو زچہ رخاڑا میں استعمال ہونے والے کڑے تل سے آئی ہے جس میں ہنس اور اتھڑائی جلائی جاتی ہے۔ اسی ہلکے سے

میرا پہلا سابقہ اس رات پڑا تھا جب میں نے پہلی بار اپنے پیٹ کے اوپر سے اس کے سر کے کاس میں کیا تھا اور پھر دوبارہ اس رات جب میں پندرہ دن کی رخصت کے بعد کمرہ میں واپس آیا تھا اور چوتھیں فرش پر کمرے ایمر کی ریزوں کو لے کر قطار در قطار دواؤں پر بیٹھ رہی تھیں۔ میری نظر سب سے پہلے کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف گئی ابھی تین میں قریب ایک گھنٹہ باقی تھا۔ وہ لمحہ قریب آ گیا تھا جب مجھے بلا تھک والو دلع کہنا تھا۔ مجھے ہونے والے کے ساتھ میں نے تازہ سگریٹ سلگالی۔

بند کمرہ میں بلب کی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سگریٹ کے دو تین کش سے پھینکے ہوئے دھویں کے ریح اور دم کا جائزہ لینے پر میں نے جان لیا کہ کمرے میں کس جگہ ویکویم بن رہا ہے چنانچہ میں نے اسی سمت دھویں کے پھیلے پھینکنا شروع دیئے تاکہ ان کا دم دیر تک قائم رہ سکے اور ہوا میں بے نام و نشان ہونے سے پہلے وہ اپنا پورا کھیل دکھا سکیں۔ اسی دوران دھویں کا ایک گاڑھا سا غولہ کمرہ کے مشرقی کونہ کی طرف بڑھنے لگا اور اپنے ٹرہتے ہوئے نجم کے ساتھ دھیرے دھیرے دیوار کی کڑوں اور فرش پر پڑنے لگا۔ تب ہی میری نظر اچانک اس پر پڑی تھی، جو کمرہ کے مشرقی کونے میں دھانے کب سے موجود رہا ہو گا۔

میں فوری طور پر چھٹنا چاہتا تھا مگر کسی غیر مرئی قوت نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔ چند منٹ تک میں فوری طور پر اپنے خستہ ہو جانے والے حواس کو یکجا کرتا رہا اور جب میں نے اپنی تیز سالوں اور دل کی دھڑکنوں پر کسی حد تک قابو پایا تو اس کا باستھیل جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔

ڈیڑ گھنٹہ کے قطر میں اس کی لمبائی چار فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی بلکہ کچھ زیادہ ہی رہی ہوگی۔ دم سے بھیں تک اس نے کئی چکر دے کر چھوٹا سا کنڈل بن لیا تھا اور اوپری سطح پر اپنا سر آرام سے رکھے ہوئے نیم والے کھوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ تھوڑے تھوڑے

دفعہ سے وہ اپنی زبان بھی پہلے ادا تھا اس کا رنگ بھی تھا اور اس کی جلد پر تو جو چمک دکھ کر اس کا گھٹا کر جیسے کسی نے اسے ابھی ابھی تیل میں ڈبو دیا ہو۔ سانس لینے کے باعث جگہ جگہ سے اس کا بیٹ پھول چمک رہا تھا۔ مکہ میں بھیجی ہوئی اس اور جوان میں جگہ جگہ تیل کی ہلک سی بے کچھ زیادہ ہی عکس ہو رہی تھی۔ اس دوران اس کا کنگل عمومی طور پر سرگرم ہو رہا تھا اور دو ایک بار اس نے اپنی گردن کو تھوڑا سا اٹھا کر اپنا چھوٹا سا چھک بھی غصہ سے دفعہ کے لئے کاڑھا تھا اور پھر پہلی جیسی پوزیشن میں آگیا۔ شروع شروع میں مجھے اس سے خوف ضرور عکس ہوا تھا مگر بعد میں بالکل ہی بے خوف ہو گیا۔ میرے بے خوف ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میرا وہ تمام ذہنی تکدر پل بھر میں خائب ہو چکا تھا جو اسے ہوس کرنے کے بعد اس کی تلاش و تعاقب کے دوران طاری تھا اور جس میں مزید اضافہ ان لوگوں نے کیا تھا جن سے میں نے بے حد نفرت کی ساتھ اس کی موجودگی کا تذکرہ کیا تھا مگر ان سب نے پورے شد و مد کے ساتھ نہ صرف میرے بغض کی تردید کی تھی بلکہ میرے بغض کی خشکی کو میرا دم قرار دیتے ہوئے مجھے ذہنی طور پر ہمارے سمجھ لیا تھا۔ میرا جی چاہا کہ اس اسی وقت سر لاچی پر تاپ باجوہ اور اپنے ہمدردی کو باروں کو جیکو فوراً اپنے مکہ میں بلاؤں اور انھیں دکھائوں کہ میں کسی دم میں مبتلا نہیں تھا اور یہ کہ وہ شخص میرے ذہن کی پیداوار نہیں تھا بلکہ سچ اس کا کوئی وجود بھی تھا اور ابھی بھی ہے۔

میں اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے اٹھا ہی چاہتا تھا کہ میں ایک دوسرے خیال نے میرے ہاتھ میرے جکڑ لئے۔ آخر میں اس نے مجھے ملے گا کیا؟ یہی مانگہ سب تسلیم کریں گے کہ اس کے متعلق یہ بیان محض داہر نہیں تھا اور یہ کہ جو کچھ میں کہتا تھا وہ سچ ہے۔ ٹھیک ہے۔ — ایسا ہو جائے گا مگر اس غریب کی شامت ضرور اسی لئے کی جس نے پورا پورا موقع ملنے کے باوجود مجھے آج تک کوئی نقصان نہیں پہنچایا نیز یہ کہ ان آخری لمحوں میں جب میں اس جگہ کو فریاد کہنے کی پوری تیاریاں کر چکا تھا اس نے ظاہر ہو کر میری اس خود اعتمادی کو کمال کر دیا ہے دوسروں کے سید کا وہ

جھوٹا سجدہ ہے سہارے میں روک چکا تھا اس کی خیالات میں الجھا ہوا ہے اس وقت جو کچھ اب رات کو ہی ہوا اس کی سراسیمہ کی انگلیوں سے چھو گیا۔ میرے خیالات کا تانا بانا مکہ کی گلیوں اور میں پھر پھر انہماک کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لمحہ لمحہ میرے لئے کوشش ہوتا جا رہا تھا۔ تاہم سگریٹ کے بھی پھلے میں نے اس کی طرف ہٹھکنا شروع کر دیا۔ جن میں سے زیادہ تر اس کے کندلے سے نکلتے رہے بعض اس کے نزدیک پہنچنے سے پہلے ہی ہوا میں بھٹ گئے اور ان کا دھول اُڑنے لگا ہوا اس کے گیلے جسم سے ہٹا رہا اور وہ بھی اپنی جگہ پہنچا کر پھر پھر اسے سکون نہ گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے مجھے غریب کرنا رہا۔

اس وقت رات کے ڈیڑھ بجے والے تھے جب اس نے اپنا کندل کھول کر بہانگی مکہ کے شمالی گوشے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ بعد میں پھول مالاؤں کا دھیر بڑا تھا جو آج دفتر میں ہونے والے اودامی جلسے میں بیٹھا گئی تھیں۔ مجھے ابھی طرح یاد ہے کہ میں نے اپنے دونوں مغری بیگ مکہ سے باہر نکال کر دروازہ کو بند کر دیا ہوں اسے آخری بار دیکھا تھا تو پھول مالاؤں کے دھیر پردہ اپنا کندل بنانے میں مصروف تھا۔ یہ سوچ کر کہ اسے نقل و حرکت میں کئی وقت نہ ہو، میں نے مکہ کا بلیک نہیں بٹھایا۔

سر لاچی کے برآمدہ میں بند دروازہ کی کھلی دراز سے اپنے منتقل مکہ کی کچی سڑک سے ایک لمحہ پہلے میرے دل میں شدید فزائش پیدا ہوئی کہ میں اپنے مکہ کو ایک بار پھر کھول کر دکھوں کہ آیا وہ مکہ میں ابھی بھی موجود ہے یا نہیں۔ چند لمحوں تک شش و پنج میں مبتلا رہ کر میں واپس اپنے مکہ کی طرف پلٹ پڑا اور میں نے دھڑکنے ہوئے دل کے ساتھ دروازہ میں لگا ہوا تالا کھول کر کھڑے ہوئے کوڑا کو مکہ کے اندر کی دھک سے ڈال دیا۔ مکہ میں بلیک کی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اب وہ کندل بکا اخبار کے اس ٹکڑے پر بھی کاڑھے ہوئے بول جمان تھا جہاں کچھ دیر پہلے میں بیٹھا ہوا تھا۔

ظلم کو دیکھ کر جا بجا گرجا اٹھتا ہے وہ تناور درخت ایسا لگتی۔ سینا اور روضت اپنے بزرگ و بابرے کو لوگوں کے دلوں کو ٹھنک دینا اور فرحت بخشنے لگا۔ رنگ برنگ پھولوں کی خوشبوؤں سے ہوا کی مٹھلوں کو سرور و شادمانی سے نگار پھولوں کے گلہ سے بیکار کر دیتے جانتے گئے۔۔۔ ایک چڑھا دلی کے ساتھ دلی پہنچا۔۔۔ دلی سے اس کی ایک غمگین بیٹی دہلی کی آب ہوا اس کو راس آبی اس کے چہرے پر کھلاؤ آیا۔ پھولوں کے رنگوں میں خوشگامی۔ کتابت طباعت کو ادا ہے گٹ اپ اچھا ہے۔

سید ارشد احمد
ماہنامہ سیرا، سالنامہ ۱۹۹۲ء • مدیر اعلیٰ :
نعیم صدیقی • دارالصفین لاہور • چھپو پڑھو روپے •

اس زمانے میں جب کاوی سالوں کے مقام شام سے بارگاہ لائے ہناتاری کے کمال ہے، کوئی خاص غیر کا کس قدر دشوار ہے، اس کا اندازہ اردو کے کاوی سالوں کے مدبران ہی کو ہو سکتا ہے۔ مولوی فراہی اور ثابت طباعت کے مدلوں کے علاوہ مولوی شوقی کو حل کرنا مسکوئی کو پار کرنے سے کم نہیں، گارڈ کے تمام قانون صوری کو بدل کر پڑھنے کے مادی ہو چکے ہیں، غریب کر پڑھنے کے بارے میں غور نے بھی سوچا ہے، ایسی صورت حال میں کوئی سیر کی دلی پہنچے گا خاص غیر طرح نکال سکتا ہے؟ یہ سوال ہم سب کے لئے غور فکر پر قائم کرنا ہے۔

نعیم صدیقی حالی نہیں دوا دیں۔ صرف یہ کہ کم و بیش وہ نصف مٹی سے 'سارہ' نکال دے گی، بلکہ ہر سال خصوصی غیر کمال لیتے ہیں۔ 'سارہ' کے اقبال غیر ہی تہہ بار شائع ہو چکے ہیں۔ اقبال غیر سارہ اتنا غیر ہو گیا تھا کہ اس کی دوسری جلد زیر طبع تھی۔ اس وقت کہ ۱۹۹۲ء کا خاص غیر بھی اقبال غیر ہو گیا کہ کچھ خوشیاں کی بنا پر وہ شہادہ بھی ایک شائع ہو سکا، اسی وجہ سے ۱۹۹۲ء میں دوسرے خصوصی شہادہ شائع ہو گیا۔ نعیم صدیقی کی موت کی یاد دہانی ہے کہ ابھی 'سارہ' کا ایک خاص غیر موصول ہوئے اور وہ اس سال کو ہر دوسرے خاص غیر پر حال بہ طور دم کی اخلاص کا گوش میں لگے ہوئے ہیں۔

اردو زبان کا آغاز۔ مختلف نظریے اور حقائق • ڈاکٹر شہزاد احمد صدیقی • شجرس کو اڑائیں۔ جوں نے پوڑی، جوں تاوی • دو گھر سرد • اردو زبان کے آغاز کے بحث بہت کم لکھا گیا ہے۔ اور جو کتب میں لکھا بھی گیا ہے وہ متنازعہ و مبہم ہے۔ بحال جاہلی کی تاریخ کے علاوہ ایک عرب سے ہی شروع ہونے کا چلچلے کام تو شروع ہوا لیکن مندرجات دیکھ کر پوری کوئی مصنف نے موجودہ حال غور و غریب کی حد تک تاوی، زور، شکوت، زواری، بھٹی، گار، چٹھی، محمد حسین آزاد، فیصلہ لکھنؤ، سید علی احمدی، بحال جاہلی، سیرا، علی، ڈاکٹر سارے اور ڈاکٹر گرین کے مقالوں سے اقباسات نقل کئے ہیں اور ہر مصنف کے اقتباس کے بعد بابا اردو دہرایا ہے۔ اس لئے ہمارا یہ کتاباں درست ہے کہ اردو صحیر پر دلی زبان سے ادا یہ صحیر پر دلی میں پیدا ہوئی، شکلائی طرح جس طرح جو نہ پائی مکمل کے چھپا رہے ہیں، تہہ سرور ہوا کہ نرسج کے تین تہہ لڑوں کا لوگ دو کم کوٹر کے بل پر ہوتا ہے۔

مصنف نے اپنے پیش نظر میں دلی گیا ہے۔ زیر نظر قریب میں ہم نے اردو زبان کے آغاز کے لئے ایک اہم حوالہ کرنے کی کوشش کی ہے جو سب کے قابل قبول ہوئے گا۔ اردو زبان وحدت تلاش کرنے کی کوشش۔ ایک ایک نظر دلی گیا ہے جو مختلف نظریوں کے تضادات کو کم کر دے۔ ہم نے ان غلط فہمیوں کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں پیدا ہو گئی ہیں۔

مصنف کے اس دعوے کی پشت پناہی میں ڈاکٹر قریب نے اس کتاب کو طبع کے لئے اردو کی چند تاریک دہلیں دوسری میں سالوں بتایا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب طبع کے لئے کوئی بھی ہے اور اس کی قوت اتنی زیادہ ہے کہ اس کی دوسری سے باہر ہے۔ اور مصنف مختلف نظریوں کی تلاش میں کوئی نہ تو طبع کے لئے یہ کتاب جتنا کارآمد ہوئی۔ مصنف کی زبان دہلی مصنف اور قریب میں ملاحظہ ہو:

'اردو کا صحیر پر دلی میں پیدا ہوا ابھی کو نہیں دوا دیں کی قیاس کئے ہوئے اور کوئی نے جلیا گیا یہاں اس میں غرض اور پنے کئے شروع ہوئے جاں سے اس کی ایک

زیر نگاہ سماجی و ادبی کے ساتھ ساتھ ۱۹۹۲ء میں ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس شمارے پر اسلامی فکر کا اثر نمایاں ہے۔ دینے کی ان دنوں پاکستان کے زیادہ تر ادبی رسائل پر اسلام کے نام پر نفرت و حسد کی اشاعت خوب ہوتی ہے۔ لیکن نسیم صدیقی کا کو اسلامی ادب کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں ان کا ایک خاص قطع نظر ہے۔ اسلامی فکر کے علم بردار ہیں اور انھوں نے ان تصورات کو فیشن یا زمانے کی ہوا کے مطابق نہیں اختیار کیا ہے۔ زیرِ نظر شمارے کے ادارے میں وہ تحریر فرماتے ہیں :

ہمارے ہم فکر و ہم اقدار رکھنے والوں کا دائرہ
 (۱۹۹۲ء) پورے گزراہ کی اسلامی ادب کی پہلی کتاب
 ہے اب تک بہت پھیلا ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ
 ان کو نظم و ضبط قوت میں بدل کر اس قابل بنایا
 جاسکے کہ تخلیق و تنقید اور تحقیق کے دائروں میں
 کے جھڑے لگے ہوتے۔ ۔۔۔ پہلے کتنے
 ہی افغانوں اور نادلوں میں آپ کو مسجد کا ذکر نہ
 ملے گا۔۔۔ یا حج کو گھروں سے آنے والی تلاوت
 قرآن کی دلکش اور روح پرور صداؤں کا کوئی اثر
 دکھائی دے گا کیوں کہ اس سے ایک سیکولر
 پہلو بھر شٹ ہو جاتا ہے مگر شے کی قتل و غارت
 شے کی بھارتی جنگ اور لڑنے کے سازشی عمل بنی
 نے کتنے ہی بے شمار پہلو غریب و روحانیت کے
 اور تہذیبی، ملی قدریں، اخلاق کی تاریخ کے
 افق پر زنی حاشیوں کے ساتھ مجاہدین کوئی تو
 اعمار کے لادری ہے۔ لیکن ہم لوگ ہم تک نہ سمجھیں
 ایک کھلی انقلابی پس تو سال ہمیں چاہیے اس دی
 بھی دینیں۔ لیکن ایسے کھینچنا ہے ہی قوی
 رکھنے والوں کی تحسین یا تحقیر کو تو دو چار سال کی کام
 کہاں کا کہاں پہنچ سکتا ہے۔ کسی لافانے مقالے

شعر غزل نظم مجموعے، شخصیت کے ادبی
 کاہل پر باظہ نظر پر غزل و غزل چار سطریں
 دس صفحے کے۔۔۔

اسلامی ادب پر نظر پڑتی آج کے ہندوستان پاکستان میں پہلے ہی بہت
 ہو چکی ہے، اولین د فون کی اس کا ہر چاسنے میں آجاتا ہے۔ لیکن بعض نظری مسائل
 اب بھی واضح نہیں ہیں۔ مثلاً کیا یہ اسلامی ادب کیونہم کے فروغ کے لئے یہی کوششوں
 کے زیر اثر پیدا شدہ ترقی پسند ادب کی طرح رچی اور کچھ دراب نہ ہوگا؟ پھر کیا مصال
 ادب، ہندو ادب، شیعہ ادب، جی ادب وغیرہ کے جھگڑوں کا کیا ہوگا؟ کیا یہ ممکن
 نہیں کہ ادب کو ادب و آثار ادب کے معیاروں سے پرکھا جائے؟

نعت اور حمد کے علاوہ احسان و انش، حنیفہ مرثی، مسرہ اور جملہ
 دریا آبادی، جگن ناتھ آزاد اور محمد رفیع جرمضامین، متحدہ افغانی، نظریات،
 یک نیتان نادر عنوان سے کثیر البوسنی، فلسطین کے مجموعہ پر فصل شاعر،
 آٹھ کتابوں کا مطالعہ تجویز، اس کتابوں پر تبصرے، حرمت حسین حضرت، قاضی
 جمیل الرحمن اور حمیدہ شاہین کے کلام کا ہمارے شاعر کے عنوان سے خصوصی مطالعہ
 مولانا سعید احمد کاکر آبادی کا کٹر مجاہد اور محمد امجد پر مولفانی اور تاشرائی مضامین شامل
 اشاعت کئے گئے ہیں۔

انتظار یہ کتنے تحسین خرقی کا مضمون کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم۔
 ایک جائزہ شائع کیا گیا۔ ہے۔ اس مضمون میں تحسین خرقی نے خاصی دیدہ ریزی کی
 ہے اور کتابت کے ۸۷ صفحات میں اس کتاب کی ۸۴ غلطیوں کی نشاندہی اور
 ان کی تصحیح بھی تحریر کی ہے۔ ان ۸۷ صفحوں کے علاوہ حواشی، مقدمہ اور اشاریہ
 کی غلطیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ان کی تصحیح بھی تحریر کی ہے۔ تحسین خرقی کو اقرار
 میں اب اہم مقام حاصل ہو چکا ہے اور اقبال کے بارے میں ان کی ہر تحریر توجہ
 انگیز ہوتی ہے۔ زیرِ نظر تبصرے میں خرقی نے سید مظفر حسین برنی کی کتاب کلیات
 مکاتیب اقبال جلد دوم کا زیرِ دست بھی لکھا ہے۔

کتابت طباعت گوارا ہے۔ گٹ اپ خوبصورت ہے۔

سید ارشد حمید

سرگزشت و انتخاب غزل (انتخاب) • سرگزشت کا اردو نام
• خلیج بارہ روڈ، دومین سٹریٹ، بیکن روڈ ہے۔

اردو ادب میں یہ مجموعہ سرگزشت کی شاعری کا انتخاب ہے جو پہلے
اور شامل بھی ہوئے۔ سلسلہ قائم رہا۔ سب سے پہلے نئی شاعری کا ایک انتخاب
شعرا و شاعری فاروقی اور صادق حسین جلد سے نئے نام کے عنوان سے منتخب
کتاب گھر آزاد سے یہ انتخاب کیا گیا۔ اس انتخاب کی اہمیت آج بھی
قائم ہے۔ کی سال تک کارپاشی راج نون راز کو پائل میں نے ہر سال کی
شاعری کا انتخاب کیا لیکن یہ سلسلہ بھی چل رہا تھا۔ اس سال احمدی اردو و انٹرنس
گلاڈ آزاد سے ۱۹۹۲ء کی منتخب شاعری کا انتخاب شامل کیا تھا۔ نذر شورو کو مکتوب
سے عالمی ادب کے نام سے ہر سال اردو ادب کا انتخاب شامل کر رہے ہیں۔

اس میں شاعری کے علاوہ مضامین اور افسانے وغیرہ بھی شامل اشاعت ہوتے
ہیں۔ ان سب اشاعتوں میں سرگزشت کے زیر اہتمام شامل ہونے والے انتخابات عام
و بھٹی کے حامل ہوتے ہیں۔

سرگزشت کوئی بارہ سال سے کرشن کار طور کی ادارت میں شامل ہو رہا ہے
زیر تبصرہ شمارہ "انتخاب غزل ۱۹۹۲" کے صفحات پر مشتمل ہے۔ ہندو ایک میں
بہت سے مضمون شامل ہوتے ہیں لیکن ہر ایک کے اعتبار سے اکثر معمولی ہی ہوتے
ہیں۔ کرشن کار طور چون کہ خود ایک اچھے شاعر بھی ہیں اس لیے مختصر سے سلسلے میں کم
از کم بہتر شاعری کا انتخاب شامل کر رہے ہیں۔ اس شمارہ میں ایک سو آٹھ شاعری
غزلیں شامل کی گئی ہیں۔ کرشن کار طور نے اس شمارہ پر پڑھیں دست انتخاب کے
عنوان سے خود ہی تبصرہ پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"کوئی بھی انتخاب کتنی ہی فخر و جانب داری سے پیش کیوں دیکھا
جانے اس میں جیسے اختلاف کی گنجائش ہو تو دور رہے کہوں کہ مختلف اوقات میں
مختلف لوگ مختلف ذہنی رد عمل باطنی اور ظاہری حالات و احتیاجات کے تحت بے
پڑھتے اور پڑھتے ہیں اس سے مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ
سرگزشت کا انتخاب غزل ۱۹۹۲ ایک بے حد ذاتی امر ہے۔ اس انتخاب میں صفحہ
شامل ہیں جو ذہنی نگاری اور تخلیقی تیوں میں گہرے پیمانہ پر ملے ہیں اس میں چند
نام شامل ہونے سے رہ گئے ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو ۱۹۹۲ء میں انھوں

سنا پتی غزلیں اشاعت کے لئے رسالوں کو ہر سال نہیں لکھ سکتے ہیں۔ ایک
آدھ غزل جو کسی رسالے میں شامل ہوئی اس تک میری دسترس با رسالی نہیں
تھی۔ ہر کیف دو غزل اور غزلوں میں نمایاں میرا ہے۔

مندرجہ بالا بیان کے بعد تبصرہ میں کچھ لکھنے کی گنجائش کم رہی باقی
باقی ہے۔ لیکن کرشن کار طور نے "سرگزشت" کا یہ شمارہ مجموعہ غزلوں میں

کے عنوان سے نہیں شامل کیا ہے بلکہ اسے "انتخاب غزل ۱۹۹۲" کے نام سے
شامل کر رہے ہیں۔ اس میں ہر طرح کی غزلیں شامل کی گئی ہیں۔ یہ بھی صورت
میں اس سے بھی بہتر انتخاب کی توقع تھی۔ اس شمارہ میں شامل بیشتر شاعری
غزلیں تو یقیناً آج کی شاعری کی نمائندگی کرتی ہیں لیکن کچھ ایسی غزلیں
بھی شامل کی گئی ہیں جو آج کی شاعری کی ترجمان نہیں ہیں۔ ان پر مشاعرے
یا تقلید و غزل کا اثر نمایاں ہے۔

مناظرہ شاعری پر گونجی نے غزلوں کی روشنی میں آج کی غزل کا جائزہ
پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مضمون خاصا سہری معلوم ہوتا ہے۔

مجموعی طور پر یہ شمارہ یقیناً ایک بہتر دستاویز ہوتا ہے اس میں غزلوں
کا انتخاب زیادہ کرا ہوتا ہے۔ پھر بھی آئندہ کے طالب علم کے لئے یہ انتخاب
اہمیت کا حامل ہوگا کہ ۱۹۹۲ء کے سال میں کس قسم کی اور کتنی شاعری
ہوئی تھی۔

کتابت طباعت گوارا ہے۔ گٹ اپ اچھا ہے۔

سید ارمین شاعر

لمس کا المیہ • ایسا اس فرحت • ملی۔ نیویک
کالونی اور رنگ آباد • میجسٹریٹ روڈ ہے •

ایسا فرحت مراد شاعر کے بزرگ افسانہ نگار ہیں۔ ان کا پہلا
مجموعہ ناول ۱۹۵۹ء میں اور ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ لمس کا المیہ
میں شامل ہوا۔ انھوں نے ایسا برس کے عرصے میں تقریباً ۱۳ افسانے
قلم بند کئے۔ زیر تبصرہ مجموعہ تیسرا افسانوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا
تخلیف لفظ ایسا فرحت نے خود ہی تحریر کیا ہے۔ یہیں لفظ غزل
نے بہت اظہار اور اپنے افسانوں کی خصوصیات کے سبب ان کے بیان

کے ہیں۔

..... یہ اسناد و احادیث خود اپنی مثال آپ ہے۔ اس مسئلے کی اشاعت کے فوراً بعد دینی سے لکھے گئے طے چہارنگ نے اس کو ڈانٹتے کیا جس سے اس کی مقبولیت اور بھی بڑھ گئی۔ دوسرا اضافہ حضرت گلگامی، شیخ عیسیٰ مثلاً ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے ملک کے تین ہندو بھائی اور کچھ مسیحی بھائی اس سے متعلق ہوئے اس کے علاوہ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بیارنگ ملک کی انقلابی تحریک پر لکھی اس پر ہندو لوگوں کی کثافت میں پانچ لاکھ مال ڈانٹتے ہوئے اور آتشیں کل میں خود بخود شام ہوا.....

ان دونوں کے باوجود اس فرحت صاحب کے افغانی عام دلچسپی کے ملی افغانوں کی سطح سے زیادہ نہیں معلوم ہوتے۔ ان کے افغانی سہیلیاں ملتے ہیں۔ شاید ہی وجہ ہے کہ اس فرحت کے افغانی جملاتی مسائل میں مثلاً اور ڈانٹتے ہوئے رہتے ہیں۔

کتابت طباعت معمولی ہے، گٹ اپ گوانا ہے۔

میرا شاہ احمد

باز یافتہ • جلد ۹ شمارہ ۱۲، ۱۳ • مدیر اعلیٰ: پرغور مرزا محمد زماں آکر دہ • شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی، سری نگر • چالیس روپے •

ہندوستان کی تقریباً سبھی یونیورسٹیوں میں شعبہ اردو قائم ہے لیکن محلی لکھنؤ اور جامنہ جیسے دو چار اداروں کو چھوڑ کر کسی کے شعبہ اردو سے کوئی مہاری جملہ شائع نہیں ہوتا۔ ہاں انقبالی انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سے "انقبالیات" کے نام سے ایک تصدیق اور تحقیقی رسالہ شائع ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے تقریباً آٹھ سو سال سے باز یافتہ کے نام سے ایک تصدیق اور تحقیقی جملہ شائع ہو رہا ہے۔

باز یافتہ کا زیر قلم شمارہ ۱۲ اور ۱۳ کا مشترکہ شمارہ ہے۔ یہ شمارہ ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ادارہ میں محمد زماں آکر دہ نے اردو یونیورسٹی کے قیام کے فیصلے کا غیر مقدم کیا ہے۔ صلاح الدین پرزائی

حضرت محمد رسول اللہ اور ان کے دور و حال کی تحریر کا نظارہ عرضی عمر قندی کی انور کتاب "شیخ احمد اور دو چار مقامات" مسعود حسن قندی ادیب کی تحفہ، "ابو کلام آزاد کی تحریک" فردوسی خلیل شاعری کی گزشتہ تہذیب پر کاش کے افغانی اور کہانی کیا ہے۔ وغیرہ موضوعات پر ہندو مصنفین شامل اشاعت ہیں۔ مضمون نگاروں میں حامد علی گزشتہ مرزا محمد زماں آکر دہ، تنویر احمد علی، منظر اعلیٰ، ایم۔ اے۔ شیدا اور عزیز الدین وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

۸ صفحات پر مشتمل گوشتی مدینہ صوفی، کچھ کنڈاں پرغور اور انور میں کشمیر کمال کیڈی کے اردو ماہر نے ہندو ادب کے وسیع سے ۱۹۸۹ء تک کی اشاعت کا اشاریہ شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ مضامین زیادہ تر معلوماتی ہیں۔ جمعے بیانہ اور سرکاری ارد کتابت طباعت اچھی ہے گٹ اپ عمدہ ہے۔

میرا شاہ احمد

ششماہی علم و ادب جلد ۲ شمارہ ۲۴ • مدیر: طارق متین • لکھنؤ: بیگوسرائے بہار • چھ روپے •

ہندوستان میں اردو کے ادبی رسائل بے شمار نکلتے ہیں یہ ایک بات ہے کہ زیادہ دن تک ان میں چل پاتے۔ ایسے رسالوں کا ایک خانہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ جس شہر سے رسالے شائع ہوتے ہیں اس شہر اور اس کے قریب و کنارے کے مصنفین ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن علم و ادب کے زیر قلم شمارے میں مقامی نام دو ہی تین نظر آئے۔

ڈیرالائے رائے گارہ رسالہ ۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں محسن تین مضامین ہیں افغانی، کچھ نظریات خلیس اور دو کتب میں پرغور سے شامل اشاعت کے گزشتہ ہیں۔ مجموعی طور پر یہ شمارہ معمولی ہے اس مہاری جملے کے لئے بہتر خط و کتابت کی فراہمی کی ضرورت ہے۔ کتابت طباعت اور گٹ اپ گوانا ہے۔

میرا شاہ احمد

گئے وہ ایک خزانہ انعام و اجر کا تھا۔ اسی خزانہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنا حصہ عطا کیا ہے۔

[illegible][illegible]

کے گلے پر زبرد دار اور بھاری ہے۔ ادارہ شب خون اور نصف فری صاحب خیریت اس دستاویزی
پر لکھو کہ لے لیا کہ وہ کے ختم ہیں۔

خاموشی کے غول میں اس ہی ادا پر کیا کیا خط و خطہاں تراش دیے تھے۔ وہی سرگرمی طاق میں لایا جلی جلتا ہے۔ مضمون کہ ختم ہو گیا۔ پتہ ہی نہیں چلا۔ جمیل صاحب کی ان ہی ہی صورتوں پر غور کیا۔

[illegible]

● خب خونِ بزمِ ۱۷۲۷ میں احمد فرخی نے لکھا کہ جسے ہونے میں ہند پرکاش نے بڑی صفائی اور صاف گوئی سے اپنے اصل پہنے فنی کے استحقاق میں کہا۔ کہیں کوئی اٹھاؤ
میں کوئی اور بھی کوئی آدمی نہیں مگر فرقہ امتیں احمد کے سلیس میں ان کی اس رائے کی
CRUDENESS نے فرقہ امتیں احمد کو بہت پرہیزگار بنوا دیا حالانکہ احمد
میں بہت سے لوگ نہایت بد صورت عورت ہیں اس حقیقت سے پردہ اٹھانے میں کوئی کام نہیں
چھوڑا کہ خطا ارتجاع سے مستعار ہوئی درد و غمی کی قہر مند پرکاش کو اس میں چھوڑنا تو باہمی
ہے اور فتنہ نہیں۔

شمارہ کی اجازت سے پڑھ لیا۔ وزیر اعلیٰ اور ممبران کی غزلیں میں نے زور دکھائی دئے جو
 قیادت ہی غزلیں کی بقا کے خائن ہیں۔ عادل منصور کی ایک مدت کے بعد شب خون کے
 صلوات پر غزل آئے مگر وہی ہے وہی غزلیں نے کر۔ ان کی غزلیں پر جو سید کا موری اتارتی
 ہیں پھر ان کی محی و دھب نابید ہے۔ پر کم کا غزل اور خلاص حسین ساجد کی غزلیں بھی ابھی
 گئیں مگر انہیں نے کم کا تم کا انھیں کے انتخاب پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

[illegible]

خون کی ایک قسم ہے۔ اس میں کچھ ایسا مادہ ہوتا ہے جسے طبی لوگ "ہیماٹین" کہتے ہیں۔
 یہ خون کے لالہ کی بنیاد ہے۔ اس کے بغیر خون لالہ نہیں رہتا۔
 یہ خون کے لالہ کی بنیاد ہے۔ اس کے بغیر خون لالہ نہیں رہتا۔
 یہ خون کے لالہ کی بنیاد ہے۔ اس کے بغیر خون لالہ نہیں رہتا۔

اوسہ پور
 ● شب خون کا نام ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خون میں لالہ کم ہو جائے۔
 اس عارضہ کی وجہ سے جسم میں کمزوری ہوتی ہے۔
 غصہ کی وجہ سے خون میں لالہ کم ہوتا ہے۔

● شب خون کا نام ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خون میں لالہ کم ہو جائے۔
 اس عارضہ کی وجہ سے جسم میں کمزوری ہوتی ہے۔
 غصہ کی وجہ سے خون میں لالہ کم ہوتا ہے۔

● شب خون کا نام ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خون میں لالہ کم ہو جائے۔
 اس عارضہ کی وجہ سے جسم میں کمزوری ہوتی ہے۔
 غصہ کی وجہ سے خون میں لالہ کم ہوتا ہے۔

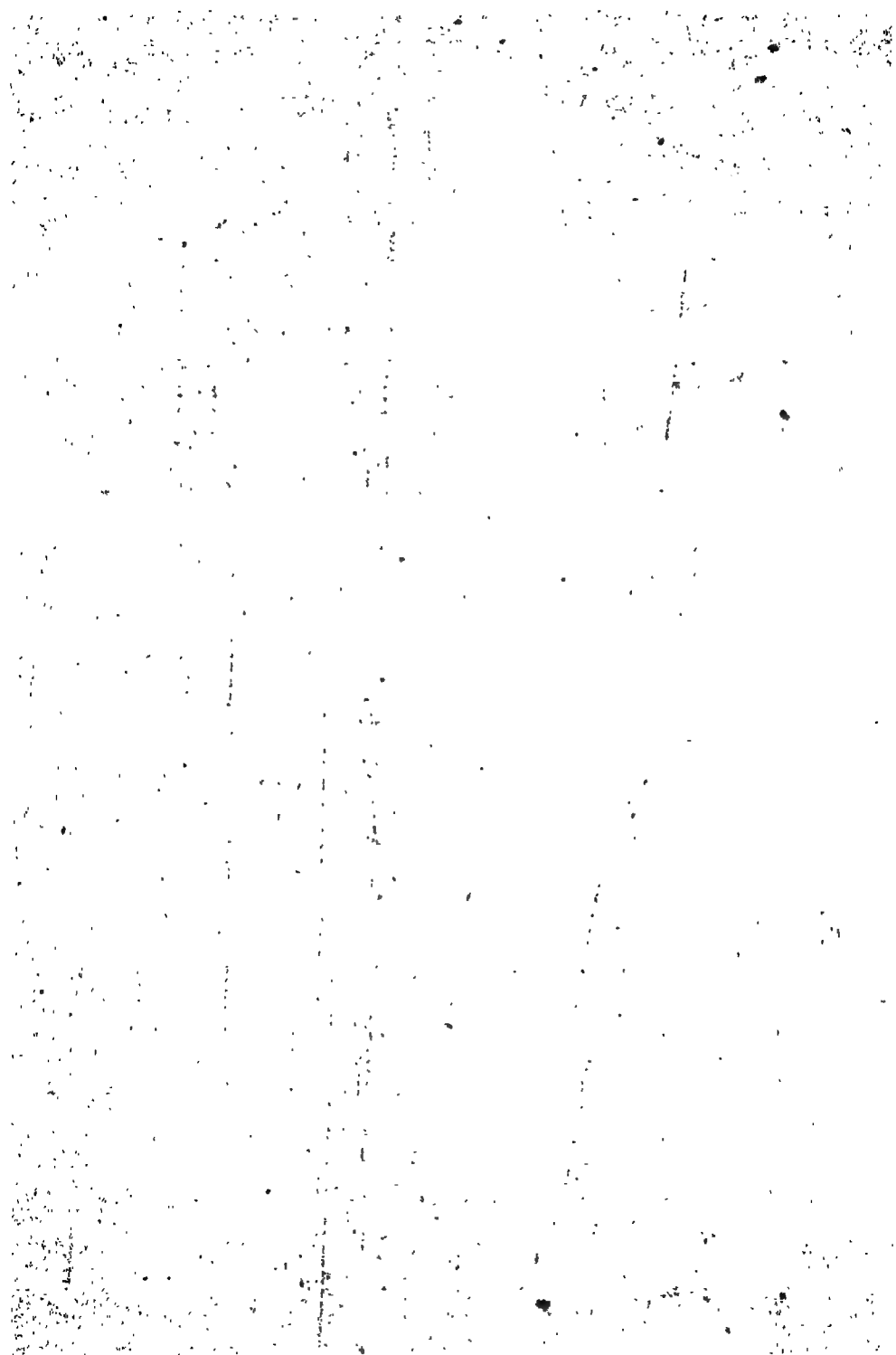
● شب خون کا نام ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خون میں لالہ کم ہو جائے۔
 اس عارضہ کی وجہ سے جسم میں کمزوری ہوتی ہے۔
 غصہ کی وجہ سے خون میں لالہ کم ہوتا ہے۔

● شب خون کا نام ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خون میں لالہ کم ہو جائے۔
 اس عارضہ کی وجہ سے جسم میں کمزوری ہوتی ہے۔
 غصہ کی وجہ سے خون میں لالہ کم ہوتا ہے۔

● شب خون کا نام ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خون میں لالہ کم ہو جائے۔
 اس عارضہ کی وجہ سے جسم میں کمزوری ہوتی ہے۔
 غصہ کی وجہ سے خون میں لالہ کم ہوتا ہے۔

● شب خون کا نام ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خون میں لالہ کم ہو جائے۔
 اس عارضہ کی وجہ سے جسم میں کمزوری ہوتی ہے۔
 غصہ کی وجہ سے خون میں لالہ کم ہوتا ہے۔

طبیعی زاد اور عالمی ادب کے معیاری تراجم
 کو سلیقے سے پیش کرنے والا
 منفرد رسالہ
 سماجی آج
 ترتیب : اجمل کمال
 فی ثمانہ پچھتر روپے
 رابطہ : بی۔ پی۔ ۱۱۰، تارکھ کی ٹاؤن شب الہی ۵۵۸
 ہندوستان میں ملے گا پتہ —
 شب خون کتاب گھر پورٹ کس نمبر ۱۱۰، آج آباد ۲۱۱-۰۳



● پرتماں سنگھ بیتاب کا بیان مجموعہ خود رنگ - جلدی

منظر عام پر آنے کا۔

● حامدی کا شہیری کشمیر یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر

شاہد ار کے پاس اپنے خوبصورت مکان میں قیام پذیر ہیں۔

● ساقی فاروقی کا نیا مجموعہ 'مضامین' ہدایت نامہ شاعر کے کچھ دن

میں شائع ہو گا۔

● شمس الرحمن فاروقی کی کتاب، غمِ شہزادِ انگیز کی چوتھی اور آخری

جلد شائع ہو گئی ہے۔

● شمیم عثمانی کا قیام کانپور میں ہے۔ ان دنوں وہ قدیم اردو

کے لئے اور طرز میں شکر کر رہے ہیں۔

● رشید احمد کے افانوں کا کلمات "دشتِ نظر سے آگے" حوالہ

شائع ہوا ہے

● علامہ حسین کوثر کا وطن کا بنو سے۔ ان آزاد اور طاقتور ملکوں

انفادیش برآورد

● لفظ بالحمول، كقولهم: حمول كذا، أي حامله كذا.

مظاہر انوار الہیہ: باب ۱۰ فی الجہان والکونین

الحمد لله

۲۰۰

● بیگز مہجرا نا اور ری کو مست ہمدے را : این کاوی یوار دہے ہاں

ادبیات سے تیار ہے۔ اردو مارکیٹ اور اصطلاحات کے علاوہ ہر دھڑ کے ہر فرد کی سہولت کے لیے تالیف کردہ

یہ سب دھاندلے ہیں۔ حال ہی میں لکھی کتاب ایرانی سوشلسٹوں کی ہے۔

● اور شاعر سید سید یونس نے ان کا نام بھی لکھ کر ان کے حوالہ دیا۔

یہ عمریں، عمریں، بل ہفتہ، مہرہ اور عیال مایوسوں کی ایک ناپید ہوتی جا

پہنچاں کی حالت بھری ہے ۱۹۶۷ء کی جاری کیا۔ دیوں کے بہت بڑے ہوتے۔

ملک کے مختلف گوشوں اور اداروں نے انہیں انمولات سے نوازا تھا۔

● جگہ رہے: قلمی انکلام اور شاعر احسن احمد اشک کے انتقال

یہ کہیں ملال ہے۔

● کچھ دنوں اردو کے دو بزرگ ادیب و شاعر محقق اخلاق حسین دہلوی اور

بائیوی کا استعمال ہوگا۔ اخلاق میں دہلوی نے ۸۸ برس کی عمر میں ایک جگہ لکھ لیا ہے۔

۵۰۰ کے قریب اور ان میں ۷۰۰ کے سہانہ لگوں کے عمر میں شرکت ہے۔

آل احمد سرور

صدی میں زیادہ شغف مصحف ہے، چرچن سے سرور کا زمانہ نکلا ہے۔ NEW CRITICISM اس کی لاپرواہی میں ہے۔ اس کے بعد قاری کی طرف توجہ منہول ہوتی ہے۔ یہ حال کی خصوصیت ہے۔ اب یہ تسلیم کیا جانے لگا ہے کہ ادب کے وجود کے لیے مصحف کے ساتھ قاری بھی ضروری ہے۔

علم شرح در اصل مذہبی صحیفوں کی تشریح و تفسیر سے شروع ہوا۔ انجیل اور قرآن کی تفسیروں کی ایک پوری تاریخ ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو ان تفسیروں میں صرف شرح نہیں ہوتی تھی۔ تاریخ، فلسفہ، بلکہ روایات سے بھی بہت کچھ مدد لی جاتی تھی۔ شرح میں تفسیر و تشریح پر زیادہ توجہ ہے، تفسیر میں متن کی تعلیم پر یعنی اس کی معنویت اہم کر کے ہے۔ جب ہم کسی خواب کی تفسیر کرتے ہیں تو خواب میں جو کچھ ہم پر گزرا اس کی کوئی توجہ نہیں ہوتی ہے اور اس توجہ میں کچھ نفسیاتی، نفسی، لاشعوری، انکسین یا گریں کار فرما ہوتی ہیں۔ فن ہمارے بھی خواب کے ایک جز ہے سے معاملت رکھتا ہے اور اس کے بھی کچھ کوڈ یا قوانین ہوتے ہیں جن سے بتولی جھپکھپھر پر چھائیوں کو نام اور مقام دیا جاتا ہے۔ ہمارے قدم نظام تعلیم میں شرح کی روایت اتنی اہم ہو گئی تھی کہ اصل کو شرح کے حوالے سے پڑھا جاتا تھا غالب علم اصل سے لمبا وقت وقف ہی نہیں ہوتا تھا۔ دوسری نسل کے متعلق مولانا آزاد نے کچھ ایسی ہی رائے ظاہر کی تھی۔ شرح کو اصل متن پر گہر توجہ حاصل ہو گئی تھی۔ شرح بہر حال ایک تشریح یا تفسیر ہے اور ہر شارح اپنے نقطہ نظر سے کسی پہلو کو زیادہ اہم دیتا ہے۔ ہادی رانی بن گئی اور رانی

شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا یہ سمجھاؤ بڑے موقع سے ہو رہا ہے موضوع کے انتخاب پر میں شے کو مہار کھلا دیتا ہوں۔ مقدمہ شعرو شاعری کی اشاعت ۱۸۹۳ میں ہوئی تھی۔ اس صلب سے اس کو سو سال سے کچھ زیادہ ہو چکا ہے۔ تنقید کی اصطلاح سب سے پہلے اس صنف کے لیے جالی نے ہی استعمال کی۔ وہ کہتے ہیں: "ہمارے دم و من ابھی اعتراض سننے کے غلامی نہیں ہیں بلکہ تنقید کو تقبیل سمجھتے ہیں۔" (۱۹۵۳ء میں مرتبہ وحید قریشی ص ۳۳) حالی ہمارے پہلے بڑے نقاد ہیں، مگر مقدمہ کی اشاعت کے بعد سے علم میں بہت پائی بہرہ گیا ہے۔ ہمارے کلاسیکل سرمائے پر تنقید حالی کے اصطلاحی اور اخلاقی نقطہ نظر کے تحت شروع ہوئی۔ مذکوروں کے اشاروں اور کتابوں کے بعد حالی کا مرتبہ بدلتا، اور مستقیم اعتبار خیال ایک بڑا قدم تھا گو اس میں نوآبادیاتی فکر کے اثرات بھی تھے۔ حرفی پسندی نے شروع میں ماضی کے سرمائے اور کلاسیکی ادب کی اہمیت کو نظر انداز کیا۔ مگر پھر اس میں ایک توازن آیا اور کلاسیکی ادب کو بھی اپنے دور کے حقائق میں پرکھ کر قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ جدیدیت کے میلان نے حرفی پسندی کی محدود مقصدیت پر اعتراض بھی اہم اور ادب کے حقیقی پہلو پر ہمارے اس نے کلاسیکی ادب کے مزاحمت کو جاننے کے لیے راہ بھی ہموار کی، مگر اب تک توجہ نظر پر زیادہ رہی تھی فن پر کم۔ میری نگاہ نے اپنی کتاب LITERARY THEORY AN INTRODUCTION 198 میں کیا ہے کہ جدید ادبی نظریات کے لیے دو دور ہیں اور انیسویں

کتابخانه ملی افغانستان

اور وہ بھی مذہبی شخصیت کی طرح ہی تھے۔
 گھسری، جی۔ مگر بعد اسہ وہ اس وقت اپنی موت سے ہے۔
 اولیٰ مرحوم میں، شاعری کے اثر سے، مخلص کے کام کی شرحوں پر
 توجہ پڑی۔ شخصی و حافظ کی شرحوں کے نمونے پر میر، غالب
 اور اقبال کی شرحیں ہیں۔ غالب پر سب سے زیادہ توجہ رہی ہے۔
 غالب کے کام کا یہ تقاضا بھی تھا۔ خود ان کے قول کے مطابق ان
 کے اشعار میں ہر لفظ کتبہ و معنی کا ظہور ہے۔ تصوف اور اس
 کے لکھنے کا اثر بخدی کا سبکی شاعری پر عیاں گرا رہا ہے۔ نہیں
 حقیقت کو پہلا کے پرانے میں بہن کرنے کا دستور تھا۔
 بعد اے شاد معین کے مجلس بھی ان دونوں پہلوؤں پر کھاتہ،
 توجہ ہے۔ چونکہ مصنف یا شاعر کے خطا یا حد پر کو زیادہ وسعت
 دی جاتی تھی، اس لیے ہر شاعر نے یہ کہوش کی کہ وہ اپنے طور
 پر شاعر کا حد پر بیان کرے۔ اس سلسلے میں شاعر کے حالات
 زندگی یا اس کے دور کی تصویر کو بھی ضروری سمجھا گیا۔ مجلس
 احسا سلسلہ ہوا کہ بعض اشعار کی شرح سیاسی اور سماجی واقعات
 کی تصویر بن گئی۔ میر کی شرحوں کی مثل سے بات شاید واضح ہو۔
 مولوی عبدالحی نے اپنے انتخاب میں بعض اشعار کی شرح کرتے
 ہوئے میر کی عظمت کا راز سماجی اور سیاسی انتشار کی عکاسی میں
 نکالنا۔ ظاہر ہے کہ میر کے جہاں جہاد اپنی اور اس کی برادری کا
 ذکر ہوا ہے اور اس کے علاوہ اس دور کے انتشار کی تصویر بھی
 ان کے جہاں ملتی ہے۔ مگر شاعری کے ہر بیان کو شاعر کی
 واردات سمجھنا اور شعری بیان کو بیان واقعہ قرار دینا کسی طرح
 درست نہ ہو گا۔ مثلاً میر کے اس شعری کیا شرح کی جائے۔
 میر کے ریا و مذہب کو اب پہنچے کیا جو ان نے تو
 نقد کیا ہے۔ جیسا کہ اب کوک اسام کیا
 کیا ہم اسے میر کا اعتراف جرم کہیں یا تصوف سے ذریعہ ایک
 اولیٰ روایت کا نقش؟ میکش، اگر آپ نے "مسائل تصوف"
 کے نام سے جو کتاب لکھی تھی اور جسے میں نے انجمن ترقی اور
 جلد سے شائع کیا تھا اس میں مسالوں سے یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ
 سنا، میر، مغل، سے، میکہ، رند، گلندر، کفر، ایمان، دیر، حرم
 زلف، یہ سب تصوف کے سلسلہ کی اصطلاحات تھیں۔ اس کے
 علاوہ غزل کی اصطلاحات کی رمزیت سے بعض سیاسی واقعات
 کے بیان میں بھی کام لیا گیا۔ سراج الدولہ کے مصنف دہم نرائن
 موزوں کا مشہور شعر ہے۔

جس میں کوئی اختلاف نہیں تھا کہ اس نے جو بڑے بڑے
 شاعر اور ادیبوں کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔ انھوں
 نے یہ بھی کہا کہ خواجہ صاحب کے نزدیک اس شعر میں
 اشارہ سید احمد بریلوی کی طرف ہے اور یہ بات دل کو لگتی
 ہے۔
 لاف کی زبان سے کہی جاسے یا رب
 اک آبدی ہادی ہر کار میں آدہ
 مومن کی سید احمد بریلوی اور دہلی قریب کے
 عطیت کا میں علم ہے اور آذوقی "آب حیات" کے ذریعے
 ذوق کی "شکر" روئے دلی غزل کی شان نزول بھی معلوم ہے۔
 کہنا ہے کہ شارح کے لیے اس دور کی تاریخ اور دوم واقعات
 اور شخصیتوں کا علم اور اسکے ساتھ اپنی روایت اور اسالیب
 بیان کا اعلان بھی ضروری ہے۔ آتش کا دہرے مرثیے کے
 متعلق یہ قول کہ یہ مرثیہ تھا بلذخوری بن سعدی کی داستان یا
 غالب کا یہ شعر۔
 درمیان میں مرثیہ کی روایت کی
 م مرثیہ کی روایت کی
 یا شہید کا یہ مصرع۔
 ظہیر ہوش رہا ہے مکان بادہ فردوسی

پاشینہ گایہ مصر۔

100

۱۔ صوفیوں کو جو بھی مسمیٰ ہو سکے وہ اس کے علم کے لئے علم ہونے کی
 ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ علم کے باطنی جز کے علم کے لئے علم کی
 ضرورت کی گاہیں ہیں۔ انہیں وہ علم ہوتا ہے جسے "مکمل علم"
 کہتے ہیں۔ "مکمل علم" ہونا چاہیے۔ علم میں علم کی گہرائی
 مضمون کی گہرائی یا انداز کی گہرائی۔ مسمیٰ ہونے کی، مذہب کی علم کی،
 تعلیمات کی علم کی ضرورت ہے۔ تعلیمات کا جو مضمون مضمون، علم کے
 تعلیمات کی علم کے لئے اس طرح علم کی ضرورت ہے کہ علم کی
 سب کچھ ہوتا ہے اس لئے علم کی بات ہی نہیں بلکہ علم کے علم
 ہی ہوتی ہے کہ علم کے لئے علم ہی ہوتا ہے۔ علم ہی ہوتا ہے
 ہوتی ہے۔

12/17/1973

”روزگار فقیر“ ملازم میں فقیر سیّد وحید الدین نے
 بحرِ حری ہری کے ایک شعر کے حوالے کا ذکر کیا ہے جو قبل
 کے قصائد و ”پلِ جبریل“ کے سرساز کے طور پر درج ہے۔
 بھل کی جی ہے کہ سنا ہے میرے کا جگر
 مردِ تاوان و کام دمِ ملازک ہے
 اس شعر کے مضبوط کے سلسلہ میں میرالدور میرے ایک شاعر کا
 اشعار جب قبل کے علم میں لایا گیا تو انھوں نے فرمایا:
 ہر دو سلیم ایچنگ خوب ہیں لیکن میں جو کہ کلاچا میں
 اے آئے داد و دلت بھلی بھگتے گا۔ (س ۱۹۱) اور ایچنگ

اب شاید قبل کے اس قول کی محسوسات اور واقعات جو:
 جب ظاہری آنکھیں کھلی جاتی ہیں تو اس کے دور کی آنکھیں
 بند جاتی ہیں اور جب اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں تو اس کے
 دور کی آنکھیں کھلی ہیں۔

ٹیکور کے متعلق جی ہس قسم کی ایک زولٹ ہے
 جس کے باقی میرے دوست برولیسر سرکار کھوش تھے۔
 ایک نفلست میں ٹیکور کی ایک فلم کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی
 اور ہر شخص اپنی فلم کے مطابق اس کے معنی بیان کر رہا تھا۔
 جب ٹیکور سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ تم سب اپنی اپنی جگہ
 صحیح ہو مگر میرا مفہوم کچھ اور ہے۔ یعنی فن میں مضافے مصنف
 کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ ہلاک کے دلوں میں
 فرانس کے برسرِ اقتدار اور ذلیل آئوہ بیٹے کی وہ تصویر ہے جو
 مصنف کے مضافے کے مطابق نہیں، فن کا کمال ہے۔ فن، فنکار
 سے بڑا ہوتا ہے۔ ہمارے فارمین نے مضافے مصنف کا خیال
 زیادہ رکھا ہے ہالانہ ذوق کا۔ فن میں ذوق کر اجبر ہے تو بہت
 کچھ اور ہوتی۔ بھول قبل۔

خودی میں لقمہ کی اور ایچ بی آئی کی
مگر حوصلہ نہ ہو گا کہ

کتاب کے اس حصے میں صرف ان تمام قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔
 اس حصے میں صرف ان قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

کتاب کے اس حصے میں صرف ان تمام قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

اس حصے میں صرف ان قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

اس حصے میں صرف ان قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

اس حصے میں صرف ان قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

اس حصے میں صرف ان قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

اس حصے میں صرف ان قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

اس حصے میں صرف ان قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

اس حصے میں صرف ان قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

اس حصے میں صرف ان قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

اس حصے میں صرف ان قاریوں کے لیے لکھا گیا ہے جو کہ صرف اس کتاب کی روشنی میں ہی سمجھ سکیں گے۔

انکو اپنے حق میں ہی جیتا دینا چاہیے۔

امت کو دیکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ امت سب سے بہتر ہے۔
 وہ پانچ نظریات، محمدیہ دور کو سب سے زیادہ دور طرح وقت
 نصف نظریہ سے نکلتے ہیں۔ یہی وہی جہلی ہے۔ اس لیے صرف
 نزدیک پہ کھانکے کہ کتاب تو سادہ دوری ہے۔ قاری ہی اس پر کچھ
 لکھتا ہے۔ درست نہیں۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ قاری وہ شخص
 ہے جو امت کو اسے کا دور کو اسے یہ یاد دلا کر رکھتا ہے۔
 قاری بھی جہاں معنی کا ایک کو لکھتا ہے مگر جہاں معنی کا خلاف
 نہیں۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی جن کی مصحف میں کسی
 پہلا کی وصیت ایک دور میں زیادہ ہو یا کسی میں کم۔ نظریہ کے
 دور میں ان کی نظم (توئی نامہ) کی جو وصیت تھی اس سے بہت
 زیادہ قریح اس کی وصیت اور مصحف تسلیم کی جاتی ہے۔

مغرب میں علم شرع کے ارتقا کے مطالعے کے یہ معنی
 نہیں کہ ہم مغرب سے مرعوب ہیں یا ذہنی غلامی کے شکار ہیں۔
 آؤ ہندوستان اس پکر سے نکل چکا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ مشرقی
 افکار اور نظریات ہندو افکار سے ایک چھوٹے سے علاقے تک پہنچے
 اور زیادہ تر اٹھارویں میں یا ایک قانون کے طور پر بیان ہوئے
 سے Legislative تسلیم بھی کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعے
 میں مغرب میں اصولوں اور نظریات کے اشاعت خاصے مرتب
 اور مدلل انداز میں ادنیٰ اداروں خصوصاً یونیورسٹیوں کے
 رعبہ ہوئی۔ ہمیں یہ بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ مشرقی روایت پر
 یونانی افکار کے ترمیم کا اثر رہا ہے اس لیے ہم آج مشرق و
 مغرب میں تنقیدی افکار و نظریات کا مطالعہ ایک وسیع تناظر
 میں کر سکتے ہیں۔ ہاں اس تناظر کے باوجود اپنے لب کی تاریخ،
 اپنی جذبات کی خصوصیات اور مزاج کو ملحوظ طور رکھنا ہی ہوگا۔
 ایک شعر ہے۔

ہم خود اور شیعہ بھی کہے
 لگا چکے ہیں کہ کہیں ہیں۔

جہاں تک لب کی تعمیر کا سوال ہے تو جن
 ممالک میں کوئی لب بارود میں آباد کا احساس ضروری ہے۔
 لب کے جزیرے، اس کی ضرورت و قیمت، اس کی صورت اور ہم سے
 صرف افکار کی تاریخ یا سماجی حقائق یا نظریات یا مذہب یا فلسفہ
 کے ساتھ ساتھ یہ سب سے زیادہ ہوگا۔ دیکھنا ہوگا کہ جن کا
 نظریہ (Vision) نے کس طرح کسی مسئلہ کی حقیقت یا خیال

تعمیر کیا اور اس کی تعمیر سے ایک نئی دنیا کی تعمیر ہوئی ہے۔
 اس کی ایک نئی وحدت ہوئی ہے۔ اور اس کی صورت کے ساتھ
 جہاں وقت کے ساتھ درمیان ہوتے رہتے ہیں۔ غرضی کے
 بعد۔ کلن کو بھی اس فکر سے دیکھنا چاہیے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں
 کہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں
 اس میں کا ہر سنگ سوسانی طور پر مدلل ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا
 کی تعمیر شاید آج زیادہ معنی ضروری ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا
 حیات یا کسی ذہنی پھر یا حیات کے بجائے حق اور لب کے
 اصولوں اور حق کی اپنی Validity کی روشنی میں بات
 کرنے کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

علم شرع کے فروغ اور تعمیر، تعلیم اور تربیتی کے
 بدلے ہوئے صورت کی روشنی میں ہم لب کو لب کے
 مطالعے میں لب کے ساتھ زیادہ ضروری کی قریح ہمارے
 کر سکتے ہیں۔ دوسرے معین (Appreciation) کے
 تسلیم میں لب کو زیادہ ہر طور پر کچھ سکتے ہیں۔
 (Appreciation) کو ہم ضروری بھی کہہ سکتے ہیں،
 جس میں شرع اور تعمیر، دونوں فکر تعلیم کا کام مکمل کرتے ہیں
 گو قاری کو فن کار کے ذہنی سفر میں شریک ہونا ہے۔ اس سے
 نے فنکار کی عظمت بڑھتی ہے۔ یہ قاری کی عظمت ہے۔ یہ ایک
 دوسرے عمل کی نظامی ہے۔ یہ ایک طرح نہیں کی
 Negative Capability دلی صلاحیت کی طرف
 اشارہ بھی ہے۔ ہم قاری یہ نہیں کہہ سکتے۔ وہ فنکار کی دنیا کی
 تلاش میں نہیں ہوتا۔ اپنی دنیا سے مبالغہ نہیں کی دنیا میں تلاش
 کرتا ہے۔ اس لیے میں لب قاری نے ہر اور کرنا ہوں۔

اس لیے ہمیں ہر دین میں حق کی ضرورت کا پھر سے
 جائزہ لینا ہے۔ یہ تو ملتی ہوئی بات ہے کہ ہمارے کام میں کے
 معون، جیٹز ناقص ہیں۔ انہوں اس بات کا کہہ کر جو معون
 ہماری درس کہوں میں ہر دین کے لیے استعمال ہوتے ہیں
 ان کی محنت کی طرف سے بڑی بے پرواہی برتی گئی ہے۔
 دراصل حق کی محنت ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اس کے
 بغیر ہم نہ مصنف کے ساتھ تصنیف کر سکتے ہیں نہ اس کے پیر
 بیان کے حقیقی کوئی راستہ قائم کر سکتے ہیں۔ جو اب ہے کہ
 ہمارے کاموں کی مصالحت کے علاوہ قاری کے ساتھ کی
 رنگینوں اور سبز رنگوں کا بھی بہت کچھ مدلل رہا ہے۔ اس
 لیے میں ہر دین میں دلچسپی سے غالی رہوں گی۔ مگر ہمارے
 دین میں ملک و رسم نے شائع کیا ہے اس میں میں ہر دین میں
 دوسرے کی محنت کا کچھ لکھا ہے جو سہاگنے اپنی طرف میں

کمال احمد صدیقی

تم نے گھسا ہے، جو بوتلے جبارے میں
تمہارے خوشیوں میں در آئی روڑ
اور پھر اٹھ کر بیٹھ کر میں
کہ میں ہجو کر
منت کرتا

تم نے کروڑوں
جو بھی تم حکم لے دو گی یہاں لوں کا

صل اور ہوش میں، بے دل سے
یہ دعا کر رہوں: اک شب کے لیے
(کم سے کم)

وہ جو خواہش ہے جبارے دل میں
(جس کا اعتبار کیا ہے تم نے)

وہ پوری ہو جائے
میں تو بس اسباب
دیکھتا چاہتا ہوں
حکم کیا دو گی مجھے!

وہ بھی ہے کوئی شر کہ ابھام ہی نہیں
خود بظاہر کا بظاہر ہی نہیں
مٹی صاف کا مٹی مٹی ہی نہیں
بے بھی مٹی ہے دودھ مٹی ہی نہیں
کاشوں پہ لپٹنے کی ہے عادت پڑی ہوئی
پلوں کی چاک چاک کریم ہی نہیں
اک دیر بٹکا کے گئے شکوے شکوے
وہ بات چڑھ گئی ہے کہ ابھام ہی نہیں
عیدوں کے محل میں کھن گم ہوئے
دیر دیر جہاں ہے سرہام ہی نہیں
کیا دل نہیں کاڑھ ہے منہ ہی نہیں
دلوں ہی صحن میں ابھام ہی نہیں
محل میں رات گیت ہے تھام ہے دھل کر
گرا منہ کو کوئی کام ہی نہیں
دلت سے دودھ پاجہ گھستا ہوں گل پڑھا
دیکھا کسی دوتی پہ مرا نام ہی نہیں
کبھی ہمارا تھی ہے لب کے برس نکال
رگس نہیں شکوہ ہادم ہی نہیں
نظم

جس پر جنوں خلق کا ہلام ہی نہیں
جس کے لہو پہ شکوہ ابھام ہی نہیں
جس کی ہاتھ آہستہ دیکھا نہیں کسی
اس کا جنوں جنوں خوش ابھام ہی نہیں
بے قصد مرد میں دکن کا اگر کوئی
بھی تو دیکھ ہم پر اہرام ہی نہیں
۱۔ صحن گھری میں برف کو کھینچیں، مٹھا مرد ہو

۲۔ دودھ روشن پر پاپ مڑ دیکھ MakeLoveToMe

شمس الرحمن خاں

کاغذِ قلم سے مسائے نگاہیں ہوں
 دامن میں لاشِ خاک سے شمعِ ہوشیاروں
 مجھ کے ساتھ چھوڑ کے ہم چلتے ہیں کو بھی
 تنہا ہونے لگے تو ہوئے و ہجرِ طول
 میں پایادہ خواب کے رہتے یہ ہولناکیاں
 یہ راہِ قطع ہو تو ملے گوشہٴ غم
 دنیا کا بادشاہ بھی ہے کیا ستمِ ظریف
 اے ہم سے کام پہ لے کے یہ کام تھا غفلتوں
 پھری بھی لوٹ مار بھی دروغی بھی کی
 لفظوں کی حرکت میں نہ کچھ بھی ہوا حصول
 ہے کچھ سے جس کو کچھ تھا ہی دکھ بھی ہے
 پتوں میں تو گلاب ہے کاتوں میں تو میوں
 پڑے تھے ہیں کے تیرے اس دہم میں گیا
 دامن کو ہر شے لگ گئی رہا جسوں کی حصول

میں نے کہا کہ میں نے یہ سب سنا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے۔

یہاں (الہنہ تب سے) جو زندہ دنیا جہنم کی جگہ سب کو ہے
 میری جگہ گئی کو نہیں۔ اکھاڑ میں سانس سمندر کی بار چڑھ کر
 سب جان لو، کہاں، کاہنہ۔ یہ کوئی نئے انداز جو تیرے ہی طبع کا
 کاہنہ ہے کہ لاچار مرنے والے کو بھی نہیں۔۔۔ کو تو کو نہیں ا

اعزیز و محبت کی باتیں

میں نے اس کا کھنکھائی ہوئی ہنسنا سنا۔
تو میرا دل جھٹکا اور اُسے کہہ دیا، "ابھی تو
میں نے کہا تھا کہ میں تم سے ملنے نہیں آؤں گا۔"
اس نے کہا، "تم کو یہ پتا ہے کہ میں کون کی بات کر رہی ہوں؟"

This little guiding light of mine
I'm going to let it shine

یوں کہے ہوئے ہیں۔۔۔ اے جو کرے میری منت تو نہیں
 ماری مٹی ہونے کی لیں گے۔ تاک پر کھدو دھرا ہونے ہے
 جہاں سے کھو تو گم ہوئی جائے۔ لیو اب اہم تم سے بات
 نہیں کریں گے۔

منا: (ہنستا ہے) دیکھو بھائی! تم ہی کہو کہ دانہ پانی چھوڑ
دیجی تو ہم مان لیں۔ پانی ہی کہ تم ہاتھ نہ کرو گی، ہم تو مان سکتے
ہیں۔ تو اور جو منٹ کی یہ اسی سوچے نہیں سکتا۔ تم نہیں۔۔۔

اس آئینہ میں وہی کچھ ہے
 (مختصر) یا اس آئینہ میں وہی کچھ ہے
 کہ وہی ہے۔ مگر وہی تو کچھ ہی میں آئے ہوئے ہو۔ میرا
 آئینہ کون سا

اور اصل میں یہاں جو کہ
 جیسا دیکھا کہ نہیں ہے یہاں اس کا عالم یہ ہے
 اور اس کے لئے

پرانی سے کہیں۔ پرانی جیسی اندھی سی رہی نہیں
 ہو کر تے۔ ۵۔ جہانگیر کہ اندھے تو لے آئے۔۔۔
 (اس کا ہے)

۴۔ درجہ اولیہ ملک میں جو اولیہ فہر میں اپنے
 ملک میں اپنے گھر میں جو سب کچھ اپنی مرضی کے مطابق لایا جاتا
 ہے۔

سليم: ہر گز نہ کرو۔ ہر گز نہ کرو۔ اس قسم کو میں نے
کوئی اور طریقہ نہ سیکھا۔

درويش: مگر۔۔۔ عجیب ہے۔۔۔ وہ ایک ایسی تسلی نہیں ہوتی
میں نے تو سمجھی تھی کہ کہیں وہیں جاتے دیکھا نہیں۔۔۔
سب آگے بڑھتے جاتے ہیں۔

سليم: (اٹھ کر) آج گھر گھر جاتے، ٹھہر جاتے۔۔۔ مہربان
ہو۔۔۔

درويش: اب یہ جان تو مت بکواسے۔
سليم: کیوں؟

درويش: اپنی اور اپنی لار پورا۔۔۔ یاد کرو۔۔۔ وہ ہمیشہ مجھے
دفین کی باتیں کرتے ہیں۔

سليم: اس لیے کہ آنے والے دنوں میں ان کے لیے اب کچھ
نہیں۔ وہ اکیلے لوگ ہیں۔ ایک تھا دینے والے روٹین
(routine) کے خلاف۔

درويش: روٹین اور یہ سب۔۔۔؟
درويش: آٹھویں بھری یہ مصروفیت یہ پابندی ہوا مگر۔۔۔

روٹین نہیں۔
سليم: مگر ہم تو اس فہرے دور SUBURB میں رہتے
ہوئے ہیں۔ فہرے جاتے ہیں۔ لہذا کام ختم کر کے واپس آتے ہیں

ٹی۔ وی دیکھتے ہیں۔ روز بچ اس دیوانے کا سہنے کا گیت سننے
ہیں۔

درويش: یہ بھی روٹین ہے۔
سليم: مگر دن بھر شاگوں میں ایک بل کے لیے جی کچھ اور

سوچنے کی جہالت نہیں۔ اس کام کام۔۔۔ بھی تو فرق ہے
مشرق اور مغرب میں۔

درويش: مشرق اور مغرب۔۔۔
سليم: ہاں۔ مشرق میں روز میں سورج نکلتا ہے۔۔۔

مغرب جاتا ہے۔ اور دن کو بھی دنیا کیسے سوتی سوتی رہتی ہے؟
میں تو بچے ہوں میں جسکے پاس نہیں۔

درويش: جسکے جاتے ہو؟
سليم: ہاں۔ بچے جیتے۔ اپنی اور اپنی جگہ کی باتیں کی

میں نے تو سمجھی تھی کہ کہیں وہیں جاتے دیکھا نہیں۔۔۔
سب آگے بڑھتے جاتے ہیں۔

سليم: (اٹھ کر) آج گھر گھر جاتے، ٹھہر جاتے۔۔۔ مہربان
ہو۔۔۔

درويش: اب یہ جان تو مت بکواسے۔
سليم: کیوں؟

درويش: اپنی اور اپنی لار پورا۔۔۔ یاد کرو۔۔۔ وہ ہمیشہ مجھے
دفین کی باتیں کرتے ہیں۔

سليم: اس لیے کہ آنے والے دنوں میں ان کے لیے اب کچھ
نہیں۔ وہ اکیلے لوگ ہیں۔ ایک تھا دینے والے روٹین

(routine) کے خلاف۔
درويش: روٹین اور یہ سب۔۔۔؟

درويش: آٹھویں بھری یہ مصروفیت یہ پابندی ہوا مگر۔۔۔

روٹین نہیں۔
سليم: مگر ہم تو اس فہرے دور SUBURB میں رہتے
ہوئے ہیں۔ فہرے جاتے ہیں۔ لہذا کام ختم کر کے واپس آتے ہیں

ٹی۔ وی دیکھتے ہیں۔ روز بچ اس دیوانے کا سہنے کا گیت سننے
ہیں۔

درويش: یہ بھی روٹین ہے۔
سليم: مگر دن بھر شاگوں میں ایک بل کے لیے جی کچھ اور

سوچنے کی جہالت نہیں۔ اس کام کام۔۔۔ بھی تو فرق ہے
مشرق اور مغرب میں۔

درويش: مشرق اور مغرب۔۔۔
سليم: ہاں۔ مشرق میں روز میں سورج نکلتا ہے۔۔۔

مغرب جاتا ہے۔ اور دن کو بھی دنیا کیسے سوتی سوتی رہتی ہے؟
میں تو بچے ہوں میں جسکے پاس نہیں۔

درويش: جسکے جاتے ہو؟
سليم: ہاں۔ بچے جیتے۔ اپنی اور اپنی جگہ کی باتیں کی

میں نے تو سمجھی تھی کہ کہیں وہیں جاتے دیکھا نہیں۔۔۔
سب آگے بڑھتے جاتے ہیں۔

جمال صاحب: بھائیوں، بھوڑک لکھ لیں۔
 سکینے بیگم: ہمارے بچے خوش تھیں اس دنیا میں۔ قریب
 کی زندگی گزار رہے ہیں۔ آخر سلیم وہیں ہمیشہ سکے گا۔
 کوئی شک نہیں ہوتی تو لوٹ آئے ہوتے۔

جمال صاحب: لوٹ آئے، کیسے لوٹ آئے؟ اس دنیا میں
 واپسی کے سفر کا کوئی راستہ نہیں۔
 سکینے بیگم: ہمارے بچے سب جے سہل آتے نہیں
 ہمارے پاس۔

جمال صاحب: (اتکائے ہوئے کچے ہیں) ہیں تو ہیں
 آجاتے ہیں۔ آجاتے ہیں، پھر بچے جانے کے لیے۔۔۔ یہ کوئی
 واپسی کا سفر ہے۔

سکینے بیگم: آپ جانے کسی کام میں کرتے ہیں۔ میرا
 ڈیوٹی لگا ہے کبھی نہیں۔

جمال صاحب: نسیم میاں وہیں کے پورے۔ اچھن بھلا
 کے دلوں کو مرنے کے ایک دور افتادہ قصبے میں نوکری ملی تھی۔
 وہیں کا بویا۔ محروم ممالک میں ہے۔ انڈیا میں لندن میں۔
 انڈیا میں میں نہیں۔ نسیم مسطی میں۔ حوزہ ٹیکہ میں۔ ٹیکہ کو
 سکینے بیگم:۔۔۔ اس پر پورا۔۔۔

اس میں ہرج بھی کیا ہے؟ ٹھیک ہے۔
 رضوان بھائی کا بھائی جی چلا گیا۔ علیہ آپا بھائی کے ساتھ حیدر آباد
 میں ہیں۔ غلیل بنگور میں۔ طفر بنگور میں۔ عائدان اور جان
 بھائی کے بچے لڑکے گھر چور ڈک لور لور چلے گئے۔ آخر فرق
 بھی کیا ہے لندن اور ٹیکہ اور بھائی اور بنگور میں۔

جمال صاحب: (سوچتے ہوئے) ہیں اتم شاید ٹھیک ہی
 کہتی ہو۔ کوئی فرق نہیں۔

سکینے بیگم: پھر آپ پریشان کا ہے کہ ہوتے ہیں؟

جمال صاحب: ہم لپٹے نہیں۔۔۔ لپٹے بچوں کے لیے
 پریشان ہوتے ہیں سکینے بیگم۔ مگر یہ بھی بس ایک دم ہے۔
 کوئی کسی اور کے لیے پریشان ہو ہی نہیں سکتا۔ پریشان اپنی ہوا
 دوسرے کی، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسی برہات ہمارے لئے
 کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک کہ ہم اسے اپنی ہستی کے حوالے
 سے نہ دیکھیں۔

سکینے بیگم: اپنی ہستی کا حوالہ؟

جمال صاحب: ہیں۔۔۔ بھی تو ہماری آنکھ ہے۔ اسی سے
 ہم لپٹے آپ کو، لپٹے بچوں کو، لپٹے بچوں کو، حوزوں کو،
 انہوں کو، سب کو دیکھتے ہیں۔ اسی آنکھ سے ہم لپٹے گھر کو،

اپنی مٹی کو دیکھتے ہیں۔ نور بڑوں میں ملے ہوئے ہیں مگر کچھ
 ہمارے لیے نہیں ہے۔ مگر ہمیں کی دوسروں میں ہماری اپنی
 دنیا ایک عظیم دنیا ہے۔
 سکینے بیگم: (غیر خبر کر) آپ شاید بہت یاد کر رہے ہیں

جمال صاحب: کس کو؟
 سکینے بیگم: ذرینہ کو۔ سلیم کو۔

جمال صاحب: (اویس سے جس کر) بس اسی؟
 سکینے بیگم: اور۔۔۔۔۔ اور کس؟

جمال صاحب: یاد کرو۔۔۔ ذرینہ کا بچپن۔ جب اس نے
 پہلا خط لکھا تھا۔ پھر اسے جب پہلی بار اسکول لے گئے
 تھے۔ اور ذرینہ کا بھی بس ایک ہی چہرہ تو نہیں۔ سب بھری
 ذرینہ دو سہل کی ذرینہ۔ پانچ سہل کی ذرینہ۔ یاد ہے اس کی
 پانچویں سالگرہ پر نسیم اس کے لیے جو کھانا۔۔۔

سکینے بیگم: ہیں۔۔۔ کتنی لڑائی ہوئی تھی اس روز راکھی
 اور بہت مٹی ذرا سی تھی؟

جمال صاحب: اور انہی۔۔۔۔۔ دیا۔۔۔۔۔ آئی۔۔۔۔۔
 رولہ کا۔۔۔۔۔ جو یہ۔۔۔۔۔ کتنی بھاری بھائی تھیں۔۔۔۔۔ ذرینہ کے
 ساتھ کی ساری بھائی۔۔۔۔۔ یاد ہے۔ شاید سترہویں سالگرہ تھی
 ذرینہ کی۔ اسے جب اس نے آئز کے قطرے سہل میں داخلہ لیا
 تھا۔ کیسے تماشے کئے تھے ان سبوں نے۔۔۔۔۔ ٹھنسی ڈالیں۔

کالے۔۔۔۔۔ شرارت طرح طرح کی۔
 (سارے ایک بڑے بھائی کو)

فیضان

(رات کا ۱۲۔۔۔۔۔ بھلا کھانا)

سلیم: (بھائی لے کر) ذرینہ اور ذرینہ: (کوئی کوئی سی)
 اویس ہوں اویس۔

سلیم: اب لائٹ آف بھی کرو اور سو رہے ہیں۔

ذرینہ: بس آخری صف۔۔۔۔۔

سلیم: کس کا آخری صف؟

ذرینہ: اپنی کے خط کا۔

سلیم: بچ پڑھ لیا۔ سو جائیں اب۔

ذرینہ: سچ؟ سچ وقت کہاں ملتا ہے۔ ہم دونوں کو لپٹے

لپٹے کام پر پہنچنے کی جلدی۔

سلیم: پھر ملتی کل رات کو کسی۔ کل رات کو بھی نہیں تو

Weekend پر اطمینان سے پڑھ لیا۔
 (زندگی کی کتنی بھلی تھی)

1944

اور سچے۔ حق نے وہ دو گنا سزا کے بارے میں گھسا ہے۔ اور
جو علی بھگل۔ شرف الدین صاحب۔ راجن ہاسی اظہار کیا ہے
پوری داستان ہے (چمکے گئی ہے) انکے انور کو بہت دفعی اور
جو علی سے طاقت جو علی۔

۱۔ کس نے خواب دیکھے؟
 ۲۔ کس نے خواب دیکھے؟
 ۳۔ کس نے خواب دیکھے؟
 ۴۔ کس نے خواب دیکھے؟
 ۵۔ کس نے خواب دیکھے؟
 ۶۔ کس نے خواب دیکھے؟
 ۷۔ کس نے خواب دیکھے؟
 ۸۔ کس نے خواب دیکھے؟
 ۹۔ کس نے خواب دیکھے؟
 ۱۰۔ کس نے خواب دیکھے؟

دو تہہ۔ جلتے جلتے بھی آنکھیں جھک جاتی ہیں۔ آنکھیں
کھلی ہیں مگر دیکھ رہی ہیں۔۔۔ مشکل دونوں میں ہے۔
سلیس: اچھا ہے وقوف لڑکی بس۔ بہت بوجھا۔ اپنی اور اپنی
دونوں نرے میں ہیں۔ کتنا اچھا خط لکھا ہے انھوں نے۔ پھر
تھیں فکر کس بات کی؟

درمیانہ: کتنے اکپل ہو گئے ہیں ابی اوزلی! اکپل؟

دوستیہ: ایک دم اکیلے۔۔۔ کھوں نہ پیدا کریں کہ انھیں کچھ
خوں کے لیے جہاں ہائیں۔

طریق : جہاں : یعنی کہ جہاں : اسٹیشن)
States

درویش: مگر میں تو کا دل لے گا۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

--- (کچھ کہنے کے رک جاتا ہے) ---
 بھروسہ: کہو ادک بکوں مئے سلیم ---

سليم: تم دیکھتی ہو جن اکتائے ہوئے، آپ لہذا مجھ سے
نے سن رسیدہ عروں اور عورتوں کو۔۔۔ ہوم

(home) میں پڑے رہتے ہیں۔ صبح شام ذرا دیر کے لیے بارک میں جمع ہونگے۔ اس دیوانے کلاس کے گرد۔ شاہری

کبھی کوئی من سے ملنے آتا ہو سکتے ایک دھکائی دیتے ہیں یہ لوگ
 لایروں کی طرح۔ اسی ہوا کے پھولے کھاتے بگھنے جھڑ

تھے ہاتھوں کی طرح۔ بھولے ہمارے گیتوں کی طرح۔ سب
میں کوئی نہیں دوہراتا۔

۲۰۔ کہانی ہوئی (تو لڑ میں) سلیم
 آپس میں یہ کہی۔ کہی بچے بچوں بچوں کی باہمی

ذکر کرتے ہیں۔

[illegible]

...and the

...and the other is the fact that the ...

ہنگر پیدا نہ کی۔ گھر سے تھوڑی دیر پر شوق بہتر ہے
 میں اپنی کونچے ساتھ لے جایا کروں گی۔ اساتر وہ ہے کہ دن بھر
 آپ دونوں گھر میں اکیلے رہیں گے۔ مگر اکیلے تو وہاں بھی رہتے
 ہیں۔ خیر شام سات بجے تک سلیم گھر آجائے ہیں۔ گئے کوئی تو صاحب
 گھنٹہ اور لگ جاتا ہے وہاں ہیں۔ مگر آپ بوائے سرد کر دیکھ
 گا۔ اور مٹا بھی کچھ دلو ہے۔ چلائیں تو کچھ دنوں کے لیے اور آباد
 سے سرفراز چھا کو۔۔۔

فیضان

احسان صاحب کا وطن تھا
 سکینہ بیگم: اس میں ہنسی کی کیا بات ہے؟ لالچے خطا میں
 دے دیجئے۔۔۔
 جمال صاحب: (غیر کر) اچھا ہی پڑھے دیتے ہیں۔ مگر ہماری
 بیٹی بھی ابھی تک ایک دم بدحوہ ہے۔ کھنٹی ہے۔۔۔

درینے: (دور سے آتی ہوئی آواز) اور آباد سے سرفراز چھا کو
 بلا لیجئے۔ وہ بھی جگہ بدلنے سے خوش ہوں گے۔ اکیلے اور آباد
 میں گھبراتے ہوں گے۔ یہاں تو انور مٹا کا ساتھ تو رہے گا۔ اور
 آپ تو کم سے کم دو پچھلے کے لیے۔۔۔ ہم کو پھونچ کر انہیں
 رہتی ہے کہ آپ دونوں بہت اکیلے ہیں۔
 (اسی سطرے میں چھوٹی سی گھبراہٹ)

سلیم: (دور سے آتی ہوئی آواز) اکیلے۔۔۔ جزیروں کی
 طرح۔

ایسا چہرہ تھی

سلیم: (دور سے آتی ہوئی آواز) اکیلے۔۔۔ اوجھی بوائے
 چھوٹے کھاتے، پچھلے مسئلہ لاتے ہوش کی طرح۔
 (ایسا چہرہ تھی)

سلیم: اکیلے۔۔۔ مجھے لہرے گیٹوں کی طرح۔۔۔
 (اسی سطرے میں ایک منہ بہ منہ حال صاحب پچھتے ہیں)

سلیم: (دور سے آتی ہوئی آواز) اکیلے۔۔۔ اکیلے۔۔۔ اکیلے۔۔۔ اکیلے۔۔۔
 (احسان صاحب کی تیرہ سائیں)

سکینہ بیگم: آپ باپ کیوں رہے ہیں آپ کی طبیعت
 تو ٹھیک ہے ناں!
 جمال صاحب: (بڑبڑاتے ہوئے) اکیلے۔۔۔ ہم اکیلے ہیں؟
 (ایک بچہ لگے ہیں۔ یہی سطرے میں پڑھتے ہیں)
 (ایک لڑکے کے ساتھ لڑائی کی سکیں۔ یہی لڑائی ہے!)

سلیم: کیا بوا درینے۔۔۔؟
 درینے: اپنی کاٹا آیا ہے۔۔۔

فیضان صاحبہ

سلیم: کیا کھانا ہے؟
 درینے: تو تو آئے پر تو ابھی نہ آئی۔
 سلیم: کیوں؟
 درینے: کھانا ہے کام بہت ہیں۔ صبح سے شام تک گھر سے
 رہتے ہیں۔۔۔
 سلیم: کون گھر سے رہتا ہے انہیں۔۔۔
 درینے: یہ کھانا نہیں ہے مگر میں کھیتی ہوں!

سلیم: کون؟
 درینے: یاد ہیں؟
 سلیم: کس کی۔۔۔

درینے: مجھے دنوں کی۔۔۔ کوئے ہوئے چہروں کی۔۔۔
 ڈوبنے لوں کی۔۔۔ (جہاں بوائے سلیم)
 سلیم: (محبت بھرا لہجہ) ایسا کرتے ہیں۔ ہم دونوں خود چلے
 پھلتے ہیں، دو پچھلے کے لیے۔۔۔

درینے: نہیں!
 سلیم: کیوں؟

درینے: مع کیا ہے اپنی نے۔ کھانا ہے۔۔۔
 (جہاں ایک پر غور جھٹکا)

جمال صاحب: (دور سے آتی ہوئی آواز)۔۔۔ اور تم لوگ
 بھی پریشان ہو کر یہاں منت آہانا۔ تم دونوں وہاں رہتے ہوئے
 بھی ہمارے ساتھ ہو۔۔۔ آٹھویں پہر ساتھ۔۔۔ ہر روز ہم
 دونوں تم دونوں سے کتنی باتیں کرتے ہیں۔۔۔ اور ہم کتنے مگن
 رہتے ہیں۔ اور وقت کتنی سہولت سے گزر جاتا ہے۔۔۔ یا ہم
 گزرتے جاتے ہیں اور وقت غمراہ ہوا ہے۔۔۔

(احسان صاحب) فیضان

فیضان بیگم کی نئی غزل کا نائنوا انتخاب
 سیرۃ معنی یہ گانہ
 عشق و شائع ہوگا

پرکاش لکری

خالی خالی آسماں ہم دیکھتے ہیں
ایک ٹھہرا سا جہاں ہم دیکھتے ہیں
دیکھتا ہے کیا لگتی ہے زمیں اب
اٹک نہروں میں رواں ہم دیکھتے ہیں
ہستیوں میں کیوں چمک ہے آگ کی سی
جنگلوں پر کیوں دھواں ہم دیکھتے ہیں
پتھروں کی کافلی پر کیوں نہ دکھ ہو
سب ہیں شیشے کے سکاں ہم دیکھتے ہیں
رنگ لکری ہے دلی کا ان دنوں کیوں
تیری باتوں میں عیاں ہم دیکھتے ہیں

شام وعدہ اداس ہے کتنی
وہ نہ آیا نہ کچھ خبر اس کی
ہم نے سودا کیا تماشے کا
دل کے آگے نہ جب چلی اپنی
سب نے اپنی ہی پیاس دیکھی ہے
کس نے دیکھی ہے پیاس دریا کی
پہل کھلنے کے دن مگر دیکھو
دھوپ نکلی نہ برف ہی پچھلی
اپنی فرصت کہاں تھی دنیا کو
ہم جو کہتے وہ غور سے سنتی
اس بھروسے پہ خوش ہوئے اکثر
یاد رکھے گا کوئی ہم کو بھی
روز و شب کا حساب کیا کرتے
اس سے ملتا بھی کیا ہمیں لکری

پرکاش لکری

کہاں سے ملے تھے کہاں ہم ہیں آئے
جب ہے یہ اہلن کہ بعد میں اڑائے
کہیں کیا شکست یہ دنیا ہے دنیا
کبھی وقت روٹے تو سب ہیں پرانے
کھڑا ہونہ جائے حادث کے ہاتھوں
کہ مدت سے غالی ہے دل کی سرائے
ملے ہم کو ٹھٹھک گئے جنگوں کی
پروں کو بھگو کر ہوا جب بھی آئے
قصا میں پردوں کی چھکار سن کر
پہننے لگے ہم سے یادوں کے سائے
ہست دن ہوئے اپنی رسوائیوں کو
ہوا اک زمانہ کوئی گل کھلائے
کہانی ادھوری نہ رہ جائے لکری
یہ موسم بھی یوں ہی اگر بیت جائے

کھنے دن ہیں کھنے دن
آئیں گے جب اچھے دن
بچیں لے کر ہماں گیا
بستے روتے کھلے دن
کیا کیا آگ لگاتے تھے
سیکھوں والے بچے دن
فام کی دھندلی آنکھوں میں
دھوڑیں ہم وہ اچھے دن
راہیں اپنی میس بھری
دن بھی اپنے کھٹے دن
جھلس اب بھی کرتے ہیں
یادوں میں وہ کھوئے دن
لکری کیسے کانٹو گے
باقی ہیں اب جتنے دن

مدحت الاخر

طے گی یہاں سحر کی بجیک طہنہ کی
کہ اس دیار میں ہوتی ہے پرورش غم کی
بھرے پڑے ہیں فرشتے خدا کی دنیا میں
مگر ہمیں تو ضرورت ہے ابن آدم کی
نہ گل میں رنگ، نہ موج بہار میں غم
وہ مل گئے تو شکست کریں گے موسم کی
کہیں بھی جاؤ کسی سے ملو کرو کچھ بھی
ہر ایک بات پہ آتی ہے یاد خانم کی
رنگ رہا ہوں زمانے سے لڑکھاں مدحت
لب دعا پہ حکمت ہے چاہ دمزم کی

صبا ہنس دکم اٹھا بہت ہے
کہ ہنسا کم جہاں رونا بہت ہے
کسی کو دقت میں شہرت ملی تھی
ہمارا شہر میں چرچا بہت ہے
جھگڑتا ہے تری ہر بات سے جگ
ترا لہجہ ابھی کچا بہت ہے
درختوں کی طرف مڑ کر دیکھو
ابھی تو دھوپ میں چلتا بہت ہے
کوئی ہنس کر طے دو بات کر لے
ہمارے دور میں اٹھا بہت ہے

علی مہتا

سانس لے۔ سسٹھائی بجی گری میں ذوق کا وقت شروع ہو رہا تھا۔
جون نے دستانے اندر کر چمیرے بدن کے فیمیکہ اور کو دیکھے
بغیر کہا۔ "یہ کلن جمارے لیے خریدنا مشکل ہے۔ بہت مشکل
ہے۔"

گل مجھے فیمیکہ اور کو جیسے سانپ نے کاٹ لیا ہو۔
فیمیکہ اور انہیں گاؤ دی کچھ کے بہت چلایا۔ دونوں آٹھوں
کاٹھ کیت لکے۔ ہم اللہ کی دلائی میں اسی جیسے کتنے پرندے
ہر پرندے کے رو گئے۔
فیمیکہ اور کی پریشانی سمجھ کر جون رنگ میں آیا۔
"اب ہم لوگ چلنا چکا ہے۔ جہاڑی سے اترنا بھی
سلاخا تم نکلا۔"

فیمیکہ اور کھڑا چہرہ اس کی باطنی گردن پر سوکھتے
تھا۔ جون کے حومہ ٹھانے ہی اس کا حواغ سے زمین پر آ رہا۔
دونوں اس جڑی سے کھینکے کہ اگر کچھ دیر اور رک جائے تو
فیمیکہ اور کا سر دو ہار گردن سے جڑھٹا چوہے۔

"کیا بولا فیمیکہ اور چوہے؟" ہم اللہ نے اس کی غریبٹ
سٹی، اور جون کا ہاتھ پکڑے سر میں جہاڑی کے نوکڑ اور کڑھٹ
رہتے پر جون کو سنبھالتے اترتا چلا گیا۔ سلاخول ملاتا ہے ہر
توی کو..... جون نے اپنے ہم اللہ کا بازو مضبوط سے چھلتے
ہوئے کہا۔

"صرف فول والا کاٹنا بھی کھتا ہے۔ اس کا پس چلے
تو سب کی کھل اندر کر کلن میں نکلا ہے۔" جون کڑھٹ کی طرح
بظاہر وارک گیا۔ "تم باکل فیمیکہ بولا۔ تم ایک منٹ کوڑ کو۔
سانس جمارا غراب کرتا ہے سلا..... دونوں نے لمبے لمبے

پر کہ کو اس نے آنکھوں میں دکھا۔ اور غور سے جون کو دیکھا۔
وہ چلا کے اندھیرے میں چلتا ہوا رک گیا۔
"کیا بات ہے؟"

اس نے چپکے سے جون کے کلن میں کہا۔ "لکھو باہر خطرہ
ہے جہاں..... جلدی باہر لکھو۔"

جون نے ہم اللہ کی دلائی کو اپنے کے گھونٹے کی طرح
باتوں میں بار بار پکڑے دیکھ کے اندازہ کر لیا کہ اپنے نے
مضبوط طوفان سے بچنے کے لیے بچوں میں گھونٹے کو آخری سہارا
دے رکھا ہے۔ چور کی دلائی میں تنکا دیکھ کے اسے اپنی دلائی
کے تنکوں کی لکر لگ جاتی ہے اس لیے اب وہ دلائی دوسروں
کے ہاتھ میں دینے کے بجائے اپنی منہی مضبوط کر لیتا ہے۔ جون
نے کلن کے اندر آہنی فیمیکہاں سروں پر جھانے سانے کی طرح
گڑھٹے لوگوں کو دیکھا۔ اور رچی سرنگ میں بڑھتے اس سے
کھانٹے ہم اللہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر خطرے کا خود بھی
اندازہ کر لیا۔ ایسے وقت میں ہم اللہ اپنی جون سے نکل کر
رہا نکل دوسری مخلوق بن جاتا ہے۔ کلن کا چپ چپ چلتے
انہیں تو حادوں ختم ہونے کو آ رہا تھا۔

"اب کچھ اور دیکھنے کی حاجت نہیں رہی۔" اس نے
گل مجھے فیمیکہ اور کے کانڈھے پر ہاتھ دھرا۔ "ڈانڈھ کی جگہ کا
اندازہ آپ نے لگایا نہیں۔ ڈرا آگے چلیں، زیادہ دور نہیں ہے۔"

پچھل فیمیکہ اور کے منوں جہرے پر مصنوعی روایت
کا سایہ ہم نہیں سا۔ دونوں نے گل مجھے فیمیکہ اور کی باتوں سے
ان کر باہر نکلے پر اسرار کیا۔ باہر نکلے دونوں نے لمبے لمبے

سے بڑا بچہ نکلی۔ اسے اپنی جلدی تک پہنچنے پر حیرت ہوئی۔ بچے کو
 کہ اس نے ہاتھ دیا، اور اپنی گھٹ گھٹ کر بھڑی سے اندر چلا گیا
 ہم اللہ کی سرنگ سے نکل کر دوسری سرنگ میں جب داخل
 ہوا ہے، اسے ہمیشہ غفلت اٹھا ہے۔ سب کانوں کی سرنگیں
 ایک جیسی ہیں، اس نے زندگی میں کانیں کٹ کٹ کر اپنے
 اندر اتار کر دو غبار بن کر لیا ہے کہ چڑیں اب صاف دکھائی
 نہیں دیتیں۔ گھر کی قید میں اسے وحشت ہونے لگی۔ وہی سایوں
 کی طرح دوڑنے لگوں، ہے بنگم آواز میں۔ چوبیس کی طرح ایک
 دوسرے کتر نہیں منہ میں اڑاتے مردوزن، وہ ان آوازوں اور
 گھر کی سرنگ میں دیوار میں چلتے چلتے خود بھی چوبان گیا ہے
 فن سور اٹھوں میں وہ جب بھی ہنستا ہے زندگی جڑے کھلے،
 وہ ہاتھ دور کھڑی اسے کھانے لگی ہے۔ قوی کی جھن سے نکلے ہی
 اس کی زندگی ابھی کی طرح اسے بڑھ رہی تھی ہے وہ مستحق
 پڑھتا، ایک سور لٹ بند کرتا ہے تو دوسرا کھل جاتا ہے۔ ہم
 اللہ نے ان سور اٹھوں سے پھر بھٹکا، اور لڑ گیا۔
 "یہ کون دینا ہے؟ کسی دینا ہے؟"

اپنے آپ سے بڑا بیٹ میں اس کے بڑے بیٹے دین
 نے ایک بار پوچھا آپ کس دنیا کی بات کرتے ہیں پاپا؟
 کیشور طاقت، تنگ کدھوں پر بال بھلائے چوہے کی
 طرح ہاتھی مونٹھوں کی بو نٹوں میں دبائے، وہ جواب کے لیے
 رک گیا۔ "تم نے چوہے بڑھتے ہوئے کبھی قوی کے قدم
 دیکھے ہیں؟"

وہ کھٹکھٹا کر ہنس پڑا، قوی بیٹے بڑے چوہے کس علم
 میں دیکھے ہیں آپ نے؟

"ایڈیٹ الو کھٹا۔" میری حد کہ میں کہاں گھر گیا ہوں
 اس نے باپ کے مجھ سے سوٹ میں پہلی بار جھج چوہے کی
 طرح کے قوی کو دیکھ کر جھج نہادی۔

"پاپا یہ کیا ہے؟"
 "کیوں دین تم بھی ڈر گئے نا۔ آخر ڈر گئے نا۔"

دین نے بھڑی سے دروازہ کھول کر کسی سور لٹ میں
 پٹا لی۔ ہم اللہ کو اب کچہ یاد نہیں۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ اور
 جون کو اس کے پاس ایک نئی کان کے بارے بات چیت کے
 لیے آتا تھا۔ موسم میں کھلی بہت جڑھ گئی تھی۔ ہم اللہ کو جون
 کا وہ وقت بھی یاد آیا۔ جب شروع میں وہ پھر سے آیا تھا، اور
 بات بات پر ہم اللہ کو کترنے کے لیے دوڑتا تھا۔ اس کی دلاسی

دیکھ کے جھن کو ہمیشہ ہم ہوتا کہ وہ ایک چھوٹا بھڑی ہے۔
 مگر ہم اللہ نے دھڑے دھڑے چھری کی وصول وصول کی۔
 انہیں جب پہلی بار کان میں خندہ ہوا تھا، جون بولا سا پھر کا تھا
 جون کے آنے پر دونوں نے دونوں کی کٹی اندر آنے کے لئے گلاس
 میں اپنے آپ کو یوں غرق کیا کہ واضحی چوہے میں بدل گیا۔ جون
 نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو دسکی سے گلاس سے برآمد کیا۔
 ہم اللہ کتنی ہی دیر گلاس کے صافے میں رہا۔ وہ اس سے ہے
 نیاز دیا کہ سونے کی کان کے سور لٹ سے آنکھیں کھٹکھا کے
 دیکھتا رہا۔ جون جب بائیں کرتے کرتے وہاں سے نکلا ہے۔ تو
 ہم اللہ کو کچھ سکون ملا۔

دین کے بارے میں وہ عجیب خبریں سن رہا وہ کھٹے تو
 گھبرا رہا، انہیں مگر کب کے؟ خبریں چوہوں کی طرح کان میں
 سور لٹ کرتی تھیں۔ اور جب سور لٹ گھبرا ہوا تو بے شعنی
 خوفناک پہلی کی طرح اس کا چٹکا کرنے لگی۔ دیر تک پہلی سے
 لاتے اور کٹنے اس کی گڑبڑ رہی۔ اس کا اندازہ اس نے یوں کیا
 کہ ہم اللہ کے جسم پر قدم پکڑے اچیلے ہونے لگے۔ بائیں سے
 اترنے کے لاکھ جن کٹے۔ مگر بائیں پر چھو آؤی کب اتر سکا ہے
 "اگر وہ کبھی اترنے میں کامیاب بھی ہوا تو چوہوں نے بچے آتے
 ہی کتر کتر سے چھانا شروع کر دیا ہے۔"

"یہ کون چوہے ہیں؟ یہ کیوں بڑھ رہے ہیں دلام؟"
 اس کے اندر سے قوی آؤی کی آواز سن کر وہ جھک گیا ہوا
 دم دبا کر بیٹھ جاتا۔ قوی کی آواز بھی کیا بڑی ملا ہے۔ چوہوں کو
 ڈر اڑتی ہے۔ شدہ شدہ یہ آواز چوہے کے پیٹ سے وصول کی
 طرح کھنکھتی ہوئی پھرتے لگی۔ معلوم ہوا بائیں تو بائیں، اس مکان
 کی کوئی دیوار آٹن گری ہے۔ وہ پہلے طے کر ادا ہوا ہے۔ کوئی ہوتا تو
 اس کی حد کو بھی آتا۔ بہت کر کے اس نے مٹی کے جہاز کو بھٹا
 شروع کیا۔ بالکل بچ کی طرح مٹی کی جڑ سے اٹھا شروع ہوا۔ لہنا
 سرد حوض میں کٹے کھوپڑی دیکھ کر وہ گہری سوچ میں ڈوب جاتا۔ یہ
 سر اس سے اس طرح دور ہے میں گل سڑکیوں نہیں گیا۔ پھر وہ
 ہانگوں کی طرح ہنس دیتا۔ مٹی میں مٹی کبھی گئی مٹی ہے؟ اس
 پر جھپٹے کی طرح دیوار ٹوٹ کر نہیں گری؟ اس لئے وہ کیوں
 گھبرائے؟ سرد حوض اور ہانگوں کو چیت کر کے وہ اللہ بھٹا۔ مٹی بھٹا
 کے اس نے دیا کو دیکھا، اور پھر بھٹوس نے اپنی ہلاکت میں لی۔
 اس سے تو اچھا تھا وہ دیوار کٹے ڈر رہا۔ اسے دکھ اس بات کا بھی
 نہیں بلکہ ایک ٹمپہ بھی رہا کہ وہ جب بھی دیوار کٹے آیا ہے اس

کا کوئی نہ کوئی حضور کہیں نہ کہیں کھو ضرور گیا ہے۔ ایک بار تو
بھاری مٹی کے اندر بھول گیا۔ پھر نکلا تو سہاگنہ کھولے ہوئے
کی طرح اسے دکھائی۔ کوئی بول ہی نہیں تھا۔ جو سنبھلنے سے وہ
بات کا اندازہ کر لیا۔ بہرے چن کے خربے جیت تھے۔ لیکن
برابر جون کا جس نے چہرے کے منہ سے اس کی گم کردہ سماعت
پکڑا دی۔

”لو صبر یہ نے کو سماعت۔ سلا کو پکڑ کے کان میں،
ڈال لو۔“

دنیا ایک دم تو اڑوں سے بھر گئی۔ یہ دوسری سماعت
زیادہ صاف اور سرلی تھی۔ بھلے سے سوئی گرے، اور سنائی نہ
دے۔ جہاں تک بات رہتی تو خیر تھی۔ وہ دیواروں کے پار کی
آوازیں سن سن کے ہاؤلا ہو گیا۔ چوبیس کی طرح رات بھر لپٹے
آپ کو کھانچا کھاتا رہا۔ یہ شرمناک آوازیں سننے وہ سڑک پر نکل
آتا۔ چہا سڑک پر کتنی دیر رہ سکتا ہے؟ ناچار دولہنے سننے پر دو
حرف بھیجتا، آنکھیں موندے لیٹا رہتا۔ سنا ہم اللہ کے لیے دُغم
بن کر رہ گیا۔

وہ آوازیں ایک ایک کر کے کترتا۔ اور آخر میں
کترنوں کا ڈھیر بن جاتا۔ وہ ہر روز انہیں بھاتا اور تھکا تھکا دوسرا
ڈھیر تیار ہو جاتا۔ دنیا تنگی ہوئی ہو کر آوازوں کے ہتھیروں میں
سلس لیتی کتنی دیر چھٹی گئی۔ ہم اللہ پر غنودگی چھا جاتی۔ غنودگی
میں اسے یاد آیا کہ وہ بچہ کسی دیوار تلے چھوڑ آیا ہے۔ اس نے
ذہن پر ہست زور دیا۔ مگر اس پر اتنی دیواریں گریں کہ وہ بلا
کرتے ہی ڈھے جاتا ہے۔ اسی گری ہوئی حالت میں اس نے ایک
دن جون کے گھر کی دہلی۔ لگتی ناگہ میں سورج کے اور گرد
کترنوں کی طرح بادل اڑ رہے تھے۔ بادل کا ایک ہستہ سورج
پر ہے۔ بھاگ کر جون کے گھر کے برابر گرے کے کس پر تک
رہنا تھا۔ ممکن ہے کہ کوئی دیو بیکل جہانگر کے اسے دہیں چھوڑ گیا
تھا۔ وہ جون کے دروازے کے باہر دکا ہے۔ سولے کے ڈالے
کی طرح جتنی سورج کی کترن کارنگ ملتا پڑتا جا رہا تھا۔ سو باہر
طرف کھلے میں بدل رہا ہے۔ وہ برتدے میں اتر کر سی پر
بیٹھے، آنکھیں نیچے جون کی برابر دلی کرسی پر بھول گیا۔
برتدے میں کان سے نازہ نکلے کھلے کی بولور جس بڑھ گیا۔
ناگہ کی سردی میں جس کے احسن سے وہ کاپ اٹھا۔ ناگہ میں
جس کا کیا کام؟ کیا کچھ میں بدل رہی ہیں؟ کچھ جون، موسم
بھی بدل رہا ہے۔ ”جون شہنا ہو اورو۔“ میں سب ہامیں بھول

بھولیں۔ میری بھوری کاسینہ پوری ہے۔ ”جس مالوم ہے کیا؟“
”بھاری یادداشت کہاں بکھو گئی؟“ جون نے مردوں کی طرح
منہ کھول کر بمشکل آواز نکالی۔ ”کچھ مالوم نہیں کچھ مالوم نہیں؟“
”بھائی نے جون پر فسوس کیا وہ دیوانہ وار ساری عمر
سولے کی کاش میں کہاں کہاں دو دو لٹکے۔ اور سب سوناٹا ہے تو
دونوں جیت پڑے تھے۔ گرے کے کس پر سولے کا ہکا سا ٹکڑا
ابھی چمک رہا تھا۔ اندھیرا ابھی تھا تو اس نے جون کو توڑ
دی۔ ”جون اپنی جون میں تو۔ کان میں اندھیرا بھیل گیا ہے۔
بھاگو پھر لگھو کم بھنس گئے ہیں۔“

جون اسے بڑ بڑھاتا رہا۔ ہم اللہ نے اٹھنے کی کوشش کی
مگر ایک بھاری آواز کے بلند ہونے ہی اس پر کان کی ایک دیوار
گر پڑی۔ جون کو تو آواز دینے کی اس نے ہستہ کوشش کی۔ مگر
چاروں طرف سے اندھیرا گہرا ہو کر پل پڑا تھا۔ اس نے کان
کی گری دیوار تلے سے نکلنے کے لیے ہاتھ ہاؤں مارے۔ اور اسے
یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دیوار کہیں بھی نہیں گری تھی۔ لیکن
جون کہاں گیا؟ اس نے کان کے گہرے اندھیرے میں اٹھ کے
آواز دی۔ ”جون اسے جون؟“

تو لڑنے آنے پر پکڑے، اس نے دوبارہ لپٹے آپ کو یاد
کرنے کی کوشش کی۔ مگر اسے زور بھریاد نہ ہا کہ وہ کس سمت
سے اس گھر میں داخل ہوا تھا۔ ”یہ سمت کیا ہے؟“
”ہم اللہ ایک اور ٹھیس میں بھنس گیا۔“

جگن ناگہ آزاد کا نیا مجموعہ کلام

یونے رسیدہ

نواستہ صفحات قیمت: ایک سو روپے

مطبع کا پتہ: اردو گھر، راولپنڈی، پتہ ۱۱۰۰۰۰

پریم کمار کی منتخب غزلیں کا مکتوبی ترجمہ

مترجم: محبوب علی ہار

مطبع و مکتبہ: مکتبہ کی طرف سے مطبعہ شہنا ہار

روحی نعیم

۲

سکھ ہو گئے ہمارے ہم
 کانٹے کی گھٹیاں بن رہی ہیں
 میرے اور خدا سے جسے کی دھرتی
 سارا اکاش لاکھ بجلی ہے
 یہاں اسی کوئی مدد دے رہی نہیں
 جو عذاب کے سحر میں
 کود جاتی ہو
 یہاں تو کیڑے کوڑے بھی
 ترابند سلطنت میں رہے ہیں
 اس نے کہا
 اور اسے سونے کا قحط
 پھر غم آکر
 لہنے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر
 اس نے اپنی پرچائیں سے کہا
 کہ جہاں پر چائیں کو پرچائیں کہنے کی سزا
 صلیب ہے
 اور مجھے صلیب سے ڈر لگا

میری نظر سے ایسا کوئی منظر نہیں گذرا
 کہ میں جس کی دم میں پٹاٹا ہوا کر
 اپنی ڈھری کے ورق پر ٹپک سکوں
 بس اچانک ایک سوال
 میری دم دلائے میری جانب کیسے لگا تھا
 تم اللہ دین کو جلتے ہو؟
 میں نے فوراً جواب اچھا دیا تھا
 نہیں
 میرے گھر میں بھلی کے قہقہے جلتے ہیں
 آج جب آسمان میں کالا جلوس گذر رہا تھا
 اور زمین پر پھانسی لٹک رہی تھی
 تو میری مسمیٰ ڈھیلی تھی
 میں مین کے شیلے کے نیچے یوں کھڑا کر اٹھلا رہا تھا
 جیسے دو چار چھینٹوں سے ہی میں ہٹانے کی طرح
 پھسل کر رہ جاتا ہوں گا

۳

تب سے کچھ ایسا لگتا ہے
 جیسے بے وقوف بوڑھے آسمان کو سر پر اٹھالینے والی
 کسی ہلاک بلڈنگ کی عمارت کوئی سے پھسل کر
 کہہ رہے ہوں کہ یہ کوئی بے رحم سڑک پر گر گیا ہوں
 بکھر گیا ہوں
 اب تو میں صفر ہی نہیں
 کہ کسی اکائی سے لپٹا ہوا ہوں

لاروق شفق

ہم دم ہم پہ مکھرنے سے وہ بچتا ہے
ہے کوئی جو مری جہانیاں بچاتا ہے

غبار شب مری آنکھوں پہ جب اترتا ہے
وہ آکے سوتے میں ہلکوں کا غم اٹھاتا ہے

مرے بھٹکتے دم میرگی سے لڑتے کیا
ترا خیال مجھے روشنی دکھاتا ہے

مجھے گناہ کی تریب دے کے پیر خود ہی
وہ سو طرح سے مرا غیظ آدھاتا ہے

کو کتنی دھوپ کے موسم میں بھی پردہ کوئی
ہماری چھت پہ کبھی آکے بیٹھ جاتا ہے

ہو بہانہ مناظر سے جب سے گذرا ہوں
بس ایک ذکر مری گھٹگو میں آتا ہے

عجب قص ہے جیلے تو جمع کرتا ہے
پیر لپٹے نوٹ مکھرنے کا لطف اٹھاتا ہے

ہوا سے چھو مناسب نہیں شفق صاحب
مکان آپ کا بھی رستے میں آتا ہے

جب جب بھی یہ ذکر آیا پہلے ام ۱۱۱
اگلیں تری بھیگی تھیں دامن مرا غم ۱۱۱

دیواریں کھنوں سے ملنے میں رکاوٹ تھیں
مگر گھنیں دیواریں دیواروں کا غم ۱۱۱

م لوگوں نے جیلے تو کچھ اور ہی سوچا تھا
ن گھر کی جباہی میں ان کا ہی کرم ۱۱۱

مئی سے ہمیں اپنی کچھ ایسا تعلق تھا
سب کچھ ہوا چھٹ سے باہر نہ دم ۱۱۱

نہ کو مری گھیں نے ہاندھے رکھا کچھ ایسے
میں اپنی فائنل کو بازار میں کم ۱۱۱

ایسا بھی نہیں جتنا آنکھیں مری روتی ہیں
پہ اس کے بھی چہرے پر موسم کا سم ۱۱۱

لادوق شفق

شب سو سے سو گھبرا کے ہم سطرے ہٹ جاتے
 دانے بھر سے کیا خود آپ لہنے سے بھی کد جاتے
 حیاوں کو بھینکنے کی اجازت دی نہیں ہم نے
 نہیں تو آج ہم بھی مختلف خانوں میں مد جاتے
 خیال آیا کہ خود کو ڈال دیں بے نام رستوں پر
 سفر تو کچھ تو بدل جانا یہ لیے دن تو کد جاتے
 اور حیرا بڑھتے ہی تاریک کرے سے نکل آئے
 ہماری ناک میں بیٹھے تھے جو سائے پٹ جاتے
 اسی اک آمرے میں غلام لہنے سر پہ پھینکی
 وہ آہنا تو سارے لاسطے پل میں صحت جاتے

اگر ہم پر وہ قہوی سی نوازش کر نہیں سکتے
 تو اپنے دھموں کی ہم کیا فائنل کر نہیں سکتے
 ہوا میں جب بھی چلائیں جتنے مگر مسدود الیں
 غلط ان کے مگر ہم کوئی کاوش کر نہیں سکتے
 یہ بات اپنی جگہ ہے خواہشوں کی فصل جل جاتے
 مگر ایسا نہیں ہم کوئی خواہش کر نہیں سکتے
 کو کئی دھوپ کا موسم ہی بھیجیں کچھ تو بھیجیں وہ
 اگر عیسیٰ زمین پر قہوی بارش کر نہیں سکتے
 یہ جگہ ہے نعتوں کی آگ ہر جانب بھڑکتی ہے
 مگر ہم غاروں میں اس کی کاش کر نہیں سکتے

لاروق شلق

اس طرح سب سے اس کی محبت میں ہم طے
کل رات جیسے غیروں سے دعوت میں ہم طے

خصوص معلول میں بھی دلیما ہی دہر تھا
دل چاہتا نہ تھا پہ مروت میں ہم طے

دیا تو راستے میں کئی بھینس میں ملی
جب جب بھی سامنا ہوا جھلک میں ہم طے

یہ بھید چور دے گی ہمیں کم امید ہے
مل لینا پھر بھی آکے جو فرصت میں ہم طے

جب تک تمام دھم طلب ہر نہیں گئے
ہم ضبط و احتیاط سے باہر نہیں گئے

کچھ جہرے بجھتی شام میں ہارائے تھے، مگر
گم ہوئے وہ گئے وہ کہیں، مگر نہیں گئے

اوپر سے کیسی گنتی ہے مگر ہر میں بھیلی دھوپ
یہ دیکھنے کو ہم کبھی جھٹ پر نہیں گئے

دو چار لپٹے وہ بھی اتر آیا خیر سے
کچھ ہم بھی نرم پڑ گئے سد پر نہیں گئے

دن کا سفر تمام ہوا شام آگئی
آنکھوں سے پچھلی رات کے مہر نہیں گئے

کیا کیا نہ بدگمانیاں لوگوں کو تھیں مگر
ہم زندگی سے لڑتے رہے مرنے نہیں گئے

اعظمیٰ

لفظ شناس

مجھ سے ۱۲ سال ہے جمونی سیری ہوئی
 ہیرس کی عمر میں بھی ہے مجھ سے زیادہ لفظ شناس
 بھوک گئے تو پتہ نہیں کہتی بھوک لگی ہے
 "وہ کہتی ہے"

فردوس

اسی فردوس کی بنیاد پہ جبراً
 چائے پینے کا تکلف جمیل کر
 میں ادھر ہی منزل سے اتر رہوں
 جہاں کھٹے کبھی دانش وران شہر کی بھٹوں میں
 بے حد لطف آتا تھا
 مقامی دوست ہوتے
 دور افتادہ علاقوں سے بھی اہل ذوق آتے تھے
 ادب پر خوب ہم کربات کرتے تھے
 سیاست بھی ہوا کرتی تھی موضوع سخن
 فٹ بال بھی، ٹھیس بھی زیرِ غور آتی تھی
 وہاں ماحول پر دانش ورانہ رعب رہتا تھا
 مگر اب لوگ بچروں کی ملاحت دیکھتے
 شاموں کو اپنی گھر سے باہر بھی، ذرا مصروف رکھنے
 دل کے بہلانے کا کچھ سامان کرنے
 خوش ادا، خوش پوش بازاری رفیقوں کے لئے
 کچھ دیر اگر بیٹھ جاتے ہیں
 بہت اڑ جاتے ہیں
 شاسا کوئی بھرہ بھی نہیں ہوتا
 یہاں لبِ دل نہیں گنتا

پاپا! ہم کو بھوک نہیں ہے
 کچھ بھی نہیں کھائیں گے ہم دودھ نہیں، روٹی بھی
 نہیں، سدیسیں نہیں اور پھل بھی نہیں
 ہم کو ہانکل بھوک نہیں ہے
 اکثر صبح سویرے اس کے یہ بچے
 کانوں میں مرے جب پڑتے ہیں
 سیری آنکھیں کھلتی ہیں
 جب وہ مرے پینے سے لپٹ کر کہتی ہے
 پاپا! پیٹ میں درد بہت ہے

پہاں سنگہ سنگ

باغ میں

باغ میں
خالی گھاس پر
چلتے ہوئے
مجھے یاد ہے
کہ کدو لڑ
ایک دلدل ہے
جس میں
میرا حوتو دھنس چکا ہے
ایک سوچا ہے
اب جس کی باری ہے

صبح کی دہلیز پر

رات ہر میں جہاں تھا
یعنی وہاں نہیں تھا
دل وہاں تھا
یعنی نہاں نہیں تھا
جس کی دہلیز پر کوا
خود سے پوچھا ہوں
علامہ ارین کہاں گواہ ہے
اب تو جاگو
بھور بھنی ہے

پریمال سکھ و سب

عین منجد ہار میں

میں منجد ہار میں آئے

بے دل ہو گیا ہوں

سجنا ہوں

پار اثر بھی جاؤں تو کیا

اور نہ بھی احوں تو کیا

کتنے پار تر گئے

کتنے میرے ساتھ ہیں

کتنے بگئے تر ہے ہیں

لیکن اس سب سے کیا فرق پڑتا ہے

بہاؤ تو بہاؤ ہی رہیں گے

کارے تو کارے ہی رہیں گے

سب یوں ہی رہے گا

جا ہے کوئی ڈوب جانے

جا ہے کوئی اوجھڑانے

ہم کو معلوم ہے

ہمیں بے پرچی ہوئی ہا میں

گھا پیرا کے ہمیں بنا دیتے ہو

اور کچھ ہو

کہ ہم جہارے نجوم سے

مٹا دیئے گئے ہیں

در اصل ہم

جہارے علم کی حقیقت سے واقف ہیں

لیکن جو جرم تم نے کیا ہے

اے کا تم رکھنے کے لیے کا تم رکھتے ہیں

اگلے نہیں کہ ہمیں تم سے کوئی ضروری ہے

بلکہ اس لئے

کہ اس سے

ہمدی اپنی مہنی حس کی

کٹنی ہوتی ہے

پر خيال سنگھ بناب

گر تو برا نہ مانے

ہم نے کی مدد سے دیکھتے ہو

اور کہتے ہو کہ ہائے

دنیا کتنی خوبصورت کتنی پیاری ہے

کبھی اسے اتار کر

اپنی آنکھوں سے دیکھو

تو تمہیں معلوم ہو کہ جنت کی حقیقت کیا ہے

لیکن تم ایسا نہیں کرو گے

تم سوچتے ہو کہ اس کے بغیر

تم ٹھیک طرح دیکھ نہیں پاؤ گے

لہذا اگر وہ لکڑاؤ گے ٹھوکر میں کھاؤ گے

ٹوٹ پھوٹ جاؤ گے

برائے مانو تو ایک بات کہوں؟

دنیا کی حقیقت تو وہی ہے

جو چہاری اپنی آنکھوں سے نظر آتی ہے

یہ جو خوبصورت پیارا پیارا دکھائی دیتا ہے

یہ تو چشمے کا کمال ہے۔

مر گئے ترشنا

کوئی اتو تھا یا ہو تو

برہما، وشو، ہیش، برہمستی

سنیچر، منگل، روی، اندر

سات پاتال سات آکاش

دریا بہاں چاند ستارے

کئے (اپنے چاروں پتروں سمیت)

رنگ برنگے کپڑے پہنے

بھانت بھانت کے آہوشوں سے بچے ہوئے

ادھر ادھر دوڑ بھاگ رہے تھے

یا پھر کود بھانڈ رہے تھے

میں جو دکھائی نہیں دے رہا تھا

کسی کو نے میں

یا شاید کو نے کو نے میں موجود تھا

اب سوچتا ہوں کہ میں ہوں

اور وہ سب کچھ نہیں ہے

لیکن پھر سوچتا ہوں

کہ شاید وہ سب کچھ ہے

اور میں نہیں ہوں

پر تہال سنگھ پیٹاب

برہم مہورت میں

کوکیاں دروازے کھلے رکھ کر

دلہیز پردے ہلا ہلا کر

میں رات رات

اسکا انتظار کرتا رہا ہوں

یہ تو میں نے

خواب میں بھی سوچا تھا

کہ وہ اس طرح

برہم مہورت میں

دروازے پر دستک دے کر

آگے بڑھ جائے گی

کرم بھومی میں

کرم بھومی میں

گیان مارگ کی پٹکیں

کام نہیں آئیں گی

وہاں تو

راستہ خود کھوجنے پڑتے ہیں

گیان تو

راستوں کے کھوجنے

لے لے اور لے لے

کے درمیان

خود بخود پیدا ہو جاتا ہے

انتظار نسیم

مجھ کو ان سب رنگوں کی پہچان کہاں ہے
میں نے کالے کو گورے سے
کبھی الگ نہیں سمجھا
ہجرت کو وہ دنیا میں
میں انسان ہوں ایسا
جسکو عزیز ہنود و ہندو
میرا ہمارا رنگ بھی
ان لوگوں کے تعصب حسد اور کم نظری
کے زیر کو پی کر ٹیلا ہوتا جاتا ہے
جب بھی میں
چالیسویں منزل سے لوگوں کو
نیچے چلتا دیکھتا ہوں تو
وہ بونے سے لگتے ہیں
سوچتا ہوں
میں بھی تو ان لوگوں کو
اک یونانی لگتا ہوں گا
دستر خواں پر لگے ہوئے کھانے مجھ کو
قطر زدہ لوگوں کی قطاریں لگتی ہیں
بادل سے پھلتے تو
مجھ کو اسی حادثوں کی یادیں آتی ہیں
کیسے میں اپنی بیانی
گھسی سے اہدے ہونے والے لوگوں
میں تقسیم کروں
امن کہاں ہے
دسلی ہریک کے لوگوں
امن کہاں ہے
کتنی پرانی چنڈ ہیں
عبد نو کے نظریوں سے سرتی مٹی جاتی ہیں

مشرق و سلی اکیا تاریخ ہمیشہ خون سے
لکھی جاتی ہے
کتنے عربی اور عجمی اقوام متحدہ کے اجلاس میں
بیٹھے
اپنی اپنی قوم کے فیصلے کرتے ہیں
لیکن کسی نے اس بدو سے پوچھا ہے
جسکی ساری دنیا اسکے اونٹ پر لڑی ہوئی ہے
اسکو کیا معلوم وطن اسٹریٹ کا ٹھاڈ کیا ہے
دنیا کتنی تیزی سے
مرے ہوئے اور مرتے ہوئے لوگوں کو
دفن جاتی ہے
قبروں سے نکلے ہوئے
لوگ گواہی دیتے ہیں
کاش یہ میری طبیعتی عمر میں ہی ممکن ہو
جتنے اہدے میں ان کو
بیانی مل جائے
جتنے دیدہ ور میں
وہ سب کھر بلائینڈ ہو جائیں

اختر الایمان سے بت چیت

اطہر فاروقی

حضرت اللہ اور محمد ابراہیم جنوری کے بعد اردو شاعری میں جو نیا رجحان پیدا ہوا تھا، رشید، میراجی اور خود میں اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں اور ہندوستانی شعراء کی نئی نسل، ہم سب سے انکسار کر رہی ہے۔

س: اردو شاعری کے سابق و سابق میں آپ کی بڑھاپا پہلی نظر میں بہت زالی معلوم دیتی ہے۔ شاید بھی وجہ ہے کہ ہندوستان میں اردو شاعروں کی نئی نسل آپ کا احترام تو کرتی ہے مگر آپ کے دلائل کی کوئی عملی کوشش ہمیں بھرپور اردو شاعروں نے درمیان نظر نہیں آتی، جب کہ میراجی، رشید اور فیض تک سے ہمارے شاعروں نے کسب فیض کیا ہے۔ اگر یہ صورت حال برقرار رہی تو کیا آپ کی شاعری کا حلقہ کار عین روز بروز محدود نہیں ہوتا جائے گا؟

ج: مستقبل میں کیا ہو گا، یہ سوچنا میرا کام نہیں۔ میں جو صحیح سمجھتا ہوں وہی کرتا ہوں۔ میرے شعری نظریے میں کوئی ارتقا پن نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اردو شاعری کا شعری اور تخلیقی کار دونوں سہل پسند ہیں۔ انھیں زندگی کی پیچیدگیوں کا اعلان ہے ہی نہیں، جب کہ میرا نظریہ یہ ہے کہ زندگی کی پیچیدگیوں سے ان کی تمام حواسوں کے ساتھ لطف اوروڑ نہ ہونا، انھیں میز نہ کر پانا اور مولو کو چرانے ڈھنگ سے پیش کرنا کام موزوں تو ہو سکتا ہے، اسے شاعری کسی طرح نہیں کہا جاسکتا۔

میں شاعری کو ذہن کی طرح مقدس اور مکمل انہماک سے کرنے کی شے سمجھتا ہوں۔ ہمارے نسل کے لوگوں سے خطے شاعری خارجی اور داخلی غنائ میں تقسیم تھی۔ داخلی شاعری

محدود وستان اور پاکستان کی موجودہ شاعری کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

ج: اچھی شاعری کے لیے پہلی لازمی شرط یہ ہے کہ وہ روایتوں کی حدود سے اعزاف تو کرتی ہو مگر شاعر روایتوں سے کماحقہ واقفیت بھی رکھتا ہو۔ اچھی شاعری کی دوسری شرط شاعری کا نیا پن ہے۔ کوئی شاعر اس وقت تک نئی شاعری نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے ذہن میں نئی شاعری کا مفہوم واضح نہ ہو اور اس نے دنیا کے عظیم شعری سراپے کا مطالعہ نہ کیا ہو۔ اردو میں ایک سے بڑی ہوئی شاعری کرنے کے لیے شاعر کا سخت جان ہونا بھی ہے حد ضروری ہے کہوں کہ اردو غزل کی سینکڑوں سالہ، مستحکم اور مفروضات کے حصاروں میں مقید روایت کے مقابلے میں نئی شاعری کو آسانی سے استقلال حاصل نہیں ہو سکتا۔ شاعری یوں بھی تو تنہا رہ کر کام ہے ہر ایک کے لیے میں نہیں اور جو ستائش و بے نیازی ہو کر رہی کیا جاسکتا ہے۔ مگر شاعری اور کلام موزوں دو مختلف چیزیں ہیں۔

آج ہندوستان پاکستان ہی نہیں، بلکہ دنیا کے ہر اس خطے میں جہاں اردو داں عوام آباد ہیں وہاں غزل کے اثرات اور باز گوئی کی اجارہ داری ہے۔ ان دو ممالک میں تو خصوصاً نئی شاعری کا غلبہ ہے۔ پاکستان کی نئی نسل پر فیض کی گہری چھاپ ہے اور فیض غزل کے اسرار محض ہیں۔ غزل کی روایت کو فیض کی شاعری سے مٹانے کے بعد فیض محدود ہو جاتے ہیں۔ فیض کی تقلید نے پاکستان کی نئی شاعری کے بڑے حصے کی بازو مار دی ہے۔ اس کے برخلاف ہندوستان کے بعض شاعر Innovation کی تلاش میں سرگرداں ہیں

میں تو خیل اُٹاتی ہے اور خارجی شاعری میں بھر دھو کا جان آجاتا، لیکن جہاں تک میری شاعری کا تعلق ہے وہ خارجی اور داخلی دونوں دائروں سے باہر ہے۔

I do want and try to discover the man inside and out side with all the complexities اور مجھ میں سے میرا شعری روپ تمام باتیں رد اور ہم صحر شعراء سے مختلف ہو جاتا ہے۔ میرے ہم صحر شعراء میں رابطہ اور میری شاعری کے قدم ڈھرے سے بالکل ہٹے ہوئے لوگ ہیں۔ ہمارے ارد گرد لوگ انہیں گے انہیں ہم سے بھی آگے جانا ہوگا۔ جب لوگ سامنے آئیں گے تو ہمیں گے ہی، کیوں کہ آخری آدمی تو کوئی نہیں ہوتا۔

س: ہندوستان اور پاکستان کی شاعری کے درمیان آپ کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

ج: میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں بہتر کھنے والے لوگ ہیں اور جہاں اچھی شاعری کی پڑ پڑائی کا بہتر اس کوپ موجود ہے۔ پاکستان کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔ وہاں کھنے اور پڑھنے والے سب آسودگی کے اسیر ہیں۔ آج ہندوستانی معاشرہ مکمل طور پر کچھو کچھ میں داخل ہو چکا ہے جب کہ پاکستانی سماجی ڈھانچہ پوری طرح جاگیر دارانہ نظام اور اس کی تھار کے تابع ہے۔ عام ہندوستانی شہری کی زندگی عام پاکستانی شہری سے بہت مختلف اور پیچیدہ ہے اور زندگی کی پیچیدگیوں کا بین ہندوستان کی ہر زبان کی شاعری میں موجود ہے۔

س: پاکستان اور ہندوستان کے درمیان نفرت کی جو سیاسی کشمکش مکمل بھول رہی ہے، اس کا اثر ادب پر بھی پڑا ہے۔ ہمارے کئی بلند پایہ شعراء کے حصے پاکستانی نادرین جانب دارانہ روپ دیکھتے ہیں۔ فیس کو واحد جد ساز شاعر ثابت کرنے کی بھاری توہم منہ کے خیر حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ کیا آپ کے خیال میں اس کے سدباب کی کوئی راہ ہے؟

ج: پاکستانی معاشرہ کے خراج میں عدم قس اور عدم رد واری کا دخل بہت گہرا ہے جب کہ ہندوستان میں معاشرتی صورت حال بہت مختلف ہے۔ وہ بھی پنجاب کے لوگوں کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے آدمی کو خوب بڑا چھوڑا کر پیش کرتے ہیں۔

پنجاب پاکستان کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ خوش حال صوبہ ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں اور پاکستانی سیاست پر پنجاب کی اہمہ داری رہی ہے۔ اور فیس کے حوالے سے وہی اہمہ داری پنجابی پاکستان کے تمام اردو دہیں عوام پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ پنجابیوں کی یہ پرانی عادت ہے۔ سرحد القادر ایسے تعلیم یافتہ شخص کے جہاں تقریباً پوری یعنی سخن فنی سے زیادہ طرف داری کا رجمان نظر آتا ہے۔ تاجیر، فیس، خطیہ جلالہ شری وغیرہ تمام لوگ فن کے کردی شخص تھے۔ ہندوستان کا موجودہ معاشرہ بہ حیثیت جمعی اپنے ماضی سے بالکل مختلف ہے۔ معاشرے میں ہر سطح پر شکست و رخت کا مکمل جاری ہے جو بالکل فطری ہے۔ اسی لیے ہندوستانی ادب میں آپ کو کہیں بھی باسی پن نظر نہیں آئے گا۔

س: آپ کا مجموعہ "دین زمین آپ کے شعری سفر کا دم سنگ میل ہے۔ اس کے پیش لفظ میں آپ نے لکھا ہے کہ قلم ہم پر لے کر کہیں کہ کلاسیکل ادب کی تعریف کیا ہے۔ ایک جد گزاد لے کے ارد آپ پہنچے جد کے کن لوگوں کو رولت (Legend) میں شمار کرتے ہیں؟

ج: یہ بڑا مشکل سوال ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ ہمارے دین میں بھی نہیں آتے، آخر میں ہی کے نام محفوظ رہ جاتے ہیں۔ کئی لوگوں کی مکمل تخلیقات یا ان کا کوئی ایک حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ فیس ہمارے جد کے ایک قابل ذکر شاعر ہیں مگر فن کی پریشانی یہ ہے کہ وہ کسی بھی عنوان سے اور کسی بھی موضوع پر شاعری کریں مگر خیل کے حصاروں سے نکل ہی نہیں پاتے۔ فن کے جہاں سطحیت (superficiality) ہے، اور deep penetration نہیں کے برابر ہے۔

س: آپ کا نظریہ شعر کیا ہے؟ بڑی شاعری کیسے وجود میں آتی ہے یا سکتی ہے؟

ج: شاعری میں شاعری نفسیاتی شخصیت کا قرا ہوتی ہے اور اس شخصیت کی تشکیل و ترتیب میں شاعر کے اپنے ماحول کا گہرا اثر ہوتا ہے جو محرک کے طور پر جاری و ساری رہتا ہے۔ شاعر اپنے ماحول سے جو اثرات قبول کرتا ہے ان کے مرکب میں اس کے شخصیت و قوت مہمت بھی شامل ہوتے ہیں اور

ثبت ہمار بھی۔ مگر اچھی شاعری کا جیسا کوئی پتلا مقرر کرنا ممکن نہیں جس کی تعبیر اردو ناظرین کرتے بہتے ہیں۔ اگر شاعر کا مزاج سست ہے تو شاعری بھی سست ہوگی اور اس میں زندگی کے مسائل کا بیان بھی سست (over simplified) ہی ہوگا۔ اردو غزل کی ذائقہ کے اسیر تمام استاد کے جہاں زندگی کے مسائل کے بیان میں مدد داری نام کی شے منظور ہے اور اردو تنقید کا بلبر بھی جائیداد داری دور کی غزل کا بلبر ہے۔

س: آپ کے بعض ہم عصر جو ادبیاتی شاعری کے لطیف تصور کیے جاتے تھے اور ایک زمانے میں ان کا بڑا مقام تھا، مگر تبستہ آہستہ ان کا تاثر محدود ہو رہا ہے، مطلقاً علی سردار جعفری اور کیلی اعلیٰ وغیرہ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج: نئی شاعری اور شعرے بازی میں بڑا فرق ہے۔ خطابت بھی نئی شاعری میں شمار نہیں ہو سکتی۔ سوئی سوئی لوتی کنیوں اور تنقیدی اصطلاحات کو جھٹک کر لے اور انہیں شاعری میں کہا دینے کا نام شاعری نہیں ہے۔ شاعری نام ہے پورے فہم اور آگ کے ساتھ زندگی کے مسائل کے بیان کا، اور اس کے لیے بڑی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دراصل یہ لوگ بالکل ہی گمبخت تھے بھی نہیں۔ یہ مارکس بھی نہیں تھے، بلکہ صرف سوویت یونین کے مدح خواں تھے۔ اشتراکیت کو مذہب سے متسلّم کرانے میں ایسے نام نہاد بالکل ہیوں اور سوویت یونین کے مدح خواہوں کا بڑا کام رول ہے۔

س: حقیقی پسند تحریک کے عروج کے بعد اس کا رد عمل "حدیدیت" کے نام سے لوہ میں عبور پذیر ہوا۔ اس تحریک کو رد چلن کا نام دیا گیا۔ البتہ اس سے دلہستہ دل گم کے جہاں کافی تو امانتی تھی جو آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئی اور ایسے تمام لوگ جن سے بڑی توقعات وابستہ تھیں، آہستہ آہستہ پس منظر میں چلے گئے۔ حدیدیت کی عمر اور سرمایہ حقیقی پسندوں کے مقابلے کہیں نہیں ٹھہرتا۔ آپ ان دونوں تحریکوں کا موازنہ کس طرح کرتے ہیں؟

ج: حدیدیت اور حقیقی پسند تحریک دو مختلف سیاسی و نظریاتی محاذ کے نتائج تھیں۔ دونوں ہی اپنے افکاروں کے سامنے اپنی افادیت پر ایک قائم نہ رکھ سکیں۔ میرے خیال میں نئے

لوب اور نئی شاعری کا مستقبل اس نسل اور کچھ دہائیوں کے اس گرد سے وابستہ ہے جو کسی تحریک سے وابستہ نہیں۔ یہ نئی نسل جہد پئی جاتی ہے لیکن اس کے سامنے جہد پئی کا واضح تصور موجود نہیں ہے۔ نئی شاعری کی رونا پر غلہ پر جھلا ہر ایک کے بس کا کام نہیں اور اس کا واسطہ نئے موجودہ زمانے میں کس کے جہاں نظر نہیں آتا۔ لیکن نئی نسل جہاں ہلک کے محاطے میں پرانی نسل سے کافی مختلف ہے۔ یہ نسل نئی شاعری کر چکے ہیں نہ کہ مگر اس سے ٹھوکرے حرد ہو سکتی ہے۔ پرانی نسل میں میں تو یہ وصف صحابی نہیں۔

جہاں تک ہمار کسی نظریہ لوب کا سوال ہے، تو اردو لوب پر اس کی گرفت کبھی مضبوط نہیں ہو سکی اور ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ہمیں کہ ہمار کسی نظریہ کوئی کردار دینی نظریہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے سکے بد اشتراک کی دل گم کو نہ تو لوب کی صحیح فہم تھی، نہ ہی اشتراکیت لینے کی۔ پھر آخر شعرے کے سہارے گاڑی گئے دن چلی سکتی تھی، آج جب سوویت یونین چوٹی چوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا ہے، ہندوستان کے مقابلہ پرست ابھی بھی حقیقی پسندی کے نام پر اشتراکیت کا ٹھکانہ فروخت کرنے پر پوری توجہ دیتی ہے کہ نہ نظریہ آتے ہیں۔ ان سے دو قوفوں کو لوب کی فہم تو کبھی بھی نہیں رہی۔ میں سوویت لوب کی عظمت اور اس کی اثر انگیزی کا دل سے معترف ہوں مگر یہ لوب بالکل دوس سے قطعاً لوب ہے۔

جہاں تک مالی سطح پر لوب کے نئے مقررے کا تعلق ہے، تو مجھے امید ہے کہ مستقبل میں مشرق وسطیٰ کی نئی ریاستوں میں دینی احیاء (literary revival) حرد ہو گا جو مالی لوب کو نئی سمت صا کرے گا۔ لیکن میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے لوب کا انگریزی مزاج کے جیسا ہے جس پر نہ ماضی میں سوویت لوب ابھرے اثرات مرتب کہنا اور مستقبل میں اس کے امکانات موجود ہیں۔

س: کیا آپ اپنے مطالعہ بھی کسی ہم عصر شاعر کو اس پائے کا تحقیق کار تصور کرتے ہیں جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اس نے اردو لوب میں کوئی اضافہ کیا ہے؟

ج: میرے خیال میں لوب میں اضافے

کام کرتے رہے۔ اسی زمانے میں آپ نے جو کچھ لکھا، آج دنیا بھر میں اس کی پڑ پڑی ہو رہی ہے۔ لیکن اوسر کچے برسوں میں لپٹا تک یہ جدلی رونما ہوئی کہ آپ کو بہت سے فضیلت ملنا شروع ہو گئے ہیں، جب کہ سابقہ اعلیٰ طبقے کے بعد تقریباً ۱۵ سال تک آپ کو کوئی بھی قابل ذکر انعام نہیں ملا۔ آپ کو انعام دینے والے لوہے وہ ہیں جو مختلف قسم کی سیاسی گروہ بندیوں میں مبتلا ہیں اور جن کے جہاں انعام کی بنیاد merit پر نہیں بلکہ بیرونی اور گروہ بندی پر ہوتی ہے۔ حقائق تو یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں وہ آپ کو بھی انعام دیتے ہیں اور کسی گھٹیا سے فاعر کو بھی۔ آپ فحشی خوبی ایسے تمام فضیلت قبول کر رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے لپٹا تک بلا تخصیص فضیلت قبول کرنا شروع کر دی؟

ج: آپ کا سوال کافی پیچیدہ اور الجھن میں ڈالنے والا ہے۔ آپ کی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ فضیلت کا فیصلہ merit کے مطابق نہیں بلکہ بیرونی اور گروہ بندی کے سہارے ہوتا ہے۔ میرا مزاج ہمیشہ یہ ہے کہ میں تجزوں کو وقت پر چھوڑ دیتا ہوں اور اپنے لیے کسی سے لڑتا نہیں۔ لڑنے کے بجائے خاموشی سے لپٹا کام کرتا رہتا ہوں۔ گیان ہند کے لیے اب سے قطعاً میں بار میرے نام پر غور کیا جاتا ہے۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ یہ انعام مجھے بھی نہیں ملے گا کیوں کہ گیان ہند دینے والوں کا معیار ہے ہندو تو (Hindutva) یعنی تعلقہ میں ہندو جنڈ جی اہم (cultural revival) کہیں کہیں نظر آتا چلے، جب کہ میں احمدیہ پرستی کے نظریے ہی کے بالکل خلاف ہوں۔ میں تو یہ مانتا ہوں کہ وقت آگے کی طرف جارہا ہے اور ہمیں وقت کی رفتار کے مطابق اپنی رفتار کو تیز کرتے رہنا ہے۔ آج جب کہ تمام دنیا ایک خلافت میں جکی ہے، کوئی ذی شعور گھٹنے دلا ہندو احمدیہ پرستی کے فروغ کی جھڑپ کو شش نہیں کرے گا۔ مراشی، گجراتی اور انڈیا وغیرہ زبانوں کے لوگوں کو یہ انعام اسی لیے ملتا ہے کہ ان کی ساری کامیابیوں بھارت سے آئی ہیں، گنتا سے آئی ہیں یا پھر رمان سے آئی ہیں۔ قرآن میں حیدر کو انعام ملنے کا سبب بھی یہی تھا۔ مجھے اگر یہ انعام ملا بھی تو اسی وقت ملے گا جب انعام دینے والی کمیٹی کے اراکین کے سامنے کوئی دوسرا نام نہ ہو گا۔ اگر جیسا بھی ہوا تو

شب بخیر

(Contribution) کا معاملہ کافی پیچیدہ ہے۔ اضافہ ہوتا ہے خیالات کا، رجحانات کا، زبان کے دوست کا، اس میں وسعت اور اس کے استعمال کا میں نے بار بار کہا ہے کہ میں زبان کو وسعت دینے کی بات اس لیے کرتا ہوں کہ جتنے موضوعات و مضامین زندگی میں ہیں ان سب کو ان کی تمام تر پیچیدگیوں اور وسعتوں کے ساتھ نظم کیا جاسکے۔ ہمارے سلاح میں ریل گاڑی بھی ہے، سوٹر بھی ہے، جہاز بھی ہے، اور یہ سب کسی نہ کسی طرح ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں پھر انہیں فاعری میں کیوں استعمال نہیں کیا جاسکتا، میں نے اپنی فاعری میں ایسے تمام لفظوں کو علامت کے طور پر وسیع تر مفہوم کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ زندگی کی پیچیدگی کو کچھ بغیر اس کے حسن سے لطف نہیں لیا جاسکتا اور زندگی کی پیچیدگیوں کا اعتبار غزل کے ذریعے بہت سلی انداز میں کیا جاسکتا ہے۔ میں غالب کو غزل کا لفظ عروج مانتا ہوں اور غالب کے بعد کی غزل کو صرف اور صرف بازگوئی سے تعبیر کرتا ہوں۔

س: اقبال کی شاعری کو آپ کس ڈلوپے سے دیکھتے ہیں؟

ج: غزل اقبال کے مضامین کی متعلیٰ ہوئی نہیں سکتی۔ اقبال نے صرف غزل کی دشت کو استعمال کیا ہے، ان کے مضامین تو نظم کے مضامین ہیں۔ خودی کا سر نہیں، لا الہ الاہ، ان کی غزل ہے۔ غزل ایسی کہاں ہوتی ہے؟ کیا اقبال سے قطعاً یا ان کے بعد کسی نے ایسی غزل کہی ہے؟ ذرا ان کے اشعار تو دیکھیے:

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے یہ مکان کہ مکان ہے

یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ ساری

اسلوب و لطافت سے لے کر موضوعات تک اقبال کی شاعری کا ڈھراں راجی اردو شاعری سے بالکل مختلف ہے۔ انھوں نے کہیں کہیں نظم کو غزل کے سانچے میں ڈھل کر بات کرنے کی کوشش کی حدود ہے، مگر صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے کیوں کہ ان کی شاعری کا مزاج اردو غزل کے مزاج سے بالکل مختلف ہے۔

س: بہت زمانے تک آپ کو نظر انداز کیا گیا اور آپ سائنس کے لیے تیار ہو کر پورے اہمیت سے لپٹا

میں انعام قبول کروں گا کیوں کہ میں نے انعام کے حصول کے لیے نہ تو ظلمانی مصلحت کی اور نہ ہی کھلی کے لوگوں کی خوفزدہ۔ چر بھی اگر مجھے انعام ملتا ہے تو میرے خیال میں مجھے اسے قبول کرنا چاہیے کیوں کہ یہ میرا حق ہے۔ مجھے اکثر انعام اسی طرح ملے گا کہ وہ دے دے گئے ہیں۔ میرا وہ یہ ہے کہ اگر آپ انعام نہیں دیتے ہیں تو اپنے گھر چلیے اور اگر انعام دیتے ہیں تو مجھ پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ اسی لیے میں انعام قبول کرنے کے بعد بھی اکثر اسے لینے نہیں ہاتا۔ دلی اردو انکلی نے مجھے کئی برس قبلے ہمارے شاہ ظفر انعام دیا تھا، مگر میں اسے لینے نہیں گیا، کیوں کہ وہ مجھ سے قبلے ان تمام لوگوں کو یہ انعام دے چکے تھے جو مجھ سے کم کر رہے ہیں۔ جب یہ انعام لینے والا کوئی نہیں رہ گیا تو پھر مجھے یہ انعام دیا گیا۔ اگر کوئی انعام مجھے دیا جاتا ہے تو میں لکھتا ہوں کہ یہ میرا حق تھا اور اگر آپ نے نہیں دیا تو پھر یہ آپ کی بددعائی اور زیادتی ہے۔

س: ظم جیسے طاقتور منہزم سے ایک کامیاب سالہ نگار کی حیثیت سے آپ کی طویل وابستگی رہی ہے۔ اپنے جرنالت کی روشنی میں آپ کا بعد وستان میں اردو کے مستقبل کے بارے میں کیا تجزیہ ہے

ج: میرا اپنا ماحول کم و بیش اردو کا ہے۔ میں ہمارے اشتراک میں رہتا ہوں جہاں کچھ برس قبلے تک یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ اردو کو دور دوری ہے یا ختم ہونے کے قریب ہے۔ گزشتہ چھ، سات، برسوں میں میں نے اپنی علمی مصروفیات کو کافی کم کیا ہے اور اس زمانے میں بعد وستان کے اردو دہی عوام سے میرا کافی واسطہ رہا۔ اپنے گزشتہ چھ، سات برسوں کے جرنالت کی روشنی میں مجھے یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں کہ بعد وستان میں اب اردو صرف مسلمانوں کی زبان بن کر رہ گئی ہے اور عجمی سے روہ ڈال ہے۔ آج نہ تعلیم یافتہ مسلمان اپنے بچوں کو اردو پڑھا رہا ہے اور نہ مسلم لیڈر شپ کو اردو کے مسائل سے کوئی دل چسپی ہے۔ تقسیم بعد وستان کے نتیجے میں بعد وستانی جہنم کی پوری علامت زمین بوس ہو گئی تھی۔ اگر اردو کے خلاف حکومت کی مسلم سلاخوں کا تسلسل برقرار رہا تو بعد وستان کا سیکر لکر دہر بھی ختم ہو جائے گا۔ اگر سیکر لکر دہر ختم ہو گیا تو پھر بعد وستان کی سالمیت بھی کھل جاتی رہے گی؟

ابو نعیم

س: ایک طویل عرصے سے خود اردو دہی حضرات کا ایک طبقہ اس سر پر دور رہتا رہا ہے کہ اگر اردو کا رسم خط تبدیل کر دیا جائے تو اس کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے کیوں کہ نئی نسل اسے لکھ نہیں سکتی۔ میں کا ایک اس سوال پر بھی ہوتا ہے کہ دیوناگری رسم خط کے ذریعے غیر مسلم حضرات بھی اردو کا مطالعہ کر سکیں گے اور اس سے اردو کی ترویج و ترویج کے امکانات روشن ہوں گے۔ آپ کے خیال میں اردو رسم خط کو تبدیل کرنے کی جو ذمہ داری کسی حد تک قابل قبول اور منطقی اعتبار سے درست ہیں؟

ج: اردو کا موجودہ رسم خط تبدیل کرنے کی کوئی معقول وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہر زبان کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ جو زبان کے مخصوص لسانی رویوں اور سماجی حاطر میں صدیوں کے بعد تشکیل پاتا ہے۔ بعد وستان میں اردو کو زبردستی جب مسلمانوں سے وابستہ کر دیا گیا ہے تو پھر اس کے رسم خط کی تبدیلی صرف مسلمانوں کے سیاسی اور سماجی مصلحت کے حاطر میں ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ آج اردو کا سماجی پہلو معدوم ہو چکا ہے اور اگر پھر بھی مسلمان اسے چھتا ہے تو کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اس کا رسم خط تبدیل کر دیا جائے اگر آپ اردو کا رسم خط بدل دیں گے تو اس کا مخصوص مزاج ختم ہو جائے گا، اب ہر سولہ بعد و اکثریت کے خوف کا جس کا ذکر بالعموم دہلی زبان میں یا اظہاروں کلاموں میں کیا جاتا ہے، تو اگر ہر بات کا فیصلہ بعد و اکثریت کی خوبصورت کے مطابق ہونا ہے تو پھر اس میں کوئی کیا کر سکتا ہے۔ بعد و اس ملک میں اکثریت میں اور اگر اکثریت کے دھم میں انکلوں کی جہنم و ثقافت کو ختم کرنے کا فیصلہ کر کے میں تو پھر اس ملک کا اہل بی ملک ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اردو دانوں کو اب تبدیلی رسم خط پر سوچنا ہی نہیں چاہئے۔

تبدیلی رسم خط کا مطالبہ تقسیم بعد کے فوراً بعد فرقہ پرست بعد و دہی کی طرف سے پوری شدہ کے ساتھ کیا جائے گا تھا۔ اس مطالبہ اور اردو کی تباہی کے بیس پشت ہر وہ عوامین کے سیاسی حاتم کو فرماتے تھے جنہیں بعد و سرمایہ دہروں کی مکمل پشت پابھی حاصل تھی۔ اردو کو تباہ کرنے کی سلاش کا مقصد بعد وستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کی جہنم کو نصبت و

حسن عباس رضا

تو ادنیٰ میں جسے گزر جانا چاہیے
لیکن کہی کہار تو گھر جانا چاہیے

مجھے ہے بھوکے بن دنوں کس رنگ میں ہے وہ
پہ دیکھنے رقیب کے گھر جانا چاہیے

جس قسم فیروزہ فخریوں کے گھر میں آئے
اس قسم وقت کو تو ظہر جانا چاہیے

رب وصل وصل کا موسم بھی آگیا
اب تو میرا نصیب سنو جانا چاہیے

شعیر غم کی نذر سہی خود دل ہو میں
اب درد کی پہ بازار جانا چاہیے

جب ڈوبنا ہی ظہر تو پھر ساطوں پہ کہیں
اس کے لیے تو بچ بھور جانا چاہیے

شہرت سمیٹ لی ہے بہت کٹس کی طرح
اب ہم کو بھی جوتی میں مر جانا چاہیے

ہیٹے رہو گے وقت میں کب تک حسن رضا
ہاتھوں میں جاگ اٹھا ہے سفر جانا چاہیے

میں نکاش میں کسی اور کی نیچے ڈھونڈنا کوئی اور ہے
میں سول ہوں کسی اور کا میرا مسئلہ کوئی اور ہے

کہی چاند چہروں کی بھیڑے جو نکل کے آئے تو یہ کلا
وہ جو اصل تھا اسے کھو دیا جسے پایا کوئی اور ہے

کلی عمر ایک اسی چاند میں اسے دیکھتے کسی راہ میں
مگر اب زمانے کے لہجہ جو ہوا آشنا کوئی اور ہے

فصل ایک پل کے فراق میں کئی خواب کہیں ہونگے
جھٹک کے آئے تو یوں لگا جہاں سلسلہ کوئی اور ہے

دی لوگ ہیں دی نام ہیں دی گھر دی درد نام ہیں
مگر اب درپچوں کی لوث سے ہمیں جھانکنا کوئی اور ہے

اسے مل کے آئے تو قسم کو مجھے کہنے نے کہا سنو
وہ مجھ پر دم تھا حسن رضا وہ نہیں ہوا کوئی اور ہے

حسن عباس رضا

ہمیں اپنی جھانڈوں نے رسوا کر دیا ہے
 بہت جتنا تھے اس پر اور جتنا کر دیا ہے
 اب اکثر آنکھوں میں لپٹا چہرہ ڈھونڈتے ہیں
 ہم ایسے تو نہیں تھے تو نے جیسا کر دیا ہے
 دھڑکتے قریبوں کے خواب سے جاگے تو جانا
 ذرا سے وصل نے کتنا اکٹلا کر دیا ہے
 تعلق توڑنے میں پہل مشکل مرحلہ تھا
 چلو ہم نے جہازا بوجھ ہٹا کر دیا ہے
 غم دیا غم جان سے جدا ہونے لگا تھا
 رضا ہم نے مگر دونوں کو یکجا کر دیا ہے

کتنی ہوتی ہے کم لیکن زیادہ مانگ لیتے ہیں
 ہم ایسے خود لے کیوں غم کشادہ مانگ لیتے ہیں
 جب اپنی بے غمائی خواہشیں واپس نہیں لیتیں
 تو داخلی عمر سے اک اور وعدہ مانگ لیتے ہیں
 ہماری گفتگو رمز و کنایہ میں نہیں ہوتی
 ہمیں جو مانگتا ہو سیدھا سادہ مانگ لیتے ہیں
 ہم اپنا دماغ دوچار لفظوں میں بیاں کر کے
 مخاطب شخص سے اس کا ارادہ مانگ لیتے ہیں
 کبھی تو ہم بھرے ساغر الٹ دیتے ہیں وحشت میں
 کبھی وحشت کے بدلے درد بادہ مانگ لیتے ہیں

راہی لہرائی
مدینہ منورہ کے لیے

میرا دل میرے لئے سادہ ورق ہے یا شمع
میرا کھنڈر مگر چہرہ حق ہے یا شمع
صحن کھڑی میں گئے ملتے ہیں صل و حرمت
اکل کل میرے لیے حور رقی ہے یا شمع
کر دیا سہل زمانے نے شرارت کا نصاب
پھر بھی کیوں درس و لاسب سے ادنیٰ ہے یا شمع
لہنے ہونے کا پتہ دیتے ہیں اکثر حضرات
از دین تائب لگ لگ کر حق ہے یا شمع
ارمناں ہے یہ ، شرف بخش قبولیت کا
دست ہندار میں حکمت کا طبق ہے یا شمع
ہر بن مونسے لکھتے ہیں کرشمے صد ہا
خون کے ساتھ عقیدت کا عرق ہے یا شمع
قتل خود شیعہ کے آثار نمایاں ہر سمت
مرد و مد میں وہ کھرا رنگ شفق ہے یا شمع
پھر تو راہی کو کسی سحر کا خدشہ کیوں ہو
قلب میں سورہ والاس و لفق ہے یا شمع

خلیل تنویر

وہیں اسیر تھا کوئی نہ کوئی رہبر تھا
وہ راستہ کہ جہاں سب کا حال اتر تھا
کھن ہوا تو بھی راہیں گزر گئیں ان کی
وہ جن کے پاس نہ کلیہ ہی تھا نہ ہست تھا
وہ اپنی بات تو کہتا تھا نرم لہجے میں
بلا سے دہر بھرا اس کے دل کے اندر تھا
حصار کھینچ کے کہے کہ ہو گئے مٹو
مگر غنیم کا خطرہ تو حد سے باہر تھا
نئے سبق جو ملے ان کو یاد کیا کرتے
ہمارے ساتھ تو ملائیوں کا دلہن تھا

نغمِ فضل

دوسری کی گھری
 فضاؤں میں یوں جل جلی ہو جیہ
 کرن روشنی کی کوئی ناک کے جانے نہ جانے کی من سے
 روشنی، علم، نیکی، مسرت
 ہمارے یوں کا پھیلو اسما جسم
 دلوں میں امیدوں کے بادوں کے پھلنے کوئل
 جین سے ام آئی جانا کوئی کو جانے رہے ہیں
 پہ سب کچھ اور میرے سے اس دودھیا جالی کی زد میں ہیں
 ذہن کو مت جلا
 اور میرے میں پخت کو نہ گورو
 اہمیت جلا
 کہ اب خوش فضا
 پھلنے پھٹنے پھلنے بولے اشتہادوں کی خوراک ہے
 اشتہارات، ماس، جود کا سبز
 جو بھارت میں اس دور میں
 بر ضرورت کی تکمیل کی
 ساری آسائشیں، بر غوی، سارے جذبے، شرافت محبت
 یہاں تک کہ جنت جہنم سہی
 لٹنے یا سہت کی یا پھر مذہب کی انہی دکھوں کے طوکیں میں
 بند ڈالوں میں کیسوں میں یک رہے ہیں

اگر جیب میں کچھ نہیں ہے
 تو پھر اشتہادوں کو دوبارہ دیکھو
 کہ ملکوں میں غاروں بنا ہی مشکل نہیں
 زندگی سہل ہے باقی باقی غلط
 اور مردوں کے کوہ گراں
 اتنی باریک کر نوں کے پیٹے سب کب کٹ سکے ہیں
 انہیں بھول جلا
 مگر
 دور وید رو ہے باقی احساس خوابیدہ ہیں
 عالی اللہ کا ایک جنگل ہے جس میں
 بھٹا ہوں میں
 مردہ اللہ کا کالوا نہیں
 مجھے مرے دوبارہ لٹنے کی حسرت نہیں ہے
 میں لٹنے کی سر نہ ہر چکا ہوں

نجم فاضلی

اپنا گھر

میر ہری تھکن
میرے گھر میں سے لپٹی ہوئی ساتھ ملتی رہی
اور آنکھوں میں وہ خواب جو
میں نے دیکھے نہیں تھے پلٹے رہے
دل نے مج سے کہا
کیوں جھگڑے ہو تو اور میرے ہو کیوں
مستکمل چاندنی سر پہنچی ہوئی رخ ہوا
اور جنہاں ہے کر اس کے سوا
دور تک کہ نہیں کہ نہیں
تم بھی اب گھر چلو، سو رو
لہا مسکن مجھے اجنبی سا
سیری دسک کو ملاؤں سے ٹکرا کے واپس ہوئی
فضلوں میں گم ہو گئی
اور میں اپنا گھر ڈھونڈنے چل پڑا
چاند نے مجھے پوچھا میرے ساتھ کب تک چلے گئے
میں اک لہن دیکھی منزل کا شہ لائی ہوں
ہائے کب تک پونجی میرے گھر میں رہو
لپٹے مسکن کو میں بھی چلوں، تم بھی چلو
لوٹ کر میں نے دیکھا
میرے گھر، ابھی گھر کے دروازے دونوں کھلے تھے

سالگرہ کا دن

میں کھٹن چاکیا تھا جیس لوگ بھی تھے
حسن منت کش غاڑہ تھا، ہمیشہ کی طرح
چہرے مسرور تھے رسم دورہ دنیا کے سب
دکھ امل ہے مگر اعتبار
اگر حرم نہیں ہے تو بری بات تو ہے
برہم ہے عین تھیں ہے عین بیکار کی ہیں
کوئی آغوش کسی ساحل کی
آج تک دانہ ہوئی
بر نیاسل پر اہا ہو کر
وقت کی دھند میں کھو جاتا ہے
میں نے اس سہل کے سورج کو ابھی
لو لہ کسی بیدار کے فطاس کی طرح
وقت کے بیکر میں پانی میں اترنے دیکھا
رات دو نیم ہوئی
پاؤں تو اور کی قسمت جن کی
آنکھیں بے خوابی منظور جن کا
منظر میں کہ نیاسل اب آنے کو ہے
لپٹے مجھے کی بھی اک آغوش خوشی
شاید اس جہولی میں رو
نور انھیں سے سال مجھے یاد نہیں
من گنت دکھ جو مجھے یاد ہیں ان سے مجھے نہت کیا ہے
دوسرا ہو گا کوئی جس نے وہ دکھ جھیلے ہیں
نرم ورج شعاعوں کا خیرینہ لگتی
لوگ کہتے ہیں نیاسل مبارک ہو جنہیں
سہ چاہوں کہ نیاسل کہاں آیا ہے
نجم فاضلی ۱۳۳۹/۸

نغمِ فضل

آسیب ہے التجا

بودی صورت کی ہے معنی خوشیوں کی بگڑی
انہانے خواہوں سے ہو کر جاتی تھی
جو بچا ہوتے تو جنت ایک فضاء تھی
جو جھوٹ ہوئے تو سب کچھ بل کر راکھ ہوا
ان چمکیلے ذرات کے ہم خاکوں نے
گو گھٹ سے بھٹاکا، اک آسیب بنا

اے میرے آسیب مری آدمی مجبوری
خوشی و رشتی اور ہوا کو راستہ دے
مجھ کو اور ان بودوں کو چھینے دے

اداکار

پردے کے چمکے یہ ضادہ سوچ رہا تھا
بھرے پردہ کی برجھائیں
ٹھیک نہیں ہے
ابھی اسے وہ پارٹ ادا کرنا ہے جس سے
سارے افسردہ اور غمگین بھرے
بھول کے اپنی قسمت کے دکھ سارے
اسکی اداکاری میں گم ہو جائیں

لب پر سرخ ہنسی چمکائے وہ اسٹیج پہ آیا
اس نے اداکاری کا ہر وہ گر اہٹایا
جس سے اس کا فن اپنی معراج کو پالے

اک لمحے کو اس نے سوچا
اس سارے مجمع میں شاید وہ ہی ایک مٹاؤنی ہے
اور سارا مجمع ہے مٹاؤ
بجود ایسے پردے کے بچے وہ تیرکی میں اتر گیا

اب شہر پہ اس آسیب کا سایہ رہتا ہے
روشنی اور ہوا کے جس نے سب سے مسدود کئے
دن سے روشن دھوپ کو چھینا رات سے بھٹی بھٹ
چن چن کر ہر خواب کو اس کے، اس نے پھٹا ہوا کیا
اس کی روج کی ہر ترتیب کو بے ترتیب کیا
شرانوں سے خون نچوڑا خوف بہایا
چھٹا پٹا بنا

گیانی دھیانی ایک شش نے تب اک ستر بنایا
چھو بار دہراؤ اور آزادی پاؤ
لیکن
ان دو کو مل بودوں کا کیا ہو
جو آکھی جانے نے چنے ہیں
جن پر غم ہوا بھاری ہے
مکھن سے میرا دم رکنا ہے

عسیم فکری

ایسا کا ہے سب حال بہت دیکھ چکی ہوں
 ہے سوہ کا کیا حال بہت دیکھ چکی ہوں
 جھوٹی سی قسم جب خود سے جدا دیا مجھ کو
 فرقت کے درد سلو بہت دیکھ چکی ہوں
 مگر کئی آنکھوں سے نہیں کر دیتے اس نے
 میں پھر بھی بہر حال بہت دیکھ چکی ہوں
 ڈرتی ہوں نئی گرمی بازار اب میں
 ہر شے کا جہاں کال بہت دیکھ چکی ہوں
 پالنے بھی امیروں کے پی ہوتے ہیں سوان کی
 چل جاتی ہے ہر حال بہت دیکھ چکی ہوں
 ایسا تو بس اب باپ ہی کد جانے تو اچھا
 یہ جھگڑے یہ جنجال بہت دیکھ چکی ہوں

تھے اچھے ہے سرو سامانوں میں
 پڑی ہیں مشکیں آسانوں میں
 جدا ہوں زندگی کی ہر سے میں
 بندھی ہے مادہ فہرے پائوں میں
 کھارے پر پہنچ کر خوف آیا
 کہ اب تک ہم تھے کن طغیانوں میں
 محبت کش قدر مشترک ہو
 جہاں حرف کے سیلابوں میں
 کسی تخلیق کا ہے استعارہ
 جب سی سر خوشی حیرانیوں میں
 ہے پردہ رقص کا مقصود شاید
 ہے بلبلوں کو گل افغانیوں میں

ہائینار گپہارڈ

ترجمہ: حمزہ قمریہ احمد

موت

موت ایک سیدھی سادی

لوہ ہے

موت موت سے ڈرنے کا نام ہے

موت زندگی کا انجام ہے

موت حرفِ حلت نہیں ہے

میں چری کے پھولوں میں سے نکلتا ہوں

تنے کی آواز تلاش کو

موت میرے اندر ہے

موت قلمِ باہم ہے

موت ایک فنکار ہے

جو ایک سفید دیوار پر

سفیدی کرتا ہے

موت سے ڈر

حق سے ڈنا ہے

کیا موت جان سے مار ڈالتی ہے

یہ الزام اس پر تو لگوا دیا جاتا ہے

انانیت

میں خود میں ہو سکتا ہوں

میں کوئی اور ہوں

کوئی اور میں ہے

میں بہت سے کوئی اور ہوں

میں اپنے باپ سے میں اپنی آراء کا جو وہ بھی ہوں

میں سب سے پہلے خود وہ رائے ہوں

دوسروں کی آراء کے پاس میں میرے متعلق

۱۔ مضمون ہائینار گپہارڈ کے بارے میں پروفیسر کے کتب

گاہکوں کے لئے لکھا گیا تھا اور جہاں پر اس کو پڑھنا چاہیے اس میں کوئی کٹنگ

شرح حیات بحیثیت مکالمہ - ایک تعریف

سید عبدالسعید / قاضی الفضل حسین

عریض بھی ہوتی ہے کہ انھیں ایک دوسرے سے الگ کر کے
سنا جائے۔ بنیادی (original) صدا پر ان کی عائد
(Impose) کی ہوئی ممکنہ قریحیات کا اندازہ لگایا جائے اور
ان کی تعبیر کے بعد ان کو ان کی اصل اور مزہ شکل میں واپس
لایا جائے۔ لیکن یہ انتہائی گمراہ کن خواہش ہے، کیونکہ یہ
صدائے بازگشت نہ تو خارجی ہیں اور نہ اصل یا بنیادی صوت
(Voice) کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ تن انھیں آوازوں کے
درمیان پیدا ہوتا ہے، آواز میری ہی اس کی ہیئت متعین کرتی ہیں
اور اس حد تک اس کی تعبیر کا جن ہوتی ہیں کہ انھیں متعین کرنا
ممکن نہیں ہوتا۔ تو پھر ہم کس طرح تن کی آواز کی شناخت
کر سکتے ہیں اور اس خصوص یافتہ میں اس صدا کے لیے مناسب
تھک بنا سکتے ہیں، جسے فہم یا نور اک کہتے ہیں؟ اس مرکزی سوال کا
جواب تلاش کرنے کے لیے، بلکہ اس سے بھی قبل خود اس
سوال کو صحیح خاطر میں قائم کرنے کے لیے ہمیں کئی اور سوالوں
سے پہلے پڑے گا۔ ظاہر ہے، ان میں پہلا سوال تو یہی ہے کہ
”تن کیا ہے؟“

عاریض طور پر ہم پہلی سے شروع کر سکتے ہیں کہ تن
ایک لائل شعور کا عمل ہے اور ایک مرکز غطاء کا حاصل ہے۔
یہ اب بھی تعریف نہیں بلکہ مفروضہ ہے۔ لیکن تن کی تعریف
مقرر کرتے ہوئے اس بات پر اکتفا مفروضہ کو بھی پوری طرح
گرفت میں لینا ممکن نہیں۔ وہ جو ایک شعور حاصل کا عمل
نہیں ہے، بلکہ بعض عوامل کا نتیجہ یا اثر ہے، فہم کا سزاوار
نہیں۔ ہم اس کا سبب اور اس کی صورت حال جاننے کی کوشش
کریں گے، اس کی ساخت دریافت کریں گے، لیکن اس کے
معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ سمجھنے سے قطعاً یہ فیصلہ
کرنے کا شرط ہے کہ کوئی نئے فہم کا شعور نہیں ہے (جی! نہیں!)
ہیسا ہی موادی شرط تن کی تخلیق میں بھی پیش آتا ہے

شر حیات اپنے ارتقاء کے مختلف مراحل پر اور مختلف
منظرین کی خصوص ترینوں میں مختلف / متوجہ طریقوں سے
کھی گئی ہے، کبھی مقدس متون کے معنیاتی بہام کو حل کرنے
اور تعبیر کے اشکال کو سمجھانے کے تحت مگر مازک فن کی
حیثیت سے، کبھی فن پارے یا تاریخی واقعے کے الوہی یا
فلسفی معنی کے مرادی معنی کی بازیافت کے راہنما اصولوں
کی حیثیت سے، کبھی فن پارے کی تعبیر کردہ علامتی یا معنی کی
مختلف سطحوں کے اختلاف کی حیثیت سے، کبھی مختلف قراءت
کے تضادات کے درمیان، حسبِ سناطر، توافق و تطبیق کے
اصولوں کی حیثیت سے اور کبھی ایک زیادہ بلند حوصلہ للسطیانیہ
نظریہ کی حیثیت سے جو فطرت اور زبانوں کے باہم ارتباط،
معنی (Understanding) اور وجود جیسے
سوالوں سے بحث کرتا ہے۔ میں نے نہ تو علم شرح کے تاریخی
ارتقاء کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی
ایک مخصوص صورت (version) بیان کی ہے۔ اس کے
بہاے، میں نے علم شرح کو اس طور پر پیش کرنے کی شرحیاتی
کوشش کی ہے جو اس شرحیاتی عمل کی فہم بھی آسان کرے اور
اس کی مثال بھی ہو۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ صفحات میں، جب
لارٹی / ساحر سے مراد کلام قائم ہوگا تو، یہ بات واضح ہو جائے گی
گئیر (Hans-Georg Gadamer) کہنا ہے:
”فہم کو لازمی معنی کے وجود پکڑنے کے عمل کا جز
سمجھنا چاہیے۔“ ہم اس دعوے کے معنی کو کیسے سمجھ
سکتے ہیں؟ (فی الحال اصطلاحات کے معنی کی بحث
موقوف کرتے)۔

تاریخ صدائے بازگشت سے ہماری ہوتی سرنگ
Tunnel ہے۔ جب ہم کوئی تن پہنچتے ہیں، تو تن کی آواز
اس گونج سے ہو کر ہم تک آتی ہے۔ تو آوازوں کی اس گونج سے یہ

نمبر ۱۲۸

صرف لفظ کی ترجمانی سے متن نہیں تشکیل پاتا۔ بلکہ کچھ کچھ کے ارتقاء سے متن کی تعمیر ہوتی ہے۔ اسی سے متن کا مولود بنتا ہے۔ ہمارے زمانے میں نظریہ کا ایک پیچیدہ سوال، متن کے بخارے اور خطائے مصنف کے مولود کے درمیان ربط سے متعلق ہے اور اس سوال کے جواب کا ایک پورا منظر نامہ (spectrum) ہے جس میں خطائے مصنف کے انحصار، محض اور واپس ہونے یا کم از کم غیر ضروری ہونے سے لے کر یہ موقف تک شامل ہیں کہ متن خطائے مصنف کی تجسیم ہے۔ لیکن جیسا کہ اکثر ہوتا ہے، صداقت درمیان کے ہزاروں رنگوں کے بچ بچیں منتشر (مغلی) ہے۔

مثال کے لیے کوئی متن کو لیجئے۔ جہاں تک متن کے الفاظ سے تشکیل پانے کا تعلق ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہی وہ الفاظ ہیں جن کا مصنف نے ارتقاء کیا۔ اس مفہوم میں متن اور خطائے مصنف بھینے یکساں ہونگے۔ مگر یہ بہت سبکی تصور ہے (بعض صورتوں میں مشاققین کی حدودین کے دوران یہ تصور لام ہوتا ہے، مگر اس صورت میں اصلاً یہ بحث رسم خط / رقبہ (script) کے متعلق ہوگی، متن کے متعلق نہیں)۔ اصل اور مشکل سوال یہ ہے کہ متن اس مفہوم کی تجسیم ہے یا نہیں، جس کا مصنف نے ارتقاء کیا تھا۔ اس سوال سے بحث کرنے کے لیے ہمیں معنی کے وجودی کردار (Ontological Character) کو سمجھنا چاہیے۔ معنی ایک لسانی عمل (process) ہے۔ یہ قبل لسانی متعین و حد میں نہیں ہیں، جو ایک شعور میں واضح طور پر موجود ہوتی ہیں اور جنہیں متن میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ یہ شعور کے تاریخی لسانی مواد (Matrix) میں وجود پذیر ہوتے ہیں اور متن کی نیرنگیوں اور قہیر کے پابند ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں معنی کا قبل متن خطائے جیسی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ معنی کاہر ارتقاء جو متن ہوتا ہے اس لیے متن سے سوا اور اسے یا خطائے کے مولود تک جانے کی کوشش لامحدود کی طرف مباحث ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ متن معنی کے کسی ساکن - جز - کل - ربط کا تعمیر کردہ ہے۔ متن، معنی کے جاری عمل (Process) کا ایک نظام ہے جو بدن حیثیت تاریخ کی سطح پر سچے سے مسلسل متقلل اور مطلب ہونا رہتا ہے۔ یہ ایک غیر پابند نظام (Open System) ہے اور اس کی

مشاقق ہم نظامیں اس نیت سے کوئی اشارہ (signal) بھیجیں ہیں کہ ممکنہ غیر ارغی ذہن سے ربط قائم کریں تو ہمارے متن خلق کرنے کے فیصلے کا پہلا سرور کار اسی اشارہ (signal) کے، فہم کے معروض کی حیثیت سے، پذیرائی (Reception) سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ہمیں خطائے کوئی اشارہ ملتا ہے تو اسے عمل کرنے کے تقاضا ہی میں، اس کے قابل فہم معروض ہونے کی تعین کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ یہ عمل gesture معنیت سے تعبد کا بھی لمحہ ہے۔ لیکن ہمیں اس تعبد کی نوعیت سمجھنے میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے، عقیدہ کا یہ ایک محتاج ثبوت عمل ہے۔ ایک

Pascalian Wager کیونکہ متن میں کوئی ایسی شہادت یا ممکن جواز نہیں ہوتا جو اس معنیت کا اشارہ ہو کہ وہ ممکن شہادت یا جواز خود بھی ایک متن ہے اور بحیثیت متن قبل فہم gesture کی پابند ہے۔ لیکن کی حدود سے آگے متن، اپنی معنیت کا کوئی مشتق (یعنی) جواز نہیں پیش کر سکتا۔ متن کے متعلق فیصلہ کا gesture، متن کی تخلیق اور ابلاغ دونوں جانب ہے اور اس کے باوجود ان دونوں سے بے نیاز بھی رہتا ہے۔ گویا متن کے خلق کردہ تعبد میں خود متن کی شرکت نہیں ہوتی۔ اس کے یہ معنی نہیں، جیسا کہ بعض مرتبہ سمجھا گیا، کہ قراءت ایک انتہا ہے کہ اس gesture کے طریقین کا مقدر ہدام ماضی ہے۔ خطائے اشارے کے علی الرغم، ایک عام متن میں، متن کی تعمیر اور ابلاغ کے دونوں سرواں سے تعلق یا کارنامہ رولیت انہماک دیتی ہے۔ یہ متن کی معنیت کے لیے اشاروں (clue) کا ایک نظام ہمارا کر کے wager کی مطلق اعلیٰ کو کم کرتی ہے۔ اس کے بلوجود، پڑھنا معنیت کی توشیح کرنا، اسے ایک شخص جھاکرنا ہے۔ اس طرح قراءت یہ ایک وقت لغز اور قبول کرنے کا عمل ہے۔ یہ عمل قائم کرنے کی رضا مندی کا اعتبار بھی ہے اور پھر خودی منکر کا ایک جز بھی منکر کی یہ صفت، معنیت کی بنیادی شرط ہے۔ اس لیے خطائے مرکز کا وہ مفروضہ جس سے ہم نے یہ گفتگو شروع کی ہے، معنیت کا شخص مفروضہ نہیں ہے بلکہ اس صفت کے حوالے سے معنیت کی بنیاد کا دبی جز ہے۔

اب تک ہم نے جو بحث کی ہے وہ خطائے کی صرف بنیت کے متعلق ہے۔ لیکن خطائے کا ہمیشہ ایک مولود بھی ہوتا ہے۔

اپیستمولوجی (Epistemological Nihilism) کا مفہوم کیا ہے

حقیقت یہ ہے کہ سائنسی معروض (Process)

کے لئے ہمیں اور خود اپنی غیر ذہنی جہت سمجھ کر رہنے ہیں۔ یہ ہمیشہ تکسلی ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں رکھا، ساخت کا صورت پکڑنا ہے۔ اگر ہم ایک مرتبہ ساخت کی یہ بنیادی صفت سمجھ لیں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اپنے مسلسل تحریک کے ذریعہ ساختوں کی گرفت اور رہائی کے عمل میں ہی وجود (Being) بننا ہے۔ تبصیر، معنی کے سفر کا ذریعہ ہے، وہ سفر جو متن کی سرگرد، زبان کا جہت تاریخ، سے شروع ہوتا اور قاری کے، تاریخ کا جہت زبان، کے تجربہ پر ختم ہوتا ہے۔ فہم تاریخ اور زبان کے واسطے سے وجود بحیثیت مسئلہ ہے۔ لیکن یہ موقف تبصیر کو ناقابل تفسیر طور پر آلودہ نہیں کرتا؟ جواب یہ ہے کہ قاری کی داخلیت، ہمیشہ خطے سے ہی جاندار ہوتی ہے۔ تعصب یا میان خاطریت خطا (Intentionality) ہے لیکن وہ خطائیت نہیں جو شعور کے تاریکی، لسانی خطا سے مشابہ طور پر تشکیل پاتی ہے۔ بلکہ وہ خطا جو ایک تاریخ میں غرق ذات (Subjectivity) کی تشکیل دی ہوئی اور زبان کی وضع کردہ ہے۔ ہم اپنے میان خاطریت کے ذریعہ ہی حقیقت کا دوراں کرتے ہیں۔ یہ رکاوٹ نہیں بلکہ دنیا کی طرف کھلنے والا راستہ ہے۔ اپنے میانوات کو اپنی صورت حال کا ایک جز تسلیم کر کے اور اسے مسئلہ کے ذریعہ متن کے افق کے ساتھ تہیز کر کے ہی، ہم اسے سمجھ سکتے ہیں، لیکن یہ مسئلہ وجودی طور پر خطے متعین انتزاع کی طرف قابل ہمیش گونی گھاؤ (Spiral) پر گردش کرتا ہے۔ یہ ایک کلاہوا سہلہ ہے جو متنوع تبصیرات کو ممکن بناتا ہے۔ (اب سوال یہ ہے کہ) ان میں ہم کونسی کیسے پیدا کی جاسکتی ہے؟ یہ سوال پوچھنے کے معنی اس عام خیالی کی طرف واپس جانا ہے کہ معنی کی کوئی ایک وحدت ہوتی ہے۔ معنی تعامل کا ایک حصرہ یا سلسلہ ہے۔ ہر قرأت اس سلسلے کا ایک نقطہ یا مقام ہے۔ تاریخ بحیثیت زبان کے کسی عمل پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس سے آگے جاتی اور معنی کے تعامل کے رقبہ کو وسیع کر کرتی جاتی ہے۔ ہر قرأت جو متن اور اس کی آخری قرأت کے درمیان وضع ہوتی ہے، قاری اور متن کے مابین مسئلہ کا ایک لمحہ ہے۔ تبصیر اس مسئلہ کا نام ہے، یہ لمحہ اور واضح ہوجانا

مستثنیٰ قوت ان حوالہ سے مختلف اسطرطہ ہوتی ہے، جو اس سے باہر لیکن ہمیشہ اس سے مربوط ہوتے ہیں۔ یہ حوالہ متن کا افق تعمیر کرتے ہیں اور فہم کے معروض کی حیثیت سے متن میں داخلے کے ذریعہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس افق کے علاوہ متن تک رسائی کا کوئی دوسرا طریقہ ممکن نہیں۔ متن کو اس افق سے الگ کر کے، اس کو (Isolation) میں دیکھنے کا نتیجہ لازماً گمراہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ نئی قرأت کا یہ سلسلہ انوکھا یاد دلے ہو۔ دوسری طرف اپنے تصور میں خود کو متن کے ابدائی (Original) افق میں قائم کر کے، اس کی مولک بنیت میں متعین کرنے کی کوشش بھی ناکام ہوگی کیونکہ متن کی ہی طرح، قاری کا بھی اپنا ایک افق ہوتا ہے، جسے تحلیل کسی طرح عبور نہیں کر سکتا۔ متن کا سمجھنا، قاری اور متن دونوں کے افق کے اتصال سے ہی ممکن ہے۔ اس نکتے کی طرف سے وضاحت کی ضرورت ہے کہ اس سے خود فہم کے طرز وجود کا معاملہ متعلق ہے۔

دواینا فہم کی کسی نمایاں وجودی (Ontological) حیثیت سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ بنیادی طور پر بلکہ عارضاً شعور کا تعامل تسلیم کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ معروض کے ایک طرف انہدام میں قائم ہوتا ہے۔ اسے ہم معروض کی بنیادی ساخت کے رد اور ہر دوبارہ تشکیل کے حوالے سے سمجھتے ہیں۔ خود یہ عمل دو طرح سے ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ ساخت کو ابھارنا یا اخذ کی حیثیت سے دیکھنا ہے جو نفسیاتی یا تاریخی اعتبار سے مصحف کی خطا میں موجود ہے۔ اور متن کی تخلیق (genesis) کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس خطا و نظر کی رو سے، سمجھنے کے معنی، متن میں، بلکہ خطا سے مصحف کی دریافت ہے۔ دوسرا طریقہ، دوسری انتہا پر ہے اور وہ ساختوں کو وجودی خیال سے تصور کرتا ہے۔ ایک ایسا اقتباس جو قرأت کے دور میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ دونوں نقطہ نظر ساخت کے انتہائی تصور کے شمار ہیں۔ پہلا نظریہ ساخت کے لازمی اور تباہی کردار کا حق ہے لیکن اس کے نتائج، احوال (Implications) سے ہم پوشی کرتا ہے۔ دوسرا نظریہ ساخت کے اور تباہی کردار کو وجود پاتی انتہا (Ontological Illusionism) کی بنیاد تصور کرتا ہے۔ جس سے طبعی تفکیر اور فکر

جو اپنی تعبیر پیش کرتی ہے۔ فہم، مکالموں کے درمیان ایک مکالمہ ہے۔۔۔۔۔ ایک فوق مکالمہ اور معنی وہ ہے جو اس فوق مکالمے میں واقع ہوتے ہیں۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ - "بگھنا" متن، حیثیت دوسرے (Thou) کے ساتھ مکالمہ کی اجزا کرنا ہے، جس میں قاری اپنی تاریخ اور مسابحات کے افق کی طرح، متن کے بھی ایسے ہی افق سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے۔ یہ مکالمہ ان تھکن کے استزاج کی طرف بڑھتا ہے، جس کا مقصد ایک محدود مافیہ کا استحلا نہیں ہے، بلکہ ان قوتوں کو متحرک کرنا ہے، جو اس کے معنی، اس کے صداقت کے عرصہ کے امکان کی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ مکالمہ وجود کا تفاعل نہیں ہے بلکہ یہ خود وجود ہے جو ہونے (Becoming) کے لامحدود متحرک ہیں، معنی کے مسلسل متول کی اذلی جستجو میں ہے۔ اس مفہوم میں "بگھنا" ایک متن کا وجود پکڑنا ہے اور معنی، ہونے (Becoming) کے اس تسلسل میں دھڑکتا ہوا رابطہ ہے۔

بڑی زبان کا زندہ رسالہ

ادب، آرٹس، سچر
کارتونیں

سہ ماہی ذہین تجدید

حیرت انگیز کہانیاں
عرب: نویر زیدی
پوسٹ باکس ۶۷۲۰۰ نیوی دہلی ۱۱۰۰۰۷

مصحف نوری کا ساتھ مجھ

دلنیز پراثر کی شام

قیمت : ۸۰ روپے
شب نونی کتاب گھر

پوسٹ باکس نمبر ۱۱۱۱۱۱۱۱ آباد ۲۱۱۰۰۳

شب نونی

ہے، جب ہم اس مکالمے کی نوعیت کو بہتر طور پر سمجھ لیتے ہیں۔ مکالمہ ایک (Self-reflective) واقعہ ہے، ایک محرک مابراجہ ذہن اور معروض کے مقدمات کو قبول کرنے کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اور ایک دوسرے کی روشنی میں ان دونوں کے مقدمات کی مسلسل تعبیر نوکے ذریعہ نئے مقدمات کو شفاف اور عیاں بالذات کرنے کی طرف بڑھتا ہے۔ بگھنا، عیاں بالذات (Self-transparency) ہونے کی طرف تعبیر کا سفر ہے۔ لیکن یہ بگھنا ضروری ہے کہ تعبیر کا یہ محرک وہ عمل ہے جو تاریخ سے پرے نہیں بلکہ تاریخ میں یا اس سے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ مکالمے کا ایک سلسلہ ہے جس میں "حالت" ماقبل کے ہر جز کو شریک کاری حیثیت سے شامل کرتا ہے جو نتیجہ (ایک طرف تو) اپنے ماضی کی تشریح کرتا ہے اور دوسری طرف) معنی کو مستقبل میں جذب کرنے کے لیے نمایاں کرتا ہے۔ اس دعوے کے معنی تاریخ کے شکافوں، (Ruptures) ذریعہ سطح تضادات یا عمودی تضادم کو نظر انداز کرنا نہیں ہیں۔ اس سے صرف یہ اشارہ مقصود ہے کہ اپنی تمام پیچیدگی کے باوجود، تاریخ سے ہمارے مکالمے کے سبب وہ ہماری دسترس میں ہیں۔

جب ہم ایک متن پڑھتے ہیں تو ہم جس مکالمہ میں شامل ہوتے ہیں وہ تاریخ کے معمولی بی میں واقع ہوتا ہے، جو اپنی داخلی قوت کے سبب خود اپنی تعبیر پیش کرتی ہے۔ متن کے معنی، متن کی خود اپنی تاریخ سے مکالمے میں خلق ہوتے ہیں۔ اور خود اپنی خلق کردہ تاریخ میں ان کی توسیع ہوتی ہے اور ان کی تکمیل قاری کے ذہان بحیثیت تاریخ سے بہرہ شعور میں ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، معنی ایک عمل (process) ہے، جو مکالمہ کے بلام مربوط سلسلے کے ساتھ متحرک کرنا اور اپنی تاریخ تعبیر کرتا ہے۔ لیکن فہم میں اس کا اختتام سلوہ انتہا نہیں ہے بلکہ ایک تناظر کی تعبیر ہے، جس میں ہر جز بلام ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کے عمل میں "کل" سے مربوط ہوتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ اہم ہے کہ بگھنے کی صورت میں، تعبیر کا عمل کسی مطلق تعبیر جزییہی عقل کے ذریعہ متعین نہیں ہوتا بلکہ یہ عمل ان سوالوں سے متعین ہوتا ہے جو متن کی تاریخ سے مکالمے کے درمیان متحرک کرتے ہیں۔ شعور بذات خود ایک ایسا مکالمہ ہے جس میں ذات، اپنی صورت حال سے مکالمے کے دوران

اسکیپ گوٹ

عبد الصمد

وہ اپنی داستان بیان کرنے کی کوشش شروع کرتے، لیکن وہ بیان کرتے جاتے اور سننے والا بھی کھنکھاتا رہتا کہ ابھی تو انہوں نے شروع ہی کیا ہے، ابھی تو جمید ہے، داستان تو اب شروع ہوگی.... اب شروع ہوگی....

جو بھی آنے والا وہاں آتا، اس کا بی، انہیں یوں پریشانوں میں گھرا دیکھ کر بھاگ جاتے کو جہاں۔ لیکن اب کے جو آنے والا آیا تو اس کے دل میں ان کے لیے بے حد ہمدردی اور رحم کا جذبہ ابھر اور اس نے بھاگ جانے کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔

اس نے سوچا: "جو لوگ محض داستانوں سے گھبرا کے بھاگ آتے، وہ کون ہو سکتے ہیں؟ ان کا اتنا کیا اور ان کا جانا کیا؟"

انہوں نے اپنا سفر صفر سے شروع کیا اور صفر پر ختم ہو گئے۔

لیکن وہ اپنے آپ کو صفر کی ماحولم گولائیوں میں ہرگز گم نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ اسے اپنے درمیان پا کر جب انہوں نے اپنی داستان شروع کی تو اس نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کے فوراً روک دیا۔

"ایک ایک کر کے.... ایک ایک کر کے...." اس پر حوصلہ کی طرح وہ اسکا منہ کھٹے گئے۔ "کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟"

ان کے سامنے مصائب کے پہاڑ کھڑے تھے اور وہ واقف نہ تھے کہ کہاں سے شروع کریں اور کہاں پر ختم۔

"آپ لوگوں کے ساتھ مشکل ہے کہ آپ نہیں جانتے آپ کون

ایک ہی سڑک، ایک ہی راستہ۔

ایک آ رہا تھا

ایک جا رہا تھا۔

"تم نے اسے دیکھا؟"

آنے والے جانے والے سے پوچھا۔

"نہیں۔ اور تم نے؟"

"نہیں۔ لیکن میں اس کی تلاش میں ہوں۔"

"بھائی جہاں سے پاس تو اس کے بارے میں ضرور کوئی ایسی اطلاع ہوئی ہے جس سے پتہ چلے کہ"

جانے والا رک گیا۔

"میں صرف ہی بتا سکتا ہوں کہ وہ سب اسے دیوانہ وار تلاش کر رہے ہیں اور وہ انہیں ابھی تک نہیں مل سکا۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" اسے آسمان نہیں کھاتھا، زمین نہیں نکل گئی؟"

"وہ آپس ہی میں کھو نہ گیا ہو۔" چھینے کی سب سے اچھی جگہ تو اپنا آپ ہی جوتا ہے نا؟"

"ہو سکتا ہے.... ہو سکتا ہے.... میں تو دوسرے آپکا، تم جا رہے ہو تم دیکھنا۔"

آنے والا اپنے رستے پر اور جانے والا....

وہ لوگ تو بڑی پریشانوں میں مبتلا تھے۔ پریشانوں اور مصیبتوں کی ان کے پاس ایک ایسی لامتناہی داستان ہے جس کا کوئی آغاز تھا نہ انجام، وہ سب اپنی مصیبتوں سے ملوث تھے۔

بے خطر اب ہم میں ہے پہلی اور آنکھوں سے پریشانیوں میں
تھیں۔ جن کے ہر منہ مل رہے تھے لیکن تو ہم ہو چکی تھی۔
”کیا ہوا؟“

”وہ واقعی پریشان ہو گیا۔ وہ انہیں رستے پر لے آیا تھا اور
وہ بھر بھٹک گئے۔“ کچھ تو بولے۔ آخر آپ کچھ بولے کیوں نہیں
...“

”انہیں تم سم دیکھ کر وہ گھٹا گیا۔ انہوں نے اپنی بے چین
آنکھیں اوپر اٹھائیں اور بہت آہستہ سے بولے۔

”مسئلہ یہ ہے۔ اصل مسئلہ تو۔“

”کیا؟“ کیا کہنے آپ کو اندر اندر باندھ رکھا ہے؟ کیا کسی نے
آپ کو قید کر لیا ہے؟ آخر بات کیا ہے؟ وہ کون سی چیز ہے
جو...“

اس نے اپنی گھٹلاہٹ پر پوری طاقت سے ٹکاپہانی کی کوشش
کی جس کے سبب اس کے الفاظ اس کی زبان پر مانوس سے
گلے۔ ان میں سے ایک ہزار کے اٹھارہ سرد، مضبوط نکلے میں بولا
”جماری مشقیں اور مضبوطی تو الگ الگ کتھرے میں کھڑی
ہو گئیں لیکن ہمارے اوپر چھائے ہوئے آسب کو کس کتھرے
میں کھڑا کر دے؟“
”آسب؟“

اس نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا۔ اظہار کے بعد ان کے
چہروں پر اطمینان اور آنکھوں میں امید کی ہلک بیدار ہو گئی تھی

”کیا کہتے ہو؟“ آسب؟ آج کے دور میں آسب؟ انہیں چہ
ہے کہ اب آسمانوں میں کیا کیا چیزیں اڑتی ہیں اور زمینوں کے
اندر سے کون کون طوفان برآمد ہوتے ہیں؟“

”ہمیں ان چیزوں سے کچھ لینا دینا نہیں، یہ سب محض
خوبصورت اور دل خوش کن باتیں ہیں۔“

لیکن وہ چٹان کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔

”صاف صاف کہو، کیا بات ہے۔“

حیرت اور استغماہ کی دیوہنگوئی اور بہری ہو چکی تھی۔

”آسب؟ آسب؟۔۔۔ ہم سب ہر آسب کا سایہ ہے کہ ہم
اپنی جہوں میں لپٹے خون پیسے کی کٹائی۔ لپٹے خواب لے کر

بلا کر جاتے ہیں لیکن مددی محبوب محبت ہم سے قاب ہو جاتی
ہے۔ ہم امیدیں ہر ہر کے لے جاتے ہیں اور ہادی ہر ہر کے
لے جاتے ہیں۔ ہم۔۔۔ ہم۔۔۔“

”بس کرو۔ نکلتا ہے جہاد آسب کے بھی آئے گا، لیکن پھر تم
نے اپنی جوتی جوتی کا ذکر کیا کیوں کیا جب کہ تم جانتے تھے
...“

”ہم سے فطری ہو گئی۔ ہم لے کھا کہ حرجب میں۔۔۔“

”ان کی صاف گوئی ہر اسے دم آگیا، وہ واقعی بڑی
مصیبتوں کے مارے ہوئے تھے۔

”آسب وہ مسئلہ تھا بڑا فیصلہ جو آسب اعلیٰ آسمانی
کے ساتھ ان کی جہوں سے چھ قاب کر سکتا ہے، وہ ان کی
کاسیہوں اور کوششوں کو نامم نہیں جانتا تھا۔“

یعنی یہ مسئلہ چلتا رہتا۔ چلتا رہتا جہاں تک کہ آسمانوں سے
کوئی ہتھیار اترتا اور۔

”اس کا کوئی حل ہے آپ کے پاس؟“

اس نے جیسے ان پر شب خون مارے۔ وہ اس کے لیے
جہاد بیٹھے تھے۔ بہت حوصلے سے بولے ”قربانی!۔۔۔ ہم تو بس بھی
جانتے ہیں کہ حالت و بہت کو دفع کرنے کے لیے قربانی دی
جاتی ہے۔ بھی ایک راستہ ہے ہمارے پاس نہ
”قربانی!۔۔۔ کیسی قربانی؟“

”قربانی ایک فریضہ ہے اور جب تک ہم اس سے مجبور نہ آئیں
ہوں گے، ہمیں نہات نہ ملے گی۔“

ان کے گلے میں بڑی مضبوطی اور خود اعتمادی تھی۔

”تو پھر انتظار کس بات کا، آپ اپنی مصیبت سے نہات کیوں
نہیں حاصل کر لیتے؟“

”بات یہ ہے کہ ہم جس چیز کی قربانی دینا چاہتے ہیں، وہ ہم سے تم
ہو گئی ہے، ہم اس کی تلاش میں ہیں۔“

اسے یاد آیا کہ جہاں سے جانے والے تھے اس سے بھی دریافت
کیا تھا۔

”تم نے اسے رکھا؟“

اس نے جواب دیا تھا۔

”تو پھر تو ہم مل کر اسے تلاش کریں۔ جماری مصیبت دور ہو،

تم پھر سے آسب کا سایہ بیٹھے۔“

اس نے بڑے غلوس سے کہا۔

پروین راجہ

خوشبوؤں کی بہار لوزے
دھڑلے کو ہلوں سے ذرا ہٹ کے
خوب رو لافزہ کے سلائے
بورنگ آندھی میں کھو گئے

کانٹوں کی سرحدوں پر
آسمانوں کی
شیشی آنکھوں کی روشنی میں
کیڑے قزاقوں نے
نرگس کی دھندلی لٹ لیں

اس نے اس پاس، بہت دور ملک، جن گنت اس
پہری آنکھیں شہلا رہی تھیں۔ مہمانوں نے مجھے مل کر ایک نئی
طاقت سی مللی تھیں۔ وہ وہاں محاذ کے آگے کھڑا ہوا، اس کے
ساتھ ہی وہ ہم طیارہ بھی اٹھا۔ چپ چاپ جہان مار گیا، ہر کوئی
کدو سے کو کھیل ڈالا گیا، کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہی جہاں ڈھونڈ
نے کی رسم لوانہ کر دی گئی، لیکن اسے ملنا تھا نہ ملتا۔

اب کیا کیا جائے؟

لہانک اسے خیال آیا کہ آخر وہ ڈھونڈ کیسے رہے ہیں؟
اس کی کوئی اندازہ نہ تھا، خوش ٹھکانا تو کسی کو معلوم نہیں۔ اس نے
دیکھے کچھ میں ان سے دریافت کیا۔ "جیسے آپ ڈھونڈ رہے ہیں
اسے آپ جانتے ہیں؟" لہانک مجھے انہیں کوئی شاک
نہ تھا۔ ان میں سے ایک کھڑا ہوا اور بڑا مستعد سے بولا "ہم تو بس یہ
جانتے ہیں کہ وہ قربانی دینے کی تھڑ ہے، اس سے زیادہ ہم کچھ
نہیں جانتے۔۔۔۔۔" لیکن یہ تو طے کرنا ہو گا کہ کس چیز کی قربانی
"انسانی جان کی، دولت کی، گھر بار کی، جانور کی؟" یہ سن کر وہ
پھر خور و لکر میں مبتلا ہونے اور پھر۔

"ہمارے پاس اب کوئی جان ایسی باقی نہیں رہی جس کی ہم
قربانی دے سکیں، مال و دولت، ہمارے پاس ہے نہیں، گھر بار
نہیں۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔"

"پھر بھی کچھ کرنا ہو گا ہی۔"

ہمارے پاس صرف بے زبان جانور ہیں۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ ایک بے زبان، معصوم جانور کی قربانی
سے آسپہن جی آفت دور ہو سکے گی۔"

"بے شک، ہم بھی کہتے ہیں، یہی سارا ایمان ہے۔"

میں رکنا ٹھیک نہیں، اس نے سوچا۔

وہ آگے بڑھ گیا۔

بڑھ گیا، تنہا۔

حالیہ سمت سے اس سڑک پر پھر کوئی آ رہا تھا۔

آنے والے نے پھر دی سولہ دہرایا۔

جانے والے نے پھر دی جواب دیا۔

لور دونوں۔

لہنے لہنے راستے پر آگے بڑھ گئے۔

کچھ، بہت کچھ مصیبتوں، مشکوں، آنکھوں اور آسپہن کے

کھمبے تنگ لور تنگ کر رہے تھے۔

مجھے ٹوٹے ہوئے لفظوں سے جوڑو

احمد فواد

مجھے ٹوٹے ہوئے لفظوں سے جوڑو
 مری ان انگلیوں کو کاٹ کے پیراس کی پھیل پر بھاؤ
 مجھے دوڑنے کی جھولی میں مگراد
 محبت ہو تو شطوں کی مچلی سے ڈر نہیں گتا
 مری آنکھوں کے دامن غمک کر کے اس کے دروازے پر چھوڑا
 ہوا میں اس کی سانسیں گھل گئی ہیں
 مجھے ان سرد جھونکوں کے لحاظ دو گھونٹ پھندو
 میڈلی کر محبت نکھنا چاہتا ہوں

کچھ ایسے محبت...

جہن میں آسمانوں کا بڑھا ہوا
 زمین کے عام اک ہانگ ستارے کی وصیت ہو
 سمندر کے بوں کی سرد خاموشی ہو
 دریاؤں کی سب قوی سکنوں کا خلاصہ ہو
 پرانی آہٹیں ہوں
 نیم جاں انگلیوں کے دھنوں کی داشت ہو
 کسی کی ڈانری کے خالی صطوں کی سدھ میں ہوں
 اہ تصویر ہیں ہوں
 جہن کو درد نہ پچھے سے کھینچا ہو
 کچھ ایسے غم میں جہن کو بھرتے گھر سے نکلا ہو
 وہ دکھ جو رشتہ میں کھسکے ہوں
 یا کسی کی جیب سے سکھتے چرائے ہوں

کچھ ایسے محبت...

جہن کو جرم کے دل کی رنگیں میں زہر گھل جانے
 ہوا کی بے پیر غمستوں کا راکھ گھل جانے
 فریضہ پھر مجھے بھرتے گھر میں دور فاصلوں کو آگ گھل جانے

کچھ ایسے محبت...

جہن کے ہاتھ دن کی پھلیوں سے خوب واقف ہوں
 جو شب کی دل زدہ گیدوں میں چٹا گھر سے جا میں
 جو اپنی آگ میں خود بھل گئے سر جا میں

کچھ ایسے گیت...

جس کے پاؤں میں چٹانوں کے سونے ہیں
بدن پر خوف کی چادر ہو

بیٹھائی پہ دکھ کے زور ہو ٹپوں کا جوا ہو

کچھ ایسے گیت...

جو اس سے نہیں

تو اس کے دل کے تاروں پر نہیں

ابن آنکھوں کی غبار کو دغا بوشی میں بھری تک دیں

اور روناؤں میں عکس بن کر دوں بہرہ ہا نہیں

کچھ ایسے گیت...

جو دنیا کو لہجہ بازوؤں کے جھگ گھیرے میں لے آک روڑاڑ ہا نہیں

اور وہ ٹپیں جھیلوں کا روپ دھارے

اس کی عتازک آنکھوں کو صحنہ کو گھٹا کا وہ بیٹا ہا نہیں

جو باداں آسمان سے ساتھ لائی قحی

مجھے ٹوٹے ہوئے لفظوں سے جوڑو

مجھے بھی دھوپ

ابن طواب پڑوں کی طرح راضی پہ تھوڑی روشنی دیدے

میں آک ٹوٹا ہوا گھٹا ہوں

جس میں سر اٹھاتے تھے پردے کو کسی نے رو رو ڈالا ہے

مجھے بھی آگ

خود کو راکھ کر کے زہر کی کو عام کرنے کی جدت دے

میں آک بھگتا دیا ہوں

جس کے درد اڑے بہ ہر دم آک سزا دنت بہرہ دیتی رہتی ہے

مجھے بھی اے سہرا

ہر گھڑی آک رقص میں مصروف بہروں کی بغاوت دے

میں آک بھگتا ہوا اور رہا ہوں

جس کے پاؤں میں ذخیرہ ہے گزروے زماں کی

مجھے بھی آسمان

آک دو ستاروں کی ضرورت ہے

میں ایسا راستہ ہوں

جس پہ ابن قمروں کے بادل چھانے بہتے ہیں

میں آہستہ آہستہ تھیں لپی رہا ہوں

ہوا کے بازوؤں میں تھپتھپ درخت اور دریا کا پتھر

چھو کر جانتی ہوں کہ نہیں جانتی تھیں

میں نہیں آہستہ آہستہ رہا ہوں
 تہماری بے اعتنائی اور رنج و غصہ کے دریاؤں نے مجھے کی طرح
 میرے جوتوں پر سر کے سوجھائے ہیں
 میں آہستہ آہستہ غصہ کی رہا ہوں
 تم کہتے ہو نہ کب تک اللہ میں رکھتے رہو گے
 تہماری انگلیوں کا زلف و صوبہ جیسا ہے
 میں نہیں آہستہ آہستہ رہا ہوں
 تہماری باتوں کے پل تہماری باتوں سے زیادہ عرض و گفتاری
 میں نہیں آہستہ آہستہ رہا ہوں
 حالانکہ میں نہیں ایک گونہ میں بھی رہی سکتا تھا

ترجما
 لڑنے آسوں کا غصہ بہت دھوپ کی رسی کو تھامے رکھتا ہے
 ترجمہ
 سحر وہ ادبیں لہنے لگے میں ہاتھ ڈالے گونہ میں ہیں
 ترجمہ

یہ ساری زندگی کا غم ہے
 دو دن پہلے سے کچھ نہیں ہوگا
 محبت تو سدا اچھے بچے لوگوں کا بیڑا بنی کرتی ہے
 تم کہتے ہو وہوں کے نرم گھٹے ساتھ لے جاؤ
 مجھے معلوم ہے
 وہ صبح کی مٹھور خبریں کی پروا تک نہیں کرتا
 میں یہ بھی جانتا ہوں
 اس کے دل کے سرد تاروں میں اس رونے دینے کا
 ایک آنسو بھی نہ لے گا
 مگر کیا فرق پڑتا ہے
 مجھے تو اس پر اکالیں لگتی ہے
 جو اس کے گم ہو سے لنگرتی ہے
 مجھے میں جانتی کروں سے تھوڑی بات کرنے دو
 جو اس کے گھر سے آتی ہیں
 یہ اپنی ہوشیاری کی نگاہیں ساتھ لے جاؤ
 مجھے اس گم کے یہ ہاتھ بندھ کے گم ہو لے جاؤ

دو خوش سے محفل کے لیے پردوں کی بویاں سیکھتی پڑتی ہیں
 تم میری زندگی کا ایک چھوٹا سا راز ہو
 اک دن میں تہا را ہاتھ ہوا کے ہاتھ میں دے دوں گا
 اور آسمان کا آسمان ہی بڑاؤں گا
 کہ وہ ہیں سے اٹھ کر کہیں اور چلا جائے
 دن کی یہ عالی بیٹھ میری ٹھیل پر بیٹھی رہے گی
 لہذا باقی وقت میں رات کے کھٹے پہ گزار چاہتا ہوں
 ہیں تم کوئی سارہ جی کر میرے ساتھ رہ سکتے ہو

تم ایک دن میرے ہاتھوں میں گھل رہی جاؤ گے
 میں نے چاہی تھی سب سے خاصہ میں تھوڑی سی

شہادِ کلیم

انور زاہدی

(۱)

پہول چب
مٹتے کھلتے ہیں تو خوشیوں کی
ہاں خواہ میرے لیے
روح خواہ میرے لیے
روغن درنگ بھی ان کے
میری آنکھوں کے لیے ہی نہیں جلوہ افروز
میری آنکھوں کو بھی سرلیہ انوار صفا کرتے ہیں
لمس میں لطیف ہیں
لمس کا لطیف مگر
پہول کا جسم ملا دیتا ہے
اک لمحے ہی نہیں
احساس تجھے بھی تو ہے
شارخ سے پہول مگر
تو دلیتا ہے
کبھی تو
تو کبھی میں

(۲)

للم، کاف، دوات
آئینہ، گنگھی، کتابیں
درود و یاد بر آؤ بڑاں تصویریں
کنستریں رکھے یہ دل مہاول
یہ بانڈی اور برتن
یہ سب چیزیں
مرے کمرے کی تم لے لو
شہر پر عمارتوں میں
یہ سب چیزیں
کسی کو تم بھی دے دیتا
سفر پر جانے سے پہلے

میں آؤں گا

ہوا کے نرم رو جو نکے
اسے جا کر بتا دیتا
میں آؤں گا
ذرا موسم بدل جائے
ہواؤں پر ابھی عمارتوں طرف ہے برف کا بہرہ
ابھی میں مجھ دو رہا
ابھی پھلیوں کے نیلے پانیوں
کی کھلی سطحوں میں نہیں پھل
فلک سے ارض پر پھیلے ہوئے موسم کا شرافہ
رگ دپے میں دھواں بن کر سما رہا ہے
غزائے کی سلطنت میں
خوشیوں کے بے کراں مدفن نمایاں ہیں
درختوں سے پر دے
پلو بن کر اڑ گئے کب کے
شگونے کو پھلیں
سورج کی کریمیں، بادلوں کے دل

میں آؤں گا
اک گھر کے سینکڑے صحن میں درشتقرآنکھیں
درجے میں بے گداز میں نرگس کے گچے
خواب میں بس خواب
ہوا کے نرم رو جو نکے
اسے جا کر بتا دیتا
میں آؤں گا
مگر کس کو خبر ہے
آج کا یہ بے لیں موسم
کبھی بدلے پانہ بدلے
ہوا کا نرم رو جو نکا پھرتا ہے بھی یاد آئے

غزلیں

صابر زاهد

جہاں ہم ہیں وہاں کوئی نہیں ہے
 نصیب و شمتاں کوئی نہیں ہے
 سماعت کی نظر ہے اور ہم ہیں
 مذاقے دیگران کوئی نہیں ہے
 پس دیوار سایہ و صوبہ چنگی
 تلے آؤ میاں کوئی نہیں ہے
 مرے باطن میں ساتوں درکھے ہیں
 دیم پر آسمان کوئی نہیں ہے
 صدا کا چیر ہے دوش ہوا پر
 غراہوں کا لٹاں کوئی نہیں ہے

شرف ہوا کو کہاں میری ہرکائی کا
 کہ ہمسفروں کسی ریش الہابی کا
 ہوسے ہو گئے املا کے دینے روشن
 جب سرور رہا نس ماہکائی کا
 ذرا سی بات پہ یوں روٹھنا بچھونا کیا
 قریب آکر کھانا ہے ہاریائی کا
 امار رنگ سارے تھے غار مرگاں پر
 ہماری آنکھ میں نشہ تھا گلابی کا
 ہمارے ہر ساروں کو خاک روئے گی
 ہمیں دماغ تھا کیا آسمان آبی کا

صابر زاهد

ہات اجنب کے سے رنگ
 شط شط گلاب کے سے رنگ
 آردو ہے کہ باہی ہے آب
 ہر گویا اضطراب کے سے رنگ
 بس گمنی ہے نفس نفس خوشیہ
 جان میں اجذاب کے سے رنگ
 گل ، شفق ، چاندنی ، دھک میں کہاں
 میرے تار غراب کے سے رنگ
 سوز دل ہے ، نہ دُغم جاں نہ ہوس
 دل میں ہیں سب سراب کے سے رنگ

جھک گیا سر آسمان کا العجب
 چاند نے دریا کو جوا العجب
 بولنے لگا ہے گوگ لفظ لفظ
 گنگو سنا ہے بہرا العجب
 جسم سے آنکھوں نے فریادیں سنیں
 واقعہ کانوں نے دیکھا العجب
 گپ اندھیرے میں بدن روشن ہوا
 دھوپ سے بگڑا تھا سایہ العجب
 میں بدن باہر کھڑا تھا اور وہ
 میں نے پوچھا کون بولا العجب

دو غزلیں

سونو

اے جس ارمنی کا دل کی جگہ ہے سادہ

ہیں خود کو پہچا بھی نہیں ہے
مگر یوں ہی سلاجا بھی نہیں ہے

نیا لہا فساد بھی نہیں ہے
مگر اتنا پرانا بھی نہیں ہے

غلاؤں میں ہمیں کھونا نہیں ہے
زمیں کا بھی مگر ہونا نہیں ہے

نہیں یادوں میں اس کی دل بھلا
مگر بکسر بھلانا بھی نہیں ہے

عجب احوال ہے ہر روز لہا
ہمت ہے غم مگر رونا نہیں ہے

بھگتا تو نہیں ہے ہم کو لیکن
بنانا آشیانہ بھی نہیں ہے

بڑی دنیا ہے ہم بھی جلتے ہیں
مگر لہا تو کس کو کتنا نہیں ہے

نہیں کچھ لینا دینا زندگی سے
مگر اس کو گھونسا بھی نہیں ہے

ہمیں سے ہاتھ ہے مہل زمانہ
ہمیں تو بیچ بھی ہونا نہیں ہے

کریں کیا جان تو بیمار ہے پر
ہمارے ہاتھ کچھ ٹوٹا نہیں ہے

ہمارے لٹنے میں ہاں نہیں گر
تو ہونٹوں پر بھی لپٹے نا نہیں ہے

شاہد میر

جو آنکھ آنکھ رواں تھے دلوں میں سرد ہو
پراخ اٹک نئی منزلوں میں سرد ہو
سلاخوں سے تھا دعویٰ جنہیں اخوت
کوئی ہٹاؤ وہ کن ساحلوں میں سرد ہو
دکھائی دیتی تھی جن میں رفق اہالوں
وہ مڑ کرے ہی میان غفلوں میں سرد ہو
بنایا کرتے تھے خوش حالیوں کے منصو
نصیب ان کے مگر غلطوں میں سرد ہو

لفا میں گھٹا ہوا دہر دیکھنے کے لئے
چلے ہیں گاؤں سے ہم شہر دیکھنے کے لئے
چھپی ہوئی ہے حمارت وہ برف زگاروں میں
بگر ضروری ہے دوپہر دیکھنے کے لئے
ہے میرے دل میں ساروں کا شہر اک آباد
ہیں ایک پل کے لئے شہر دیکھنے کے لئے
تس رہے ہیں کنارے ہماری آنکھوں میں
ندی میں اٹھتی ہوئی ہر دیکھنے کے لئے
وہ میرے لئے ہیں آنکھوں میں دھنیں بھر کر
گئے تھے جو نگہ ہر دیکھنے کے لئے

چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ
 چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ
 چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ
 چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ
 چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ
 چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ

چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ
 چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ
 چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ
 چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ
 چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ
 چرخہ چرخہ چرخہ چرخہ

اس آگ سانس یا کھل کے قاتل تھا
 کہ دھوکے نہ ہوئی کالج کا درخت تھا
 بہت قہر میں تھا ہوا ہال جان ہے میاں
 ہمارے ساتھ ہر اک امتحان سخت تھا
 جہاں پہ بھوک کو طبعی سے کام لیتا تھا
 اسی مقام پہ لہجہ مرا کرخت تھا
 نہ ہیں کسی کے لیے حوا و صل بن پام
 نہ بھرتوں میں مرا کوئی ساز و درخت تھا
 طلب ہواؤں کے سینے پہ سانپ ٹوٹ گیا
 پھر ایک تھا سا پودا گھٹا درخت تھا

خواب

راحت حسن

ابو میر کا دم بہت دیر
 کہیں کہ ہاتھ لگ جائے چارہ
 زمین کے جسم میں گری جیت ہے
 چل نہیں سہو کے کنارے
 جو مطلب ملک ہے خاموشی کا
 تو پر گئی خدا کے اللہ
 ہونے کھلے سے بھی بدنام راحت
 صبا کے ساتھ کیا دو دن گزارے

محبت و میر کا دم بہت دیر
 دل کو ہر بات آج کہتے دے
 میں سہو نہیں تری ماہ
 مجھ کو میری طرح سے کہتے دے
 حال کہا جیسے مبارک ہو
 میری تکلیف کھو جئے دے
 جنت کی کتاب میں خوش ہے
 اسکو راحت دعا کے کہتے دے

حال رشتہ لب نہیں معلوم
 ہم کو اچھا ہے سب نہیں معلوم
 کھلے بل تک تمام ہے باران
 اپنے بارے میں اب نہیں معلوم
 دل دھڑکتا ہے اس لیے شاید
 اسکو مرضی رب نہیں معلوم
 سب سے آگے بڑھا ہوا ہے وہ
 جس کو اس کا سب نہیں معلوم
 آج تھی ہے جس گویا راحت
 کل بھی آئے گی شب نہیں معلوم

کہو ہے خلق خدا

سہ ہیں

سو صفائی کا نظم ایک کے کو پہچان سحر محفل ہے۔ کامل اختر خوش
 اور دور اور صبر کے خیریں یہ تائیں۔ اور ہم ایک کے پہلی خزل بے سہ پہل ہے
 شہلا اختر کی خزل کا ہر شہل کو ہر تہ ہے۔ اسے ہر مقام ملنا تھا۔
 اب ایک صوفی نے آپ کے لئے، اگر آپ کی کوئی فہم بخ پوری تیار کریں
 وہ قہر کے ہر۔۔۔؟

گیا
 م۔ ح۔ ام
 ● آپ کی تعداد خزانہ اور غلوں غالی کے لئے غلوں ہیں۔ شب غوغا
 سے آپ کی محبت کا حاصل حیدر اب بے محبت ہے۔ یا رنج پوری کہاں اور
 میں کہیں؟ اس میں سے چاہے کام لے لے۔

اور آباد
 قسطنطنیہ خلق
 ● ایک سحر مشورہ یہ ہے کہ شب خون کے ایک طے ہر طرف ایک خزل
 نہ چھوڑیں کیوں کہ اس میں خواہوا کا خضر ہر تہ ہے۔ خور کھے کو گم کریں۔
 مضامین تیار ہوں، ناگوار قائم ہے۔

لونک
 رفعت اختر
 ● صاف کچھ شب خون کے میاں پہلی جیسی بات نہیں رہی
 تھا۔ پھر رسد مسلسل بھی نہیں آتا تھا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ رسد اب پڑی تھی
 خوں کے ساتھ ہی اب کتاب سے نکل رہا ہے۔ آپ کی خوشیوں کو خدا
 کامیاب کرے۔

کوٹہ
 ظفر خوری
 ● کاٹھیری صاحب نے دیکھ کر، اگر اسلام سے صوفی کو خدا سے
 کر دیا جائے تو اسلام خیر یا برکتوا مانہ ہر تہ سے بھی بڑی صورت اختیار کرے گا۔
 اسلام کو دنیا ہی ملو کہ بنائی۔ میں کاٹھیری صاحب کو اسلام کے حریف تھا
 کا خود ہر تہ ہیں۔ اچھے تمام پہلے ہیں، مگر یہ بات کسی کے لئے اس با

● غلطی ہے کہ جس طرح خدائی نے ایک بڑا کام چھریں اور
 چھریں کے چھریں اس کی ایک ایک ہے کہ میری کام میں شہر و گز بہت
 نام ہے۔ آج سے پہلے یہ تو خجی، مگر یہی اور اتنی جی۔ غالب نگاہوں کا
 گز زیادہ تھے۔ پھر انہوں نے غالب پر جوگی، انہوں نے ہر کی طرف دیکھا جو انہیں
 دو دو کے شہلائی تھے، وہ غالب سے کہتے تھے۔ جس طرح خدائی اپنے شخص
 پر ہم دونوں نے خود کو انہیں کا حق ادا کیا۔

نئی دہلی
 گوپی چند نارنگ
 ● شب خون برابر مل رہا ہے۔ اور اب تو جلدی جلدی ملنے لگا ہے۔
 مہا کبلا۔ اس بل آپ کا مہلین، میریت آج کے خال میں بہت پند کیا۔ دار
 ملوی کی شب خوب خوب کر رہے تھے۔

بھابھا
 عمر ملوی
 ● میں شب خون کا گدیہ اور آپ کا عاشق تیار ہوں، آپ کو ہر بات خوش
 سے شہر ہیں اور اسی دوق خوشی سے آپ کو ملی اے آرزو ادا ہم لے میں شہر تیار ہیں
 شب خون ہی نے مجھے آپ کی طرف ڈھکی اور جگر طلی کا قائل کیا۔ اس کا شاید ہی
 کوئی شہرہ مجھ سے چھوڑا ہو۔ شہلا اختر ۷۷۱ زیر نظر ہے۔

● حیدریت آج کے تناظر میں باتیں ابھی اوروں ہیں۔ صرف یہ چلے گئے اور
 دوسرے قسطنطنیہ کا عاشق ہے: حیدر اب کو قاری کی خوشی سے زیادہ اپنے تخلیق شہر کی کھائی
 منکر ہے۔ یہاں میں آپ ہی کے نظریوں میں کہیں گا کہ اس پر ازہر نور کرنے کا خود
 ہے۔

خیریں شہلائیوں، بطور خاص صفائی یعنی خزل۔ یہاں خدائی کی خیریں
 ان کے ہی اس شہر کا آئینہ دیا ہیں
 حال کیا پوچھ رہے ہیں سہرا
 آگ بجھ جائے تو کھل گیا ہے
 ابھی خجی خزل کے مطلع کا شعر مٹانی غور طلب ہے۔ صوفیہ ہر تہ خزل کہہ

مردود نہیں بلکہ اس کی کشت و خون کی کھربوں کی طرح اس کو لگا کر پھینکا گیا ہے۔
 سیدھے تارے۔

یونہی لڑکی شاد نگہ، نظم کا جو ذکر کیا، افسوس کہ اس کا ذکر موجود ہی نہیں ہے۔
 مجھے سے تازگی پہلی غائب ہے۔ علم پر توجہ ہے کہ ترن ترن گنگا پرورد کو کھینچ کر نکال
 نام ہے۔ نقلی ادب ہے، اتنا گنگا گنگا ترن ترن کے انھوں نے نظم کو جو سن
 نالیا ہے۔ جس طرح حکمرانی کے نام نے اپنی کتاب میں اس نظم کے آخری کچھ کا ذکر
 کیا تھا۔ فاروقی سے لگاؤ ہے کہ وہ مگر کے ترجمے کو سامنے رکھ کر افسانہ سمجھتا
 ہے ترجمے کو نہیں انھیں خود ہی مسلم قبول ہے مگر ترجمے کا حق کس نے ادا کیا ہے؟
 بعد صاحب کے ہر کس غیر احمد نے مغربی نظموں کے اور خود سمجھنے سے ہندی
 دہن کے ترجمے خوب کئے ہیں۔

عزیز احمد اس کی یاد دلا رہے ہیں جو ان میں جدیدیت اپنی تمام چیز مانا ہوں گے
 چھوڑ کر بھی جا سکتی ہے۔

شیخ رانا اچھا لکھتے ہیں، لیکن وہ انشا اور تراش کے بیچ والی منزل میں ٹھک
 رو گئے ہیں۔ انھیں چاہیے کہ اس منزل کو وہ مراد دار لے کر لہجہ شوق پوری کی
 ناکری کا آواز نہ کر لیں بلکہ پست شاعر کی ہے ہوا۔ افسوس ہے کہ انھی نے ہی کلام
 کا سفر آج بھی جاری ہے۔

کچھ ہے شوق خلا میں کشمیر سے کیا کداری تک کے تمام چاہلوں اور
 بڑا دلچسپ جمع ہونے لگے ہیں۔

پورہ ابن اسماعیل

● کاوش ہندی صاحب فرماتے ہیں: اگر اسلام سے تصوف کو خارج کر
 یا جائے تو اسلام خیل پر ہی اور مادہ پرستی سے بھی برصورت اختیار کرے گا۔ یہ حق
 چیز کے لئے ذہنی اذیت کا سبب بنا۔ میں نے قاضی احمد کی کتاب کاوش قرآن و
 حدیث کے علم سے کچھ سہرا ہر وہ میں یا اسلام کا نہایت علمی علم رکھتے ہیں۔ تمام روحی
 رنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور تصوف ہر دو کے سبب میں موقوف حیدر ظاہری کا لگا
 ملایا کرتے ہیں بلکہ ظاہر و باطن ہر دو کے کہ ان کتاب کے طے اور سامنے موجود ہے
 ان صورت کا دیکھیں کہ وہ اسلام اور تصوف میں کیا نہیں کر پاتے۔ واضح ہو کہ اسلام
 صوفی کے بغیر بھی اسلام ہے اور اپنی جگہ مکمل۔ کس قدر حق فرمایا ہے محمد صوفی مطلق نے

میں نے اس کے لئے شوق سے اس کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔
 یہی حال ہے کہ اسلام پرستی کو اس کا اسلام میں کچھ نہیں ہے۔

کھنڈو عربی اتالیق

● احمد رضا کا خاندان، یوم پور کا چھٹا، عزیز احمد اس کے پاس
 یادوں اور خوشیوں کا گروم اس قدر ہے کہ بے چارہ ہونے والا گنگا جانا ہے
 روانی بتاتی ہے کہ عزیز احمد اس کے کھنڈا چاہتی تھیں اور گنگا کے کھنڈے میں خوشی
 فاروقی کا مضمون جدیدیت آج کے تناظر میں، ان خوش فہم لوگوں کے ٹیپت
 اچھا ہے۔ خود میں میں پر ایک گروم کے حکم کو دیکھنے کے کوئی کہتے ہیں کہ جدیدیت
 ترقی پرستی کی تو جیسے ہے۔ شری شریات شب خون کی روایت کے مطابق ہیں۔
 شب خون جیسے ریلے میں کوایت کی قطعیات بالکل ایسی لگتی ہیں جیسے کوئی اور
 باقی چاہوں گی کیونکہ کھانا ہوا اور نہ کہ انھوں نے سمجھا ہے۔

ماری گاہیں احمد رضا

● شب خون شمارہ نمبر ۷۷ ادا کیا، خوشی ہوئی اور حیرت مگی
 حیرت اس لئے کہ شب خون کا کوئی شمارہ اتنی جلدی آجائے۔ یہ میرا پہلی
 بار دیکھا۔ لیکن اس شمارہ سے شب خون کی قیمت میں اضافے کا اعلان
 تکلیف دہ ہے۔ فی نسل کی شہادت سے بڑی خوشی ہوئی۔ جمال ادیبی کے شعر
 دل کو چھوٹے ہیں۔ معصوم ریزہ واری اور شوق راز کے افکار میں بھی تانہ کاری ہے
 شادمانہ ترقی غزل سلطان اختر کی غزل کی بارگاہ تک ہے۔ جناب میں اس میں شادمانہ
 کے مضمون کا اثر میں نے بھی قبول کیا ہے۔

مستی پور خٹا احمد خٹار

● جناب شمس الرحمن فاروقی کا جدیدیت والا مضمون بے حد اچھا
 اور حق اور حوصلہ افزا ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد میرے لئے دل کو زیادہ
 تازگی زیادہ خوشی اور زیادہ محنت کی کی واقعیت کا ادراک ہوتا ہے۔
 ان کا جو بھی ایک نے یہاں کی کیا کر لیا ہے۔ نظموں کے بارے میں میری
 رائے اس لئے زیادہ بہتر نہیں ہے کہ یہ لوگ کسی کے کاوش کو لئے کھوٹے
 کوایت کو مان کر گروہ کے میل کی طرح طواف کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں
 کہ وہ کی کوئی لکھ رہے ہیں! ظفر اقبال کی معصومیت نا قابل تسخیر

● شب خون شمارہ نمبر ۱ کے صفحہ اول پر تشکیل کے نامور فرانسیسی دانشوروں کی زینت اور خوبصورتی کی بات بڑھ کر وہ علما و دانشور نے جنہوں نے قریب ایک سو اٹھارہ کو شدت سے رد کیا۔ جب کہ سرسید نے بھی اس سے کام لیتے ہوئے وقت کے بدلتے رجحان کو سمجھا اور قوم کے لئے ترقی کی ایک راہ نکالی۔

عجب عارفی نے سنی سنی اور شیعہ بھی کا ترجمہ پہل اور دواں پہرائے میں بیان کیا ہے۔ شعریات کی تشکیل اور نظم کے باب میں مضمون نگار نے جو اصطلاحات پیش کئے ہیں وہ بالکل اور خوب ہیں۔

ابوالکلام کا سنی جدید اور جبر تر فعل کے درمیان حوالہ حاصل قائم کیا ہے۔ ان کے قبول فعل کے جدید تر منظر نامے کو مذہبی حیثیت، صوفیانہ جنگ اور احمی کے حوالے سے کھوئے ہوئے رشتوں کی بازیافت پر مبنی قرار دیا جانا عین درست ہے۔ یہ بات دل کو گونگی ہو گئی ہے۔ غصہ اور احمق شوق کی خبریں جو اس شمارے میں شامل ہیں، اس کا ثبوت ہیں۔

وزیر آغا کی سرکاری غزل طرہ . . . ہم بھی پوری طرح جنگ تو ہمارے بھی تھے۔ بہت پیاری لگی۔ باقی غزلیں بھی اچھی ہیں لیکن لگاتار کچھ سا دہراؤ ایک کامیاب شاعر کی ہیں۔

تغیر کی شرح اس شمارے کا سب سے بڑا اور گراں بار مضمون ہے عام قاری کے لئے بڑھ چکی آسان مرعائیں۔ شاید اسی بنا پر شب خون کو خواہی کا سہارا بھی کہا گیا ہے۔ مضمون کو پورے طور پر پڑھ لینے کے بعد تعریف مصنف کی دست نظر اور گیر کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ بہت سی غزلیں کا عالم بھی ہوتا ہے۔ کئی ایک شعر میں طرح طرح کے نئے اور سنی نکال کر کئی نئی انداز میں اس کا شعر بنا کر پھر ایک ایک خط کا مشاعرہ عالم کے مضمونے کی روشنی میں تو کرنا فاروقی صاحب کی کام ہے اور ادب کے قارئین کی اور خوشنظرانہ کی طرح اس کی اس مقام اور مرتبہ کو نہیں سمجھتی ہے جہاں فاروقی صاحب ہیں لیکن ان کے مضمون میں علامہ اقبال کے حوالے سے غزلیں کے متعلق فاروقی صاحب نے

جو پیش کی ہیں وہ ایک طرف افسردہ اور غم انگیز ہیں۔ علامہ نے اپنی غزلوں میں طبعی طور پر ایک مثالی خاتون IPRAN LADY تصور کر رکھا۔ طبعی طور پر اپنے وقت کے اعتبار سے جدید فکر و فہم کا حامل۔ دلورہ اور نور احمد انہیں اور پھر حصول تعلیم کی غرض سے یورپ بھی جا چکی تھیں۔ علامہ ان میں وہ بہت سادہ علمی مہارت میں علامہ کی ہم غزلیں بھی تھیں۔ پھر علامہ اس قدر ترقی پزیر کیوں کر ہو سکتے تھے کہ وہ عام غزلوں کی آسٹین کی آواز کی اور تمام غزلیں ان کی شرکت کے خلاف ہیں اور انہیں نظام امت میں پوری طرح متحید اور محکوم دیکھنا پسند کریں۔ کہا جاتا ہے کہ علامہ نے کبھی آزادی کے نظریات کا پیروی کی تھی کہ نہ مگر خود ان کی آزادی تعلیم نسل کے مخالف نہیں تھے اور معاشرے میں غزلوں کے فروغ کو کچھ مہذب حد بندیوں کے ساتھ دیکھنا پسند کرتے تھے۔ ہر حال فاروقی صاحب ٹھوس بنا دہری اپنی بات پیش کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آئندہ وہ ان موضوع پر کچھ اور تحریر فرمائیں۔

مونگیر قیصر اقبال ● فاروقی صاحب سے تغیر کی شرح میں ایک غزل بھی ہو کر گیا ہے۔ دیکھو وہ شذیت ان غزل کے نئے دھڑلے ۶۵ مضمون از سطرانہ معر و حجاز ۵۵ الامراۃ انحصار مسلکون عن النعمیر الحق ما حق کا ترجمہ انہوں نے یوں کیا ہے: حاکم انحصار مسلکون عن النعمیر ہے ہی لازم ہے۔ اس خط کا صحیح ترجمہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اور مزید یہ کہ ان سے پوچھا جائے گا کہ تغیر کی شرح کیا ہے۔ یوں نیم جوڑی ہوئی ہے یا کھانڈا ہوا اور مولانا منت اندر رحمانی مرحوم کے دھڑلے کا جواب دینے پر مگر مغربی کی طرف سے کہہ دے کہ برخلاف سابق سے نیم ہوتا اور نیم سخت ہر دو مرحوم کا تائید ہو جاتی ہے۔ بلکہ شاید نیم اشعار کے مضمون کی تائید دیا یہ ہوتی ہے۔ والدہ علم۔ تو یہ کہ غزل کی طرف یہ کہاؤں کی دوسری دلیل (سابق) کو سمجھنے میں کوئی توفیق نہیں دیتی بلکہ ان کی انگلیوں میں نعیم الاخرت کی تو کراڑی غزل ہوتی ہے اسے مزید کر کے اقتدار کے جھلنے بٹ دھری کا ترجمہ کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ جس سے

اسلام کی اس ساری روح پر عمل کرنے سے ہمیں ایک نیا اور کھلی ہوئی
 اس تفسیر پر ایمان ہے کہ اختلاف سے غلطی سے صاحب کا جو مطلب تھا
 بلکہ ہر صورت تمام جتنا ہے۔ قرآن کا ہم کے لئے ہر طرف کی تفسیر
 یا فیصلہ نہیں نام ہوتا ہے۔ اور قرآن نے تدبیر کی حد سے عام دے کر
 نہ اس کی گویا خود ہی تصویب و تفسیر کر دی ہے۔

قد وقی صاحب کی تصویریں ہماری نفاذ اور فکر اور کے لئے و
 REFRESHER COURSE کے صاحب کا حکم
 بلکہ کسی اتروہ کے لئے نہیں تسلیم کرنے کا وہ واجب میں بھی تفسیر کا کام ہوا
 یا اس تمام سے کہہ ہی۔ ہمارے ترقی پسند فکروں نے ہر مطالبہ یا خصوص
 کے کام کی ماری تفسیر کے
 MY INTERPRETATION
 تفسیر کا انجام نہیں دیا ہے اور ہر جدید تفسیر اور اس صاحب اور اس
 ہر حد سے بے باطل یا جیو ہونے کے۔ میں غلطی صاحب کی تفسیر کی بلکہ
 غالب کی قوم کو سہارا دینا ہوتا ہے کہ تاہم۔ اہل مغرب نے اب شرق کا غلط
 نیلے کر لی ہے۔ اور اب ہم شاید اس ہمدیش میں داخل ہو رہے ہیں کہ اس
 مغرب کا جواب دے سکیں۔

تذکرہ احمد صبر علیہ
 ● ترمیم میں اصلاح فکر کے ساتھ قبول کی گئی۔ ہا سوال و کتبہ
 کے بارے میں "ہش و حری" کی بیگانی پر مبنی ہے کہ انہیں سے صرف ترقی
 قول نقل کیا ہے، اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں دی ہے یہاں ترمیم کی
 سے نہ صرف کہ نفس معروض پر کوئی اضافہ نہیں ہوا بلکہ کہ آپ نے خود قبول کیا
 لیتے ہیں کہ وہ تو وہ صاحب کے بارے میں کوئی غلط اطلاع نہیں فراہم ہوئی۔ یہ آپ نے
 اگر غلطی صاحب آخر کیوں نہیں کہنے کا اردو اور میں بھی تفسیر کا
 ہے؟ میں نے تو کہا تھا کہ میں نے کام نہیں کیا ہے۔ میں
 نہ کہہا ہے کہ اردو و تفسیر میں خط تفسیر کے سننے میں آتا ہے۔ اس کا یہ بھی
 سے نکال کر اس اردو میں تفسیر کے وجود سے منکر ہوں۔

شخص اگر حق تعالیٰ
 ● دربرو خاندان ان حق تعالیٰ شہم حق پر ہم کا نظر غلط ہے کہ میں نے غلطی

میں نے غلطی نہیں کی ہے۔ آپ کا کہنا کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے اس کا جواب
 میں نے غلطی نہیں کی ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے
 کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے
 میں نے غلطی نہیں کی ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے
 میں نے غلطی نہیں کی ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے

محبوب نگر
 ● زور دینے کی مصوری جدید تفسیر کے ہر حکم کو سخت سے
 دینے کی ہے۔ مثلاً اہل کے آٹھ کی نسبت سے کوئی شہر کوئی قول دے یا
 جانے، جو غلطی نہیں کہ اردو کا ہی ہوتا خوب ہوگا۔ مگر مصوری نے اپنی اور
 پرانی محنت کے لئے کسی حق کی خواہش نہیں، پھر بھی غلطی کی ذہنی تربیت
 کے لئے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی قول حب جال قول یا مشرف دین۔
 وضعیات میں اور وضعیات، اس میں ہر صورت و دفعہ پر جو تفسیر
 آپ تلاش کرتے رہے ہیں ان سے زبان اور حق کے حقیقی افکار کے ماہرین کی
 ایک حد تک ہی تفسیر ہو سکتی ہے۔ اس موضوع پر اب تک جو گفتگو ہو رہی
 یہاں ہوئی رہی ہے، وہ بہت زیادہ زیادہ رکھی ہے اور مزید۔ خواہ تو وہ
 قرآنیسی و شعور میں کا مشمول ہو گیا ہے۔

محب صادق شاعر ہیں لیکن وہ اپنے مدعا کو کبھی بولی زبان میں ہوتا
 نہیں کہہ سکتے۔ ان کے قول کو سمجھنے کے لئے کسی شاعر کی ضرورت ہوگی جو حکم
 نامی کی نظر بھی سمجھ رہے اور زبان بھی۔ لیکن انہیں کچھ اور وسعت اطلاع
 پہنچے۔ صدیقی کی سلطان اختر، لطف الرحمن، علیم اختر جی اور وہ کاذب کہہ سکتے
 کہ اس میں اس کا اعتبار نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جہاں میں ان کی سمجھ ہو گئی۔ ان کو
 خوب تر سمجھنے کے لئے خود کاوش فرمنا چاہئے۔ لیکن شراکت کو جاننا مشکل ہے
 جانتے تو زیادہ حکایت یہی ہوتی ہے۔

آپ نے دو اہل خانہ کے لئے لکھے ہیں۔ "لا بد" خوب ہے۔ لیکن ان کا
 معنی ہے۔ یہ اہل خانہ اس سے کہہ سکتے ہیں۔ ان کی مصدقہ آتی
 دینے سے کوئی فوائد و اثر ہو جائے گا۔ کافی بیان کے لئے شاید استعمال سے بھی
 ان کی نظر کا چھانچا ہو گا۔

کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے

بنا ہے یہاں پر خلیل کا مضمون سید کا خیال ہے۔ اس میں شریعت
 شیب خوں کا مقام سب سے بلند ہے کہ اس میں مثال ہونے والی تخلیقات حقیقی
 لائق مقام خود توحید میں ایک کاوش دہری کی کہ جس خوں کی اس صحت میرے اس
 خیال کو ختم کرنی کہ ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ جس خوں پر مشیت خوں کے
 قیمتی صفات کیوں منانے کے لئے ہے؟ ان خوں سے قطع نظر طوائف کو مل اور حلال
 مجاز پر نہ آئیں۔ خوں میں ساقی غار دینی اور زور غلا اقبال متین حیدر کی بھی
 رشتی راز، رومی غلامی، غلام اقبال یا سر جو اور آخر قوی اور پر تال سنگھ کی کتاب کی بھی
 پر ہے کہ حضرت میں اضافہ کر دیں۔

میر نے خوں پر خلیل کا مضمون ملائی افسانہ، علامتی شاعری، اجتماع ہے
 "یک کی کھانہ وضاحت پابند ہے۔" شعر شورا انگیز کے بارے میں کچھ کھانا سوچ کو
 جلاخ دکھانا ہے۔ سر ہند پر کاش کے آصف خرمی کا گفتگو خوب ہے۔ اس سے
 سر ہند پر کاش کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ شکست حیات کا افسانہ سراغ۔ اچھا آثار
 مجوز کتاب ہے۔

اردو سرائے میں جو اشتہار شائع ہوتا ہے وہ ظاہر ہے کہ اردو دہریہ نے دلی
 ہی کے لئے ہوتا ہے۔ شب خوں کو ختم ہر مندی زبان میں سرکاری اشتہار اردو کے
 شیعہ خوں کے لئے لکھتے وہ ہے، جب کہ اگر پرورش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان
 بھی ہونے کا شرف حاصل ہے اس اشتہار کو اردو سماج خوں شائع نہ کرے میں
 کوئی کی صحت پر شدید ہے؟

اجی
 شب خوں کے اہل سے آج تک تاریخ اور تخلیق کاروں کی ذہنی نام
 سر کا ثبوت چاہیہ۔ یہاں پر مگر کبھی شب خوں سے مختلف بھی ہا کیوں کریں آزاد
 انگریز افغان ہوں میں تو شب خوں کام ف فارسی تھا، اس کا دل نہیں۔ مگر بدلتے
 ہونے حالات میں شب خوں کو اگر اپنا ہم خیال بھی پاتا تھا۔

اس وقت جب کہ شب خوں ۱۲۷۱ میں نظر ہے اس بات کا احساس
 ہوتا ہے کہ شب خوں نے ایک مسلم کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس میں مثال ہونے
 والی تخلیقات قدرے کم کی ذہنی سطح کو بلند کرنے میں معاون ہیں۔ مگر اہل زبان کی
 نوعیت کے بارے میں جو اقوال شائع کئے گئے ہیں وہ ایک طرف صاحب مصلوں کے

لے اہم سہ ماہی میں دوسری طرف مضمون کوئی اور فکر ملاحظہ کریں
 ادب میں علامت نگاری کے بارے میں قرین کا مضمون خوب ہے۔
 جس بات سے متاثر ہیں کہ ملائی آرٹ خیال کے انبار میں کام رہا جا
 ہے۔ میر اپنا نظریہ ہے کہ آرٹ انبار میں کام بھی نہیں ہوتا۔ ایسے نرسنگ کا
 نہیں ملاحظہ کرنا ہے۔

شعر شورا انگیز سے مجھے بے حد دوستی ہے۔ وہ ان طلب علمی جب
 مستحقیات میں ترقی کے کام کر رہا تھا اور احتتام صاحب نے میری سہ ماہی میں
 دو باب اپنے مضمون کے تحت کی تشکیل کے لئے مجھے میر کی دیگر اصناف بھی لکھ کر
 بار پڑھا ہیں۔ میر کی تمام تر فہمیں بابا پڑھنے کے بعد مجھے میر کی خوں سے نفرت
 سی ہو گئی تھا اور میں ان کے ۲۷ فہمیں کو ہی ان کی شاعری سمجھتا تھا مگر تاریخی
 کج کاہی کے شعور میر کی کہ خوں میں اتنے کے کا شعور اصل ہوا۔ شعر شورا انگیز
 کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاروقی کو میر کا وفان حاصل ہے مگر
 مروج ملائی تفصیلی گفتگو کو میر کی وفی الحال میں نظر مضمون کے حوالے سے سمجھ
 باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

شعر شورا انگیز کی تفریح خیر اس ابتدائی نقطہ آج کا افاد مجھے قبول
 نہیں کہوں کہ نقطہ میر کے خوب کے حسن کو وقتی ثابت کرتا ہے۔ جب کہ میر
 کے پورے کام میں ان کے محبوب کا حسن عارضی نہیں۔ کاش شمس الرحمن فاروقی
 صاحب میر کا ایک شعر بھی ایسے پیش کریں جس میں میر کے خوب کا حسن آج
 کے نتائج ہو رہے

فاروقی کی کتاب کے پہلے عام قاری کی میر تک رسائی تو ممکن ہی نہیں
 تھی۔ بعض جگہ تو اس محسوس ہوتا ہے کہ میر نے شعر نہیں دل ڈھالے ہیں اور

لے فی الحال ایک ہی شعر ملاحظہ ہوتا ہے پھر کبھی ہی۔ دوسری بات یہ
 کہ اصل کتاب تخلیق طوائف نہیں، بلکہ مضمون پیش نظر رکھتا ہے۔ کوئی غرضی نہیں کہ
 وہ ہر جگہ ایک ہی بات کہے۔ شعر ملاحظہ ہو، دیوان دوم میں
 لب اصل تو خطا انکم مجھے میں فرحت
 قوت کہاں ہے ہے باوقی کہی میں

شمس الرحمن فاروقی صاحب نے ان دونوں کی دھمکوں کو اپنے دل کی گونج میں محسوس کیا ہے۔ جس میں شمس الرحمن کو شعر و ادب کی خدمات کرنے کا جذبہ ہے جس کا مطالعہ تو کمال اہم شمس الرحمن صاحب جیسے صاحب دہش میں غلو فی صاحب کی طرح غلبہ شعور کی دھمکوں کو اپنے دل میں محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ وردہ آئندہ کوئی بھی قسم شعر و ادب کی خدمت کو دور رہی گھٹکھڑکے کی بھی عزت نہ کرے۔ میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ شمس الرحمن صاحب کی سرگرمی کا قائل ہوں کیونکہ یہی اصل کوئی کام نہیں۔

ہر حال میں جملوں کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے ان میں سے چند مثالیں پیش کرنا ہوں۔

دامیر کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے درد انگیز اشعار میں بھی ایک توانائی سی محسوس ہوتی ہے۔

(۴) اس شعر میں شکست خوردگی کا وقار اور عشق کی لالائی ہوئی دامنہ حال پر ضرور کاہل نقشہ ہے کہ شعر پوری کی آتی ہے۔

(۵) انسانی ضرورت حال کی بے چارگی پر غیبی انداز سے تغاثر ہے۔ کچھ باتیں لکھی گئی ہیں کہ جہاں تک عام کا مطالعہ ہو سکتا ہے سب سے بڑا شعر ۱۹۴۴ء میں دل کی دوری کی نشاندہی کا شعر ہے جس کی بحث میں میں نے انیسویں میں بانکہ بن بونو کو لیا ہے۔ ۱۹۴۴ء کی بحث میں یہ قول کہنے کے نوا کے معنی اگر بے آواز نہ جائیں تو دل چاہے قول بحال پیدا ہوئے۔ وہ جو وہ مثالیں بے شمار ہیں کہ ان تک لکھی جائیں۔

یہ طرز شعر بھی جو شمس الرحمن فاروقی صاحب نے کلام میر کے لئے استعمال کیا ہے، آئندہ کے لئے یہ طرز استعمال کیا جائے گا۔ امید ہے کہ اسی صدی میں شعر و ادب کا یہ طرز بہت مقبول ہوگا۔

سردار پرکاش کا شعر دیوانہ صحت کا معاملہ ہے کہ کبھی غریب نے سردار پرکاش کی تخلیقات کا اگر مطالعہ کیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں یہ سامی لگتا ہے کہ سردار پرکاش جیسے جہازم پر پہلوہ فردا میں اور نصف قرنی سویم پر ایستہ ہو کر ان کے سوالات کو کہہ رہے ہیں۔

شوکت حیات کے سرخ سیس خاص بات یہ ہے کہ الفاظ جذبات کی

کامیابیوں اور غم کے مطالعہ میں۔ ان دونوں کا داخلی جذبات کے اعتبار سے مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ مصنف عالم کے باطنی قائل کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ان کے طبع کوئی کی سماعت گوش دہش اور گونجیں، ہلکا جھکی گونج بھی نہیں ہیں۔ ساقی فاروقی اسے شوق ہے کہ ان کی بھی سماعت میں غم کی گونجیں ہوں۔ کہنے کے بلکہ میں ایک آدھ شعر کی کا شعر مثال کو دیتے ہیں تو وہ بڑا جوتلہ ہے جس غزل کے لئے اشعار کو توڑ ہوں۔

بھائی تلخ کی گئی رو تو میں بھی گن گن کر رہی ہوں
خدا کو دہائی کا شعر میں ہلکا دم وصال لگایا
ان کے ساتھ یہ شعر ہے

انور قدام دوموں سے ہم کو گن گناتے ہیں
خجائی توڑ لیا ہے کچھ بڑا مال لگایا ہے

دیر آٹما کی غزل پر افسوس ہوا کہ ایک شخص کی کوئی ایسی غزل شب خون میں شائع ہو سکتی ہے اقبال حسین کی چاروں غزلوں میں ایسی ہی صریح بھی یاد کاوش ہوئی کہ یہاں لالہ شہزاد کی لگات توبہ مگر باہر بافت کا انداز نہیں۔ رفیق راز کی یہ غزلیں یاد آئیں۔ سجاد اقرقر بھی کی پہلی غزل درست ان طے کے آخری دور کے کسی شاعر کی غزل معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال سب کے طبعی معیار میں بہت مست کام ہیں۔ ابتدا و انتہا نہ ہو کوئی نیا یا فرق نہیں۔ شعر شبنم کی غزلیں گوارا ہیں۔

حکیم ربوی کا پور

شمس الرحمن فاروقی فن و شخصیت

مرتبہ : احمد محفوظ

قیمت : استی روپے

ناشر : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ ترقی دہلی ۱۱۰۰۲۵

ہفت روزہ

with the Registrar of
papers No. 12476/66

Urdu Monthly

Regl. No. : AD

Shabkhoon

№ NO. 178

P.O. BOX NO. 13

Price per co

- DEC 1994

ALLAHABAD-211003

Rs. 12.00

پخت اور قارئین شبنون سے تعاون کی اپیل

شمارہ ۱۶۹ سے "شبنون" باقاعدہ فوٹو آؤٹ پرنٹ ہو رہا ہے لیکن اس کی موجودہ کتابت و طباعت سے ہم مطمئن نہیں ہیں۔ توقع ہے کہ جلد ہی

اور قارئین پر قابو پائیں گے اور ہماری کتابت و طباعت کا معیار پھر پرانی شان پر واپس آجائے گا۔

پرانے دوستوں کو یاد ہو گا کہ ہم نے "شبنون" کی قیمت ابتدائی فی شمارہ ایک روپیہ رکھی تھی مگر وقت سے لے کر آج تک تمام اشیا کی قیمتوں میں پیڑھے میں گانہ

نہیں یہ قیمتیں ہم پر بھی بڑھ چکی ہیں۔ یہ اضافہ ایک تو بڑھتے ہوئے مٹا کر دیا ہے کہ "شبنون" کی قیمت شمارہ نمبر ۱۷۰ سے فی کاپی پانچ روپے اور زر سالانہ ایک سو روپے ہو جائے گی۔

ہیں امید ہے "شبنون" دوستوں کے لئے یہ اضافہ غلط نہ ہو گا اور ہمیں ان کا تعاون و معاونت ملے گی۔

ممالک غیر میں "شبنون"

دن ہند کے پڑھنے والے حب ذیل قارئین پر شبنون کا تعاون بھیج سکتے ہیں۔ رقم کی وصولی کی اطلاع ملے گی۔ یہ سب سہولتیں جاری کر دیا جائے گا۔

MR. ADIL MANSURI

POST BOX : 922
HOBOKEN NJ-07030
USA

ایسٹ ہائے متحدہ امریکہ (نیو جارجیا)۔ جناب عادل منصور کی

MR. M.H.K. QURAISHI

12, HARVEY COURT
RICHMOND HILL ONT
L4C 5R2-CANADA

۱۷ کواٹر، ایسٹ ڈاکٹر ٹاؤن (نیو یارک)۔ جناب محمد تنظیر الدین کی

MR. SABA EKRAM

NADEEM CORNER
FLAT NO : B-3, SECTOR : 16
BLOCK - N
NORTH NAZIMABAD
KARACHI - 32

۱۳ پاکستان (پاکستان)۔ جناب صبا اکرم کی

اردو ماہنامہ شبنون پست بک نمبر ۱۳ الہ آباد ۲۱۱-۰۳

1